लाल बहादुर शास्त्री राष्ट्रीय प्रशासन अकादमी
L.B.S. National Academy of Administration

मसूरी
MUSSOORIE

पुस्तकालय
LIBRARY

—

अवाप्ति संख्या
Accession No. 19772

वर्ग संख्या
Class No. U 954.87

पुस्तक संख्या
Book No. Meh

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ

سلطنتِ خداداد

(میسور)

از

محمود خاں محمود بنگلوری

بار اوّل ——— ڈھائی سو (۲۵۰)

مطبوعہ ——— ہندوستان لیتھو پریس دہلی

قیمت ——— پندرہ (۱۵) روپے

جنوری ۱۹۷۰ء

پبلشرز

ہمالیہ بک ہاؤس دہلی ۶

نذر

آں شہیدانِ محبت را امام — آبروئے ہند و چین و روم و شام

نامش از خورشید و مہ تابندہ تر — خاکِ قبرش از من و تو زندہ تر

عشق رازے بود بر صحرا نہاد — تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد

از نگاہِ خواجۂ بدر و حنین — فقرِ سلطاں وارثِ جذبِ حسینؓ

رفت سلطاں زیں سرائے ہفت روز

نوبتِ او در دکن باقی ہنوز

علامہ اقبالؒ

اس حسنِ عقیدت و احترام سے

جو میرے دل میں ہے، اپنی اس ناچیز تصنیف کو تخیل کے ہاتھوں حضور سلطانی میں

جو شہید اکبر اور سلطان المجاہدینؒ ہے

پیش کرتا ہوں

محمود

فہرست مضامین

فہرستِ تصاویر

عرضِ ناشر

ٹیپو سلطان شہید کا نام دنیا کی تاریخ میں سنہری حرفوں سے ابھی لکھا ہوا موجود ہے اس عظیم شخصیت کو اگر حب الوطنی کی جیتی جاگتی تصویر کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا مگر ایسی تاریخی شخصیت کے تاریخی حالات کی ترتیب میں آج کل کے مورخ پورا انصاف تو کیا کرتے اصل تاریخی حالات میں بھی ترمیم و تنسیخ کر رہے ہیں۔ اس لئے ٹیپو سلطان شہید پر ایک مستند جامع تاریخی تصنیف کے سلسلے میں پھر ایک دفعہ آج سے تیس سال قبل کی تالیفات کی طرف نظر ڈالنی پڑی جن میں سلطنتِ خداداد کو سلطان شہیدؒ کے سلسلہ میں آج بھی لاجواب کہنا ہی پڑتا ہے۔ اس مجاہدِ اعظم کے کارناموں کا تاریخی منظر جو مستند طریقہ پر اس کتاب موسومہ سلطنتِ خداداد میں ملے گا دوسری جگہ نہ مل سکے گا ملتِ اسلامیہ کیلئے خصوصاً اور تاریخ طلباء کیلئے عموماً یہ ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ اسکے مصنف محمود خاں صاحب محمود کا پتہ لگانے کی ہر ممکن کوشش کے باوجود ہم لاعلم رہے۔ اس لئے صرف دو سو پچاس نسخے چھاپے کہ یہ بیش بہا خزانہ محفوظ ہو جائے۔ وقت نے اجازت دی تو آئندہ اس سے بہتر طریقہ پر اسکی اشاعت کا ارادہ ہے۔ اللہ مدد فرما۔

دیباچہ طبعِ ثانی

میرے وہم و گمان میں بھی کبھی یہ بات نہ گذری تھی کہ مجھ جیسے ہیچمدان ذرۂ ناچیز کی تصنیف اس قدر مقبولیت حاصل کر لے گی کہ اس کی شہرت حدودِ ہند سے نکل کر یورپ اور امریکہ تک پہنچ جائیگی۔ خود ستائی ہو گی اگر میں یہاں ان تبصرات کا اعادہ کروں جو اس کتاب پر ہندوستان اور ممالک غیر کے اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ایک طرف جب میں اپنی بے بضاعتی اور دوسری طرف کتاب کی اس مقبولیت کو دیکھتا ہوں تو میرا سر بے اختیار اس خدائے جل جلالہ و عم نوالہ کی بارگاہِ صمدیت میں جھک جاتا ہے جو اپنے بندوں میں جس کسی کو چاہتا ہے عزت بخشتا ہے۔

میں صمیم قلب سے ان تمام مدیران اخبارات و رسائل اور مشاہیر و مورخین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے کتاب پر اپنے گرانبہا تبصرات سے مجھے ممنون فرمایا۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن بہت ہی قلیل عرصہ میں ختم ہو گیا۔ مانگ برابر جاری تھی اور اصرار ہونے لگا کہ دوسرا ایڈیشن جلد از جلد شائع کیا جائے۔ لیکن میرا ارادہ تھا کہ اس سے پہلے سلطنتِ خداداد کے متعلق بقیہ حالات کو ایک دوسری جلد میں شائع کر دوں۔ اس جلد کا حجم تقریباً ڈھائی سو صفحات ہوتا لیکن جب پہلے ایڈیشن نے

مجھے مجبور کر دیا تو میں نے دوسری جلد کا ارادہ ترک کر کے اس کے مضامین کو اسی کتاب میں شامل کر دیا۔ اس سے سہولت یہ ہوئی کہ کتاب میں ایک تاریخی ارتباط پیدا ہو گیا۔ اس لئے کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن پہلے ایڈیشن سے بالکل مختلف ہے البتہ "سخنہائی گفتنی" اور "مقدمہ" جو شروع صفحات میں ہیں۔ وہی رہنے دیئے گئے جو پہلے ایڈیشن میں موجود تھے۔

اب قریباً چار سال کے بعد کتاب کا دوسرا ایڈیشن ملک کے آگے پیش کیا جا رہا ہے۔ یا بالفاظ دیگر سلطنت خداداد کی مکمل تاریخ ایک ہی جلد میں شائع ہو رہی ہے اس دوسرے ایڈیشن کے لئے میں نے جس قدر محنت کی ہے۔ اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے ہو سکتا ہے۔ اگر ابنائے ملک نے اس سے کوئی سبق سیکھا اور فائدہ اٹھایا تو میں سمجھونگا کہ میری محنت مشکور ہو گئی۔

ناچیز

محمود

بنگلور مورخہ ۷ رجولائی سنہ ۱۹۳۹ء

سخن ہائے گفتنی

"تاریخ سلطنت خداداد" دیکھنے سے پیشتر اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ ہندوستان کی آج کل کی مروجہ تاریخیں اور خصوصاً عہد عالمگیر اورنگ زیب سے آج تک کی تاریخ کچھ اس طرح لکھی ہوئی ہے کہ صحیح حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ اور ایک مورخ کو باوجود کوشش کے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ جن واقعات کو لکھ رہا ہے۔ ان میں کس قدر صداقت ہے۔ آج کل جتنی تاریخیں مروج ہیں وہ تمام کی تمام ایک ہی رنگ میں اور ایک خاص مقصد کو لی ہوئی ہیں۔ یعنے ہندوستان کے قدیم طرز حکمرانی پر نکتہ چینی ہو اور دیسی حکمرانوں کی برائیاں کھول کھول کر دکھائی جائیں۔ اور واقعات پر کچھ اس طرح پردہ ڈالا گیا ہے کہ اصل اور نقل کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔ مدارس میں پڑھانے کے لئے ہر سال نئے نئے مورخین کی تصانیف پیش کی جاتی ہیں۔ مگر وہ دراصل ایک دوسرے کی نقل ہوتی ہیں۔ اور مصنفین کا مقصد تحقیق نہیں بلکہ طلب منفعت ہوتا ہے۔ ان تاریخوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے قبضۂ ہندوستان کے متعلق جو نقش ایک ناظر کے دل پر بیٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان طوائف الملوکی اور لوٹ مار کا جولان گاہ بنا ہوا ہے۔ انسانیت کے نام پر یہاں کے باشندوں کو اس ظلم و ستم سے بچانے کے لئے جن میں وہ گرفتار تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس ملک پر قبضہ کر لیا۔ اگر ہندوستان کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو آج یہ ملک چند وحشیوں کی مامن گاہ بنا ہوا ہوتا۔ بلکہ آج بھی انگلستان میں یہی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان پر انگریزی قبضہ صرف ہندوستانیوں کی بھلائی کے

لئے ہے۔ اس لئے کمپنی اپنا روپیہ اور خون بہا کر ہندوستان کی نجات کا باعث ہوئی

اور دوسرا الزام دیسی حکمرانوں پر یہ دیا جاتا ہے کہ ان میں حد درجہ مذہبی تعصب تھا۔ جس کی بنا پر انہوں نے غیر مذہب والوں پر تشدد کیا اور اس سلسلے میں علاوہ اور حکمرانوں کے عالمگیر اورنگ زیب اور ٹیپو سلطان شہید خاص طور پر ہدف ملامت بنے ہوئے ہیں۔

دراصل یہ اسی قسم کی تاریخوں کا اثر ہے جو بچوں کے دلوں میں سرایت کر کے انہیں ایک دوسرے سے عناد رکھنے کے لئے بچپن ہی سے آمادہ کر دیتا ہے۔ اسلئے ضرورت ہے کہ ہندوستان کی ایک صحیح اور اصل تاریخ لکھی جائے اور واقعی اگر دیسی حکمرانوں میں برائیاں موجود ہوں تو انہیں واضح طور پر دکھایا جائے تاکہ دوسرے حکمرانوں کی آنکھیں کھلیں اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور انگریزوں کا دعویٰ کس حد تک حق بجانب ہے۔ اور انہوں نے ملک پر قبضہ کرنے کے لئے کن وسائل سے کام لیا۔ اس قسم کی ایک صحیح تاریخ لکھنے میں جو مشکل ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ کا مسئلہ ابھی تک حدود سیاست کو چھوڑ کر باہر نہیں نکلا۔ اور خوف کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی کتاب راعی اور رعایا میں منافرت پھیلانے والی نہ سمجھ لی جائے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ وہ کاغذات جن میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد کی تاریخ منضبط ہے۔ ہندوستان میں نہیں بلکہ انگلستان میں انڈیا آفس یا پارلیمنٹ میں ہیں۔ جہاں آسانی سے رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور پھر جو کاغذات کہ وہاں بھی مل سکتے ہیں ان کے متعلق بھی خود انگریزی مورخ یہی لکھتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر جیمس مل لکھتا ہے:۔

"ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کو اصلی واقعات کے چھپانے میں

یدطولیٰ حاصل ہے"

اور ایک دوسرا مورخ مسٹر کننگھم لکھتا ہے:۔

"حکومت کے تاریخی کاغذات میں اس درجہ رد و بدل کیا جا سکتا ہے
کہ وہ موجودہ عارضی سیاست پر چسپاں ہو سکے۔"
آگے چل کر یہی مورخ لکھتا ہے :-
"جعلی سندات بنائے گئے ہیں جن پر وزارت کی مہر ہوتی ہے تاکہ
لوگوں کو یقین آجائے نہیں اس سلسلہ ذریعے بہت ہوشیار رہنا چاہئے۔"

ان مشکلات کا خیال کرتے ہوئے یہ کوشش نہیں کی جاتی کہ ایک صحیح تاریخ لکھی جائے مگر کچھ نہ کئے جانے سے بہتر ہے کہ کچھ کیا جائے اور اس کے لئے جو کچھ مواد مل سکتا ہے وہ ان تاریخوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے جن کو چند انصاف پسند مورخین نے لکھا ہے اور اس کے ساتھ ہی موجودہ تواریخ میں بھی بہت کچھ مواد ہے اور ایک نکتہ رس نظر اس ڈھیر میں بھی حق کو باطل سے علیحدہ کر سکتی ہے تاریخ کے مرتب کرنے میں مقامی روایات بھی بہت کچھ مدد دیتی ہیں۔ اور ان کے انتخاب میں بھی احتیاط لازمی ہے انہیں موانع کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندوستان کی کوئی صحیح تاریخ لکھی نہیں جاتی۔ مگر ایک قوم کے لئے اس کی اپنی تاریخ کی جس قدر ضرورت ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس لئے امید ہے کہ ہندوستانی مورخ اس ضروری اور اہم کام کو اپنے ہاتھ میں لیں گے۔

سلطنت خداداد میسور کی تاریخ بھی تاریخ ہندوستان کی ایک کڑی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں مورخ ہوں اور نہ ادیب صرف ایک فرض منصبی اور تاریخ کی اہمیت کا خیال کرتے ہوئے میں نے اس کتاب کی تصنیف اپنے ذمہ لی۔ کتاب کا جہاں تک نواب حیدر علیؒ اور ٹیپو سلطانؒ سے تعلق ہے مکمل ہے۔ اس میں صرف طوالت کے خیال سے

ہر لڑائی کی تفصیل اور مختلف سپہ سالاروں اور سپاہیوں کی چھوٹی چھوٹی کارگزاریاں جو عین لڑائی میں ان سے ہوئیں۔ چھوڑ دی گئی ہیں مگر اس کے عوض یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس وقت کی سیاست ہندوستان کی تاریخ نہایت وضاحت سے دکھلائی جائے تاکہ واقعات اور نتائج آسانی سے سمجھ میں آجائیں اس لئے کہیں کہیں ان واقعات کو دہرایا بھی گیا ہے۔

اب اخیر میں صرف اتنا عرض کرنا باقی رہ گیا ہے کہ اس تاریخ میں حیدرآباد، ارکاٹ، میسور وغیرہ کے واقعات بھی جن کا تعلق سلطنت خداداد سے رہا دیئے گئے ہیں بحیثیت تاریخی واقعات ہونے کے ان سے گریز نا ممکن تھا۔ واقعات تاریخی ہیں اس لئے انہیں بھی اسی نظر سے دیکھا جائے۔ مٹنے والے مٹ چکے اور انکے عیوب و محاسن بھی انہیں کے ہمراہ چلے گئے تاریخ صرف انہیں یاد دلاتی ہے کہ آئندہ آنے والی نسلیں ان سے سبق حاصل کریں۔

محمود

مقدمہ

۱۷۰۷ء میں شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد عظیم الشان سلطنت مغلیہ پارہ پارہ ہوگئی۔ تمام ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ان حالات میں اگر کسی بہادر سپاہی کے دل میں جس کے لئے قدرت نے خود راستے کھول دیئے ہوں۔ اولوالعزمی جانبازی اور جہانگیری کے ولولے پیدا ہوں تو تعجب کی کونسی بات ہے؟ جنوبی ہندوستان کا یہ نامور ہیرو جس کے حالات زندگی ہم قلمبند کر رہے ہیں۔ ایک ایسے وقت میں پیدا ہوا جبکہ ہندوستان میں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی اور تمام ملک ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک لوٹ مار، قتل و غارتگری کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ اس افتراق انگیز صورت حالات سے ہر شخص متاثر ہوتا اور ایک معمولی سپاہی بھی جو ہتھیار باندھ کر گھر سے نکلتا اس کا منشا یہی ہوتا کہ کسی کو لوٹ کر بے شمار دولت حاصل کرے۔ اس لئے ملک میں لوٹ مار ایک معمولی بات تھی اور یہ کوئی مذموم حرکت نہ سمجھی جاتی تھی اور ایسے وقت میں ایک اولوالعزم انسان کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہ تھا کہ اپنی شمشیر خارا شگاف کی مدد سے ملک پر قبضہ کرکے رفتہ رفتہ تاج و تخت کا مالک بن جائے۔ ہمارا یہ نامور ہیرو بھی اسی زمانہ میں پیدا ہوا اور چونکہ اس کی رگوں میں سپاہیانہ خون دوڑ رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسکے دل میں اولوالعزمی اور ناموری کے جذبات بھی موجزن تھے۔ اس نے اپنی پوری قوت کو صرف کر دیا کہ دنیا میں اپنا نام ایک جانباز سپاہی اور فاتح کی حیثیت میں چھوڑ جائے۔ اس بہادر سپاہی نے نہ تو انگریزوں کی طرح سیاسی چالوں سے کام لیا اور نہ دوسرے مدبرین کی طرح حرص اور فریب سے کام لیکر اپنے بادشاہی ملک پر قبضہ کیا۔ بلکہ اس نے محض اپنی بہادری کے

استقلال اولوالعزمی اور عزم بالجزم سے اپنے آپ کو ایک سپاہی کے درجہ سے تاج و تخت کے مرتبہ بلند تک پہنچایا۔ اس کی جنگی تدابیر اور اسکی شمشیر آبدار نے ایک طرف اگر مرہٹے اور نظام حیدرآباد کے قصر شاہی میں زلزلے ڈالدیئے تو دوسری طرف نواب کرناٹک اور انگریزوں کے گھروں میں بھی صف ماتم بچھادی۔

آج تاریخ ہند ماتم کررہی ہے کہ باوجود اس جنگی فراست و دانائی کے ہمارے اس نامور ہیرو نے ایک ایسی فاش غلطی کی کہ جس کے باعث آج ہندوستان تسفل اور تعبد کی زندگی بسر کررہا ہے۔ اگر مدراس کا عہدنامہ نہ لکھا جاتا تو ہندوستان کی تاریخ آج بالکل مختلف ہوتی اور ایسٹ انڈیا کمپنی (انگریز) کے کارنامے داستان پارینہ سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے مگر قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا جس کا نتیجہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ بہر حال نواب حیدر علی کی اس غلطی کو ہم اسلئے قابل معافی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ سپاہی تھا جس کا اپنی تلوار پر بھروسہ تھا۔ اسکے علاوہ اس وقت اس نے بہتر یہی سمجھا کہ فرانسیسیوں کے مقابلے میں انگریزوں کا رہنا بھی ملک میں ضروری ہے۔ اسے کچھ کیا معلوم تھا کہ اسکی یہ کارروائی آئندہ چل کر تاریخ ہند میں اتنا بڑا انقلاب پیدا کردیگی کہ تمام ہندوستان ملکیوں کے قبضہ سے نکل کر غیرملکیوں کے قبضہ میں چلا جائیگا اور خود اسکی نسل تاج و تخت سے محروم کردی جائیگی اور اس کے ساتھ ساتھ زمانہ کی ستم ظریفی دیکھیے کہ جس دشمن کو اس نے شکست دیکر قابل اعتناد نہ سمجھا اور اس کے ساتھ

"رفعی کشتن و بچہ اش را نگاہ داشتن"

کے مقولہ پر عمل کیا۔ اسی نے اسکی نسل کے ساتھ اس مقولہ پر

"کار خردمنداں نیست"

کا حاشیہ چڑھایا۔

بہر صورت یہ ہمارا نامور ہیرو گوشۂ گمنامی سے نکل کر یادگاری کی اس حد تک پہونچا ہے جو اسکے لئے روز ازل سے مقدر ہو چکی تھی۔ وہ دنیا سے جس وقت متعارف ہوا تو معمولی سپاہی تھا اور جس وقت اسے آغوش لحد کے سپرد کیا گیا تو وہ ایک نامور فاتح اور مالک تاج و تخت تھا۔ اور اپنے پیچھے شجاعت اور بسالت کی دھاک کچھ اس طرح بٹھا گیا کہ آج جنوبی ہند کا بچہ بچہ اس کو حیدر علی کے نام سے نہیں بلکہ "بہادر" کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ اور حقیقت میں وہ بہادر ہی تھا جنوبی ہندوستان نے بہادری کا ایسا بے مثل نمونہ کبھی نہیں دیکھا تھا اور یہی وجہ اس کے نام کی ہے۔

اس نامور ہیرو کی سوانح زندگی شروع کرنے سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ عام طور پر تاریخوں میں اسکی سخت گیری اور غارتگرانہ اقدامات کے متعلق جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان پر کچھ لکھوں اور انگریزی مورخین نے اسے "غاصب سلطنت میسور" جو مشہور کر رکھا ہے اسکی کماحقہ تردید کروں۔

یہ صحیح ہے کہ نواب حیدر علی خاں نہایت سخت گیر حاکم تھا اور جب کبھی میدان جنگ میں اترتا تھا تو لوٹ مار کا حکم دیکر شہر اور دیہات تباہ کر دیتا بلکہ کھیتیاں تک جلا کر خاک سیاہ کر دیتا تھا۔ وہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ ہر شخص لوٹ مار اور غارتگری کو اپنی ضروریات کا وسیلہ سمجھتا تھا۔ نواب حیدر علی کو جنگ میں دشمنوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ اور شہروں اور دیہات میں بسنے والے لوگ ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ جس طرف کا پلہ بھاری ہوا۔ اسی طرف مل جائیں اور چونکہ نقل و حرکت اور وسائل حمل و نقل کے وہ وسیع ذرائع موجود نہیں تھے جو آج اس زمانہ میں موجود ہیں۔ اس لئے ان لوگوں پر قابو پانے کیلئے یہ ضروری تھا کہ انہیں

بے کس اور بے دست و پا بنا دیا جائے ۔ کہ یہ لوگ موقع پاکر دشمن کیساتھ ملکر فساد نہ کریں اور ترت تسلط کیلیئے فتنہ کا باعث نہ ہوں اور اسکے علاوہ اسوقت چونکہ جنگ کی کامیابی کا انحصار غلہ اور دوسرے اسباب معیشت پر تھا۔ اسلئے ضروری تھا کہ غنیم کو کوئی چیز ہاتھ نہ لگے۔ یہ ایک بین غلطی ہے کہ ہم اس زمانہ کو موجودہ زمانہ کیساتھ تطابق دینے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ریل، تار، ٹیلیفون، جہاز اور سیاروں نے دنیا کی طنابیں کھینچکر رکھدی ہیں اگر دنیا کے کسی ایک حصہ میں جنگ ہو تو دنیا کے اطراف و اکناف سے ریلوں اور جہازوں کے ذریعہ سامان خورد و نوش اور سامان حرب لایا جاتا ہے مگر اس زمانہ میں اس قسم کے ذرائع مفقود تھے اور جو کچھ حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اسی محدود علاقہ میں حاصل کیا جاتا تھا۔ جہاں جنگ ہوا کرتی تھی ۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو حیدر علی نے جو کچھ کیا اس میں وہ حق بجانب تھا ۔ انگریز معترضین سے بجا طور پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ انگریزی فوجیں اس وقت کہاں سے رسد حاصل کیا کرتی تھیں؟ اور حیدر علی کو انگریزی علاقہ سے رسد نہ ملنے کیلیئے انگریز کیا کرتے تھے؟ اس امر کو ہم ماننے کے لئے تیار ہیں کہ حیدر علی سخت گیر تھا اور ان قوموں سے جو اسکی اطاعت سے منحرف ہوتی تھیں سختی سے باز پرس کرتا تھا۔ دنیا کی تاریخ ایسے ہی واقعات سے بھری پڑی ہے ۔ حکمران قومیں اپنے دشمنوں سے یہی سلوک کرتی آئی ہیں ۔ اگر نواب حیدر علی نے بھی اس قانون پر عمل کیا تو وہ ہدف مطاعن کیوں بنایا جاتا ہے موجودہ زمانہ میں جس کو تہذیب و ترقی کا زمانہ کہا جاتا ہے اور اخلاق و انسانیت کا وعظ ہمارے ناصحین مشفق اس شد و مد سے دیا کرتے ہیں ۔ دیکھیں کہ آج کل بھی یوروپین مدعیان تہذیب و انسانیت اپنی نافرمان و سرکش رعایا سے کیا سلوک کرتی ہیں یہ تو ایک معمولی بات ہو گئی ہے کہ ہنستی آبادیوں پر اژدر دم توپوں سے گولے اور عقاب پرواز طیاروں کے ذریعہ بم برسائے

جائیں۔ لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو جلا کر خاک سیاہ کرنا آج بھی اسی طرح جائز ہے جس طرح صدی دو صدی پیشتر تھا۔ مگر تعجب ہے کہ حیدر علی اپنی نافرمان رعایا کو سزا دے تو وہ سخت گیر اور ظالم کا نام پائے اور مدعیانِ تہذیب اپنے فعل کو عین رحم و انسانیت قرار دیں۔

نواب حیدر علی کے مظالم کی تصویر کا ایک رُخ دکھلانیوالے اس حقیقت سے بھی واقف ہیں کہ میدانِ جنگ میں حیدر علی ایک تند مزاج، جبار و قہار سپہ سالار تھا تو امن کے وقت وہ ایک نہایت حلیم، رحمدل اور انصاف پسند بادشاہ تھا اور جس وقت دشمن پر قابو پا جاتا تو پھر اس کا دل اس طرح موم ہو جاتا کہ تواضع اور مدارات کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔ اس کا نامور امیر البحر علی راجہ جو اسکی بحری فتوحات کا باعث تھا۔ ایکوقت جب جزائر مالدیوا کے راجہ کو گرفتار کرکے اسکی آنکھیں نکلوا دیں تو حیدر علی نے اسے فوراً معزول کر دیا اور باوجود فاتح ہونے کے اپنے شکست خوردہ حریف راجہ سے معذرت خواہ ہوا۔ اسکے ساتھ یہ بھی دیکھا جائے کہ مدراس میں جس وقت انگریزوں کا وجود اور عدم اسکے اشارۂ چشم و ابرو کی ایک ادنیٰ جنبش پر منحصر تھا تو اس نے انکے ساتھ کیا سلوک کیا۔

حیدر علی پر دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ :

"غاصبِ سلطنتِ میسور"

ہے جس نے راجہ کی ملازمت میں رہ کر اسی کے تاج و تخت پر ناجائز قبضہ کر لیا۔ یہ سچ ہے کہ حیدر علی نے میسور کی زمامِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی۔ مگر کن وجوہ کی بنا پر اس نے ایسا کیا؟ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ سلطنتِ میسور کی وسعت اور عظمت حیدر علی کے قوتِ بازو کی رہینِ منت ہے اور باوجود اس عرقریزی، جانفشانی اور وفاداری کے راجہ میسور اپنے

سپہ سالار کو یہ صلہ دیتا ہے کہ اسکے قید یا قتل کرنیکا حکم جاری کرتا ہے حالانکہ خود اسکے وزرا جب اسکے خلاف سازش کر کے محلات پر گولہ باری کرتے ہیں تو وہ حیدر علی ہی تھا جسنے تاج و تخت میسور کو بچایا۔ تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ میسور کا راجہ اپنی رانیوں اور وزرا کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی تھا۔ اور جو اسکو سکھلایا جاتا وہی کرتا۔ اس حالت میں کہ جب وزرا خود نواب حیدر علی کے بنائے ہوئے تھے اور ان نمک حراموں نے خود اسکے خلاف سازش کر کے اس کی جان لینا چاہی تو حیدر علی سا اولوالعزم سپاہی یہ کب گوارا کر سکتا تھا کہ اس کی قوت بازو سے حاصل کی ہوئی سلطنت اس قدر آسانی کے ساتھ دوسروں کے قبضہ میں چلی جائے۔ اس موقع پر اس نے وہی کیا جو ایک دانشمند انسان جو بار بار ٹھوکریں کھانے کے بعد کر سکتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ حیدر علی نے خود زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لی مگر راجہ کو بطور ایک باجگذار والی ریاست کے تین لاکھ کی آمدنی کا ملک دیکر اپنی نگرانی میں رکھا۔ راجہ کے اعزاز و مراتب وہی قایم رکھے گئے جو اسکو پہلے سے حاصل تھے۔

کیا موجودہ تہذیب و تمدن کی تاریخ اس قسم کا کوئی ثبوت پیش کرتی ہے؟ کون نہیں جانتا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے نوابان ارکاٹ و اودھ، راجگان ناگپور و ستارہ سے کس قسم کا سلوک کیا۔ اگر حیدر علی بھی یہی دل و دماغ لیکر آتا تو اس کیلئے یہ آسان تھا کہ راجگان میسور کے خاندان کا نام و نشان مٹا دیتا یا اس کو شہر بدر کر دیتا۔

اسکے علاوہ دنیا کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ ابتدائے آفرینش سے اب تک جتنے حکمران خاندان ہوئے ہیں ان میں بانیان حکومت ہمیشہ غاصب ہی ہوتے چلے آئے ہیں اور یہی وجہ دنیا میں حکومتوں کے عزل اور نصب کی ہے قدرت کا قانون ہمیشہ اٹل رہا۔ اور اب بھی اسی طرح اٹل ہے۔ گذشتہ زمانہ کو چھوڑ کر اگر صرف موجودہ حکمران خاندانو

کو لیا جائے اور ان کے بانیوں کی سوانحات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر بانیٔ حکومت دوسرے خاندان کی حکومت غصب کر کے ہی سریر آرا ہوا۔ اگر حیدر علی پر ہی یہ الزام آسکتا ہے تو اس کو سوائے تعصب کے اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

انگلستان میں کرامول، فرانس میں نپولین، روس میں لینن، ترکی میں مصطفےٰ کمال ایران میں رضا شاہ، افغانستان میں نادر شاہ، جنوبی ہند میں سلطنت وجیا نگر کا بانی ہری ہر اول اور آخر میں رام راج اور زرملا جنکی شہرت کا ڈنکا بج رہا ہے کیا یہ تمام کے تمام غاصبان حکومت نہیں ہیں؟ لیکن الزام دینے سے پیشتر دیکھا جاتا ہے کہ اسوقت کے حالات کیا تھے جن سے مجبور ہو کر انہوں نے ایسا اقدام کیا اور کیا انکی ذات ملک و قوم کیلئے فائدہ مند ہوئی یا نہیں؟ اگر حیدر علی پر غاصب کا الزام آسکتا ہے تو آج دنیا کے تمام حکمران خاندان بھی غاصبان حکومت ہی مانے جائیں گے ورنہ شکم مادر ہی سے کوئی بھی تاج و تخت اپنے ساتھ نہیں لایا۔ اور نہ حکومت و سلطنت نے ہمیشہ کیلئے کسی خاندان میں بقا کا درجہ حاصل کیا ہے اگر تعصب کی پٹی آنکھوں سے اتار کر اس نظریے کے ماتحت انصاف سے حیدر علی کو دیکھا جائے اور اسکے سلوک پر بھی نظر ڈالی جائے تو بہ نسبت اور بانیان حکومت کے حیدر علی کا کیرکٹر نہایت ارفع و اعلےٰ ہے۔

اب اخیر میں صرف اس غلط فہمی کو دور کرنا باقی ہے جس میں ابھی تک ہمارے بہت سے بھائی مبتلا ہیں۔ ذات پات نسل اور خون کے امتیاز کو اسلام مٹا چکا ہے مگر باوجود اسکے وہ ابھی تک نواب حیدر علی اور اسکے خاندان کو اس بنا پر حقیر سمجھ رہے ہیں کہ وہ ایک نایک تھا اور لطف یہ کہ وہ لفظ نایک کو ایک خاندانی نام تصور کر بیٹھے ہیں حالانکہ نایک ایک فوجی عہدہ تھا جو میسور میں فوجی افسر کو دیا جاتا تھا اور چونکہ ہمارا امیر

بھی ابتدا میں فوجی افسر تھا۔ اسی لئے اسوقت اس کو نایک کا خطاب دیا گیا اور یہی وہ خطاب ہے جس کو آج انگریزوں نے بھی اپنی فوج میں رائج کرلیا۔ آج انگریزی فوج ہی کی ترکیب دیکھئے کہ کس وضع سے ہوتی ہے۔ سپاہی۔ نایک۔ حوالدار۔ جمعدار اور صوبیدار ایک انگریزی پلٹن کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ انگریزوں نے یہ خطابات ملک کے مختلف حصوں سے لئے اور فوج میں رائج کر دیئے۔ نایک تو خاص فوجی خطاب تھا جو میسور میں رائج تھا۔ حوالدار اور جمعدار دکنی سلطنتوں (بیجاپور وغیرہ) میں سول عہدہ داروں کیلئے مخصوص تھے۔ جو آج افسران پولس اور جمع بندی یعنے سرکاری محصول وصول کرنے والوں کو دیا جاتا ہے یوں بھی تو آج ایک ضلع کے افسر کو جس کے فرائض اولین میں جمع بندی ہے کلکٹر کہا جاتا ہے جسے اردو میں جمعدار ہی کہہ سکتے ہیں۔ سلطنت مغلیہ اپنے صوبوں کے سب سے بڑے افسر کو صوبیدار کا خطاب دیتی تھی اور یہی آج انگریزی فوج میں ایک افسر کو جو ڈیڑھ سو روپیہ تنخواہ لیتا ہو دیا جاتا ہے اور اسکے ماتحت ۵۰ یا ۱۰۰ سپاہی ہوتے ہیں۔ یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی پالیسی تھی کہ تسخیر قلوب اس طریق سے کرے کہ لوگ محض نام و نمود کی خاطر اسکی وفاداری کا دم بھرنے لگیں اور بڑے بڑے خطابات کا اس طرح فوج میں دیا جانا ہی وہ راز ہے جو اس وقت انگریزی دیسی فوج کی بھرتی کا سبب بنا۔

اس کلیہ کی تحت حیدر علی کی ترقی نایک سے ہوئی اور چونکہ اس وقت میسور میں صوبیداری رائج نہ تھی (کیونکہ ریاست ہی اس قدر چھوٹی تھی کہ بمشکل ایک تحصیل کہلا سکتی تھی) اس لئے صوبہ دار کس طرح ہوسکتے تھے؟

دنیا کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ مشاہیر عالم کی ابتدا بالکل معمولی طریق پر ہی ہوئی ہے اسی طرح حیدر علی کا آبائی پیشہ بھی سپہ گری تھا اور حیدر علی بھی ابتدا میں معمولی سپاہی بنا۔ میسور کو اب تک ناز ہے اور ہمیشہ رہے گا کہ اسکی خاک سے ایک ایسا سپاہی اٹھا جسکی شہرت ہندوستان سے نکلکر فرانس اور انگلستان کے قسطنین قاہرہ تک پہونچی اور اس کی تلوار کی جھنکار سے ہندوستان کی ریاستوں اور سلطنتوں میں تو ایک طرف، سات سمندر پار انگلستان کے سر بفلک ایوانوں میں زلزلے پڑ گئے۔ ؎

اپنی قسمت پر تو اے میسور بے حد ناز کر
خاک سے اٹھا ہے تیری ایک فخر روزگار

خدا کی شان ہے کہ یہ بچہ جو ایک معمولی گھرانے میں اور ایک گمنام گاؤں میں پیدا ہوتا ہے۔ اپنے بے پناہ عزم و استقلال سے تخت میسور پر قابض ہو کر کل جنوبی ہندوستان پر حیدری جھنڈا لہراتا ہے اور جنوبی ہندوستان میں شاہان مغلیہ کی حشمت و جلال کی یاد تازہ کر دیتا ہے اور اسکی زبردست شخصیت یہاں تک تاریخ ہندوستان پر اپنا اثر ڈالتی ہے کہ اسکی وفات کی خبر سنتے ہی مرہٹے جو اس وقت علاقۂ بمبئی میں انگریزوں سے جنگ کر رہے تھے اور انگریزوں کی ہستی جنرل گوڈارڈ کی شکست سے انکے رحم پر منحصر ہو چکی تھی۔ ہتھیار ڈال کر صلحنامۂ سالبئی پر دستخط کر دیتے ہیں جسکی وجہ انگریزوں کے قدم علاقۂ بمبئی میں نہایت مضبوطی سے جم جاتے ہیں۔

ہندوستان کا یہ نامور ہیرو اپنی بہت سی خصوصیات میں ظہیر الدین بابر بانی سلطنت مغلیہ سے ملتا جلتا ہے۔ شہنشاہ بابر میں جو خوبیاں تھیں وہ کم و بیش حیدر علی میں بھی پائی جاتی ہیں اور جس طرح بابر پر عرصۂ حیات تنگ ہو رہا تھا اسی طرح

حیدر علی کو بھی مہالک و مخاطر کا مقابلہ کرنا پڑا ہے

گہے بر طارم اعلے نشینم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

حیدر علی کا سب سے نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں ہر دلعزیز تھا۔ اسکے حالات زندگی مسلمانوں نے بھی لکھی ہے اور انگریزوں اور ہندوؤں نے بھی۔ اور سب کے سب معترف ہیں کہ اسکی نظر میں ہندو اور مسلمان دونوں ایک تھے اور اس کے دل میں ہر مذہب و ملت کیلئے احترام تھا۔ اسکی حیرتناک ترقی۔ اسکے شجاعانہ کارنامے اسکی مذہبی بے تعصبی اور رواداری کے افسانے آج بھی زبان زد خلائق ہیں۔

حیدر علی کے بعد ابو الفتح ٹیپو سلطان سریر آرائے سلطنت ہوا۔ علم و فضل اور دانشمندی کے لحاظ سے ٹیپو سلطان کا درجہ اس قدر اعلے ہے کہ متعصب سے متعصب مورخ بھی تعریف کرتا ہے کہ خاک ہندوستان سے اٹھکر سب سے پہلے جس شخص نے

"ہندوستان۔ ہندوستانیوں کے لئے ہے"

کا کلمۃ الحق بلند کیا۔ وہ سلطان ہے۔ اس کی وسیع النظری دیکھ چکی تھی کہ ہندوستان کی تباہی کا اصل راز یہاں کی مختلف قوموں کی نااتفاقی میں پنہاں ہے اور یہ بھی اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ انگریزوں کے دلوں میں ہندوستان کی نسبت کیا خیال ہے اور آئندہ انکے منصوبے کیا ہیں۔ حیدر علی بیشک ایک جنگجو سپاہی تھا مگر اس میں رواداری بھی حد درجہ تھی۔ مگر سلطان کی عاقبت بین نظریں دیکھ رہی تھیں کہ اس رواداری کا نتیجہ کیا ہونیوالا ہے۔ لہذا جس وقت عنان حکومت اسکے ہاتھ آئی تو اس نے پوری توجہ اتحاد بین المسلمین اور اتحاد بین الاقوام ہند پر صرف کردی۔ ملک کی صنعت و حرفت پر پوری توجہ کی کہ ہندوستان کہیں غیر ممالک کا محتاج نہ ہو جائے۔ سلطان کے یہی عزم و ارادے

تھے جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو سلطان کا مخالف بنا دیا اور اسی مخالفت نے اس کو تمام عمر جنگوں میں مصروف رکھا مگر باوجود اسکے سلطنت خداداد میسور نے صنعت و حرفت اور دیگر فنون میں جو ترقی کی وہ میسور کو کبھی حاصل نہ ہو سکی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جان چکی تھی کہ اگر سلطان کو اپنے ارادوں میں کامیاب ہونے دیدیا جائے تو پھر ہندستان پر ہرگز قبضہ نہیں ہو سکتا اس لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے حیدرآباد اور مرہٹوں کو اپنا لیکر جو کچھ کیا اس کی خود تاریخ شاہد ہے۔ اس لحاظ سے کہ سلطان ہی وہ پہلا شخص ہندوستان میں گذرا ہے جو استعمار فرنگ سے ہندستان کو آزاد اور محفوظ رکھنا چاہتا تھا یا بالفاظ دیگر ہند کا سچا خیر خواہ اور محب تھا اسلئے تاریخ میں اس کو ایک ایسا بلند مرتبہ حاصل ہے جو ہندوستان میں اب تک کسی حکمران کو نصیب نہیں ہوا۔

دنیا کی تاریخ بمشکل ٹیپو سلطان کا نظیر پیش کر سکے گی۔ کیونکہ سچے تاریخی حالات آج اسکا ثبوت دے رہے ہیں کہ اسی عظیم الشان شخصیت ہندستان میں کیا کرنا چاہتی تھی۔ اگر زمانہ اس اولوالعزم سلطان کے ارادوں کو پورا ہونے دیتا تو آج ہندستان کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی۔ اگر لمحات فرصت میں تاریخ پر اور ٹیپو سلطان کے حالات پر غور کیا جائے تو حیرت ہو جائیگی کہ سلطنت خداداد کے زوال سے کتنا بڑا انقلاب ہندستان پر آیا۔ ہندوستان پر سیادت کیلئے انگریز فرانسیسی، نظام الملک حیدرآباد اور مرہٹوں میں کس طرح کی کشمکش تھی۔ ان کو خاص سلطان کے حالات میں واضح کر دیا گیا ہے۔

باوجود ان سخت مصائب میں مبتلا ہونے کے وہ ملک کی ترقی اور رعایا کی فارغ البالی سے بے خبر نہیں تھا۔ چنانچہ پروفیسر جائیسر (جنہوں نے ریسرچ کی ہے) لکھتے ہیں کہ:

"اس کے حریف ہمیشہ اس کے مٹانے پر آمادہ اور اندرون سلطنت اسکے

خاص افسر ہمیشہ اسکے زوال کے لئے سازشیں کرتے رہے مگر یہ سلطان ہی کا دل وگردہ تھا کہ سترہ سال تک ان سب کا نہایت خوبی اور کامیابی سے مقابلہ کیا۔"
سلطان نے بار بار کوشش کی کہ نظام الملک اس سے ملجائے۔ مگر افسوس کہ اس نے اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ غیروں سے ملکر اس شیر کو مٹا دیا جائے۔ نمکحرام وزراء کی غداری اور دشمنوں کی سازشوں کی وجہ سے آخر سلطنت خداداد صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ اس شیر کی لاش پر جب جنرل ہارس آیا تو فرط خوشی سے پکار اٹھا کہ :-

"آج ہندوستان ہمارا ہے"

ان الفاظ میں کتنی صداقت پنہاں تھی۔ ذیل کے واقعات اس کا ثبوت دے رہے ہیں اور ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ کس طرح جنرل ہارس کا لفظ لفظ سچا ثابت ہوا ہے:-

۱۷۹۹ء : تسخیر سرنگاپٹم یعنے زوال سلطنت خداداد۔ الحاق جنوبی ہند۔ اور میسور میں رزیڈنٹ کا تقرر۔

۱۸۰۰ء : کڈپہ، کرنول، بلاری، اننت پور اور تنجاور پر انگریزی قبضہ۔

۱۸۰۱ء : کرناٹک سے نواب ارکاٹ کو نکالکر مدراس پہنچا دیا گیا اور کرناٹک کا الحاق انگریزوں نے کرلیا۔

۱۸۰۱ء : صوبجات اودھ پر انگریزی قبضہ۔

۱۸۰۲ء : مرہٹی سلطنت کا خاتمہ۔ سورت کا عہدنامہ۔ دربار پونا میں انگریزی رزیڈنٹ کا تقرر۔ بڑودہ پر قبضہ۔ اور گجرات کا الحاق۔

۱۸۰۳ء : حیدرآباد میں رزیڈنٹ کا تقرر۔ حیدرآباد انگریزوں کا باجگذار بن گیا۔ ناگپور میں رزیڈنٹ کا تقرر۔

بندیل کھنڈ پر انگریزوں کا قبضہ

آگرہ اور دہلی پر انگریزوں کا قبضہ

جیپور اور جودھپور پر انگریزوں کا قبضہ

گوالیار میں رزیڈنٹ کا تقرر

۱۸۱۳ء: مراشس پر قبضہ

نیپال میں رزیڈنٹ کا تقرر

۱۸۱۶ء: شملہ، مسوری، نینی تال، لنڈھوری پر قبضہ

۱۸۱۷ء: ناگپور پر قبضہ

۱۸۱۸ء: پونا کے پیشوا کی معزولی اور ملک پر انگریزی قبضہ

۱۸۱۹ء: آسام پر قبضہ اور برما میں رزیڈنٹ کا تقرر

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے تاریخ اس کا ثبوت دے رہی ہے۔ واقعی انگریزوں کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ ۶ر فروری سنہ ۱۸۰۰ء کو کلکتہ میں جس شان کا جلوس نکلا اور انگلستان میں جو خوشیاں منائی گئیں۔ وہ اس کا بیّن ثبوت ہیں۔ سر جان انسٹروتھر جو اس وقت کلکتہ کا چیف جسٹس تھا۔ اپنی خوشی کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"ٹیپو کی طاقت ہی ہماری فوجوں کو شکست دینے کیلئے کافی تھی۔ یہ اس زمانہ میں خاص طور پر قابل توجہ تھی۔ اس کے مرتے ہی ہندوستان میں ہمارا (انگریزوں کا) قبضہ ہمیشہ کے لیے ہو گیا۔"

کیا عجیب ہے کہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد قدرت نے اہل ہند کو ایک اور سنہری موقع دیا ہو کہ وہ حیدر علی اور اسکے فرزند ٹیپو سلطان کی غیر معمولی صلاحیتوں سے تمتع

ہوا، مگر یہ ملک کی بدقسمتی تھی کہ اس نے قدرت کے اس عطیہ سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اسے برباد کر کے چھوڑا۔

کہا جاتا ہے کہ سلطان نہایت سختی سے انتقام لیتا تھا مگر کیا آج حکمران قومیں اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لیا کرتیں؟ تاریخ اسکی شاہد ہے کہ اسی جذبۂ انتقام [illegible] دیوانہ ہو کر جنرل نے ٹیپو سلطان کی ہڈیاں تک قبر سے نکال کر جلا ڈالیں۔ غدر ۱۸۵۷ء میں انگریز افسروں کے ہاتھوں جو کارروائیاں ہوئیں، ان کی یاد ابھی دلوں سے محو نہیں ہوئی ہے۔ تاریخ سلطنت خداداد میں ایک مثال بھی اس قسم کی دیوانگی کی نہیں ملتی۔

جس طرح نواب حیدر علی [illegible] سے بری تھے۔ اسی طرح ٹیپو سلطان بھی [illegible] کا ثبوت آج ملک کے تمام معابد و مندر [illegible] سکتے ہیں [illegible] پردہ ڈالنا چاہا ہے مگر اصلی تاریخی واقعات اس طرح چھپ نہیں سکتے۔ سرنگاپٹم و سرنگیری کے مندر [illegible] سلطان کے التفات و عنایات کا ذکر پکار پکار کر رہے ہیں اور [illegible] ہر لحاظ سے ہر ایک نے اعتراف کیا۔

اب اور بھی کے [illegible] جو ان کے نام کو اس طرح زندہ رکھے ہوئے ہیں [illegible] آج تک [illegible] درمیان ہیں اور انہیں وہ بلند مرتبہ حاصل ہے کہ [illegible] ان کی ذات پر عقیدت و احترام کے پھول برسائے جاتے ہیں۔

محمود

مسلمان میسور میں کب آئے؟

اس قدر زمانہ گذرنے کے بعد یہ ٹھیک طور پر پتہ نہیں لگایا جاسکتا کہ میسور میں مسلمان پہلے پہل کس زمانہ میں آئے؟ لیکن جنوبی ہندوستان کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ ملک عرب میں جس وقت اسلام کا ظہور ہوا۔ ملیبار و کوکن میں بھی اسی زمانہ میں اس مذہب کی داغ بیل پڑ گئی تھی۔ ضلع ملیبار جنوب میں اور کوکن ملک میسور کے شمال میں واقع ہیں۔ اس لئے قرین قیاس ہے کہ اولیائے اللہ اور دوسرے مبلغین اسلام کی کوششوں سے ملک میسور میں بھی کچھ لوگ اسلام لائے ہوں۔

انکی موجودگی کا ثبوت مغربی سیاح ابن بطوطہ کی تحریر سے ملتا ہے کہ جب ملک کافور میسور پر حملہ آور ہوا تو راجہ بلالا دیو سوم کے پاس بیس ہزار مسلمان سپاہی موجود تھے ابن بطوطہ لکھتا ہے:-

"راجہ بلال دیو (حاکم دہور سمندر میسور) کے پاس بیس ہزار مسلمانوں کی فوج تھی جن میں زیادہ تر جنگی قیدی اور غلام تھے" (ابن بطوطہ از مولوی محمد حسین ایم اے)

اب سوال یہ ہے کہ یہ جنگی قیدی اور غلام کہاں سے آئے۔ ہمارے سال سلطنت کی تاریخ اس کا جواب دیتی ہے کہ بلالا دیو نے کوکن پر کئی بار فوج کشی کی تھی۔ اور اس فوج کشی کے سلسلہ میں کوکن کے مسلمان قید ہو کر آئے۔ اس لئے یہ ایک غلط خیال ہے کہ میسور میں مسلمانوں کی ابتدا ملک کافور کے حملہ سے ہوئی۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ انکو جو اہمیت حاصل ہوئی وہ ملک کافور کے حملہ کے بعد سے ہوئی۔ اور اسی لئے مورخین نے میسور میں مسلمانوں

کی آمد ملک کافور کے زمانہ سے تبلائی ہے۔

میسور پر مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ ۱۳۱۱ء میں ہوا۔ اس وقت دہلی کے تخت پر سلطان علاؤالدین خلجی داد سلطنت دے رہا تھا۔ اس زمانے میں انتہائے جنوب میں مدورا کے تخت کے لئے دو بھائی ویر پانڈے اور سندر پانڈے لڑ رہے تھے۔ ویر پانڈے کی تائید پر ہوے سالا راجہ بلالا سوم تھا جس کی راجدھانی ملک میسور میں تھی اور اس کا پایۂ تخت دوار کا سمندرم یعنے موجودہ ہلے بید میں تھا۔ سندر پانڈے نے یہ دیکھ کر سلطان علاؤالدین خلجی سے مدد چاہی جس نے ملک کافور کو جنوب پر فوج کشی کرنے کیلئے بھیجدیا۔ ملک کافور نے مدورا آتے ہوئے راجہ بلالا سوم کے پایۂ تخت پر حملہ کیا۔ جنگ میں راجہ کو شکست ہوئی۔ ملک کافور یہاں سے گھورہ بانا دا، بنگلور اور ہستور کے راستے سے مدورا پر بڑھا۔ کافور کے حملے کے بعد ۱۳۱۶ء میں پھر مسلمان اس ملک پر شہنشاہ محمد بن تغلق کے زمانہ میں حملہ آور ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند سال بعد ہوئے سالا سلطنت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

اگرچہ مسلمانوں کے یہ دو حملے میسور پر ہوئے۔ مگر ان سے پتہ نہیں چلتا کہ کوئی مسلمان خاندان یہاں آباد ہوا ہو۔ ۱۴۰۶ء میں سلطنت وجیانگر کے راجہ دیورایا کی بیٹی کی شادی بہمنی سلطان فیروز شاہ سے ہوئی۔ اس سلسلہ میں بعض مسلمان خاندان بہمنی سلطنت دکن سے نقل مکان کرکے وجیانگر کی فوجی ملازمت میں داخل ہوگئے۔ اور اس طرح مسلمانوں کا ایک قلیل حصہ اضلاع بلاری، کڑپہ وغیرہ میں پھیل گیا تھا اور ممکن ہے کہ موجودہ صدود میسور میں بھی کوئی خاندان آباد ہوگیا ہو۔ لیکن وجیانگر کے راجہ کرشنا دیورایا کے عہد میں ان تمام مسلمانوں کو جلاوطن کردیا گیا۔ اسکے بعد میسور کا نام تاریخ میں ۱۵۶۵ء میں آتا ہے جبکہ جنوبی

ہندوستان کی سب سے بڑی سلطنت وجیانگر کا خاتمہ تالیکوٹہ کی جنگ میں ہوگیا۔ اب تک تو مسلمان دریائے کرشنا کے شمال میں ہی تھے۔ فتح وجیانگر کے بعد انکے لیے جنوبی راستہ کھل گیا۔ بیجاپور کی اسلامی فوجیں ۱۵۷۳ء میں بنکاپور تک پہنچ گئیں۔ اور اس طرح میسور کے شمالی حصہ میں مسلمان آباد ہوگئے اور یہاں انکی حکمرانی قائم ہوگئی۔ گو اسکے بعد مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے حملے اطراف میں ہوتے رہے۔ مگر ۱۶۳۶ء میں بیجاپور سلطنت مغلیہ کا باجگزار بن گیا۔ جس کے بعد ہی بیجاپور کی اسلامی فوج رن دولہ خان کے ماتحت جنوب کی طرف بڑھی۔ اور نری کرہ بسوا پٹن ہری ہر پر قابض ہوگئی۔ کاولدرگ فتح کرنے کے بعد سرنگاپٹم پر حملہ ہوا۔ جو اس وقت پائے تخت تھا۔ سرنگاپٹم کو اس وقت فتح نہیں ہوا۔ مگر اسلامی فوج نے ۱۶۳۸ء میں ماگڑی بنگلور اور ساونڈرگ پر اپنا قبضہ جما دیا۔ اب یہ افواج مشرق کی طرف بڑھیں اور ۱۶۳۹ء میں کولار ہوسکوٹ، ویلور اور جنجی پر قابض ہوگئیں۔ پھر یہ فوجیں پاتین گھاٹ سے میسور پر آئیں۔ ٹوڈیالاپور سرا اور چیتلدرگ ۱۶۴۴ء میں مسلمانوں کے ہاتھ آگئے۔ یہ مفتوحہ علاقہ کو صوبہ کرناٹک بالا گھاٹ کا نام دیا گیا۔ اور شہر سرا کو گورنر کا صدر مقام بنایا گیا ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ مسلمان بیجاپور سے آکر یہاں آباد ہونا شروع ہوگئے۔ مشرق میں جو فتوحات ہوئی تھیں۔ ان کو پائیں گھاٹ کا نام دیا گیا۔

اس موقع پر چونکہ سیواجی کا باپ شاہ جی اسلامی عساکر کے ساتھ رہا تھا اور عمدہ خدمات انجام دے چکا تھا۔ اس لئے بنگلور بطور جاگیر شاہ جی کو دیدیا گیا اور اس طرح مرہٹے بھی آکر آباد ہونے لگے۔

چونکہ جنوبی ہند کی اسلامی ریاستیں ایکدوسرے کے ساتھ ہمیشہ آمادۂ فساد رہتی تھیں اور مرہٹوں سے مل کر سلطنت مغلیہ سے بغاوت کرتی رہتی تھیں۔ اس لئے

اورنگ زیب عالمگیر ۱۶۸۴ء میں جنوبی ہند پر حملہ آور ہوا اور ۱۶۸۶ء میں بیجاپور کی سلطنت کا خاتمہ کرتے ہوئے تمام جنوبی ہند پر قابض ہو گیا۔ عالمگیر نے جنوب کے انتظام کے لئے دو صوبہ داریاں قائم کیں۔ ایک ارکاٹ کی اور دوسری سرا کی۔ سرا کا صوبہ بالا گھاٹ میں تھا جس میں میسور واقع ہے۔ سرا کا پہلا مغلیہ گورنر قاسم خاں تھا جس نے میسور فتح کیا تھا۔ اسکے بعد ذوالفقار خاں گورنر ہوا۔ اسکے عہد میں مسلمان میسور کے تمام اطراف و اکناف میں پھیل گئے۔ بیجاپور کے مسلمان پہلے ہی سے کچھ آباد تھے۔ اور اب بیجاپور کے سقوط سے وہاں کی کثیر آبادی مغلیہ فوجوں کے ساتھ اضلاع بلاری۔ اننت پور اور میسور میں اٹھ آئی۔ اس لئے میسور میں جس قدر بھی مسلمان آباد ہیں ان میں قریباً نوّے فی صدی آبادی بیجاپور کے مسلمانوں کی ہے۔

نوٹ: سرا بنگلور سے [illegible] میل شمال مغرب میں واقع ہے موجودہ آبادی قریب پانچ ہزار کے ہے سلاطین بیجاپور و سلطنت مغلیہ کے صوبہ داروں کا دار الحکومت رہنے کے باعث اس زمانہ میں یہاں پچاس ہزار مکان آباد تھے۔ سلاطین مغلیہ کا آخیر صوبہ دار دلاور خاں کا محل نہایت شاندار اور مغلیہ طرز تعمیر کا بہترین نمونہ تھا۔ اب بھی اس جگہ ۲۵ مساجد کے آثار نظر آتے ہیں۔ عہد بیجاپور کی مسجد کے علاوہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی مسجد اور عیدگاہ اب بھی اچھی حالت میں باقی ہیں۔ یہاں [illegible] عالمگیر اورنگ زیب کی ایک بیٹی کا بھی مزار ہے سوائے اس مسجد اور عیدگاہ کے تمام [illegible] مساجد وغیرہ ویران پڑے ہیں۔ اور جا بجا کھنڈر اور ٹوٹے پھوٹے مزار اور محلات [illegible] وسیع رقبہ میں نظر آتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

تاریخ دکن و جنوبی ہند

سلطنت خداداد میسور کو دکن اور جنوبی ہند میں جن طاقتوں سے واسطہ رہا ہے۔ جب تک ان کی ایک مجمل تاریخ نہ لکھی جائے سلطنت خداداد کی سیاست یا ملک کی اس وقت کی تاریخ سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ اس لئے ذیل میں یہ تاریخ دی جاتی ہے۔

تاریخ میسور

موجودہ ریاست میسور جس کا رقبہ ۲۹۴۶۹ مربع میل ہے اور جس کے گرد و پیش اضلاع بلاری، اننت پور اور علاقہ بمبئی شمال میں ہیں۔ اضلاع چتور، سیلم اور کرشناگری مشرق میں ہیں۔ نیلگری اور ملیبار جنوب میں، کورگ، کنارا اور علاقہ بمبئی مغرب میں ہے۔ اس کی تشکیل زوال سرنگاپٹم کے بعد ۱۷۹۹ء میں ہوئی۔ اس سے پیشتر ریاست میسور صرف اس علاقہ کا نام تھا جو موجودہ دارالریاست میسور اور اس کے مضافات ۴۲ دیہات پر مشتمل تھا۔ اس لئے مورخین نے تاریخ میسور میں اس تمام رقبہ کو جو موجودہ حدود ریاست کے اندر ہے تاریخ میں شامل کر لیا ہے۔

اگرچہ راماین اور مہابھارت میں اس سرزمین کا ذکر آیا ہے مگر تاریخی حیثیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے جو خاندان یہاں حکمران تھا وہ موریا خاندان تھا۔ چندرگپت اور اشوک کے زمانے میں شمالی ہند سے بدھ مذہب کے مبلغین مہیش منڈل آئے۔ اس زمانہ میں موجودہ

شہر میسور کا نام مہیش منڈلا تھا۔ تاریخ کے لحاظ سے یہ زمانہ اس قدر تاریک ہے کہ سنہ ۳۰ء بعد مسیح تک یہ پتہ بالکل نہیں چلتا کہ یہاں کے حکمرانوں کے نام کیا تھے۔ سنہ ۳۰ء بعد مسیح یکے بعد دیگرے اور بیک وقت اس سرزمین پر ستوا ناس، مہادلی گنگا، چلوکیا، ہوے سالا اور یڈوا خاندان حکمران ہوتے آئے ہیں۔ سنہ ۱۶۰۰ء میں موجودہ ریاست میسور کا رقبہ چھ ریاستوں پر منقسم تھا۔ سنہ ۱۳۳۶ء میں جنوبی ہندوستان کی وہ زبردست ہندو سلطنت عالم وجود میں آئی جس کا نام تاریخ میں وجیانگر مشہور ہے۔ علاقہ میسور بھی اس سلطنت کے زیر اثر آگیا۔ جنوبی ہندوستان اور میسور میں مسلمانوں کی آبادی کم ہونے کا باعث یہی سلطنت وجیانگر ہے جو تین سو سال یعنی سنہ ۱۵۶۵ء تک مسلمان حملہ آوروں کے درمیان حائل رہی۔ سلطنت وجیانگر کا ایک گورنر سرنگاپٹم میں مقیم رہتا تھا۔ جو مختلف ریاستوں پر نگرانی کرنے کے علاوہ ان سے خراج بھی وصول کرتا تھا۔ زوال سلطنت وجیانگر کے بعد اس تمام علاقہ پر سلاطین بیجاپور کا قبضہ ہو گیا۔ جن کے گورنر کا صدر مقام شہر سرا تھا۔ سنہ ۱۶۶۷ء میں شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کی فوجیں بیجاپور کا خاتمہ کرکے اس علاقہ پر قابض ہو گئیں چونکہ اس علاقہ کے علاوہ جنوبی ہندوستان کا بہت بڑا حصہ بھی عالمگیر کے زیر اثر آگیا۔ اس لئے جنوب میں ایک مستقل صوبہ قائم کیا گیا اور اس صوبہ کا صدر مقام سرا تھا۔

شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب سلطنت مغلیہ کو زوال آنا شروع ہوا تو شہر سرا مرہٹوں اور مسلمانوں کا آماجگاہ بنا رہا اور چونکہ مرہٹے شہنشاہ مغلیہ سے فرمان حاصل کر چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ان ریاستوں سے خراج وصول کرنا شروع کر دیا۔

ان تمام ریاستوں کا نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے یکے بعد دیگرے خاتمہ کر دیا

صرف ایک ریاست میسور جس پر خاندان اوڈیر حکمران تھا اور جس کی راجدھانی سرنگا پٹم میں تھی باقی رہی نواب حیدر علی کی ملازمت اسی خاندان میں ہوئی اور اس حیثیت سے نواب اور ٹیپو سلطان ہمیشہ اس خاندان کو اپنا مربی سمجھتے رہے اور یہیں سے انہوں نے ترقی کرتے کرتے سلطنت خداداد میسور کی بنیاد رکھی جس کا رقبہ اسی ہزار میل سے اوپر تھا۔ سلطنت خداداد میں ریاست میسور کی حیثیت ایک باجگذار کی رہی جس پر حیدر علی اور ٹیپو سلطان نگران رہتے۔ لیکن راجہ کے اعزاز و مناصب اسی طرح قائم رہے جس طرح پہلے تھے۔ دسہرہ کے موقع پر راجہ کا جلوس اسی شان و شوکت سے نکلتا تھا جس طرح پہلے نکلا کرتا تھا اس موقع پر جو دربار ہوتا تھا اس میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی جانب سے بھی نذر گذاری جاتی تھی۔ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے لئے یہ بالکل آسان تھا کہ اس ریاست کا نام و نشان مٹا دیتے۔ مگر بحیثیت مسلمان ہونے کے انہوں نے احسان کا بدلہ احسان ہی دیا اور اسی سلوک کا نتیجہ ہے کہ آج بھی خاندان اوڈیر تخت میسور پر حکمران ہے مگر آج کل کی حکمت عملی کو کیا کیا جائے کہ مورخین تعصب اور طلب منفعت کا شکار ہو کر حیدر علی کو غاصب سلطنت کہہ رہے ہیں۔

موجودہ حکمران خاندان میسور کی تاریخ

موجودہ حکمران خاندان اوڈیر کی ابتدا ۱۳۹۹ء سے ہوتی ہے اس کے آگے میسور کی مختصر تاریخ

"تاریخ میسور"

والے مضمون میں دی گئی ہے۔ اس وقت یہاں یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ اس کے ملنے میں

ریاستوں کا عزل و نصب صرف حکمرانوں کی زندگی و موت سے وابستہ ہوتا تھا۔ موجودہ وقت، ہڈناڈ اور کارگ ہلی میسور کے قریب بالکل معمولی دیہات ہیں۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ریاستیں بالکل معمولی تھیں۔ بلکہ اس قدر چھوٹی کہ انکو جاگیر کا خطاب دیا جا سکتا ہے مگر اس زمانہ میں دشمن سے حفاظت کرنے کے لئے یہ جاگیردار جن کو پالیگار کہا جاتا ہے فوج بھی ملازم رکھتے تھے۔

تاریخ میسور سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۳۹۹ء میں دوارکا سے دو بھائی وجیا راجا اور کرشنا راجا جنوب کی طرف آئے۔ اور ہڈناڈ میں جو میسور کے قریب ہے۔ بنیاد ریاست ڈالی۔ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے۔ ہڈناڈ کے راجہ کے مرنے کے بعد اس کی بیٹی دیوا جی منی سے ایک قریبی علاقہ کارگ ہلی کا راجہ شادی کرنا چاہتا تھا مگر پنچ ذات ہونے کی وجہ سے رانی اس رشتہ پر راضی نہیں تھی۔ راجہ کارگ ہلی نے ہڈناڈ پر قبضہ کرلیا اور جبراً شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ایسے وقت میں وجیا راجا اور کرشن راجا نے رانی سے سازش کرکے عین شادی کے موقع پر کارگ ہلی کے راجہ کو قتل کر دیا جس کے بعد کارگ ہلی کی فوجیں منتشر ہوگئیں۔ اور وجیا راجا سے اس لڑکی کی شادی قرار پائی اور یہ ہڈناڈ کا راجہ بن گیا اور اس طرح ہڈناڈ کی حکومت وجیا راجا کے خاندان میں منتقل ہوگئی۔ سلطنت وجیا نگر جب تک رہی۔ ہڈناڈ کی ریاست اس کی باجگذار رہی مگر جب وجیا نگر کا زوال ہوا اس وقت تمراج وڈیار نے علم آزادی بلند کرکے سرنگاپٹم کو ۱۵۶۶ء میں دارالحکومت بنایا۔ اسکے بعد ہی میسور میں مسلمانوں کی آمد شروع ہوگئی اور ریاست میسور سلاطین بیجاپور کی باجگذار بن گئی ۱۶۸۶ء میں شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر نے ان قلعوں پر قبضہ کرلیا اور یہ ریاست سلطنت مغلیہ کی باجگذار بن گئی

۱۶۹۶ء میں مرہٹے سرنگاپٹم پر حملہ آور ہوئے مگر انہیں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی چونکہ اس وقت شہنشاہ ہندوستان عالمگیر اورنگ زیب جنوبی ہندوستان میں تھا اس لئے راجہ چکدیو ارایا اوڈیر نے اپنا رسوخ بڑھانے کے لئے دربار عالمگیر سے اطاعت و وفاکیشی کے طور پر تحائف روانہ کئے۔ جس کے صلہ میں دربار عالمگیر نے اس کو خطاب جگدیو ملا۔ نوبت و نقارہ رکھنے کا حکم ہوا۔ اور راجہ کے بیٹھنے کے لئے ہاتھی دانت کا ایک تخت بھی دیا گیا (جو ابھی تک میسور میں ہے) دلی کے اختلال پر ایک طرف تو حاکم سرا نواب بن بیٹھا۔ اور دوسری طرف میسور کے راجہ خود مختار ہو گئے۔

۱۷۲۴ء میں ارکاٹ کا پہلا نواب سعادت اللہ خاں نواب سرا کی امداد سے سرنگاپٹم پر حملہ آور ہوا۔ اور ایک کروڑ روپیہ زر نقد وصول کیا۔ اسکے دو برس بعد ۱۷۲۶ء میں مرہٹی فوجوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ اور بے شمار مال و متاع لیکر واپس ہوئے ان حملوں نے حکومت کو کمزور کر دیا۔ ۱۷۳۵ء میں راجہ کا انتقال ہو گیا۔ اور وزرا نے اسکے ایک متبنی لڑکے کو گدی نشین کیا۔ جو انکے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنکر رہا۔

اس راجہ کے بعد اس کا متبنی لڑکا چامراج اوڈیر راجہ ہوا۔ اور اس نے وزیروں کو معزول کر دیا جس کی وجہ سے وزرا نے سازش کر کے راجہ کو قید کر دیا اور ایک تین سالہ لڑکے کو اس کا متبنی بنا کر اسی کے نام سے حکومت کرنے لگے۔ اس لڑکے کا نام کرشنا راجہ اوڈیر تھا۔ ۱۷۳۹ء میں وزیر ننجراج جو در اصل ڈکٹیٹر تھا مر گیا۔ اور اسکی جگہ کراچوری ننجراج وزیر بنا۔ اور اسی کے عہد میں نظام الملک ناصر جنگ سرنگاپٹم پر حملہ آور ہوا تھا۔ ۱۷۵۹ء میں پہلی دفعہ میسوری فوجیں سرحد میسور سے نواب محمد علی والا جاہ کی امداد کے لئے باہر نکلیں۔ اور جنگ ترچنا پلی میں حصہ لیا۔ حیدر علی بطور ایک افسر کے اس جنگ میں

شریک تھے جس کا بیان واقعات حیدر علی میں آئیگا۔ ذیل میں آگاہی کے لئے خاندان میسور کا شجرہ دیا جاتا ہے:

موجودہ حکمران خاندان میسور کا سلسلہ نسب

۱۔	یدورایا وجیا	۱۳۹۹ء	سے	۱۴۲۳ء	تک
۲۔	چام راج اوڈیر اول	۱۴۲۳ء	〃	۱۴۵۸ء	〃
۳۔	تم راجہ اوڈیر اول	۱۴۵۸ء	〃	۱۴۷۸ء	〃
۴۔	چام راجہ اوڈیر دوم	۱۴۷۸ء	〃	۱۵۱۳ء	〃
۵۔	چام راجہ اوڈیر سوم	۱۵۱۳ء	〃	۱۵۵۲ء	〃
۶۔	تم راجہ اوڈیر دوم	۱۵۵۲ء	〃	۱۵۷۱ء	〃
۷۔	چام راجہ اوڈیر چہارم	۱۵۷۱ء	〃	۱۵۷۶ء	〃
۸۔	چام راجہ اوڈیر پنجم	۱۵۷۶ء	〃	۱۵۷۸ء	〃
۹۔	راجہ اوڈیر اول	۱۵۷۸ء	〃	۱۶۱۷ء	〃
۱۰۔	چام راجہ اوڈیر ششم	۱۶۱۷ء	〃	۱۶۳۷ء	〃
۱۱۔	راجہ اوڈیر دوم	۱۶۳۷ء	〃	۱۶۳۸ء	〃
۱۲۔	کنٹی روا نرسم راجہ اوڈیر	۱۶۳۸ء	〃	۱۶۵۹ء	〃
۱۳۔	ڈوڈ دیو راجہ اوڈیر	۱۶۵۹ء	〃	۱۶۷۲ء	〃
۱۴۔	چک دیوا راجہ اوڈیر	۱۶۷۲ء	〃	۱۷۰۴ء	〃
۱۵۔	کنٹی روا اوڈیر	۱۷۰۴ء	〃	۱۷۱۵ء	〃

۱۶۔ دوڈ کرشنا راجہ اوڈیر سنہ ۱۷۱۵ء سے سنہ ۱۷۳۲ء تک

۱۷۔ چامراجہ اوڈیر ہفتم سنہ ۱۷۳۱ء " سنہ ۱۷۳۴ء "

۱۸۔ کرشنا راجہ اوڈیر سنہ ۱۷۳۴ء " سنہ ۱۷۶۶ء "

۱۹۔ ننجراجہ اوڈیر سنہ ۱۷۶۶ء " سنہ ۱۷۷۰ء "

۲۰۔ چامراجہ اوڈیر ہشتم سنہ ۱۷۷۰ء " سنہ ۱۷۷۶ء "

۲۱۔ چامراجہ اوڈیر نہم سنہ ۱۷۷۶ء " سنہ ۱۷۹۶ء "

۲۲۔ کرشنا راجہ اوڈیر سوم سنہ ۱۷۹۶ء " سنہ ۱۸۳۲ء "

نوٹ: کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ اوڈیر جمع ہے وڈیا کی۔ جو کنڑی زبان کا ایک لفظ ہے۔ جس کے معنے صاحب یا مالک کے ہوتے ہیں اور اس تحت سلطنت وجیانگر میں یہ خطاب ایک چھوٹے ضلع کے گورنر کو دیا جاتا تھا جسکے ماتحت ۳۳ دیہات ہوتے تھے۔ (تاریخ رئیس)

سلطنت خداداد کا خاتمہ سنہ ۱۷۹۹ء میں ہوگیا۔ راجہ کرشنا راجہ اوڈیر سوم کو موجودہ ریاست میسور دیوان پورنیا کی نگرانی میں دی گئی۔ سنہ ۱۸۳۲ء میں راجہ کو معزول کرکے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ریاست کا انتظام ایک کمیشن کے سپرد کردیا۔ یہ انتظام پچاس سال تک قایم رہا۔ اور اسکے بعد پھر ریاست اسی خاندان میں مہاراجہ چامراجہ اوڈیر کو تفویض کردی۔

تاریخ نوابانِ ارکاٹ

خاندانِ نایطہ

نواب محمد سعید عرف سعادت اللہ خان
۱۷۱۰ء سے ۱۷۳۲ء

دوست علی (برادر زادۂ نواب سعادت اللہ خان)
۱۷۳۲ء سے ۱۷۴۰ء

صفدر علی
۱۷۴۰ء سے ۱۷۴۲ء

دختر
اس لڑکی کی شادی حسین دوست خان عرف چندا صاحب سے ہوئی

محمد سعید
۱۷۴۲ء سے ۱۷۴۳ء

خاندانِ انوری

انوار الدین
۱۷۴۳ء سے ۱۷۴۹ء

محفوظ خان

محمد علی والاجاہ
۱۷۴۹ء سے ۱۷۹۵ء

عبدالوہاب خان

عمدۃ الامراء
۱۷۹۵ء سے ۱۸۰۱ء

یہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب نے جب جنوبی ہندوستان کو فتح کیا تو جنوبی ہند میں دو صوبہ داریاں قائم کیں۔ ایک سرا کی اور دوسری پائیں گھاٹ کی۔ ۱۷۱۱ء تک ارکاٹ اور دوسرا ایک ہی صوبیدار کے ماتحت تھے۔ لیکن اس سال انتظامی مصلحت کے مدنظر سے سرا پر ایک دوسرے صوبیدار کا تقرر ہوا جس کا نام امین خاں عرف سعادت اللہ خاں جو ارکاٹ اور سرا دونوں صوبوں کا صوبیدار تھا۔ اس تقرر کے خلاف تھا مگر امین خاں اپنی زندگی تک سرا کا صوبیدار رہا۔ اس کے بعد اس کے جانشین کمزور نکلے۔ آخر نت نظام الملک آصف جاہ صوبیدار دکن نے دخل دیکر سرا کی صوبیداری بھی سعادت اللہ خاں کو تفویض کردی۔ اور طاہر خاں سعادت اللہ کی جانب سے سرا کا صوبیدار مقرر ہوا۔

سعادت اللہ خاں کا خاندان ۱۷۱۰ء سے ۱۷۴۲ء تک ارکاٹ میں حکومت کرتا رہا۔ اس خاندان کے آخری سالوں میں یعنی ۱۷۴۲ء میں محمد سعید نامی ایک صغیر سن لڑکا نواب بنا لیکن اسکے اہل خاندان نے اس کی مخالفت کی۔ ان مخالفتوں سے فائدہ اٹھا کر ایک دوسرے شخص انوار الدین نامی نے آصف جاہ نظام الملک اول کی تائید سے ارکاٹ کی امارت حاصل کرلی۔ (یہی انوار الدین خاندان والاجاہی کا بانی ہے) انوار الدین کی مخالفت پر محمد سعید کا ایک رشتہ دار حسین دوست عرف چندا صاحب تھا۔ ۱۷۴۸ء میں جب نظام الملک اول کا انتقال ہوا تو تخت کیلئے ناصر جنگ اور مظفر جنگ میں جنگ چھڑ گئی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر انوار الدین نے ناصر جنگ کا ساتھ دیا تو چندا صاحب نے مظفر جنگ کا۔ مظفر جنگ ارکاٹ کو آیا۔ کہ چندا صاحب کو ارکاٹ کی نوابی دلائے۔

۱۷۴۹ء میں آمبور کی جنگ میں انوار الدین کا خاتمہ ہوگیا۔ اور اس کا بیٹا محمد علی والاجاہ فرار ہوکر ترچناپلی میں مقیم ہوا۔ اسکے بعد جب ناصر جنگ محمد علی کی مدد کیلئے جنوب میں آیا تو مظفر جنگ نے ہتھیار ڈال دیئے اور محمد علی والاجاہ ترچناپلی سے نکل کر ارکاٹ کو آگیا۔ اب

چندا صاحب فرار ہو کر پانڈیچری میں پناہ گزین ہوا لیکن اس عرصہ میں کرپہ کے پٹھانوں نے غداری کر کے ناصر جنگ کو شہید کر دیا۔ مظفر جنگ کو رہائی نصیب ہوئی۔ چندا صاحب پھر ارکاٹ کا نواب بنا۔ اور محمد علی ترچنا پلی کو فرار ہو گیا۔ چندا صاحب نے ترچنا پلی کا محاصرہ کر لیا۔ محمد علی نے مدراس کی ایسٹ انڈیا کمپنی سے مدد مانگی۔ یہ امداد چندا صاحب اور حیدرآباد دونوں کے خلاف تھی۔ اس امداد کے صلے میں ملک کرناٹک کا ایک بہت بڑا حصہ کمپنی کو تفویض کر دیا گیا۔ ہندوستان میں اب تک کمپنی کی کوئی زمین نہیں تھی۔ یہی علاقہ کرناٹک ہے۔ جہاں کمپنی کی حکومت کی اول بنیاد پڑی۔

جنگ جس قدر طول پکڑتی گئی۔ کمپنی بھی نواب کو روپیہ قرض دیتی رہی۔ نواب والاجاہ محمد علی کا خیال تھا کہ چندا صاحب کو مٹا کر آپ خود ایک مستقل حکمران بن جائے۔ اس لئے اس نے مظفر جنگ (حیدرآباد) کے خلاف بھی سازش کی۔ جس کی وجہ سے حیدرآباد میں پھر سازشوں کا بازار گرم ہو گیا اور حکمرانوں کا عزل و نصب شروع ہوا۔ یہاں تک کہ ۱۷۶۱ء میں بسالت جنگ کو معزول کر کے نظام علیخاں تخت نشین ہوا۔ مگر عین اسی وقت میسور میں ایک نئی طاقت ظہور میں آئی جو حیدر علی کی تھی۔ اب نواب بسالت جنگ نے سرا کی صوبہ داری بھی اسکے تفویض کر دی تھی۔ اب محمد علی کی توجہ حیدرآباد سے ہٹ کر حیدر علی کی جانب ہو گئی۔ کمپنی میں یہ طاقت نہیں تھی کہ حیدر علی کے مقابل صف آرا ہو اس لئے حیدرآباد کو بھی شامل کر لیا گیا۔

ہندوستان کی آزادی کا ستارہ ڈوب رہا تھا اور قسمت گردش میں آچکی تھی۔ محمد علی والاجاہ اور نظام الملک میر نظام علی خاں انگریزی بساط سیاست کے دو مہرے تھے۔ انہوں نے عجیب کھیل کھیلی تاکہ ان کے ہاتھوں سلطنت خداداد مٹ جائے۔ اور ہندوستان پر اغیار کا تسلط ہو جائے۔ محمد علی کا انتقال ۱۷۹۵ء میں ہوا اور نظام علیخاں کی وفات ۱۸۰۳ء میں ہوئی لیکن نتیجہ نہ نکلا۔

"آزادی کا خواب دیکھنے والے خود محکوم بن گئے۔ اور اپنے ساتھ کل ہندوستان بلکہ اپنی آئندہ نسلوں کو بھی طوق غلامی پہنا گئے۔"

انگریز اور فرانسیسی

یورپ سے ہندوستان میں جو قومیں آئیں۔ ان میں جرمن، فلمش ڈچ اور پرتگالیوں کو اس قدر کامیابی نہیں ہوئی جس قدر انگریزوں اور فرانسیسیوں کو ہوئی۔ حیدرعلی کو ان موخر الذکر دو قوموں سے تعلق رہا ہے۔ ان دونوں قوموں نے ہندوستان کی نااتفاقی اور خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر یہ وطیرہ اختیار کیا کہ ملک کے راجاؤں اور نوابوں کو ایک دوسرے کے خلاف اُبھار کر مال و زر کے عوض اپنی فوجوں سے مدد دینا شروع کی۔ جس کی وجہ سے ان کے قدم ملک میں جم گئے۔ جس زمانہ کی تاریخ ہم لکھ رہے ہیں۔ اس وقت انگریزی کمپنی کا انتظام وارن ہیسٹنگس کے ہاتھ میں تھا۔ اور فرنچ کمپنی ڈوپلے کے ماتحت تھی۔

فرانسیسیوں نے اپنی تمام توجہ جنوبی ہندوستان پر مرکوز کر دی۔ مگر انگریز۔ بنگال، بمبئی، جنوبی ہند میں ہر طرف ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔

سلطنت مغلیہ کے زوال پر مرہٹے اور نظام الملک کی معرکہ آرائیاں بنگال میں میر قاسم و میر جعفر کی ریشہ دوانیاں ۱۷۴۸ء میں نظام الملک اول کی وفات کے بعد حیدرآباد کی سازشیں اور کرناٹک میں نواب کا خواب آزادی ان تمام واقعات نے مل ملا کر انگریزوں اور فرانسیسیوں کے لئے ایک وسیع اور کھلا میدان مہیا کر دیا جس میں دونوں قومیں فراخدلی سے اس عنوان لیکر

"چہ دشمن چہ دوست"

کھ کر اتر آئے۔ ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کی محکومی لکھی ہوئی تھی۔ انگریز کامیاب ہو گئے۔ سنہ ۱۷۶۰ء میں فرانسیسی اقتدار کا ہندوستان میں ہمیشہ کے لئے

خاتمہ ہو گیا۔ اور اب صرف انگریز ہی مردِ میدان رہ گئے۔ اب بنگالہ میں میر قاسم و میر جعفر، علاقہ بمبئی میں چند مرہٹہ ریاستیں دکن اور جنوبی ہند میں حکمران حیدرآباد اور محمد علی نواب ارکاٹ نے ان کے اشارۂ چشم و ابرو پر رقص کرنا شروع کر دیا۔ اور اس طریق پر اپنی غلامی کے محضر پر اپنے ہاتھوں سے دستخط ثبت کر دیئے۔

مرہٹے، حیدرآباد اور نوابان ارکاٹ

زوالِ سلطنتِ مغلیہ پر مرہٹے اور نظام الملک حیدرآباد نے شہنشاہی کے حصول کے لئے قسمت آزمائی شروع کر دی۔ جس میں اول الذکر اس حد تک کامیاب ہوئے کہ ایک وقت پنجاب سے لیکر بنگالہ تک اور جنوبی ہندوستان میں تنجاور تک ان کا اقتدار قائم ہو گیا۔ یہاں تک کہ ۱۷۶۰ء میں نظام الملک کے قبضہ میں صرف حیدرآباد اور اس کے مضافات رہ گئے۔ اگر اس کے دوسرے ہی سال میدانِ پانی پت میں مرہٹوں کی قسمت کا فیصلہ نہ ہو جاتا تو عجب نہیں کہ کل ہندوستان میں مرہٹی سلطنت قائم ہو جاتی۔

جنوبی ہندوستان (صوبۂ کرناٹک) میں نوابان ارکاٹ شاہانِ مغلیہ کی نیابت کر رہے تھے۔ مگر جب تک مرکزی سلطنت دہلی میں کچھ نہ کچھ قوت باقی تھی، اس وقت تک نوابان ارکاٹ کی نامزدگی صوبہ دار دکن ہی کرتا تھا۔ مگر دہلی کی رہی سہی قوت بھی ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کے ہاتھوں ٹوٹ گئی۔ اور ادھر نظام الملک حیدرآباد مرہٹوں سے دست و گریباں ہو گیا۔ ۱۷۴۰ء میں نظام الملک کی وفات سے چند سال پیشتر مرہٹوں نے کرناٹک پر قبضہ کر لیا۔ بڑی مشکل اور خونریز جنگوں کے بعد نظام الملک نے مرہٹوں کو اس ملک سے بے دخل کرتے ہوئے میر انوار الدین کو ارکاٹ کی نوابی پر مقرر کیا۔ مگر اس کے چند دن بعد ہی نظام الملک کی وفات ہو گئی۔ ادھر حیدرآباد کے تخت

کے لیے بھائیوں ہی میں آویزش شروع ہوگئی۔ یہ پیشتر لکھا جا چکا ہے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر حسین دوست خاں عرف چندا صاحب نے مظفر جنگ کی حمایت میں ارکاٹ کی نوابی کا دعویٰ کردیا۔ مظفر جنگ اور چندا صاحب دونوں نے مل کر ارکاٹ پر چڑھائی کی، اور آمبور میں انوارالدین کا خاتمہ ہوگیا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں نے ان لڑائیوں میں کس قدر حصّہ لیا۔ یہ سچ ہے کہ فرانس والے اس وقت مظفر جنگ اور چندا صاحب کی حمایت پر تھے۔ لیکن کس لیے؟ اسکے جواب میں انگریزی تاریخیں خاموش ہیں۔ لیکن خود نواب محمد علی والاجاہ کے حالات بتا رہے ہیں کہ انوارالدین شروع ہی سے انگریزوں کا طرفدار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انوارالدین کے والد نے جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز میں حج کا سفر کیا تھا تو انگریزوں نے نہایت خاطر تواضع کی تھی۔ اس تواضع کا جواب انوارالدین نے اس طرح دیا کہ اس کے نواب مقرر ہونے پر جب انگریز اور فرانسیسی دونوں نے دعوت دی تو اس نے صرف انگریزوں کی دعوت قبول کی۔ نواب والاجاہ محمد علی اپنی ایک یادداشت میں لکھتا ہے :-

"انوارالدین خاں بہ رابطہ دیرین اول دعوت انگریزاں قبول فرمودند
نزد انگریزاں رفتند و خلاص اینجا تحریر داشتند"

یہی نہیں بلکہ مدراس کے قریب میلاپور کی جاگیر بھی دیدی۔ اور جب فرانس والوں اور انگریزوں میں جنگ چھڑ گئی تو انوارالدین نے انگریزوں کی تائید بھی کی۔ انگریز و فرانسیسی جب سے ہندوستان میں تجارت کے لیے آئے تھے ان میں تجارتی رقابت کی وجہ سے اکثر جنگیں ہوا کرتی تھیں لیکن ان جنگوں کا اثر صرف انہیں تک محدود رہتا تھا اور اس میں ملکی حکمران حصّہ نہیں لیتے تھے۔ اسی طرح فرانسیسیوں نے چاہا کہ انوارالدین ان جنگوں میں حصّہ نہ لے۔ چنانچہ ڈوپلے نے

جو پانڈیچیری کا گورنر تھا۔ اپنے ایک خط میں انوارالدین کو لکھا:۔

"آن مشفق را لازم است کہ نفع و نقصان ہر دو فرقہ مساوی دارند۔
شبا عا نت یحظ و پرداز ندؔ" (تحفتہ الاخیار)

لیکن اس کے بعد جب انوارالدین نے انگریزوں کو مدد دی۔ تو فرانس والوں نے چندا صاحب کی حمایت کی۔ آمبور کی جنگ میں چندا صاحب اور مظفر جنگ کی فتح اور انوارالدین کی شکست و موت نے فرانس والوں کے اقتدار کو بہت بڑھا دیا۔ یہ دیکھ کر انگریزوں نے ناصر جنگ اور محمد علی کا ساتھ دینا چاہا۔ بلکہ خود محمد علی نے ان سے مدد مانگی تھی۔ لیکن ناصر جنگ انگریزوں کے بالکل خلاف تھا کیونکہ اس کی دوربین نگاہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اس قوم کے عزم وارادے کیا ہیں۔ اس نے کڑپہ کے پٹھان نواب کو حکم دیا کہ مدراس پر حملہ کرکے انگریزوں کو ملک بدر کردے۔ لیکن محمد علی کی عیاری اور چالاکی نے اس وقت انگریزوں کو بچالیا۔ ناصر جنگ اسی سال شہید ہوگیا اور مظفر جنگ رہا ہوکر تخت نشین ہوا۔ جس کی وجہ سے فرانسیسی اقتدار اور ترقی کرگیا۔ معلوم تو ایسا ہو رہا تھا کہ انگریز چند دن کے مہمان ہیں۔ لیکن اسی وقت والاجاہ محمد علی نے جو ترچنا پلی میں پناہ گزین تھا۔ ان سے مظفر جنگ اور چندا صاحب کے خلاف مدد مانگی۔ اور دوسری طرف فرانس کی گورنمنٹ نے اپنے اولوالعزم گورنر ڈوپلے کو واپس بلالیا جس کی وجہ سے فرانسیسی اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ اس امداد کے عوض والاجاہ محمد علی نے کرناٹک کے بندرہ تعلقات کمپنی کو دینا منظور کیے۔

چونکہ اس زمانہ میں حکومتوں کا انحصار پایہ تختوں کے اعدام یا استقلال پر ہوتا تھا۔ لہذا مدراس کے انگریزوں گورنر کو یہ سوجھی کہ اگر کسی طرح چندا صاحب کے پایۂ تخت ارکاٹ پر قبضہ کرلیا جائے۔ تو چندا صاحب ترچناپلی کا محاصرہ

اُٹھائیگا۔ اور اس کی نوابی خطرہ میں پڑ جائیگی۔

چنانچہ انگریزی فوج نے گالبرٹ کے ماتحت ۱۷۵۱ء میں ارکاٹ پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد چندا صاحب اور فرانسیسیوں کو کسی جنگ میں کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ چندا صاحب اس کے دوسرے سال ہی سازشوں کا شکار ہو کر شہید ہو گیا۔

محمد علی انگریزوں کی حمایت یا انکی بندوقوں کے سایہ تلے ارکاٹ کا نواب بن گیا۔ اور نگرانی کے لیئے میجر لارنس بطور رزیڈنٹ مقرر ہوا۔ محمد علی کو انگریزوں کی دوستی اور خاطر اس قدر منظور تھی کہ جب بنگالہ میں انگریزوں کی ہستی نواب سراج الدولہ کے رحم پر منحصر ہوگئی تو اس نے اپنی فوجوں کو بنگالہ بھیجا۔ صاحب "نصر الاجاہی" نے لکھا ہے:۔

"بنگی فوج بندگان عالی متعینہ قلاع و مقامات کرناٹک سوائے فوج مالابد قلعہ بیشتر ہمراہ مستر کلایو بمدد انگریزان بنگالہ برائے مہم کلکتہ روانہ شدہ بود"

محمد علی کی ان خدمات کے صلہ میں انگریزوں نے بھی کوشش کرکے مغلیہ سلطنت سے اس کے لئے کرناٹک کا فرمان حاصل کیا۔ اسکے بعد نظام الملک نظام علی خاں سے بھی فرمان حاصل کرلیا گیا۔ ان فرمانوں کی وجہ سے محمد علی کا دماغ آسمان تک پہونچ گیا۔

"ان فرمانوں کے حاصل ہونے سے وہ اپنے آپ کو کرناٹک کا واحد مالک سمجھنے لگا۔ اب اس کی نظریں میسور پر اٹھیں، جہاں اس کا ایک حریف پیدا ہو چکا تھا۔ اور یہی وجہ ان جنگوں کی ہے جو حیدر علی و ٹیپو سلطان اور انگریزوں میں ہوئیں۔ یہی نہیں

بلکہ محمد علی کی نظر میں حیدر آباد پر بھی تھیں۔ جہاں اس نے سازشوں کا جال بچھا رکھا تھا۔"

غرضیکہ اس طرح محمد علی کے ہاتھوں سرزمین ہند میں غلامی کا بیج بو گیا اور ہندوستان غلام بن کر رہ گیا۔

ماخذ

نواب حیدر علی خاں بہادر بانی سلطنت خداداد میسور اور ٹیپو سلطان کے حالات جن کتابوں میں ملتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر انگریزوں کی تصانیف ہیں جن کے نام ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

۱۔ برٹش ملٹری بیاگرافی مطبوعہ لندن ۱۸۴۱ء
۲۔ انفشنٹس میموریس آف ٹیپو سلطان مطبوعہ کلکتہ ۱۸۴۰ء
۳۔ مارکوئس آف ولزلی ڈسپاچز ، کلکتہ ۱۸۲۶ء
۴۔ ہسٹوریکل اسکیچ آف ساؤتھ انڈیا
۵۔ تاریخ حیدر علی۔ مصنفہ لیون بی بورنگ
۶۔ تاریخ میسور۔ از کرنل ولکس
۷۔ تاریخ میسور۔ مصنفہ موسیو ولٹ مطبوعہ لندن ۱۸۴۶ء
۸۔ تاریخ میسور۔ از لوئیس رائس
۹۔ سفرنامہ بچانن۔
۱۰۔ ماڈرن میسور۔ از مسٹر شاما راؤ ایم اے سابق اسپکٹر جنرل محکمہ تعلیم میسور مطبوعہ میسور ۱۹۳۲ء
۱۱۔ سیاحت نامہ کیا ئین تلل۔ از ایڈورڈ مور۔ مطبوعہ لندن ۱۷۹۴ء

۱۲۔ ایمپائر آن ایشیا۔ از میجر تارنس ایم۔ پی (ممبر پارلیمنٹ)

ان کے علاوہ چند اور بھی انگریزی کتب ہیں جن کا ماخذ پہلی سات کتابیں ہیں۔ ان میں سے دو کتابیں خاص ٹیپو سلطان سے تعلق رکھتی ہیں اور بقیہ سات میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے مشترکہ حالات ہیں۔ تاریخ میسور از کرنل ولکس ایک نہایت ضخیم کتاب ہے اور مصنف خود اقرار کرتا ہے کہ وہ جس وقت میسور کا کمشنر تھا تو زوالِ سلطنتِ خداداد پر چند ہی سال گزرے تھے۔ اس لئے بہت سے ایسے لوگ زندہ تھے۔ جنہوں نے اس عہد کے حالات دیکھے اور سنے ہوئے تھے۔ اس لئے اس کی کل کتاب تقریباً ان سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہے۔

تاریخ حیدر علی مصنفہ لیون بی بورنگ کا ماخذ زیادہ تر کرنل ولکس کی تاریخ میسور اور دو انگریزی کتابیں ہیں اور فارسی و اردو میں جو کتابیں اس موضوع میں شائع ہوئیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ کارنامۂ حیدری۔ بزبانِ فارسی۔ مصنفہ عبدالرحیم کلکتہ

۲۔ حملاتِ حیدری۔

۳۔ تاریخ نامہ تصنیف ملا فیروز (نظم بزبان فارسی)

۴۔ تاریخ حمید خانی۔ از منشی حمید خان۔ میر منشی لارڈ کارنوالس

۵۔ فتوحات حیدری۔ از لالہ کھیم نرائن دہلوی۔

۶۔ نشانِ حیدری۔ از مورخ میر حسن کرمانی۔ تصنیف ۱۸۰۲ء بمقام کلکتہ۔

۷۔ حیدر علی و ٹیپو سلطان از مولانا اشہری مرحوم دہلوی۔

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ میرے پاس محفوظ ہے تاریخ نشان حیدری شہادت ٹیپو سلطان کے سات سال بعد کلکتہ میں جہاں شہزادگانِ ٹیپو سلطان مقیم تھے۔ مورخ دربار سلطانی سے

لکھائی گئی۔ اور اس کے چالیس سال بعد حملات حیدری کلکتہ ہی میں مرتب ہوئی۔

میں نے ان سب کتابوں کو دیکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ چند قلمی نسخے بھی میری نظر سے گذرے ہیں ان میں ایک نامۂ حیدری ہے جو کسی نے اس وقت کی دکنی زبان میں بمقام فرنچیراکس (جو سرنگاپٹم کی شمالی جانب ہے) زوالِ سلطنت کے ایک سال بعد لکھی تھی۔ مگر افسوس کہ یہ بالکل اختصار کے ساتھ لکھی گئی ہے اور ایک ناتمام کتاب بزبان فارسی ہے جس میں حیدر علی کے حالات تو ہیں مگر ٹیپو سلطان کے حالات صرف میسور کی تیسری جنگ تک ہیں اور مصنف کا نام درج نہیں۔ ہفت خوان حیدری ایک اور کتاب ہے۔ جس میں اگرچہ تاریخی واقعات مذکور ہیں۔ لیکن ان میں مصنف کی حسن عقیدت کو بہت بڑا دخل ہے اور بعض جگہ ملمع کا رنگ بہت زیادہ غالب ہے۔

اپنی اس کتاب کی تصنیف کے لئے میں نے جہاں مذکورہ بالا کتابیں مطالعہ کیں وہاں تقریب قریب وہ تمام لٹریچر بھی میری نظر سے گذرا ہے۔ جو مختلف اوقات میں بعد تحقیق و تفتیش ملک کی مختلف ادبی انجمنوں میں پڑھا گیا۔ جس میں زیادہ تر منتھک سوسائٹی کے کاغذات ہیں۔ ان کے علاوہ میں نے انگریزی تاریخوں میں تاریخ رولرس آف انڈیا۔ تاریخ ہند مصنفہ ملکلیر۔ تاریخ ہند مصنفہ مارسڈن۔ تاریخ ہند از ڈی لافوسی۔ تاریخ ہند از شاستری۔ تاریخ ہند از تھامپسن اور ریزآف کرسچین پوران انڈیا بھی دیکھی ہے اور جب تک فارسی اردو، اور انگریزی تاریخوں میں کسی واقعہ کی صحت کا اطمینان نہیں کرلیا گیا۔ کوئی واقعہ نہیں لکھا گیا اور باوجود اسکے جہاں کہیں اختلاف باقی رہا وہاں حوالہ دیدیا گیا ہے۔

ان تمام امور کے علاوہ حیدر علی و ٹیپو سلطان کے اوصاف، عادات و اقوال کے متعلق مقامی روایات سے بھی جو لوگوں کو انہی تک ازبریاد ہیں مدد لیگئی ہے اور جہاں تک

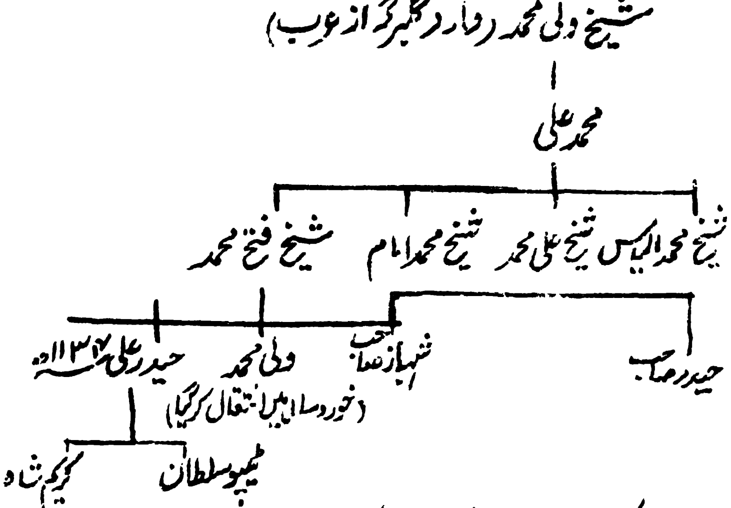
امکان میں تھا۔ انکے متعلق تحقیق و تفتیش کا کوئی پہلو چھوڑا نہیں گیا۔ اور جب تک کافی یقین نہیں ہو گیا۔ ایک لفظ بھی نہیں لکھا گیا۔

حوالجات کے سلسلہ میں جن اردو فارسی کتابوں کے نام اوپر دیئے گئے ہیں ان میں دو اور کتابوں کے نام چھوٹ گئے ہیں ان میں ایک کا نام "نظام علیخان" اور دوسری کا "میر عالم" ہے یہ کتابیں تاریخ سلطنت خداداد کا پہلا ایڈیشن شائع ہونے کے بعد حیدرآباد میں شائع ہوئیں۔ ان کتابوں کے مصنف مولوی سراج الدین صاحب طالب حیدرآبادی ہیں۔ میں نے بالاستیعاب ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور ان سے بھی اس دوسرے ایڈیشن میں مدد لی گئی ہے۔

کتاب کے اس دوسرے ایڈیشن میں چند نئی تصاویر کا اضافہ کیا گیا ہے ان میں حیدرآباد کے میر عالم اور سلطنت خداداد کے غدار وزیر پورنیا کی تصاویر کے علاوہ سلطان کی آخری عمر کی بھی ایک تصویر ہے اس تصویر کا عکس انڈیا آفس لائبریری کی تصویر سے لیا گیا ہے اور یہ یقین کرنے کے کافی وجوہ ہیں کہ بہ نسبت دوسری تصاویر کے جو عام طور پر تاریخی کتب میں ہیں یہ تصویر سلطان کے اصلی خدوخال سے بہت زیادہ مماثلت رکھتی ہے۔ نواب حیدر علی کی جوانی کی ایک تصویر پہلے ایڈیشن میں موجود ہے لیکن آخری عمر کی کوئی تصویر اب تک نہیں ملی تھی۔ عام طور پر بازاروں میں یا تاریخی کتب میں جو تصویر ہے وہ اصلیت سے بالکل تعلق نہیں رکھتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ نواب حیدر علی کے کارنامے سن کر کسی مغربی مصور نے ایک فرضی تصویر کھینچ دی۔ گھنی داڑھی اور مونچھوں کے علاوہ ایک مضحکہ خیز پگڑی بھی بتلائی گئی ہے۔ تمام مورخین متفق الرائے ہیں کہ نواب بہادر کے داڑھی تھی نہ مونچھ۔ اب کتاب کے اس دوسرے ایڈیشن میں دریا دولت کی مغربی دیوار پر جو نقش ہے اس کا ایک عکس دیا جاتا ہے اس میں نواب بہادر کا جلوس اور

اولاد نہیں ہاتھی پر سوار دکھایا گیا ہے۔ یہ تصویر چونکہ سلطان کے عہد میں کھینچی گئی تھی اس لیئے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

نسب نامہ نواب حیدر علی و ٹیپو سلطان



کرنل ولکس اپنی کتاب تاریخ میسور میں لکھتا ہے کہ حیدر علی کے آبا و اجداد پنجابی تھے۔ بعض مورخین انہیں افغانی النسل کہتے ہیں۔ صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں کہ حیدر علی کے آبا و اجداد صحیح النسل عرب اور قبیلہ قریش سے تھے۔ اس خاندان کا ایک بزرگ مکہ سے چل کر بغداد میں آبسا اور وہاں سے تلاش معاش میں ہندوستان آیا۔ بغداد سے دہلی کو جو بری راستہ ہے وہ ایران اور پنجاب سے ہو کر گذرتا ہے لہٰذا ممکن ہے کہ دوران سفر میں وہ پنجاب میں بھی ٹھہرا ہو۔ اور اس وجہ سے اس کے پنجابی ہونے کی غلط فہمی پیدا ہوئی ہو۔ دہلی سے چل کر وہ گلبرگہ آیا جہاں اس کے بیٹے محمد علی کی شادی حضرت

شاہ بندہ نواز کی درگاہ کے متولی کی بیٹی سے ہوئی۔ اور اسی جگہ ولی محمد کا انتقال ہوا۔ محمد علی گلبرگہ سے چل کر بیجاپور آکر ٹھہرا۔ اب اسکے ساتھ اس کی بیوی اور چار لڑکے تھے۔ زوال بیجاپور کے بعد اس خاندان نے کولار کی طرف نقل مکان کیا۔ جہاں محمد علی کے بہت سے شناسا مقیم تھے۔ (مصنف نشان حیدری لکھتا ہے کہ بیجاپور سے صرف تین لڑکے آئے۔ اور چھوٹا لڑکا کولار میں پیدا ہوا اور اسکی والدہ قصبۂ کولار ہی کی ایک سیدہ لڑکی تھی)

کولار میں شیخ محمد علی کا انتقال ہوگیا تو یہ لڑکے تلاش معاش میں نکلے۔ شیخ محمد الیاس اپنی بی بی اور فرزند حیدر کو کولار میں چھوڑ کر تنجاور چلا گیا۔ دوسرے بھائی شیخ ولی محمد اور شیخ امام کرناٹک جاکر وہیں ملازم ہوگئے صرف چوتھا بھائی فتح محمد کولار میں رہا چند سال کے بعد حیدر صاحب بن شیخ الیاس نے راجہ میسور کی ملازمت حاصل کرلی۔ بھتیجے کے ملازم ہونے کے بعد شیخ فتح محمد بھی راجہ میسور کی فوج میں عہدۂ نائکی پر مقرر ہوئے۔ حیدر صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اور فتح محمد میسور سے کولار واپس آگیا جہاں ۱۱۳۱ھ و ۱۱۳۲ھ میں اس کے ہاں دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک شہباز دوسرا ولی محمد۔ ولی محمد چند دن میں انتقال کرگیا اور شیخ فتح محمد دوبارہ تلاش ملازمت میں سرا پہنچا۔ جہاں صوبہ دار سرا نے اسے بالاپور کے قلعہ داری پر تقرر کیا۔ اس ملازمت کے دوران میں بمقام بودی کوٹہ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام حیدر علی رکھا گیا۔

حیدر علی کی والدہ کے نسب کے متعلق تاریخوں میں اختلاف ہے۔ نشان حیدری میں لکھا ہے کہ حیدر علی کی والدہ سید برہان الدین پیرزادہ تنجاور کی لڑکی ہے۔ انکے بطن سے تین لڑکے ہوئے۔ ایک بچپن ہی میں انتقال کرگیا اور دوسرے کا نام شہباز اور تیسرے کا نام حیدر علی ہے۔ اس لڑکی سے فتح حیدر کی شادی کولار میں ہوئی تھی لیکن حملات حیدری کا مصنف لکھتا ہے کہ حیدر علی کی والدہ کا نام مجیدہ بیگم ہے جو فتح محمد کی

دوسری بی بی ہیں اور یہی دوسری روایت صحیح ہے۔

نواب حیدر علی خاں کی والدہ مجیدہ بیگم، میر اکبر علیخاں زمیندار سرا کی لڑکی ہیں۔ صوبہ دار سرا نے میر اکبر علی خاں کو زمین کی واجب الادا رقم کی ادائیگی کے لئے لکھا۔ انہوں نے چھ ماہ کی مہلت طلب کرتے ہوئے تمسک لکھ دیا اور چھ ماہ ہونے کے پیشتر ہی ان کا انتقال ہوگیا۔ بعد چھ ماہ کے وصولی رقم کے لئے سرا سے طلبی آئی تو میر اکبر علی خاں مرحوم کی بیوی اس رقم کو ادا نہ کر سکیں۔ طلبی رقم کے لئے شیخ فتح محمد ہی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ حالت دیکھ کر پیغام دیا کہ اگر مجھ کو دامادی میں قبول کر لو تو میں یہ رقم اپنی جانب سے ادا کرتا ہوں۔ چنانچہ میر اکبر علیخاں کی بیوہ نے قبول کر لیا اور اس طرح مجیدہ بیگم فتح محمد کے نکاح میں آگئیں۔

لارڈ ولنشیا لکھتا ہے کہ حیدر علی عربی النسل تھے۔ مگر بورنگ جو کہ حد درجہ متعصب مورخ ہے لکھتا ہے کہ مسلمانوں میں جب کوئی بڑے درجے کو پہونچ جاتا تو اس کا نسب نامہ تیار ہو جاتا ہے۔ ان تمام امور سے قطع نظر ہم صرف یہ کہیں گے کہ سلطان اور حیدر علی مسلمان تھے اور حسب ونسب میں کسی اعتبار سے کم نہیں تھے۔ مگر ہمارے چند مسلمان بھائی ہیں جو ابھی تک ذات ونسب کو طغرائے امتیاز سمجھ رہے ہیں اور آج بھی نواب حیدر علی اور سلطان کے نسب نامہ پر لے دے کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ قوم نایک سے تھے۔ لیکن یہ ثابت نہیں کرتے کہ نایک کونسی قوم ہے اور کہاں ہے اور اس کی تاریخ کیا ہے؟ میسور میں فوج کے سپہ سالار کو نایک کہا جاتا تھا۔ اس وجہ سے نواب حیدر علی کے نام کے ساتھ نایک مشہور ہوگیا۔ ورنہ یہ کسی قوم کا نام نہیں ہے۔

زوالِ سلطنت خداداد کے اسباب میں یہ بھی ایک بڑا سبب ہے کہ اہل

نوائط سلطان کے خلاف ہو گئے تھے جبکہ سلطان اپنے نسبی برادر کی شادی بدرالزماں خاں نائطہ کی بیٹی سے کرنا چاہتا تھا۔

ذات و نسب کے امتیاز کا جنون یہاں تک بڑھا کہ ایک اسلامی سلطنت کی بربادی بھی انکے نزدیک ایک بالکل بے حقیقت شے تھی۔ سلطان کے جن امراء و وزراء نے لارڈ ولزلی سے سازش کی۔ وہ نام نہاد عالی نسبی و ذات کے دعویدار تھے اور انکے نزدیک سلطان کا سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ وہ اپنے ایک عزیز کا رشتہ ایسے خاندان سے کرنا چاہتا تھا۔ جسے اپنی عالی نسبی پر نہایت فخر اور غرور تھا۔ الامان الحفیظ۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ ایک حبشی زادے کو، ایک غلام کو صحابۂ کرام حتیٰ کہ خاص خاندان نبوت بھی اپنی بیٹیوں کو مناکحت میں دیتے تھے!

اسلام دنیا میں اس لئے آیا کہ ذات۔ نسل اور خون کے امتیاز کو مٹا کر تمام بنی نوع انسان کو ایک سطح پر کھڑا کر دے۔ مگر اسلام کے نام لیوا آج جس طریقہ پر اس تعلیم پر عمل کر رہے ہیں۔ اس کا بین ثبوت نہ صرف سلطنت خداداد بلکہ اور اسلامی سلطنتوں اور حکومتوں کی بربادی سے بھی ملتا ہے۔ مسلمانوں کی باہمی نااتفاقی و افتراق میں بھی اسی ذات و نسب کے امتیاز کو ایک بہت بڑا دخل رہا ہے۔ ایک طرف تو ان میں سے چند لوگوں کو گھمنڈ ہے کہ وہ اشراف خاندانوں سے ہیں۔ اور ان میں نجابت و شرافت کا خون دوڑ رہا ہے۔ دوسری طرف اگر انکے اعمال کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کچھ بھی شک نہیں رہتا کہ اس لحاظ سے ان کا دعویٰ بالکل صحیح ہے۔ انکے خون میں عرب کے ممتاز قبائل کے مورثین اعلیٰ ابولہب اور بوجہل اور ابی عبداللہ منافق کے خون کا اثر بہ نسبت اور دوسرے انکے زیادہ ہے اور نسل میں خون کا اثر لازمی ہے۔

حیدر علی و ٹیپو سلطان عرب ہوں یا پنجابی یا دکھنی لیکن ان کے مسلمان

ہونے میں شک نہیں۔ اور اسی لحاظ سے تاریخ اسلام اور مسلمان ان پر ناز کرتے ہیں اور ہمیشہ کریں گے شرافت و نجابت کا انحصار خون و نسب پر نہیں بلکہ ہر انسان کے اپنے اعمال و اخلاق پر ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

حیدر علیؒ کی ابتدا

(از تاریخ رئیس۔ اس تاریخ کا ماخذ کرنل ولکس کی تاریخ ہے)

حیدر علی کے آباؤ اجداد پنجابی تھے۔ ان میں محمد بہلول نامی ایک شخص پنجاب سے نکل کر گلبرگہ میں آیا اور وہاں اقامت اختیار کی۔ یہاں اس کے دو لڑکے محمد علی اور محمد ولی کی شادی ہوئی جس کے بعد یہ سرا آکر محکمہ محصول میں ملازم ہو گئے۔ یہاں سے پھر یہ دونوں بھائی کولار چلے گئے۔ جہاں محمد علی کا انتقال ہو گیا۔ جس پر چھوٹے بھائی نے تمام اثاث البیت پر تصرف کر کے بھاوج کو گھر سے نکال دیا۔ مگر ایک شخص جو محکمہ محصول میں نایک تھا اس نے اس غریب بیوہ کو پناہ دی۔ اور جب شہباز جو محمد علی کا لڑکا تھا۔ بڑا ہو گیا تو اس کو بھی اسی محکمہ میں ملازمت دلادی ایک مرتبہ جبکہ گنجی کوٹہ کے محاصرہ میں سرا کی اسلامی فوج کو شکست ہوئی تھی شہباز نے اپنی جوانمردی سے قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر علم نصب کر دیا۔ جس سے شکست فتح میں بدل گئی۔ اس کارگذاری سے خوش ہو کر صوبہ دار سرا نے شہباز کو فوج میں نایک کے عہدہ پر ترقی دیدی۔ جب سرا کی صوبہ داری میں ردو بدل ہوا تو شہباز پچاس سوار اور چودہ سو پیادہ لیکر ارکاٹ چلا گیا۔ یہاں اسکی حسب خواہش ملازمت نہ ملی تو وہ فوجدار چتور کے پاس ملازم ہو گیا۔ چند دن یہاں ملازمت

کرکے پھر سرا واپس آیا تو اس کو فتح محمد خاں کا لقب دیکر کولار کا فوجدار بنا دیا گیا۔ اور بودی کوٹہ کی جاگیر ملی۔ اس جگہ اس کے دو لڑکے پیدا ہوئے جن کا نام شہباز اور حیدر علی رکھا گیا۔ یہ لڑکے فتح محمد خاں کی تیسری بیوی سے تھے۔ فتح محمد کی پہلی بیوی کولار میں انتقال کر گئی تھی۔ اس کی دوسری بیوی جو ایک اہلِ نائطا کی لڑکی تھی۔ اس کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کی چھوٹی بہن سے فتح محمد نے شادی کی ما در حیدر علیؒ اس کے بطن سے ہیں ان لڑکیوں کا قصہ اس طرح ہے کہ اہلِ نوایط کا ایک خاندان تلاشِ معاش میں کوکن سے ارکاٹ جا رہا تھا۔ جبکہ راستے میں ڈاکوؤں نے ان پر نزیکرہ کے قریب حملہ کرکے سب کو قتل کر دیا۔ صرف ایک لڑکا دو لڑکیاں اور ان کی ماں بچ نکلیں۔ جو نہایت عسرت و تنگدستی کی حالت میں کولار پہنچے۔ فتح محمد نے یہاں بڑی لڑکی سے شادی کا پیغام دیا جو قبول کر لیا گیا۔ اس کے بعد اس لڑکی کی والدہ اور چھوٹی بہن فتح محمد ہی کے پاس رہنے لگیں۔

صوبہ داری سرا کے لئے جب عبدالرسول خاں اور طاہر خاں میں جنگ ہوئی تو فتح محمد اور ان کا بڑا لڑکا مارے گئے۔ اس وقت فتح محمد کی تیسری بیوی معہ اپنے دونوں بچے شہباز اور حیدر کے ڈوڈبالاپور میں رہتی تھیں۔ عباس قلی خاں جو طاہر خاں کا فرزند تھا۔ ڈوڈبالاپور کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے فتح محمد پر یہ الزام لگایا کہ حکومت کی بہت سی رقم ان پر واجب الادا ہے اور اس کی ادائگی کے لئے شہباز، حیدر علی اور ان کی والدہ پر ظلم کرنے لگا۔ جس سے تنگ آ کر یہ بنگلور آ گئے۔ جہاں شہباز اور حیدر علی کے ماموں ابراہیم صاحب بنگلور کے قلعہ دار کے ملازم تھے۔ شہباز کے بڑا ہونے پر اسے بھی وہاں ایک معمولی ملازمت مل گئی۔

اس کے بعد ہی شہباز کو دیون ہلی جانا پڑا۔ راجۂ میسور کی فوج دیون ہلی کا محاصرہ کئے ہوئے تھی۔ اس کی کمک کے لئے بنگلور کے قلعہ دار نے بھی فوج رسانہ کی شہباز اس فوج میں ملازم تھا گو حیدر علی فوج میں ملازم نہیں تھے مگر اپنے بھائی کے ساتھ رہتے تھے۔ دیوہلی ہی وہ جگہ ہے جہاں ان کا تیر اقبال چمکا۔ دیون ہلی کا محاصرہ نو مہینے تک رہا۔ اس عرصہ میں حیدر علی نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر جوانمردی کے وہ جوہر دکھلائے کہ وزیر نندراج نے خوش ہو کر ان کو میسوری فوج میں بعہدۂ نایک داخل کرلیا اور حیدر علی کے زیرِ کمان پچاس سوار اور دو سو پیادے دیئے گئے۔

نوٹ: مذکورۂ بالا تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔
کرنل ولکس اور رئیس کا مقصد صرف یہ ہے کہ حیدر علی کے خاندان کو باپ اور ماں دونوں جانب سے گمنام دکھایا جائے۔ (محمود)



نواب حیدر علی

نواب حیدر علی کے آغاز کے وقت ریاست میسور کس حالت میں تھی

تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ حیدر علی ابتدائی تیس سال کی عمر تک میسور کے راجہ کے ایک معمولی ملازم تھے۔ ۱۷۴۹ء میں وہ ڈنڈیگل کے گورنر مقرر ہوئے اس وقت ریاست میسور کی وسعت شمال میں بابا بڈھن کی پہاڑیوں تک، مشرق میں صوبہ سرا کو چھوڑ کر بنگلور تک۔ جنوب مشرق میں بارہ محل اور سلیم کا کچھ علاقہ جنوب میں کوئمبتور تک، اور مغرب میں موجودہ حد میسور پر مشتمل تھی۔ پوری ریاست میں ہر جگہ پالیگار حکومت کر رہے تھے اور یہ کبھی مطیع رہ کر راجہ کو خراج دیتے تھے اور کبھی خود سر ہو جاتے تھے۔ بہر طور ان علاقوں پر راجہ کی سیادت مانی جاتی تھی۔ ۱۷۵۵ء میں گوپال راؤ، صوبہ دار سرا نے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا اور راجہ کے پاس صرف سرنگاپٹم اور اس کے مضافات جو ۳۲ دیہات پر مشتمل تھے رہ گئے۔ نواب حیدر علی جب ۱۷۵۸ء میں ڈنڈیگل سے واپس آئے۔ تو انہوں نے ان تمام علاقوں کو از سر نو فتح کیا۔

نوٹ

نہ صرف علاقہ میسور بلکہ دریائے کرشنا سے لیکر جنوب میں مدورا تک ہر جگہ پالیگاروں کی حکومتیں قائم تھیں جن میں بعض تو اس قدر چھوٹی تھیں کہ دو چار میل سے بڑھ کر نہیں تھیں۔ اور بعض کی وسعت تیس، چالیس میل تک تھی۔ پالیگاروں میں جو سب سے طاقتور ہوتا تھا وہ راجہ کہلاتا تھا اور دوسرے پالیگار اسکی اطاعت کرتے تھے اس طرح تمام ملک میں پالیگاروں کا ایک جال بچھ ہوا تھا۔

حیدر علیؒ

نام حیدر علی

"حملاتِ حیدری" کا مصنف اس نام کے متعلق اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ حیدر علی کے والد فتح محمد نے ایامِ حمل میں اپنی بی بی مجیدہ بیگم کو حیدر علی شاہ درویش کی خدمت میں بھیجا اور فرزند کی دعا چاہی۔ حیدر علی شاہ نے دعا دی کہ انشاء اللہ فرزند بلند بخت پیدا ہوگا۔ اس کا نام میرے نام پر رکھا جائے۔

سنہ پیدائش ۱۱۳۴ھ مطابق ۱۷۲۲ء ہے۔ اس سنہ پیدائش پر سوائے مصنفِ کارنامۂ حیدری کے کل مورخین کا اتفاق ہے جو سنہ پیدائش ۱۱۲۹ھ بتلاتا ہے۔ مگر رفتارِ واقعات کے لحاظ سے ۱۱۳۴ھ ہی صحیح ہے۔ بودی کوٹہ میں جو کتبہ قلعہ میں لگا ہوا ہے اس میں بھی ۱۱۳۴ھ ہی لکھا ہوا ہے۔

مقامِ پیدائش بودی کوٹہ۔ ضلع کولار۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ضلع کولار میں کولار شہر کے قریب واقع ہے۔

عہدِ طفلی جس وقت حیدر علی پیدا ہوئے تو ان کے والد شیخ فتح محمد صوبہ دار سرا عابد خاں کے ماتحت منصبِ دو ہزار پیادہ اور پانچسو سوار معہ قبل و نقارہ و علم پر سرفراز تھے۔ اس لئے حیدر علی کا عہدِ طفلی نہایت آرام و آسائش سے گذرا مگر یکایک زمانہ نے پلٹا کھایا جس وقت حیدر علی کی عمر قریب پانچ سال کی ہوئی تو

سیرا میں صوبہ داری کے لئے عبدالرسول خاں بن عابد خاں اور نواب طاہر محمد خاں کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔ شیخ فتح محمد عبدالرسول خاں کے طرفدار تھے۔ اس جنگ میں عبدالرسول خاں کو شکست ہوئی۔ فتح محمد مارے گئے۔ اس وقت اہلیہ فتح محمد اپنے دونوں چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ (جن میں بڑے لڑکے شہباز کی عمر دس سال کے قریب تھی اور حیدر علی جن کی عمر پانچ سال کے قریب تھی) بالاپور میں رہتی تھیں۔ حاکم بالاپور عباس قلی خاں جو نواب طاہر محمد خاں کا طرفدار تھا۔ فتح محمد کے مارے جانے کی خبر سن کر حیدر علی کی والدہ سے اٹھارہ ہزار روپیہ اس بنا پر طلب کیا کہ فتح محمد کی طرف سے یہ رقم سرکار کو واجب الادا ہے۔
لیکن جب اس رقم کی ادائگی نہ ہو سکی تو اس نے گھر کا تمام اثاثہ لوٹ لیا۔ حتی کہ برتن اور اناج بھی نہ چھوڑا اور فتح محمد کے دونوں لڑکوں کو یعنی شہباز اور حیدر علی کو دو بڑے بڑے نقاروں میں بند کر کے ان پر سے چمڑا منڈھ دیا۔ اور ہوا جانے کے لئے نقارہ میں سوراخ کر دئیے۔ اس مصیبت سے رہائی پانے کے لئے حیدر علی کی والدہ حیدر صاحب سے جو فتح محمد کا بھتیجا اور راجہ میسور کی ملازمت میں تھا طالب امداد ہوئیں۔ حیدر صاحب نے روپیہ دے کر ان بچوں کو قید سے چھڑا لیا اور ان تمام کو اپنے پاس سرنگا پٹم بلا لیا۔
اس زمانہ کی طرز معاشرت کے مطابق ان بچوں کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی۔ چند ہی سال میں یہ بچے فنون سپہ گری، تیغ زنی، کمند افگنی، اسپ تازی اور تفنگ اندازی، خنجر میں ایسے مشاق ہو گئے کہ بڑے بڑے سپاہیوں کی نگاہیں ان پر پڑنے لگیں۔ یہ زمانہ ہی ایسا تھا کہ ہر شخص کے لئے بجائے علم کے فن حرب حاصل کرنا ضروری تھا۔ لہذا بجائے مکتب یا مدرسہ میں بٹھانے کے حیدر علی کو فنون جنگ کی تعلیم دی گئی۔
شہباز کی پہلی ملازمت جس وقت شہباز اور حیدر علی جوان ہوئے تو حیدر صاحب

نے ان دونوں کو میسور کے وزیر نندراج کے پاس لے گئے۔ نندراج نے شہباز کو سو پیادہ اور پچاس سوار کی افسری پر مقرر کردیا۔ اور حیدر علی کو بوجہ کم عمری ایک چھوٹے دستہ فوج پر افسر مقرر کرکے سرنگاپٹم میں ہی رکھ لیا۔

حیدر صاحب کی وفات حیدر صاحب چند دنوں کے بعد دیونہلی کے محاصرہ میں زخمی ہوکر انتقال کرگئے۔ اور حیدر صاحب کے منصب پر شہباز مقرر ہوا۔

حیدر علی سرنگاپٹم میں حیدر علی نے سرنگاپٹم میں وہ سلامت روی اور خودداری اختیار کی کہ ہر شخص انکی خوش عادات و اطوار کا گرویدہ ہوگیا۔ چنانچہ حیدر علی اپنی اعلیٰ صفات کے باعث باڈی گارڈ کے افسر ہوگئے۔ تاریخ میسور میں یہ وہ زمانہ تھا جبکہ راجہ مثل کٹھ پتلی کے تھا اور تمام اختیارات وزیروں کے ہاتھ میں تھے۔ وزیر نندراج حیدر علی کے عادات و اطوار سے نہایت خوش تھا۔ اس لئے جب حیدر علی کی عمر انیس ۱۹ سال کی ہوئی تو اس نے پیرزادہ شاہ میاں ساکن سرا کی لڑکی سے حیدر علی کی شادی اپنے خرچ پر کرادی۔

حیدر علی کی دوسری شادی حیدر علی کی پہلی بیوی سے ایک لڑکی پیدا ہوئی لیکن بعض بے احتیاطیوں کی وجہ سے اس بیوی کو فالج ہوگیا اور جب بیماری نے طول کھینچا تو اس نے اپنے شوہر کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دیدی۔ حیدر علی نے میر علی رضا خان کی ہمشیرہ فاطمہ بیگم عرف فخر النساء کو اپنی دوسری شادی کے لئے منتخب فرمایا اور حیدر علی کی شادی اس لڑکی سے ہوگئی۔

حیدر علی کی اولاد: حیدر علی کی پہلی بیوی سے ایک لڑکی ہوئی۔ دوسری بیوی یعنی

فاطمہ بیگم سے ۱۰ ذی الحجہ بروز شنبہ ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۷۵۲ء میں بمقام دیونہلی ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام ٹیپو سلطان رکھا گیا۔ خدا کی قدرت کہ اس فرزند کے پیدا ہوتے ہی حیدر علی کی ترقی کا آغاز ہوا۔

حیدر علی کا گورنر ڈنڈیگل مقرر ہونا

۱۷۵۲ء

ریاست میسور کے علاقہ بائین گھاٹ میں شورش ہوئی تو وزیر نندراج حیدر علی کو ساتھ لیکر اس شورش کے فرو کرنے کو روانہ ہوا۔ ان معرکوں میں حیدر علی سے ایسے بہادرانہ کام ظہور پذیر ہوئے کہ وزیر میسور نے حیدر علی کو گورنر ڈنڈیگل مقرر کر دیا۔ اور کارہائے نمایاں کے صلہ میں ہاتھی نقارہ اور پالکی دی گئی۔ حیدر علی کے منصب کو ترقی دیکر چار ہزار سپاہی اور ڈیڑھ ہزار سوار کا افسر مقرر کر دیا اور اس زمانہ کے رواج کے مطابق حیدر علی کو اپنی خاص فوج بھرتی کرنے کا حکم بھی ملا۔ ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے :-

"یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت میسور میں حیدر علی سے بڑھ کر منتظم اور جری افسر کوئی نہیں تھا۔"

واقعات کرناٹک

۱۷۵۰ء

ابھی مذکورہ بالا واقعات کو چند ہی مہینے گذرے تھے کہ کرناٹک میں ابتری پھیل گئی۔ نظام الملک ناصر جنگ والی حیدر آباد نے میسور کے راجہ اور دوسرے پالیگاروں کو چندا صاحب اور فرانسیسیوں کے خلاف طلب کیا۔ میسوری فوجوں میں حیدر علی کی فوج بھی شامل تھی۔ یہ تمام متحدہ فوجیں میدان کارزار میں شریک ہوئیں لیکن اتفاق سے نظام ناصر جنگ سازش کا شکار ہو کر شہید ہو گیا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی تمام پالیگار اور میسوری فوجیں واپس ہو گئیں۔ مگر عام طور پر یہ روایت

مشہور ہے کہ حیدر علی نے اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر حیدرآباد کے خزانے پر جو اونٹوں پر لدا ہوا حیدرآباد کو واپس جا رہا تھا۔ چھاپہ مارا۔ اور اپنے فوجی اخراجات وضع کرنے کے بعد جو کچھ بچ رہا وہ راجہ کے خزانہ میں داخل کر دیا۔

نندراج کے خلاف سازش وزیر نندراج کی غیر حاضری میں ریاست میسور میں پھر ایک دفعہ شورش پھیلی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ راجہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وزراء کی عملداری سے آزاد ہونا چاہا۔ لیکن نندراج کے بھائی دیوراج نے محل پر گولہ باری شروع کر دی۔ جس سے رانیوں میں گھبراہٹ پھیل گئی۔ اگرچہ اس وقت راجہ اور رانیوں نے یہی مناسب سمجھا کہ وزیروں کی اطاعت کر لیں۔ مگر سازشوں کا بازار پھر بھی گرم رہا۔ اور اس پر طرفہ یہ کہ جب میسوری فوجیں کرناٹک سے واپس آئیں تو انہوں نے بھی نوجدار گنگا رام کی زیر قیادت وزیر دل کے خلاف بغاوت کر دی اور جلد ہی تمام ملک میں یہ شورش پھیل گئی۔ ایسے وقت پر ملک کو اس بدنظمی سے بچانے اور وزراء کا اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے سوائے حیدر علی کے اور کوئی شخص نظر نہ آیا جیسا کہ ہم آگے بتلا چکے ہیں۔ وزیر نندراج حیدر علی کا محسن و مربی تھا۔ اس لئے اس نے شہباز اور حیدر علی کو اس شورش کے فرو کرنے کے لئے روانہ کیا۔ حیدر علی فوج لے کر نکلے۔ اور دو مہینوں کے عرصہ میں باغیوں کے تمام مقامات فتح کر لئے۔ گنگا رام قید ہو گیا۔ شاہباز صاحب اور حیدر علی نے نئے قلعے دار مقرر کئے۔ نندراج اس کارگزاری سے بے انتہا خوش ہوا۔

حیدر علی اور محاصرۂ ترچناپلی ۱۷۵۲ء پہلے صفحات میں ارکاٹ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ ناصر جنگ کے مارے جانے سے چندا صاحب

کی بن آئی۔ اس وقت صلابت جنگ۔ اور نر فیسی اسکی حمایت پر تھے۔ متواتر شکستوں کے لیے نواب محمد علی قلعہ ترچناپلی میں محصور ہوگیا۔ اور اس نے نندراج وزیر میسور اور انگریزوں سے امداد طلب کی اور اس امداد کے عوض ترچناپلی میسور کو اور کرناٹک کا ایک حصہ انگریزوں کو دینا قبول کیا۔ راجہ کی مخالفت کے باوجود وزیر نندراج نے حیدر علی اور افواج میسور کو ساتھ لیکر ترچناپلی کی طرف بڑھا۔ حیدر علی نے ان لڑائیوں میں جو جوہر دکھائے کہ فرانسیسی اور دیپلے صاحب بالکل دنگ آگئے کیونکہ افواج حیدری کی ہمیشہ نسخوں مارا کرتی تھیں اور جو کچھ ملتا تھا لوٹ لیتی تھیں۔ اس طرح فرانسیسیوں کی تعداد توپیں حیدر علی کے ہاتھ آ گئیں۔ جب چندا صاحب کے قتل سے ان لڑائیوں کا خاتمہ ہوگیا۔ تو محمد علی نے ترچناپلی دینے سے صاف انکار کر دیا۔

میسور پر حملے اور ریاست سلطنت مغلیہ کا خاتمہ ۱۷۵۴ء

نزاکت وقت کا خیال کرتے ہوئے نندراج واپس چلا گیا۔ مگر بجائے میسور کے ستی منگل میں مقیم ہوگیا۔ ادھر نظام الملک کی فوجوں نے میسور کی فوجوں سے بدلہ لینے کے لیے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا اور ایک معقول زر معاوضہ لیکر واپس ہوئیں۔ یہ ابھی واپس نہ ہوئی تھیں کہ ایک زبردست دشمن بالاجی باجی راؤ پیشوائے پونا اپنی مرہٹی فوجوں کو لیکر خراج وصول کرنے کے لیے آیا مگر یہاں خزانہ میں رکھا ہی کیا تھا۔ کیونکہ صلابت جنگ کی فوجوں نے خزانہ کا صفایا کر دیا تھا۔ راجہ نے ایک کروڑ روپیہ دینے کا اقرار کیا اور بعض مضافات ملک کا بہت بڑا حصہ مرہٹوں کی کفالت میں دیدیا۔ مرہٹے واپس ہوتے ہوتے صوبہ داری سرا کا بھی خاتمہ کر گئے۔ نواب دلاور خاں صوبہ دار کو کولار پر جاگیر ملی۔ بلونت راؤ مرہٹہ صوبہ دار مقرر ہوا۔ راجہ میسور کی حکومت سرنگاپٹم اور اسکے مضافات تک محدود ہوگئی۔

مرہٹوں کا میسور پر قبضہ ۱۷۵۵ء

اس سال سرا میں بلونت راؤ کے عوض گوپال راؤ صوبہ دار

مقرر ہوا تو اس نے راجۂ میسور سے ایک کروڑ روپیہ کا مطالبہ کیا اور جب رقم نہ ملی تو مرہٹی افواج نے باضابطہ طور پر ان علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ جو بطور ضمانت دیئے گئے تھے۔

سرنگاپٹم کو نندراج کی واپسی

وزیر میسور نندراج ستی منگل میں تھا اور سرنگاپٹم کے حالات اس تک پہونچتے تھے اور وہ اس فکر میں تھا کہ کسی طرح ایک کروڑ روپیہ حاصل کر کے سرنگاپٹم کو واپس آ سکے۔ کر وہ داغ بدنامی جو تر چناپلی کے حاصل نہ ہونے سے لگ چکا تھا دھل جائے۔ حیدر علی ساتھ تھے۔ قریب دو سال کے عرصہ میں حیدر علی نے ستی منگل کے اطراف و جوانب کے علاقوں کو لوٹ کر ایک کروڑ روپیہ سے زائد جمع کر لیا۔ نندراج نے یہ روپیہ راجۂ میسور کو روانہ کر دیا اور چند دن کے بعد خود بھی سرنگاپٹم آگیا یہ وہ وقت تھا کہ مرہٹے ملک پر قبضہ کر رہے تھے۔

حیدر علی سپہ سالار افواج میسور ۱۷۵۹ء

حیدر علی کی اس کارگذاری سے راجہ بہت خوش ہوا۔ اور انہیں سپہ سالار افواج میسور کے عہدے پر ترقی دیتے ہوئے "فتح حیدر بہادر" کا خطاب دیا۔ اور حیدر علی کو کامل اختیارات دیئے گئے کہ مرہٹوں سے معاملہ طے کریں مگر بجائے صلح کرنے کے حیدر علی اپنی فوج لیکر بڑھے کہ گوپال راؤ سے مقابلہ کریں ادھر مرہٹی فوجیں حیدر علی کی آمد سنکر سرنگاپٹم کی طرف بڑھیں دونوں فوجیں چن پٹن کے قریب مقیم ہوئیں۔ اسی شب کو حیدر علی نے مرہٹوں پر شبخون مارا جس کا اثر یہ ہوا کہ مرہٹی فوج اپنا سامان چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ حیدر علی چن پٹن سے کوچ کر کے بنگلور کے قریب آ گئے۔ چن پٹن کی شکست سے مرہٹی فوج بزدل ہو چکی تھی، اور اب حیدر علی کے حملے نے گوپال راؤ کو مجبور کر دیا کہ اپنا تمام اسباب چھوڑ کر فرار ہو جائے۔

مرہٹی فوج سرا کی طرف پیچھے ہٹ گئی کہ پونا سے کمک حاصل کرکے پھر پیش قدمی کرے۔ لیکن پھر اس کو یہ موقع حاصل نہیں ہوا۔

مرہٹوں کی شکست ۱۷۶۱ء

یہ وہ وقت تھا کہ مرہٹوں کا نیر اقبال احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں میدانِ پانی پت میں ڈوب چکا تھا۔ بالا جی باجی راؤ اس صدمے سے انتقال کر گیا۔ علاقۂ میسور میں جس وقت یہ خبر میدانِ جنگ میں پہونچی تو گوپال راؤ تمام فوج کو مجتمع کرکے سرا میں قلعہ بند ہوگیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر حیدر علی نے ان تمام علاقوں پر قبضہ کرلیا جو مرہٹوں کے زیر نگین ہو چکے تھے۔ اس نمایاں فتح و کامیابی کے بعد حیدر علی سرنگا پٹم واپس ہوئے۔

وزیر نند راج کے خلاف سازش

جیسا کہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں۔ راجہ کے محلات میں سازش ہو رہی تھی کہ کسی طرح وزیروں کو ہٹا کر راجہ خود مختار ہو جائے۔ رانیوں نے دیکھا کہ حیدر علی کی زبردست شخصیت تمام فوج پر حاوی ہو چکی ہے تو رانی دیواجی ممنی نے حیدر علی کے پرائیویٹ سکریٹری کھنڈے راؤ کی معرفت حیدر علی سے التماس کی کہ راجہ کو وزیروں سے نجات دلائے۔ حیدر علی نے نہایت آسانی اور حکمتِ عملی سے نند راج اور اسکے بھائی سے اسناد وزارت لیکر راجہ کے حوالے کردیں۔ نند راج اپنی جاگیر پر چلا گیا۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حیدر علی نے جس آشتی و صلح سے نند راج سے وزارت لی۔ اس سے نند راج کو حیدر علی سے بجائے رنج کے اور زیادہ محبت ہو گئی۔ جس کا ذکر آگے آئے گا اور دوسری طرف راجہ اور اس کا خاندان حیدر علی کا نہایت ممنونِ احسان ہوا اور اسکے صلے میں حیدر علی کو فرزند ارجمند کا خطاب عطا کیا۔ انگریزی تاریخ ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے:۔

"حیدر علی نے اس وقت ایک محسن و مربی کے طور پر کام کیا ورنہ یقینی تھا کہ راجہ کا خاندان مٹ جاتا حیدر علی نے دونوں طرف کی لاج رکھ لی"

نندراج کے سنی منگل کو چلے جانے سے راجہ کے کوئی وزیر نہیں رہا تھا اور اس نے حیدر علی سے درخواست کی کہ کھنڈے راؤ کو راجدھانی کا وزیر بنا دیا جائے اس درخواست کو حیدر علی نے منظور کر لیا۔

فرانسیسیوں کا حیدر علی سے امداد طلب کرنا ۱۷۵۹ء

آگے لکھا جا چکا ہے کہ کرناٹک میں فرانسیسی چندا صاحب کی حمایت پر تھے۔ اس کا انتقام لینے کے لئے نواب والاجاہ محمد علی نے انگریزوں کے کہنے پر پانڈیچری پر حملہ کر دیا۔ فرانسیسیوں نے حیدر علی سے امداد طلب کی اور اس کے صلہ میں جنجی اور نیا گڑھ کے علاقے دینا قبول کئے۔ حیدر علی نے اپنے نسبتی برادر سید مخدوم کی سرداری میں ایک فوج پانڈیچری کو روانہ کی۔ دوران سفر میں معلوم ہوا کہ آنیکل میں پالیگار کی سختی سے رعایا میں ابتری پھیلی ہوئی ہے سید مخدوم نے آنیکل پر حملہ کر دیا اور پالیگار کو قید کر کے سرنگاپٹم بھیج دیا۔ یہاں کا انتظام کر کے یہ فوج بارامحل میں اتری جہاں عزیز خاں حاکم (زیر ملازمت نواب والاجاہ محمد علی) سے اس کی فوج بگڑی ہوئی تھی اور رعایا بھی نالاں تھی۔ سید مخدوم نے بارامحل پر قبضہ کر کے عزیز خاں کو کڑپہ کی طرف بھگا دیا۔ اس طرح علاقہ بارامحل اور آنیکل پر قبضہ کرتے ہوئے سید مخدوم پانڈیچری کی طرف بڑھے۔ راستہ میں خبر ملی کہ نواب والاجاہ اور انگریزوں نے پانڈیچری فتح کر لیا ہے جنوری ۱۷۶۱ء میں حیدری افواج مراجعت کے لئے ارکاٹ کے قریب خیمہ زن ہوئیں۔

۱۷۶۱ء

۱۷۶۱ء میں جو انقلاب کہ ہندوستان میں رونما ہوئے۔ اس اعتبار سے اس

سال کو ہندوستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے یعنی اسی سال شمالی ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرہٹوں کی قوت کا خاتمہ ہوگیا۔ گو اس کے بعد جمنا کے پیشواؤں نے اپنی عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کے لئے بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔

جنوبی ہند میں نواب والاجاہ محمد علی اور انگریزوں کی متفقہ کوششوں سے فرانسیسی طاقت کا خاتمہ ہوگیا اور محمد علی جو خواب آزادی دیکھتا تھا ہمیشہ کے لئے انگریزوں کا محکوم بن کر رہ گیا اور جنوبی ہندوستان میں انگریزوں کے قدم مضبوطی سے جم گئے۔

میسور میں راجگان کی مطلق العنانی ختم ہوگئی اور انتظام ریاست نواب حیدر علی کے ہاتھ آیا جنہوں نے آگے چل کر ایک زبردست سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔

واقعات حیدرآباد، حیدر علی اور بسالت جنگ کے تعلقات ۱۷۶۱ء

حیدرآباد میں آپس کی سازشوں کی وجہ سے صلابت جنگ قید ہوگیا اور اس کے دوسرے دو بھائی میر نظام علی خاں اور بسالت جنگ حکمران ریاست ہوئے جس میں دریائے کرشنا کے جنوب کا بڑا حصہ بسالت جنگ کے قبضہ میں آیا اور اس کا مستقر ادھونی تھا۔ میدان پانی پت میں مرہٹوں کی شکست کا حال سن کر بسالت جنگ صوبہ سرا کو مرہٹوں سے واپس لینے کے لئے نکلا۔ اور قلعہ ہوسکوٹہ کا محاصرہ کرلیا قلعہ کشائی کے ڈھنگ سے ناواقف ہونے کی وجہ محاصرہ نے نہایت طول کھینچا جس پر بسالت جنگ نے حیدر علی سے امداد چاہی۔

بسالت جنگ اور حیدر علی کا معاہدہ

فریقین میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے (۱) قلعہ کا سامان و آلات

جنگ بسالت جنگ کو ملیں (۲) ہسکوٹہ اور اس کے مضافات حیدرعلی کو ملیں (۳) بسالت جنگ دربار دہلی میں صوبہ داری سرا کے لئے حیدرعلی کی سفارش کرے (۴) قلعہ گرم کنڈہ جو اب تک حیدرآباد کے ماتحت تھا۔ آئندہ حیدرعلی کی ملکیت قرار دی جائے۔

تسخیر ہوسکوٹہ حیدرعلی کی فوجوں نے چند ہی دنوں میں ہوسکوٹہ کو فتح کرلیا اور بموجب معاہدہ تمام سامان قلعہ بسالت جنگ کے حوالے کر دیا گیا۔ اور ہسکوٹہ اور اس کے مضافات مملکت میسور میں شامل کر لئے گئے۔ (میسور میں مشہور ہے کہ بسالت جنگ نے تمام سامان حیدرعلی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جس کے سبب سے اکثر نواب حیدرعلی بسالت جنگ کو تاجر کے لقب سے یاد کرتے تھے)

حیدرعلی نائب سلطنت مغلیہ اور خطاب نواب شہنشاہ ہند کا سفیر حیدرعلی کے نام فرمان صوبہ داری سرا لیکر آیا۔ اور اسکے ساتھ شہنشاہ کی جانب سے سپر شمشیر مرصع کار پالکی جواہر نگار ماہی مراتب اور نقارہ ونشان معہ خطاب نواب عنایت ہوئے۔ (انگریزی مورخین کو اعتراض ہے کہ حیدرآباد میں میر نظام علیخاں کے نظام دکن ہوتے ہوئے بسالت جنگ کو اختیار نہیں تھا کہ حیدرعلی کے لئے خطاب نواب کی سفارش کرتا۔ مگر جب شہنشاہ ہندوستان نے بسالت جنگ کی سفارش کو قبول کرتے ہوئے حیدرعلی کو نظامت سرا پر مقرر کر دیا تو انگریزی مورخین کا مذکورۂ بالا اعتراض کسی طرح معقول اور مدلل نہیں کہا جاسکتا)

صوبہ سرا کی تسخیر بسالت جنگ کے جانے کے بعد حیدرعلی نے مڑگ سرا، مدگری، آبن گرا اور سرا پر قبضہ کرلیا اور اسی طرح قریب قریب کل صوبہ سرا پر حیدرعلی کا تسلط ہوگیا اور تمام پالیگار سرداروں نے حیدرعلی کو خراج دینا منظور کرلیا۔

حیدر علی کے خلاف سازش

جس وقت فرانسیسیوں کی کمک کیلئے افواج حیدری پانڈیچری روانہ ہو گئیں تھیں تو میدان خالی پا کر کھنڈے راؤ، راجہ اور رانیوں میں سازش ہوئی کہ جس طرح نند راج کو علیحدہ کر دیا گیا تھا اسی طرح حیدر علی کو بھی علیحدہ کر دیا جائے۔ آخر تجویز یہ ٹھہری کہ حیدر علی کو دفع کرنے کے لئے مرہٹوں سے مدد لی جائے۔ چنانچہ دربار پونا کو ایک خفیہ چٹھی لکھی گئی کہ میسور کا یہ سالار حیدر علی راجدھانی پر قابض ہونا چاہتا ہے اور اس طرح یہ ہندو ریاست مسلمانوں کے قبضہ میں چلی جائیگی۔ اگر سلطنت پونا اس معاملہ کو ہاتھ میں لے کر اس وقت امداد کرے تو یہ ہندو ریاست قائم رہ سکتی ہے بلکہ یہ ریاست ہمیشہ ممنون احسان اور باجگذار رہے گی اور اخراجات جنگ کے لئے ایک معقول رقم بطور پیشکش دی جائیگی۔

اسلامی فارسی تاریخوں میں اس سازش کے متعلق اس طرح لکھا گیا ہے کہ:۔

"مرہٹے ملک سے جا چکے تھے۔ سابق نند راج کی حکومت سے راجہ اور اس کے خاندان کو رہائی مل چکی تھی۔ راجہ نے خیال کیا کہ اب حیدر علی کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لئے راجہ، رانی دیواجی منی اور کھنڈے راؤ نے حیدر علی کو دفع کرنے کی سازش کی۔"

لیکن ماڈرن میسور کا ہندو مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷ پر لکھتا ہے:۔

"وزیر نند راج اور راجہ کے معاملات میں جب حیدر علی نے رانی کی درخواست پر مداخلت کی تو نند راج نے سرنگا پٹم چھوڑ کر میسور میں اقامت اختیار کی۔ لیکن راجہ اور رانی کو یہ بھی گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ نند راج کسی اور جگہ چلا جائے۔ لیکن نند راج نہ مانا۔ اس پر حیدر علی نے نند راج پر فوج کشی کی۔ نند راج میسور کو کوئنبا تور کو جو جاگیر میں تھا بعد کے ترتیب سے چلا گیا۔ اس جنگ کے اخراجات کیلئے حیدر علی نے

جاگیر سب کی۔ لیکن کھنڈے راؤ نے جو اس وقت راجہ کی ملازمت میں تھا۔ اس مطالبہ کی مخالفت کی۔ لیکن آخر میں چار تعلقے دینا منظور کر لئے۔ اس معاملہ میں حیدر علی اور کھنڈے راؤ میں جو کشمکش ہوئی اسکی وجہ سے کھنڈے راؤ کے علاوہ راجہ اور رانی کے دل میں بھی حیدر علی کی طرف سے دشمنی پیدا ہو گئی۔ اور انہوں نے رنگناتھ سوامی کے مندر میں بت کے آگے رازداری کی قسم کھانے کے بعد حیدر علی کے خلاف کارروائی کرنے کی سازش کی اور تجویز ہوئی کہ مرہٹوں سے بھی تائید لی جائے۔"

مرہٹوں کو خط لکھا گیا۔ اس خط کے پہنچتے ہی مادھو راؤ نے ایاجی پنڈت بھیج کر یہ دستہ روانہ کیا۔ دربار میسور نے اس فوج کی نقل و حرکت سے حیدر علی کو بالکل بے خبر رکھا۔ حیدر علی کو اس وقت خبر ملی جب یہ فوج سرنگا پٹم کے قریب آ گئی۔ تو یہ راز کھلا کہ حیدر علی کی گرفتاری مقصود ہے۔ شام کا وقت تھا اور ایک ایسے شخص کی زیر سرکردگی روح فنا ہو رہی تھی اور اس پر مشکل یہ کہ سرنگا پٹم کی متعینہ فوج سے انہیں یہ امید بھی نہیں تھی کہ اس آڑے وقت کام آ سکے گی۔ اسکے علاوہ بیوی اور بچے سرنگا پٹم ہی میں تھے۔ چند رفقا کو ساتھ بنا کر حیدر علی نے شب کے پردے میں فرار ہونے کا تہیہ کر لیا۔

حیدر علی کو معلوم ہو گیا کہ دشمن نے نقل و حرکت پر نگرانی کی اور وہ ان راستوں سے جا نہیں سکتے جو عام گذرگاہ ہیں۔ اس لئے جس وقت رات زیادہ ہو گئی اور دنیا پر اندھیرا چھایا ہوا تھا وہ اپنے گھر سے نکلے۔ اور سیدھا دریائے کاویری پر پہنچے۔ اندھیری رات اور بارش کی وجہ سے دریا زوروں پر تھا اور دوسری طرف عزت اور جان پر بنی ہوئی تھی۔ ہمت کر کے دریا میں کود پڑے اور پار نکل گئے۔ صبح ہوتے ہوتے سرنگا پٹم سے بہت دور ہو گئے اور بیس گھنٹوں کے عرصہ میں بنگلور پہنچے۔ یہاں انکی خاص فوج تھا

ایک حصہ موجود تھا۔ ادھر صبح ہوتے ہی خبر اڑی کہ حیدر علی شب ہی میں فرار ہو گئے ہیں۔ مرہٹے تعاقب کے لئے نکلے اور حیدر علی کی گرفتاری کا انعام مشتہر کیا گیا۔ حیدر علی نے بنگلور پہنچتے ہی سید مخدوم کو جو فرانسیسیوں کی مدد کے لئے پانڈیچری جا رہے تھے، خط لکھا کہ فوراً واپس آئیں (یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سید مخدوم نواح ارکاٹ میں مقیم تھے)

سرنگاپٹم میں راجۂ میسور، وزیر کھنڈے راؤ اور مرہٹہ سردار ایساجی نے تجویز کی کہ فوراً بنگلور پر حملہ کر کے اس کا محاصرہ کر لیا جائے کہ حیدر علی کو مہلت نہ ملے۔ کھنڈے راؤ کے ماتحت زبردست فوج روانہ ہوئی۔ اور ادھر حیدر علی بھی غافل نہیں تھے۔ جس وقت یہ فوج بنگلور پہنچی تو حیدر علی نے قلعہ سے نکل کر ایک ایسا زبردست حملہ کیا کہ میسوری اور مرہٹی فوج ہزارہا زخمی اور مقتولوں کو چھوڑ کر منتشر ہو گئی۔ کھنڈے راؤ اور حیدر علی کو معلوم تھا کہ اس جنگ کے فیصلہ پر ان کی آئندہ قسمت کا انحصار ہے اور انہوں نے جو کچھ بھی جوانمردی دکھائی ہو وہ تعجب خیز نہیں۔ حملات حیدری میں میدان جنگ کی جو تصویر مصنف حملات حیدری نے کھینچی ہے وہ بجنسہ ذیل میں دی جاتی ہے:

" دونوں مہا بھارت دلیر جیسے ساون بھادوں کے گھنگھور بادل چاروں طرف سے اٹھتے ہیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ پہلے تو دور سے گولیاں اور تیر برسے۔ تفنگ اور بادلے کی طرح دونوں طرف سے برستے تھے۔ گولوں کی گڑگڑاہٹ اور گولیوں کی کڑکڑاہٹ بادل کی گرج اور رعد کی کڑک تھی۔ تفنگ کا اور تلوار کا بھڑکنا برق کی جھلک اور بجلی کی چمک، وہاں دہاں سے توپوں کے ہنگامے محشر کا برپا تھا۔ اور دھمک سے اس کے زلزلت الارض آنے کا مرتبہ ہے۔ دونوں فوجیں لڑتے لڑتے نزدیک آئیں اور قربت کی نوبت باتی کو پہنچی۔ تب تیغ و تبر خنجر اور جمدھر

پستول، طمنچے، چھری، کٹاری، بھالے، برچھی کی بوچھاریں چلتی تھیں اور لہو کی پھوہاریں اڑتی تھیں۔ ایک لمحے میں خون کی ندیاں اور نالے بہنے لگے اور ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، گائے، بچھڑے ماہی کے مانند اس میں نظر آنے، فیلوں کے سر حباب کے مانند تیرتے پھرتے تھے۔ اور کشتیوں کے مانند لاشیں موجوں کے مارے بہہ بہہ کر کنارے لگتے تھے۔ آخر کار نواب رستم شوکت اسفندیار صولت نے راجۂ میسور کے لشکر کو ہزیمت فاش دی۔" (حملات حیدری)

جب اس شکست فاش کی خبر سرنگاپٹم پہنچی تو محل میں ایک کہرام مچ گیا اور الیاجی سپہ سالار مرہٹہ سے آئندہ تدابیر کے متعلق رائے لی گئی۔

سابق وزیر نندراج کا خط

نندراج کو جس وقت اپنی جاگیر پر حیدر علی کا حال معلوم ہوا تو اس نے الیاجی سپہ سالار افواج مرہٹہ کو ایک خط لکھا جس میں کھنڈے راؤ کی سازشوں کا پورا پورا حال درج تھا کہ کس طرح اس نے خود اس کو (نندراج کو) سازش کرکے نکالا تھا۔ اور الیاجی کو آگاہ کیا کہ وہ کھنڈے راؤ کے فریب میں نہ آئے۔

مرہٹوں کی واپسی

اس خط کے دیکھتے ہی الیاجی نے حیدر علی کو لکھا کہ اگر حیدر علی اخراجات جنگ ادا کردیں تو مرہٹی فوج واپس ہو جائیگی۔ حیدر علی نے روپیہ کے عوض بارا محل کا علاقہ انہیں لکھ کر دیدیا۔ مرہٹی فوج بارا محل پر قبضہ کرنے کے لئے سرنگاپٹم کو اس کی حالت پر چھوڑ کر چلی گئی۔

حیدر علی کی سرنگاپٹم پر چڑھائی ۱۷۶۱ء

حیدر علی کو اب سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ سرنگاپٹم پر قبضہ کرلیں ابھی حیدر علی اس تجویز ہی میں تھے کہ

سرنگاپٹم سے ایک خفیہ چٹھی حیدر علی کو ملی جس میں چند رانیوں نے لکھا تھا کہ ملک کی بدانتظامی بڑھتی جارہی ہے اور قریب ہے کہ ریاست ہی ہمارے ہاتھوں سے چھن جائے۔ اس لئے ہمیں تباہی سے بچانے کے لئے آپ کا سرنگاپٹم آنا ضروری ہے جب سید مخدوم کی فوج واپس آگئی تو حیدر علی سرنگاپٹم پر چڑھائی کے ارادے سے نکلے اور راستے میں اپنے محسن وزیر نندراج سے مشورہ حاصل کیا۔

محاصرۂ سرنگاپٹم

حیدر علی کی فوج جب سرنگاپٹم پہنچی تو حیدر علی نے حکم دیا کہ محل پر گولہ باری کی جائے۔ اور ساتھ ہی کھنڈے راؤ کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ راجہ اور رانیوں نے بہت کچھ حیلے حوالے کئے مگر آخر کار اس شرط پر کھنڈے راؤ کو حوالے کردیا کہ اس کی جان بخشی جائے۔ اور اسکے ساتھ اچھا سلوک ہو۔

حیدر علی کا طوطا

حیدر علی نے اپنا اقرار قائم رکھتے ہوئے کھنڈے راؤ کو ایک لوہے کے پنجرے میں بند کردیا۔ اور دودھ، چاول اس کی غذا مقرر کردی۔ کل مورخین کا اتفاق ہے کہ حیدر علی نے کھنڈے راؤ کو اس کی موت تک اسی طرح رکھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ میرا طوطا ہے جو پال رہا ہوں۔

محل پر قبضہ

دوسرے دن حیدر علی نے راجہ کی نذر کے لئے چند تحائف بھیجے اور باریابی کی اجازت چاہی۔ اور بعد اجازت چند منتخب سردار و سپاہ کو لیکر محل میں گئے۔ دروازوں پر پہرہ بٹھادیا گیا۔ راجہ سے مطالبہ کیا گیا کہ انتظام ریاست حیدر علی کو تفویض کردے۔

حیدر علی فرمانروائے میسور

راجہ کے مصارف کیلئے تین لاکھ کی جاگیر علیحدہ کرکے حیدر علی نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں

لی۔ اور اعلان کردیا کہ وہ آج سے حکمرانِ میسور ہیں۔

حیدر علی کے غاصبِ سلطنت ہونے کی تردید

مذکورالصدر واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ حیدر علی کن حالات کی تحت میں اور کن مجبوریوں کی وجہ سے تخت میسور پر قابض ہوئے۔ اور اس واقعہ کے متعلق خاص انگریزی مورخین کی آراء درج کی جاتی ہیں کہ جو کچھ بھی شکوک ہوں وہ رفع ہو جائیں۔

تاریخ رولرس آف انڈیا میں صفحہ ۱۶۴ پر مورخ جی۔ ڈی۔ اسول لکھتا ہے:

"رانی اور کھنڈے راؤ نے (جو حیدر علی کا نمکخوار تھا) مرہٹوں سے سازش کی۔ اور حیدر علی اپنی جان بچا کر بنگلور بھاگا۔ اس کا فرار ہونا بھی نہایت حیرت انگیز اور تاریخی یادگار ہے کہ صرف بیس گھنٹوں کے اندر تن تنہا بنگلور پہونچا ہے۔ حیدر علی کی فطرتی چالاکیوں نے بہت جلد فوجوں کو مجتمع کر لیا اور ایک تو نریز جنگ میں اسکے دشمن کھنڈے راؤ کو شکست ہوئی۔ حیدر علی کی فوجیں نہایت سرعت کے ساتھ سرنگا پٹم پہونچ گئیں جہاں حیدر علی نے محل پر قبضہ کر لیا۔ رانیوں کی سفارش پر اس نے وعدہ کیا کہ کھنڈے راؤ کو بطور ایک طوطے کے پالیگا۔ چنانچہ کھنڈے راؤ کو اس کی موت تک ایک لوہے کے پنجرے میں بند رکھو کے دودھ اور چاول دیتا رہا۔"

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ ہندوستان صفحہ ۲۶۹ پر لکھتا ہے:

"۱۷۶۱ء میں حیدر علی نے سرنگا پٹم پر قبضہ کر کے کھنڈے راؤ کو قید کر لیا۔ مگر اقرار کیا کہ اس کو ایک طوطے کی طرح پالیگا۔ کھنڈے راؤ کو ایک لوہے کے

پنجرے میں بند کر کے دودھ اور چاول دیکر اپنے اقرار کو لفظ بلفظ پورا کیا۔"

بورنگ اپنی تاریخ حیدر علی میں لکھتا ہے :۔

"دغا باز کھنڈے راؤ جو صرف حیدر علی کی عنایت سے وزیر بنا تھا حیدر علی کے مقابلہ پر آمادہ ہو بیٹھا۔ اس نے حیدر علی کو بہت تکلیف دی لیکن حیدر علی نے اس پر فتح پائی۔ پھر حیدر علی نے اس دغا بازی کا انتقام لینے کے لئے سرنگاپٹم پر لشکر کشی کی۔ اور راجہ کے مصارف کا انتظام کر کے عنان حکومت اپنے ہاتھ لی۔ رانیوں کی سفارش پر کھنڈے راؤ کی جان بخشی کر کے اس کو لوہے کے پنجرے میں رکھوا دیا۔ اور تمام عمر اس کو دودھ اور چاول کھلائے گئے۔"

حیدر علی نے جن حالات اور واقعات سے مجبور ہو کر میسور پر قبضہ کیا اور انگریز مورخین نے اسکے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود چند متعصب مورخین انہیں راجہ کا نمک حرام ملازم اور غاصب سلطنت قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ الزام کسی طرح بھی جائز اور درست نہیں۔

یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ حیدر علی نے تاج و تخت کیلئے راجہ کے خلاف قطعاً کوئی سازش نہیں کی۔ بلکہ سازش کی ابتدا خود راجہ سے ہوئی جب مرہٹوں کی مدد سے اس وفادار سپہ سالار کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دینا چاہتا تھا۔ حیدر علی کو اس سازش کا علم اس وقت ہوا جب مرہٹے عین سر پر آپہنچے۔ حیدر بمشکل تمام جان بچا کر بنگلور کو فرار ہو گئے اور آخر کار مدافعت میں جنگ لڑی۔ فتح و نصرت ان کے قدم چومے اور وہ کامیاب و بامراد ہوئے۔

اب اگر اس موت و حیات کی بازی کھیل چکنے کے بعد حیدر علی سلطنت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تو آخر ان کے لئے اور چارہ کار ہی کیا تھا۔ راجہ اور اس کے وزراء

پر انہیں کوئی اعتماد نہ رہا تھا۔

صرف یہی نہیں بلکہ جب مغلیہ شہنشاہ ہند کی طرف سے حیدر علی کو سرا کی صوبیداری تفویض کردی گئی تو ان کا راجہ میسور سے بحیثیت ملازم کوئی واسطہ نہ رہا تھا، بلکہ اب راجہ خود ان کا ماتحت ہو چکا تھا۔ ریاست میسور سلطنت مغلیہ کی باجگزار تھی۔ اور اس لئے یہاں کا راجہ صوبہ دار سرا کے تابع فرمان ہوتا تھا۔ ان تمام حقائق کے پیش نظر نواب حیدر علی کو کیونکر غاصب سلطنت کہا جا سکتا ہے؟

مشہور ہندو مصنفہ بینا دیوی اپنے ایک مضمون میں لکھتی ہیں:۔

"حیدر علی پر سب سے پہلا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے ہندو راجہ سے غداری کرکے اس کا ملک چھین لیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا لیکن اگر تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو یہ الزام بالکل غلط نظر آئیگا۔ حیدر علی کے عروج سے پہلے میسور ایک بہت ہی معمولی ریاست تھی۔ جس میں صرف ۳۳ گاؤں تھے۔ یہاں کے راجہ پہلے بیجاپور کے مسلمان بادشاہوں کے باجگزار تھے۔ اسکے بعد ۱۶۸۷ء میں یہ شہنشاہ اورنگ زیب کے باجگزار ہوگئے۔ چند سال بعد اورنگ زیب نے میسور کے راجہ چک دیو وڈیر کو جگدیو کا خطاب دیکر نوبت اور نقارہ رکھنے کی اجازت دیدی۔ میسور کی جاگیر سرا کے مغل گورنر کے ماتحت تھی۔ حیدر علی راجہ میسور کی ملازمت میں سپہ سالاری کے عہدہ تک پہنچا۔ اسکے تھوڑے عرصہ بعد مغل شہنشاہ ہند نے حیدر علی کو سرا کا گورنر مقرر کردیا اور اسے شاہانہ مراتب اور نقارہ و نشان بمعہ خطاب نوابی دربار مغلیہ سے عطا ہوئے۔ اس طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حیدر علی اب راجہ میسور کے ماتحت نہ رہا تھا بلکہ راجہ میسور اس

کے ماتحت تھا لیکن اسکے باوجود اس نے اپنے راجہ کی ہمیشہ عزت کی باوجودیکہ راجۂ میسور تینتیس ۳۳ گاؤں کا مالک تھا۔ اور حیدر علی کے زیر نگین اسی ہزار میل مربع ملک تھا۔ لیکن وہ راجۂ میسور کو اپنا آقا سمجھتا تھا۔ اور اسکی ہر ممکن خدمت کے لئے ہر وقت کربستہ رہتا تھا۔ اس نے کئی بار میسور کو تباہی سے بچایا لیکن جب راجہ کے غدار وزیروں نے راجہ کو بالکل مفلوج کر دیا اور خود وہ دادا حیدر علی کے خلاف سازشیں کرنے لگے تو اس نے مجبور ہو کر جاگیر میسور کی نظم خود اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور راجہ کو ایک باجگذار والیٔ ریاست کی حیثیت سے اپنی نگرانی میں رکھا۔ حیدر علی کے لئے آسان تھا کہ وہ اسی طرح جس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی نے ارکاٹ، اودھ، ناگپور اور ستارہ کے شاہی خاندانوں کو بے نشان کر دیا میسور کے شاہی خاندان کو جلا وطن کر دیتا لیکن نہیں۔ بدنام حیدر علی نے راجۂ میسور کے اعزاز و مناصب کو بدستور قائم رکھا۔ دسہرہ کے موقع پر راجہ کا جلوس نہایت شان و شوکت کے ساتھ نکلتا تھا۔ اور اس موقع پر جو دربار ہوتا تھا اس میں حیدر علی اور اس کے لڑکے ٹیپو سلطان کی جانب سے راجہ کی خدمت میں نذریں پیش کی جاتی تھیں۔ کیا اسکے بعد بھی حیدر علی کو غدار اور نمک حرام کہا جا سکتا ہے؟

حیدر علی نے ۱۷۶۳ء میں صوبۂ سرا کے انتظام سے فارغ ہو کر بالاپور خورد اور نندی گڑھ کی جانب توجہ کی۔ بالاپور کا پالیگار بنگنڈہ کے راجہ مراری راؤ سے طالب امداد ہوا۔ میدانِ نندی میں ان دونوں متحدہ فوجوں کا حیدر علی کی فوج سے مقابلہ ہوا جس میں مراری راؤ پنگنڈہ کی طرف فرار ہوا۔ حیدری فوج اس کے تعاقب میں نکلی۔ پہلی لڑائی گھڑی بنڈہ پر

ہوئی جس میں راجہ کو ہزیمت ہوئی۔ دوسری لڑائی نیکنڈہ پر ہوئی۔ جس کا محاصرہ ایک مہینہ تک قایم رہا۔ آخر راجہ نے اپنے آپ کو حیدر علی کے سپرد کر دیا۔

فتح نندی

نواب حیدر علی خاں نے میر علی رضا خان کے ماتحت ایک دستہ فوج نندی پر روانہ کیا۔ جہاں بعد محاصرہ کے حیدری افواج غالب آئیں راجہ اور اس کے متعلقات کو اسیر کر کے بنگلور روانہ کیا گیا۔ جن میں راجہ کے دو لڑکے مسلمان ہو گئے۔ علاقہ نندی پر بدر الزماں خاں کو (جو اہل نوائط سے اور ملازمت حیدری میں داخل تھا) بطور قلعہ دار مامور کیا گیا۔

فتح بدنور ۔ بدنور کے حالات

بدنور میسور کے شمال میں مغربی سرحد پر تھا۔ صوبہ بمبئی میں ضلع کیاترا کے قریب ایک زرخیز و مستحکم ہندو ریاست تھی۔ جس کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی تھی اور یہ بھی مشہور تھا کہ ۱۵۶۴ء میں سلطنت وجیانگر کے زوال پر وہاں کا خزانہ بدنور کو لایا گیا۔ بدنور کے مال و دولت کی داستانیں ابھی تک لوگوں کی زبان پر ہیں۔ تمام ملک کوہستانی ہے جس میں ٹیک لکڑی کے گھنے جنگل اور دشوار گذار پہاڑیاں ہیں۔ سوائے ایک تنگ راستہ کے جس پر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چھوٹے چھوٹے قلعے محافظت کے لیے تھے۔ اور کوئی راستہ بدنور تک پہنچنے کا نہیں تھا اور یہ قلعے تقریباً آٹھ میل عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ پایہ تخت اس قدر خوبصورت تھا کہ اکثر شعراء نے اس کی بڑی تعریفیں لکھی ہیں۔ شہر میں اس وقت نصف لاکھ (۵۰۰۰۰) کی آبادی تھی لیکن شہر بہت وسیع و فراخ تھا۔ ہر مکان کے ساتھ ایک وسیع باغ موجود تھا۔ شاہراہوں پر دو رویہ درخت لگے ہوئے تھے اور میٹھے پانی کی نہریں بہتی تھیں کہ جن میں سنگریزوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔

بالآپور اور ہنگن ڈرہ کی فتح سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی سرا میں مقیم تھے کہ ایک نوجوان حضوری میں آکر طالب داد ہوا۔ کہنے لگا کہ میں راجہ بدنور کا متبنیٰ ہوں۔ راجہ کے مرنے پر رانی نے ایک برہمن وزیر سے ناجائز تعلقات پیدا کر لئے ہیں اور دونوں نے مجھ کو میرے جائز حقوق سے محروم کر دیا ہے اور خود حکمران بن گئے ہیں۔ رات دن سوائے عیش و عشرت کے انہیں اور کوئی کام نہیں۔ رعایا بد دل ہو گئی ہے اور ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے رانی کو ان باتوں پر ہر چند توجہ دلائی مگر بے سود۔ رانی اور دیوان نے سازش کر کے رات کے وقت میرے مار ڈالنے کے لئے چند آدمیوں کو مقرر کیا۔ اور وہ میرا گلا گھونٹ کر مجھ کو ایک مندر میں دفن کر گئے۔ لیکن میری زندگی ابھی باقی تھی۔ مندر کے ایک جوگی نے مٹی ہٹا کر مجھے باہر نکالا۔ اور میرا علاج کیا اور کچھ نصیحتیں کیں کہ بھیس بدل کر نکل جاؤں۔ اب میں آپ کے پاس آیا ہوں اور انصاف چاہتا ہوں اگر ناحق جگہ مجھے دلائی جائے جس کے عوض میں ہمیشہ خراج ادا کرتا رہوں گا۔ نواب حیدر علی نے تمام حالات و واقعات وغیرہ دریافت کر کے اپنی فوجوں کو لیکر بدنور کی طرف بڑھے۔ راستے میں کہیں مزاحمت نہیں ہوئی کیونکہ تمام لوگ اس نوجوان سے جس کا نام مہابدی تھا واقف تھے۔ اور حیدری افواج نے بھی اس سرعت سے سفر طے کیا کہ جب تک وہ بدنور نہ پہنچ گئیں رانی پر حال نہ کھلا۔ قلعہ کے باہر پہنچ کر نواب حیدر علی نے رانی کو طلب کیا۔ مگر اس نے آنے سے انکار کیا۔ لہٰذا حیدری فوج نے چڑھائی کر دی۔ آخر سخت جنگ کے بعد رانی گرفتار ہو کر حیدر علی کے سامنے لائی گئی۔ رانی سے قول و قرار کر کے مہابدی کو تخت نشین کیا گیا اور رانی رہا کر دی گئی۔ اس کے صلہ میں بندرگاہ منگلور مع مضافات نواب حیدر علی کو دیا گیا۔ چنانچہ نواب منگلور پر قبضہ کرنے کیلئے آگے بڑھے۔

حیدر علی کے خلاف سازش نواب حیدر علی کیلئے منگلور سے واپسی کا راستہ بند ہو گیا

سے تھا۔ حیدر علی جب بدنور گئے۔ تو رانی نے مہابدی کو اپنے جال میں پھانس لیا اور کہا کہ ایک ہندو ریاست کو تباہ کرنے کے لئے تو ایک مسلمان کو لایا ہے۔ جو ضرور واپسی پر تجھ کو تخت و تاج سے محروم کرکے بدنور پر قابض ہو جائے گا۔ اس سے بہتر ہے کہ جب وہ واپس ہو تو اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ حیدر علی جس مقام پر پہلے مقیم ہوئے تھے۔ اسی جگہ سرنگیں بچھا کر بارود بھر دی گئی۔ اور زمین کے اندر ہی اندر ایک مندر کی طرف راستہ نکالا گیا۔ تجویز یہ تھی کہ حیدر علی جب یہاں آکر ٹھہریں تو مندر کے راستے سے سرنگوں میں آگ لگا دی جائے۔

بدنور پر قبضہ

نواب حیدر علی منگلور پر قبضہ کر کے واپس ہوئے۔ اور بروقت داخلہ بدنور ایک برہمن نے جو سازش کے راز سے آگاہ تھا۔ نواب حیدر علی کو اس سے خبردار کر دیا۔ نواب حیدر علی نے بغرض تحقیق اس مکان کا محاصرہ کر لیا اور کھدوا کر دیکھا تو سازش کا پورا حال کھل گیا۔ لہذا رانی اور اس کے آشنا بہم دیوان کو قتل کر دیا گیا۔ مہابدی گرفتار ہو گیا۔ اور ملک پر قبضہ ہو گیا۔ نواب حیدر علی کو اس قدر خزانہ ملا کہ جس کا اندازہ ۱۲ کروڑ روپیہ کیا جاتا ہے۔

بورنگ اپنی تاریخ حیدری میں لکھتا ہے:

> ”اس فتح کی خوشی میں نواب نے اپنی تمام سپاہ و نیز باہر کے قلعہ داروں کو ڈیڑھ ڈیڑھ سال کی تنخواہ بطور انعام تقسیم کی اور تخت بدنور پر بحیثیت بادشاہ کنارا جلوہ فرما ہوا۔“

دوسرے انگریزی مورخین لکھتے ہیں: کہ ”حیدر علی خاں کو یہ خداداد فتح ایسی حاصل ہوئی کہ اس نے حیدر علی خاں کو دفعۃً کرسی سے تخت پر بٹھا دیا“ تخت نشین ہو کر نواب نے بدنور کا نام اپنے نام پر حیدر نگر رکھا۔ اور اس کو پائے تخت بنانے کے خیال سے

جدید تعمیرات کی بنیاد ڈالی۔

ٹکسال اور سکہ نواب حیدر علی نے اس خداداد فتح پر مسرور ہو کر بدنور میں ٹکسال قائم کی اور اپنے نام کا سکہ ضرب کرایا۔

حیدر علی اور پرتگیز بدنور کے چند علاقوں پر پرتگیزی گوا سے نکل کر قابض ہو گئے تھے۔ نواب حیدر علی نے گوا پر چڑھائی کی اور قلعہ ریاما تک پہونچ گئے۔ لیکن اس کے بعد صلح ہو گئی۔ جس کی رو سے پرتگیزوں نے تمام علاقہ کا پورا نواب حیدر علی کے سپرد کر دیا۔

واقعات ملیبار ملیبار ہندوستان کے جنوب مغربی ساحل پر ایک زرخیز خطہ ہے جو کیرالا (چیرالا) بھی کہلاتا ہے۔ اس ملک میں آغاز اسلام ہی سے بغرض تجارت عربوں کی آمد و رفت رہی ہے۔ ان تاجروں کی بدولت بہت سے خاندان مسلمان ہو گئے اور مایلہ کہلانے لگے بلکہ چند چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی مسلمان ہو گئیں تھیں جن کا ذکر مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں کیا ہے۔ اس وقت جب نواب حیدر علی کی شہرت فتح بدنور کی وجہ سے دور دور پھیل گئی تو ملیبار کے مسلمان جو اپنے ہمسایوں کی روز روز کی لڑائیوں سے سخت تنگ آ گئے تھے، نواب حیدر علی سے طالب امداد ہوئے اور اسکے ساتھ ہی کنانور میں ایک واقعہ ایسا ہوا کہ وہاں کے نائر راجہ کی لڑکی ایک مسلمان نوجوان پر جس کا نام علی تھا عاشق ہو گئی۔ اور جب اس عشق کا حال کھلا تو راجہ کنانور نے باوجود اپنی قوم کی مخالفت کے اپنی بیٹی کی شادی علی سے کرادی۔ اور اس کو وارث تخت و تاج بنایا۔ اس وجہ سے قوم نائر اس قدر برافروختہ ہوئی کہ مسلمانوں پر زندگی حرام ہو گئی۔ علی راجہ کی جانب سے بھی حیدر علی کو ایک عرضی موصول ہوئی۔ نواب حیدر علی کو معلوم تھا کہ مایلہ قوم جہازرانی میں نہایت

مشتاق ہے۔ اس لئے علی راجہ کی مدد سے نواب کو ایک بحری طاقت رکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ نواب نے فوراً ماپلاؤں کی سفارت کو شرف باریابی بخشا اور علی راجہ کو اپنا امیر البحر مقرر کر دیا۔ اس اعلان کا نتیجہ ملیبار اچھا پڑا جس کی وجہ سے نائر خود بخود دیسہ سے ہو گئے۔

علی راجہ کے فتوحات

علی راجہ اب کنارا کا مستقل حکمران بن گیا۔ اور امیر البحر سلطنت حیدری ہو کر ایک زبردست جنگی جہازوں کا بیڑا تیار کر کے ساحل ملیبار کے ان جزائر پر حملہ آور ہوا جو اب تک اسلامی فاتحین کے حملے سے بچے ہوئے تھے اور اسلام کا پرتو بھی ان پر نہ پڑا تھا۔ یہاں کے لوگ ساحل ملیبار پر آکر ماپلاؤں پر ظلم کرتے تھے۔ علی راجہ نے ان جزیروں پر حملہ کر کے راجہ کو گرفتار کر لیا اور اس کی دونوں آنکھیں نکلوا ڈالیں۔

ساحل ملیبار کے جزائر پر پرچم اسلام

راجہ کے گرفتار ہوتے ہی تمام جزائر پر علی راجہ کا قبضہ ہو گیا اور اس نے ہر جگہ حیدری علم نصب کر دیا۔ امیر البحر علی جب راجہ کو لیکر منگلور پہنچا۔ تو نواب حیدر علی خان کو راجہ کی روئداد معلوم ہوئی۔ حیدر علی نے راجہ سے معافی مانگی اور ایک معقول جاگیر اسکے ضروری مصارف کے لئے مقرر کر دی اور علی راجہ سے منصب امیر البحر واپس لے لیا گیا۔

ملیبار میں ماپلاؤں پر ظلم

ماپلاؤں نے صرف دو یا تین مہینے آرام و اطمینان کی زندگی بسر کی تھی کہ علی راجہ کی معزولی کی خبر ملیبار میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ نائروں نے سمجھا کہ حیدر علی ماپلاؤں سے دست کش ہو گئے ہیں لہذا قتل عام کا بازار گرم ہو گیا۔ ماپلاؤں کی ایک زبردست سفارت منگلور پہنچی جہاں حیدر علی مقیم تھے۔

ملیبار پر فوج کشی سفارت کا بیان سُنکر نواب حیدر علی بیس ہزار سوار فوج لیکر ملیبار کی طرف بڑھے۔ کنانور کے قریب علی راجہ نے استقبال کیا۔ اور نواب کے رکاب کو بوسہ دیا۔ نواب نے اسکی عزت افزائی کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لےلیا۔ کنانور کے قریب ندی کے کنارے نائروں کی فوج جمع تھی۔ دوسرے دن لڑائی شروع ہوئی جس میں حیدری افواج غالب آئیں۔ نائر پسپا ہو کر پیچھے ہٹے اور حیدری افواج تسخیر کالی کٹ کے خیال سے آگے بڑھیں۔

تسخیر کالی کٹ نواب حیدر علی کی فوج جب کالیکٹ کے قریب پہنچی تو وہاں کے راجہ زامرن نے شہر سے باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا اور نہایت قیمتی تحائف پیش کئے۔ اس طرح کالیکٹ بغیر کسی لڑائی کے نواب کے قبضہ میں آگیا۔ نواب قلعہ میں فروکش تھے کہ زامرن اپنے محل کو واپس گیا۔ وہاں اس کے لوگوں نے اس کو سخت غیرت دلائی جس کے باعث اس نے محل کو آگ لگادی اور جل کر مرگیا۔

(نوٹ:۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ راجہ کی کارروائی سے برافروختہ ہو کر اس کے رشتہ داروں نے آگ لگادی تھی)

نائروں سے دوسری لڑائی نائروں کو اپنی پہلی شکست کا بہت غصہ تھا اور اب جو راجہ کے مرنے کی خبر پھیلی تو انھوں نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ کالی کٹ پر حملہ کیا مگر معمولی مقابلے کے بعد بھاگ نکلے۔ نواب حیدر علی نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے قلعہ پونانی پر حملہ کیا۔ تسخیر کالی کٹ کے بعد کوچین کی طرف بڑھے۔ راجہ کوچین نے بھی اطاعت قبول کر لی۔

نواب کی دور اندیشی چونکہ بارشوں کا زمانہ شروع ہو گیا تھا اور ملیبار میں کثرت

سے بارش ہوتی ہے۔ اس لئے اس وقت نواب حیدر علی نے بھی مناسب سمجھا کہ بارش کا موسم ختم ہونے تک ملیبار سے باہر رہیں۔ یہ کہکر کوئمتور کی طرف کوچ کیا کہ فوج کو آرام ملے اور ملیبار کے نزدیک بھی رہیں۔

نواب حیدر علی کے مراجعت کرنے کے بعد نائروں نے موسم بارش سے فائدہ اٹھاکر از سرِ نو موپلاؤں پر ظلم و ستم کرنا شروع کردیا۔ اس مرتبہ ان کی حمایت پر راجہ ٹراونکور اور دوسرے سردارانِ ملک بھی تھے۔ تمام نائروں نے مجتمع ہوکر شہر کالی کٹ اور قلعہ پونانی کا محاصرہ کرلیا۔ نواب کے متعدد عامل مار ڈالے گئے۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ اس موسم برسات میں حیدر علی ادھر آنے کی جرأت نہ کرینگے۔ نواب حیدر علی کی افواج مقیم کالی کٹ اور پونانی سے قاصد خفیہ طور پر کوئمتور پہنچے۔ اور دوسری جانب یہی خبر میر علی رضا خان کو جو مدگری میں مقیم تھے پہنچی۔ وہ فوراً اپنی فوج لیکر مدافعت کالی کٹ کیلئے پہنچ گئے۔ دوسری طرف سے نواب حیدر علی اپنے پندرہ ہزار سوار اور پیادہ فوج لیکر جن میں فرانسیسی اور پرتگیزی سپاہی بھی تھے ایک آندھی کی طرح ملیبار کے طوفانی موسم برسات میں ندیوں نالوں اور پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے پونانی کے قریب پہنچے۔ سواروں کو حکم تھا کہ گھوڑوں پر زین نہ رکھیں پیادوں کو موم جامے اور چھتریاں دی گئیں تھیں۔ نواب حیدر علی بھی فوج کے ساتھ بغیر کسی خدم و حشم اور شان و شوکت کے ایک معمولی سپاہی کی طرح ساتھ تھے۔

جنگ پونانی

نائروں کی فوج ایک بہت چوڑی اور گہری خندق میں مورچہ بند تھی۔ گولیاں چلانے کے لئے لکڑیوں کا کٹہرا (دیوار) بنا ہوا تھا۔ اور ایک اونچے ٹیلے پر توپ خانہ نصب تھا۔ نواب حیدر علی نے مقام کی مضبوطی کو دیکھ کر اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کردیا۔ داہنے طرف پرتگیز افسر تھا۔ بائیں جانب ایک انگریز افسر جو

نواب کی ملازمت میں تھا) کے ماتحت ایک حصہ فوج کا تھا۔ نواب کے فرانسیسی ملازموں کی فوج بطور محفوظ پیچھے رکھی گئی۔ سب سے پہلے داہنی طرف کی فوج نے حملہ کیا اور پرتگیز افسر خندق تک جا پہنچا۔ گولیاں چل رہی تھیں۔ مگر معلوم نہیں ہوتا تھا کہ لکڑیوں کی دیوار کے پیچھے نائروں کا کیا نقصان ہو رہا تھا۔ ادھر حیدری سپاہ کثرت سے گر رہی تھی۔ پھر بائیں طرف کی فوج بڑھی تو اس کا بھی یہی حال ہوا۔ یہ حال دیکھ کر نواب کے غصہ کی کوئی حد نہ رہی۔ مگر خندق کو عبور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ محفوظ فوج کے فرانسیسی افسر نے نواب سے عرض کی کہ اگر مجھ کو حکم ہو تو آگے بڑھوں۔ نواب نے حکم دیدیا۔ یہ فوج آگے بڑھی۔ اور باوجود گولیوں کی متواتر بارش ہونے کے خندق میں داخل ہو گئی۔ اور اس کو عبور کر کے لکڑیوں کے حصار پر پہنچی۔ تختے توڑ ڈالے گئے۔ اور نائروں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ یہ فوج کچھ اس بے جگری سے لڑی کہ ہزاروں نائر قتل ہو گئے۔ مورچہ قبضہ کر لیا گیا۔ اور شہر کو آگ لگا دی گئی۔ یہ حالت دیکھ کر لقیۃ السیف نائر بھاگ نکلے۔ قدر دان نواب نے فرانسیسی افسر کو ایک دم دس ہزار کا سپہ سالار اور افسر توپ خانہ بنا دیا۔ اس فتح سے نواب کی ہیبت ملک پر چاروں طرف چھا گئی اور نائر اپنے دیہات خالی کر کے بھاگ نکلے۔ نواب نے اعلانِ امن کرتے ہوئے برہمنوں کو روانہ کیا کہ لوگوں کو اپنے اپنے گھروں پر واپس لائیں۔ مگر اس میں کامیابی نہیں ہوئی جس پر نواب نے دوسرا اعلان جاری فرمایا۔

نواب کا اعلان

(۱) نائروں کا درجہ برہمنوں کے بعد تھا۔ لیکن وہ آئندہ اور کم درجہ میں گنے جائیں۔

(۲) نیچ اقوام نائروں کے جلوس میں دوڑتی تھیں۔ یہ رسم موقوف کی گئی۔

(۳) پہلے صرف نائر ہتھیار باندھتے تھے۔ آئندہ نیچ اقوام بھی ہتھیار باندھیں۔

(۴) جو نائر مسلمان ہوگا۔ اسکے خاندان پر تمام حقوق قدیمہ بحال و برقرار رہیں۔
(۵) جو شخص بھی مشرف بہ اسلام ہو۔ اس کو وہی حقوق حاصل ہوں جو نومسلم نائروں کو دیئے جاتے ہیں۔

اعلان کا اثر نواب حیدر علی کے اعلان کا یہ اثر ہوا کہ ہزارہا لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

مرہٹوں کی لشکر کشی بدنور والوں نے جب دیکھا کہ نواب حیدر علی ملیبار میں مصروف ہیں تو انہوں نے مرہٹوں سے درخواست کی کہ سنہ ۱۷۶۳ء اس ہندو مملکت کو نواب کے قبضہ سے چھڑائے۔ اس درخواست پر مرہٹوں کا ایک لشکر بدنور پر حملہ آور ہوا۔ نواب کو جس وقت خبر ہوئی تو وہ میر علی رضا خاں کو ملیبار کا انتظام سپرد کرکے بدنور روانہ ہوئے۔ بدنور نواب کو جان شہروں سے عزیز تھا۔ نواب کے پہنچنے تک مرہٹوں نے بدنور پر قبضہ کر لیا تھا۔ مگر بارش کا موسم شروع ہو جانے وہ خود بخود واپس چلے گئے۔

چیتلدرگ پر فوج کشی سنہ ۱۷۶۴ء مرہٹوں کی واپسی کے بعد نواب حیدر علی نے علاقہ جات چیتلدرگ پر فوج کشی کی۔ مضافات چیتلدرگ پر قبضہ ہو گیا۔ مگر خاص قلعہ چیتلدرگ باوجود پانچ مہینے محصور رہنے کے فتح نہ ہو سکا۔ اس لئے نواب نے محاصرہ اٹھا لیا۔

شاہنور پر چڑھائی جس وقت مرہٹوں نے بدنور پر چڑھائی کی تھی تو نواب شاہنور نے اپنی افغانی فوج مرہٹوں کی کمک کے لئے روانہ کی تھی۔ اس کا انتقام لینے کے لئے نواب حیدر علی نے ایک دستہ فوج کو ہیبت جنگ کے ماتحت روانہ کیا۔ اور خود بھی فوج لیکر آگے بڑھے۔ پنڈاروں کو مقرر کیا گیا کہ کسی طرح

لڑتے ہوئے افغانی فوج کو حیدری فوج کی کمینگاہ تک لے آئیں۔ پنڈاری فوج لڑتی ہوئی بظاہر مغلوب ہو کر پیچھے ہٹی۔ افغان تعاقب میں بڑھے۔ جہاں حیدر علی کی فوجوں نے انہیں نہایت آسانی کے ساتھ کاٹ کر رکھ دیا۔ نواب عبدالحکیم خاں والئ شاہنور نے اس خبر کو سنتے ہی فرار ہو کر قلعۂ شاہنور میں پناہ لی۔ جس کا حیدری افواج نے محاصرہ کر لیا۔ جب نواب عبدالحکیم خاں کو معلوم ہو گیا کہ نواب حیدر علی کسی طرح ٹلنے والے نہیں ہیں تو طالبِ صلح ہوا۔ اور ایک کروڑ روپیہ دینا منظور کر کے مضافات شاہنور کے چند قلعوں پر بھی حیدر علی کو قبضہ دیدیا۔ یہاں کا انتظام کرنے کے بعد حیدر علی نے اطراف و جوانب کے پالیگاروں اور راجاؤں پر فوجیں بھیجیں۔ چنانچہ مرزا حسین علی بیگ نے بسواری درگ فتح کر لیا۔ وہاں کے راجہ نے نواب حیدر علی کی خدمت میں یاقوت و مروارید اور جڑاؤ زیورات سے بھرے ہوئے بیس صندوق بطور پیش کش روانہ کئے۔

مادھو راؤ پیشوائے پونا کی لشکر کشی میسور پر ۱۷۶۵ء

واقعات ۱۷۶۴ء میں ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب حیدر علی نے مرہٹی سپہ سالار الیاجی کو بارہ محل کا علاقہ تفویض کر دیا تھا۔ جب الیاجی بارہ محل پہنچا تو حیدری قلعہ داروں نے قلعہ جات حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ الیاجی ابھی کچھ کارروائی کرنے نہ پایا تھا کہ پانی پت میں مرہٹوں کے شکست کی خبر پہنچی۔ الیاجی پونا واپس ہو گیا۔ بالاجی باجی راؤ کے مرنے پر مادھو راؤ پیشوا ہوا۔ اور اس نے از سر نو مرہٹی سلطنت کی تنظیم شروع کر دی۔ اس وقت جب حیدر علی بدنور، سیلبار، شاہنور پر قابض ہو گئے۔ تو پیشوا کو ایک نئی طاقت کا ابھرنا نہایت شاق گزرا۔ مادھو راؤ خود اپنی کمان میں ایک لاکھ سوار، ساٹھ ہزار پیادے، پچیس ہزار تیر انداز اور ایک بڑا توپ خانہ لیکر علاقہ میسور پر بڑھا۔ اس قدر فوج کے

علاوہ پنڈاروں کی بے قاعدہ فوج بھی اس کے ساتھ تھی۔ مادھو راؤ کے آتے ہی شاہنور کا نواب عبدالحکیم خاں اور چتلدرگ کا راجہ اس سے مل گیا۔ مادھو راؤ سرا پر بڑھا۔ یہاں چند دن کی لڑائی کے بعد میر علی رضا خان نے قلعہ حوالے کر کے اس کی نوکری منظور کر لی۔ تسخیر سرا کے بعد مرہٹی فوجوں نے مدگری فتح کر لیا۔ جس وقت یہ خبریں نواب حیدر علی کو پہنچیں تو انہیں فکر ہوئی کہ کس طرح اس زبردست غنیم کا مقابلہ کیا جائے۔ مگر بجائے ہمت ہار کر بیٹھ جانے کے جو کچھ فوجیں جمع ہو سکتی تھیں ساتھ لیکر سرنگاپٹم سے بنگلور آئے اور یہاں قلعہ کے استحکام میں مصروف ہوئے۔ سواروں اور پنڈاروں کو حکم دیا کہ صحرائے ماگڑی میں چھپ کر مرہٹی فوج پر شبخون مارا کریں۔ مادھو راؤ قلعہ ماگڑی کی طرف بڑھا مگر وہاں کے حاکم سردار خاں نے نہایت شجاعت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ چار دن اس لڑائی میں گذرے۔ مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ جس پر چتلدرگ کے راجہ نے پوشیدہ راستوں سے اپنے آدمیوں کو قلعہ پر چڑھا دیا۔ سردار خاں نے دیکھا کہ مرہٹے قلعہ پر قابض ہو چکے ہیں تو اپنے رفقاء کے ساتھ صرف تلوار سے لڑنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام سپاہی لڑتے لڑتے مر گئے۔ اور سردار خاں زخمی ہو کر گرفتار ہو گیا۔ اس عرصہ میں اسکی فوج جو جنگل میں چھپی ہوئی تھی کبھی کبھی شبخون مارتی۔ مگر مرہٹوں کی بے شمار فوج میں چند ہزار آدمیوں کے قتل سے کوئی کمی محسوس نہ ہوتی تھی۔ ماگڑی پر قابض ہو کر مادھو راؤ بالاپور، کڑپہ، کولار، طباگل گرم کنڈہ پر قبضہ کرتا ہوا سرنگاپٹم کی طرف بڑھا۔

مرہٹی فتوحات کا اثر

مادھو راؤ کی فتوحات نے ملک پر اس قدر اثر ڈالا کہ تمام پالیگار اور راجہ جو حیدر علی کے زیرِ اثر تھے۔ حیدر علی سے منحرف ہو گئے۔ اور معلوم یہی ایسا ہوتا تھا کہ سلطنتِ حیدری اب کوئی دم کی مہمان ہے۔

ادھر حیدر علی کو بھی احساس ہوا کہ سرنگا پٹم پر مرہٹوں کا قبضہ ہوتے ہی ان کی سلطنت کا خاتمہ ہے۔ اس وقت لوگ علانیہ کہہ رہے تھے۔ کہ میسور میں مرہٹی سلطنت قایم ہو جائیگی۔ اور مادھو راؤ کی فتوحات ہندوؤں میں نہایت فخر و مباہات سے بیان کی جاتی تھیں۔ مادھو راؤ نے چنتا منی کو اپنا صدر مقام مقرر کرکے ایک بھاری توپ خانہ اور پچاس ہزار کی فوج سرنگا پٹم کی طرف روانہ کی. نواب حیدر علی بھی اپنی خداداد جسارت سے کام لیکر ماگڑی کے جنگل میں مرہٹوں کی ہراول فوج کا انتظار کرنے لگے جس وقت نصف شب گذری تو اس فوج پر شبخون مارا. اور یہ حملہ کچھ اس غضب کا تھا کہ تقریب قریب کل مرہٹے کشت گئے۔ اور جو باقی بچے وہ تمام ہتھیاروں سامان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ دوسری طرف مرہٹی فوج کا ایک چھوٹا دستہ بارہ محل پر بڑھ رہا تھا. اس پر بھی حیدری پنڈاریوں نے شبخون مار کر اس کو واپسی پر مجبور کر دیا. جب مادھو راؤ کو ان دونوں شکستوں کی خبر پہنچی تو اس نے چنتامنی سے اٹھ کر اماجی درگ میں کیمپ قایم کیا۔

مادھو راؤ سے صلح

ایک جانب تو مادھو راؤ کی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی کہ اس طرح شکست کھا کر واپس جائے۔ اور دوسری طرف فوج کی کمی نے اس کو مزید پیش قدمی سے روک دیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر نواب حیدر علی نے سات لاکھ روپیہ مادھو راؤ کے پاس بھیجا۔ اور پچاس لاکھ دینے کا وعدہ کیا اور لکھا کہ مرہٹوں کی کثیر فوج نے تمام ملک کو پامال کر دیا ہے۔ باوجود اس کے مجھے جنگ جاری رکھنے سے عار نہیں ہے چونکہ رعیت تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ آپ اس نذرانہ کو قبول کرتے ہوئے واپس ہو جائیں۔ مادھو راؤ نے اس کو ایک خداداد نتیجہ خیال کرتے ہوئے پونا کی طرف واپسی منظور کر لی۔ اسکے بعد نواب حیدر علی نے از سر نو سلطنت کے انتظام پر توجہ کی۔

راجۂ میسور کی وفات
۱۷۶۶ء

۱۷۶۶ء میں راجۂ میسور کی وفات ہو گئی اور چونکہ اس کا کوئی لڑکا نہ تھا۔ لہٰذا حیدر علی نے اسی خاندان کے ایک اور لڑکے کو متبنیٰ بنا کر مسند راجگی پر بٹھا دیا۔
تاریخ رولرس آف انڈیا کا مصنف لکھتا ہے:۔

"اس موقع پر حیدر علی نے خاندان کے تمام لڑکوں کو محل میں جمع کر کے چند کھلونے ان کے آگے ڈال دیئے۔ لڑکے اپنی اپنی پسند کی چیز اٹھانے لگے ایک لڑکے نے تلوار اور لیموں اٹھا لیا۔ حیدر علی نے کہا کہ یہی بچہ راجہ ہونے کے لائق ہے۔ چنانچہ اسی کو راجہ بنایا گیا۔"

انگریزوں سے پہلی جنگ
۱۷۶۷ء تا ۱۷۶۹ء

انگریزی تاریخوں میں یہ جنگ "میسور کی پہلی جنگ" کے نام سے موسوم ہے۔ انگریزوں اور نظام علی خاں نظام الملک کو نواب حیدر علی کی فتوحات خار کی طرح کھٹکتی تھیں۔ مادھوراؤ پیشوائے پونا کے حملوں کے بعد انہوں نے سمجھ لیا کہ حیدر علی کی طاقت بالکل شکستہ اور کمزور ہو گئی ہے اس لیے ان دونوں طاقتوں نے اتحاد کر لیا اور ان کے ساتھ ایک مرہٹی سردار بھی دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ مل گیا جو دکن میں ادھر ادھر چھاپے مارتا پھر رہا تھا۔

انگریزی فوج جس میں زیادہ تر نواب والاجاہ محمد علی کی فوجیں تھیں۔ کرنل اسمتھ کی ماتحت تھیں۔ حیدرآبادی فوجوں کی کمان خود نظام الملک کے ہاتھ میں تھی۔ اور مرہٹی سردار علیحدہ تھا۔ یہ متحدہ فوجیں علاقہ میسور پر بڑھیں۔ بعض انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ ابتداء حیدر علی سے ہوئی۔ اس لیے کہ انہوں نے حیدرآباد کے علاقہ پر چھاپہ مارا تھا۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ یہاں چند انگریزی تاریخوں ہی سے اس جنگ کے اسباب پر روشنی ڈالی ہے۔

مورخ ڈیلاسی نوسی اپنی تاریخ ہند صفحہ ۱۷۶ پر لکھتا ہے:

"فتوحات حیدری سے خوف زدہ ہو کر نظام الملک اور مرہٹوں نے انگریزوں سے اتحاد کیا اور کرنل اسمتھ کے ماتحت یہ متحدہ فوجیں بغیر کسی وجہ کے میسور پر بڑھیں۔"

مورخ سنکلیر اپنی تاریخ ہند صفحہ ۱۶۰ پر رقمطراز ہے:

"۱۷۶۶ء میں مدراس میں انگریزوں کو معلوم ہوا کہ حیدر علی فرانسیسیوں سے سازش کر رہے ہیں کہ انگریزوں کو ہند سے نکالا جائے۔ انگریزوں نے نظام اور مرہٹوں سے مدد مانگی۔ اور یہ تینوں فوجیں جس میں نواب محمد علی والاجاہ کی فوجیں بھی شامل تھیں میسور پر حملہ آور ہوئیں۔"

مورخ تھامپسن اپنی تاریخ ہند صفحہ ۲۶۸ پر لکھتا ہے:

"نظام الملک ہمیشہ حیدر علی کا حاسد رہا۔ اس کو حیدر علی سے اس طرح نفرت تھی کہ وہ اس کو یعنی حیدر علی کو غاصب سلطنت سمجھتا تھا۔ لہٰذا انگریز، مرہٹے اور نظام الملک نے متحد ہو کر حیدر علی پر چڑھائی کی۔"

تاریخ ورلڈس آف انڈیا صفحہ ۱۶۸ پر تحریر ہے:

"حیدر علی کے خوف سے نظام الملک انگریزوں سے مل گیا اور ایک مرہٹی سردار کے ساتھ مل کر انہوں نے میسور پر فوج کشی کی۔"

مذکورہ بالا انگریزی تاریخوں کے حوالہ جات سے آپ دیکھ چکے ہیں۔ جنگ کی اصل وجہ کیا تھی۔ اب خاص حیدرآباد کی مطبوعہ تاریخی کتب ملاحظہ ہوں:

"چونکہ اس زمانہ میں کمپنی کو حیدر علی خاں کی روز افزوں قوت سے

اندیشہ تھا اور وہ آئے دن کرناٹک اور انگریزی کمپنی کے علاقے پر حملہ کرتے رہتے تھے اس واسطے کمپنی کو یہ لازم تھا کہ اس کا کوئی معقول بندوبست کرتی۔ اور ساتھ ساتھ اس امر کا انتظام بھی ضروری تھا کہ دکن کے ان رئیسوں کو فراہم کرلے۔ جن کے ساتھ متفق ہو کر حیدر علی خان اپنی قوت میں اضافہ کرسکتے تھے، ان امور پر نظر کرتے ہوئے کمپنی نے بندگان عالی کو حیدر علی خان سے خلاف کھڑا کر دیا۔"

(نظام علی خان حصہ دوم از سراج الدین طالب صفحہ ۴۳ مطبوعہ حیدرآباد

تزک آصفیہ میں شاہ تجلی علی لکھتے ہیں: (صفحہ ۱۷۴)

"بندگان حضرت اگرچہ در تحصیل مقصد آں قوم دانا بودہ اماد راستیصال حیدر نایک استیلائے اہل فرنگ مندرج بہ تخریب ملک و آبادی معمورہ ائے ایں قوم مندرج است۔ معہذا بپاس خاطر رکن الدولہ منظور داشتہ دست رد بر سینۂ ملتمس او نگذاشتہ۔ پنجۂ مسلمت آنہا بجائے حسن قبول رنگین فرمودند۔"

یہ سچ تو یہ ہے کہ نظام علی خاں کو ایک اور اسلامی طاقت کا ابھرنا گراں گذر رہا تھا۔ مگر اتنی جرأت بھی نہیں تھی کہ خود حملہ کرتا۔ دوسری طرف مدراس میں انگریزوں کو خوف ہو چلا تھا کہ کہیں حیدر علی کی بڑھتی ہوئی طاقت انہیں ہندوستان سے نہ نکال دے۔ سازشیں دونوں جانب سے شروع ہوئیں اور ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے نظام الملک نے علاقہ شمالی سرکار انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اور اپنی فوج لیکر انگریزوں کے ساتھ علاقہ میسور پر حملہ آور ہوا۔ محمد علی والا جاہ تو پہلے ہی سے انگریزوں کا بندۂ بے دام تھا۔ اس لئے مورخین نے اس کے نام کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بہر طور یہ متحدہ فوجیں علاقہ بالاگھاٹ پر بڑھیں۔ حیدر علی نے بھی تیاریاں شروع کیں۔ حیدری فوج مختلف دستوں پر منقسم ہوئی۔ جس میں ایک پر ٹیپو سلطان کمان کر رہے تھے۔ دوسرے پر محمد علی کمیدان۔ تیسرے دستے پر بخشی ہیبت جنگ۔ چوتھے پر میر علی رضا خان مقرر ہوئے اور باقی فوج خاص نواب حیدر علی کے ماتحت تھی۔

یہ فوجیں مدافعت کی غرض سے بڑھیں اور انہوں نے متحدہ فوجوں کو رسد نہ ملنے کے لئے ملک کو لوٹ کر فوجوں پر شبخون مارنا شروع کر دیا۔ جس پر انگریزوں نے یہ چال چلی کہ حیدر علی کی توجہ ہٹانے کے لئے علاقہ بمبئی سے ایک فوج ساحل منگلور پر اتار دی کہ بڑھ کر بدنور پر قبضہ کر لے۔ نواب کو خبر ہوئی تو انہوں نے ٹیپو سلطان کو ادھر طرف بھیج دیا اور بعد میں میر علی رضا خان اور محمد علی کمیدان کو مشرقی محاذ پر تعینات کرکے خود بھی بدنور کی جانب بڑھے۔

بالاگھاٹ پر اتحادیوں کا قبضہ

نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے چلے جانے سے اتحادیوں کی فوجوں کو پیش قدمی کا کافی موقع مل گیا۔ اور انہوں نے وانمباڑی، ترپاتور، کنگن، گنڈمد، تیکد بوم، دھرم پوری، کولار اور ہوسکوٹہ فتح کر لیا۔ ان فتوحات سے مسرور ہو کر والا جاہ نواب محمد علی نے کولار کو اپنا صدر مقام بنایا اور مراری راؤ حاکم گتی کو ان مفتوحہ علاقوں کے انتظام کے لئے اپنے پاس بلایا۔ نواب محمد علی والا جاہ کا خیال تھا کہ حیدر علی کے مولد و مسکن پر قبضہ کرنے سے حیدر علی مطیع ہو جائیں گے۔

مغربی محاذ پر لڑائی

ٹیپو سلطان نے جاتے ہی منگلور کا محاصرہ کر لیا مگر فوج کی کمی کے باعث کوئی زیادہ کارروائی نہ کر سکے۔ اس عرصہ میں حیدر علی بھی آ پہنچے۔ مگر ان کے پاس بھی فوج زیادہ نہ تھی۔ حیدر علی نے آٹھ ہزار چیدہ

بند و قیں تیار کرکے آٹھ ہزار سپاہی نوکر رکھے۔ اور اس نمائشی فوج کو رنگ برنگ کے علم اور نشان دیکر بنگلور پر چڑھا دیا گیا۔ جس وقت انگریزی سپہ سالار نے دیکھا کہ بے شمار فوج اسکے مدمقابل آ رہی ہے تو قلعہ چھوڑ کر واپسی کی تیاریاں کرنے لگا۔ ٹیپو سلطان کو جب یہ حال معلوم ہوا تو سواروں کا رسالہ لیکر فوراً قلعہ پر حملہ کر دیا۔ ادھر سے توپ خانہ گولے برسا رہا تھا۔ انگریزی فوج نہایت سراسیمگی کی حالت میں اپنا تمام سامان چھوڑ کر جہازوں پر سوار ہو کر بمبئی واپس ہو گئی۔

اس فتح سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی مشرقی محاذ

حیدر علی مشرقی محاذ پر

پر آئے۔ اس وقت انگریزی فوج ترسی پور میں مقیم تھی اور اس کے بازو پر مراری راؤ کا کیمپ تھا۔ نواب نے اچانک اس پر شبخون مارا۔ اور بہت سامان اور اسباب لوٹ کر سات گڑھ کی طرف روانہ ہوئے۔

مدراس سے انگریزی فوجوں کے ایک دوسرے دستہ نے نکل کر جنوب میں ٹونڈیگل، کونتور، دھارا پور وغیرہ پر قبضہ کر لیا اس خبر کے پاتے ہی ٹیپو سلطان کو جنرل اسمتھ کے مقابلے میں چھوڑ کر حیدر علی دھرمپوری کی طرف بڑھے۔ راستے میں انگریزی فوجوں کے لئے چار ہزار بیلوں پر سامان رسد جا رہا تھا۔ اس کو لوٹ لیا گیا۔ دھرمپوری پر چڑھائی ہوئی اور معمولی جنگ کے بعد دھرمپوری فتح ہو گیا۔ دوسری طرف محمد علی کمیدان نے میسور فتح کر لیا۔ دھرمپوری کی فتح کے بعد نواب حیدر علی ہوسکوٹہ پر بڑھے۔ اور جب جنرل اسمتھ کو معلوم ہوا تو وہ کولار سے نکل کر ہوسکوٹہ کی مدافعت کے لئے آیا۔ مگر راستے ہی میں ٹیپو سلطان اور محمد علی کمیدان نے اس کو روک لیا۔ ایک سخت جنگ کے بعد قلعۂ ہوسکوٹہ فتح ہو گیا۔ تسخیر قلعہ کی خبر پر ٹیپو سلطان نے انگریزی فوجوں کو بنگلور تک بڑھ آنے کی راہ دیدی۔ جہاں ایک کمینگاہ میں حیدری فوج ان کے انتظار میں تھی جس وقت

یہ فوج کمینگاہ پر پہونچی۔ تو حیدری افواج نے اس پر سختی سے حملہ کیا۔ کہ انگریز پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ جنرل اسمتھ کولار کی طرف واپس لوٹ گیا۔ اور نواب حیدر علی نے نرسی پور میں قیام کیا۔ اس عرصہ میں انگریزی فوج کے لئے مدراس سے سامان رسد آرہا تھا۔ حیدر علی کی فوج نے ہرین ہلی کے قریب اس کو بھی لوٹ لیا۔

مرہٹوں اور نظام کی علیحدگی

اس لوٹ مار اور شبخون کا سلسلہ کچھ اس طرح بڑھا کہ اتحادیوں کی فوج خصوصاً نظام کی حیدر آبادی اور مرہٹی فوج سخت تنگ آگئی جس کی وجہ سے مرہٹی سردار اپنی فوج کو یہاں سے لیکر دوسری جانب چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی حیدر آبادی فوجوں پر دہشت چھا گئی اور وہ سب بھاگنے پر آمادہ ہو گئی۔ جنرل اسمتھ نے نظام کو بہت کچھ تسلی دی۔ مگر تیسرے دن خبر آئی کہ مرہٹہ سردار حیدر علی سے سمجھوتہ کر کے پونا چلا گیا۔ اب تو نظام علی خاں بالکل سرد ہو گئے اور کچھ ایسی دہشت غالب ہوئی کہ اپنے امیروں سے واپسی کی صلاح پوچھنے لگے۔

موسیو مڈلٹ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ:

"نواب نظام علی خاں کے ساتھ گنتی گنانے کو ایک لاکھ سوار پیادوں کی جمعیت تھی۔ لیکن ان میں شاید دو ہزار بھی اچھے بندوقچی اور جانباز نہ تھے۔ نظام کے ماتحت سرداروں میں ایک رام چندر مرہٹہ اور تین نواب شاہنور، کڑپہ اور کاولور کے بھی شامل تھے۔ نظام کے کیمپ میں ارباب نشاط یعنے رقاصہ عورتوں کی کوئی کمی نہ تھی نواب رکن الدولہ دیوان نظام نے حیدر علی سے صلح کے لئے سلسلہ جنبانی کی اس صلح نامہ میں سے طے پایا کہ:

(۱) نواب محفوظ خاں (برادر کلاں نواب محمد علی والا جاہ) کی بیٹی ٹیپو سلطان سے

بیاہی جائے۔
(۲) نواب محفوظ خاں بحیثیت میرا نوارالدین کے بڑے بیٹے ہونے کے صوبہ دار ارکاٹ قرار پائیں اور (۳) پائیں گھاٹ ٹیپو سلطان کو تفویض کردیں۔
(۳) نواب حیدر علی اور نظام الملک ہمیشہ ایک دوسرے کے حلیف رہیں گے۔
(۴) حیدر علی اور نظام الملک متفقہ طور پر محمد علی کو معزول کرنے کی کوشش کرینگے!
صلح نامہ مرتب ہوکر حیدر علی خاں اور نظام الملک کے دستخط ثبت ہوتے جس کے بعد نواب حیدر علی نے اپنے وکیل شیاجی پنڈت کے ذریعہ مدراس کے گورنر کو ایک مراسلہ بھیجا جس میں نواب محمد علی کا تمام کچا چٹھا بیان کیا تھا کہ کس طرح انکی سازش سے یہ جنگ ظہور میں آئی ہے۔ مدراس کے انگریز تو جانتے ہی تھے کہ یہ آگ خود انکی اپنی لگائی ہوئی ہے اس لئے انہوں نے حیدر علی کو دبتا دیکھ کر ایسی شرائط پیش کیں جنہیں حیدر علی نے ٹھکرا دیا۔ حیدر علی کو یہ گوارا نہیں تھا کہ یالباز محمد علی اپنی جوڑ توڑ میں کامیاب ہو اور کسی طرح فوقیت لی جائے۔ اس پر انگریزوں کو آئندہ جنگ جاری رکھنے کی فکر ہوگئی۔ لہٰذا انہوں نے کرنل اوڈ کے ماتحت بنگلور پر قبضہ کرنے کے لئے ایک فوج روانہ کی۔

کرناٹک پر حملے نواب حیدر علی نے جب دیکھا کہ انگریزوں کے قدم ان کے ملک میں مضبوطی سے جم رہے ہیں۔ اور والا جاہ محمد علی کولار میں بیٹھا ہوا جوڑ توڑ میں مصروف ہے تو انہوں نے بھی مناسب سمجھا کہ پائیں گھاٹ پر اتر کر محمد علی کے علاقوں پر قبضہ کرلیں۔

برق و باد کی طرح حیدر علی افواج پائیں گھاٹ پر بڑھیں۔ کشنگری تریاتور، وانمباڑی، آمبور، سانت گڑھ، ویلور، دہولی گڑھ، کیریٹن اور ترچناپلی پر قابض ہوگئیں۔ تمام علاقہ لوٹ کر تباہ کردیا گیا۔ شاہزادہ ٹیپو سلطان

نواح مدراس کی طرف بڑھا۔ میر علی رضا خان تجاور پر، غازی خاں چتور پر اور بہا میرزا نلور پر۔ ان تمام سرداروں کو حکم تھا کہ لوٹ مار کر کے ان علاقوں کو ویران کر دیا جائے۔

جس وقت حیدری افواج نے پائیں گھاٹ کو لوٹ کر ویران کرنا شروع کر دیا اور حیدر علی کا شہروں پر قبضہ ہونے لگا تھا اس وقت نواب محمد علی والاجاہ اور جنرل اسمتھ کی آنکھیں کھلیں۔

ایک جانب تو رسد بند ہو گئی اور دوسری جانب حیدری فتوحات سے خوف پیدا ہو گیا تھا کہ نوابی ارکاٹ کا خاتمہ ہی نہ ہو جائے۔ چنانچہ انگریزی اور والاجاہی فوجیں بالا گھاٹ خالی کر کے پائیں گھاٹ میں اتر آئیں۔ محمد علی کو افسوس تھا کہ بنگلور پر قبضہ نہ ہو سکا۔ اور اس نے مدراس کو لکھا کہ جنرل اسمتھ کی تاخیر سے متوقع فتوحات نہ ہو سکیں جس پر مدراس گورنمنٹ نے جنرل اسمتھ کو مدراس طلب کیا۔ اور والاجاہ محمد علی بھی مدراس گیا کہ آئندہ تدابیر جنگ پر غور کرے۔ جنرل اسمتھ تو مدراس سے کلکتہ چلا گیا۔ کرنل اوڈ کو کل فوج کی کمان دی گئی۔ اور محمد علی مدراس میں مقیم تھا کہ ٹیپو سلطان کی فوجیں نواح مدراس میں لوٹ مار کرتی قلعہ سنٹ جارج پہنچ گئیں اور شہر پر گولہ باری ہونے لگی۔

اتفاق سے ایک گولہ اس جگہ گرا جہاں محمد علی اور گورنر مدراس بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ انگریزوں پر اس قدر دہشت چھا گئی کہ گورنر مدراس ساحل کی طرف بھاگا اور جہاز میں پہنچ کر پناہ لی۔ اس پریشانی میں گورنر کی ٹوپی اور تلوار دونوں میز پر دھری رہ گئیں جہاں وہ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ نواب محمد علی والاجاہ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا اور اپنے محل میں پناہ گزیں ہوا۔ ٹیپو سلطان کا ارادہ تھا کہ بڑھ کر قلعہ مدراس پر قبضہ کرے مگر انگریزوں نے ایسا حکم دیا کہ سلطان دھوکہ

میں آگیا۔ حیدر علی کی طرف سے ایک فرضی قاصد سلطان کے نام یہ فرمان
لایا کہ ترنا ملے کی شکست کی وجہ سے فوراً تمہاری مدد درکار ہے۔ لہٰذا سلطان
کو لوٹ مار سے جو کچھ حاصل ہو سکا وہ لیکر ترنا ملے واپس ہو گیا۔

کرنل اوڈ کا حملہ اور شکست

کرنل اوڈ اپنی فوجیں لیکر بانگلور کے راستے سے ہوتے ہوئے بڑھا کہ کسی طرح بنگلور پر قبضہ
ہو جائے۔ نواب حیدر علی نے خبر پاکر راستہ روکا۔ اور کرنل اوڈ کی فوج کو شکست
دیکر بھاری توپوں اور سامان پر قبضہ کر لیا۔ اب پیچھے ہٹنے سے کرنل اوڈ کو معلوم
ہوا کہ حیدری لشکر نے ان کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔

لیون بی بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"بدقسمتی سے اس موقع پر حیدر علی کی توپوں سے انگریزی فوج
کو بہت ہی مصیبت ناک بربادی میں مبتلا ہونا پڑا۔ آخر کار میجر
نیز جیرالڈ جو رنیکٹ گری میں متعین تھا کرنل اوڈ کی مدد کو پہنچا۔
اور پیچھے سے آکر کرنل اوڈ کی فوج کو تمام و کمال برباد ہونے سے
بچا لیا۔ اس بدقسمت جنگ کا یہ نتیجہ ہوا کہ کرنل اوڈ بھی واپس کر لیا
گیا اور کرنل لینگ اسکی جگہ بھیجا گیا۔"

ادھر تو انگریز بنگلور فتح کرنے کی بیکار کوششیں کر رہے تھے اُدھر حیدر علی نے
اپنے نائب فضل اللہ خان ہیبت جنگ کو نئی فوجیں بھرتی کرنے کے لئے
سرنگا پٹم روانہ کیا۔ جب تمام تیاریاں مکمل ہو چکیں تو حیدر علی نے نومبر ۱۷۶۸ء میں
فضل اللہ خان ہیبت جنگ کو ایک بڑی زبردست فوج اور توپ خانہ دیکر
انگریزوں سے انتقام لینے کے لئے درہ گجل ہٹی کی طرف روانہ کیا جو اس
وقت انگریزوں کے قبضہ میں تھا۔ ہیبت جنگ نے جاتے ہی اس پر

قبضہ کر لیا۔

اس کے پیچھے خود نواب حیدر علی ایک جرار فوج مع توپ خانہ لیکر روانہ ہوئے۔ اور ضلع کوئمبتور میں داخل ہوکر کروپر قابض ہو گئے۔ اور ایروڈ کی جانب بڑھے۔ راستہ میں کپتان نکسن سے مقابلہ ہوگیا۔ اور اسے شکست فاش ہوئی۔ اس کی فوج میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو یا تو مارا نہ گیا ہوا ہو یا زخمی نہ ہوا ہو۔ اس کے بعد نواب حیدر علی نے ایروڈ کو فتح کر لیا۔ انگریزی افسر جو وہاں کمانڈنگ کا کمانیہ تھا۔ اس نے پچھلے سال نواب حیدر علی سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ انکے خلاف جنگ میں حصہ نہیں لے گا لیکن اب جو کہ اسیر پایا گیا تو نواب حیدر علی نے واٹھ باڑی کی تمام فوج کو مع کاویری پورم کی فوج کے گرفتار کرکے سرنگاپٹم کو روانہ کر دیا پھر نواب حیدر علی نے گھاٹوں کے جنوب میں ان تمام اضلاع کو فتح کر لیا جو انگریزوں نے ان سے چھین لئے تھے اسکے بعد حیدر علی مدراس کی طرف متوجہ ہوئے، اس فوج کشی پر مدراس کی گورنمنٹ بہت سراسیمہ اور پریشان ہوئی اور کپتان بروک کو صلح کی گفت و شنید کے لئے نواب حیدر علی کی خدمت میں بھیجا۔

نواب حیدر علی نے صلح پر رضامندی ظاہر کی۔ لیکن انہوں نے اسکاٹ کے دغاباز نواب محمد علی کو کسی قسم کی رعایت دینے سے انکار کر دیا۔ نواب حیدر علی نے انگریزی سفیر سے کہا کہ "میں خود مدراس آرہا ہوں اور وہاں ان شرائط کو سنوں گا جو کہ گورنر اور کونسل پیش کرنا چاہتی ہے"

انگریزی سفیر کو مدراس رخصت کرکے نواب حیدر علی اپنی بے باک جرأت و ہمت سے جس کے لئے وہ ممتاز تھے۔ وہ تدابیر اختیار کیں کہ مدراس گورنمنٹ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ یعنے حیدر علی نے اپنی فوج کے اصل حصہ کو انہوں ورتہ سے ہوکر مغرب کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا اور چھ ہزار سوار اور کچھ پیدل فوج لیکر وہ خود جانب مدراس روانہ ہوئے اور ساڑھے تین دن

میں ۱۳۰ میل کا سفر طے کرکے کوہ سنیٹ تھامس پر جو مدراس سے پانچ میل پر ہے جا پہنچے۔ انگریزوں میں ایک ہلچل مچ گئی اور انہوں نے فوراً سرِ اطاعت خم کر دیا۔

نواب حیدر علی اگر اس وقت چاہتے تو مدراس پر بآسانی قبضہ کرکے جنوبی ہند میں انگریزی اقتدار کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر سکتے تھے مگر انہوں نے انگریزوں کے ساتھ اس قدر نرمی کا برتاؤ کیا کہ ایک مغلوب دشمن کو اپنے فاتح سے کبھی ایسی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ نواب حیدر علی نے حسب ذیل شرائط پیش کیں۔ جنہیں قبول کرنے کے لئے انگریز مجبور تھے۔

(۱) آئندہ فریقین ایک دوسرے کے مددگار رہیں۔

(۲) فریقین اپنے اپنے مقبوضات کو جو دوران جنگ میں انہوں نے فتح کئے تھے اور نیز اپنے اپنے قیدی ایک دوسرے کو واپس کر دیں۔

(۳) علاقہ کرور جو محمد علی والاجاہ کی ملکیت تھی۔ آئندہ نواب حیدر علی کی ملکیت قرار پائے۔

ان شرائط کو انگریزوں نے قبول کر لیا۔ فرینچ مورخ موسیو مڈلٹ ان شرائط پر یہ بھی اضافہ کرتا ہے کہ والاجاہ محمد علی نے سالانہ چھ لاکھ روپیہ بطور تعلقداری حیدر علی کو ادا کرنا منظور کیا۔ ۲۹ مارچ ۱۷۶۹ء کو اس صلحنامہ پر دستخط ہوئے اور اس کی یادگار میں ایک کتبہ قلعہ سینٹ جارج مدراس کے دروازے پر حیدر علی کے حکم سے لگایا گیا جس کے متعلق سر الفرڈ لائل لکھتا ہے:

"حیدر علی نے اپنی فتح کی یادگار مدراس میں اس طرح چھوڑی کہ اس کے حکم سے انگریزوں نے ایک کتبہ سینٹ جارج کے دروازے پر لگایا جس میں بتلایا گیا کہ گورنر مدراس

اور ممبران کونسل حیدر علی کے آگے اپنے زانوؤں پر بیٹھے ہیں اور حیدر علی ایک ممبر کی ناک جو ہاتھی کے سونڈ کے مشابہ بتلائی گئی ہے پکڑ کر کھینچ رہے ہیں جس میں سے اشرفیاں گر رہی تھیں کرنل اسمتھ ایک طرف صلحنامہ ہاتھ میں لئے ہوئے اپنی تلوار توڑ کر رکھ رہا ہے۔"

جنگ کے نتیجہ پر انگریزی مورخین کی رائیں۔ بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

"کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اپنی نقل و حرکت سے جو اس صلح سے قبل عمل میں آئی۔ میسور کے سردار حیدر علی نے اپنی سلیقہ شعاری اور مادر زاد تدبر و ذکاوت کے اعلیٰ صفات کا اظہار کیا ہے۔ برخلاف اس کے مدراس کی گورنمنٹ نے کم فہمی اور اپنے بودے پن کا ثبوت دیا اور نادانی سے دغاباز محمد علی پر بھروسہ کیا۔ مگر حیدر علی نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس نے محمد علی کی فریب دہی کا پورا پورا اندازہ کر لیا تھا۔"

سر الفرڈ لائل لکھتا ہے:

"اگر جنگ کی ابتدا ایک سیاسی غلطی تھی تو خاتمہ اس سے بھی بدتر نکلا۔"

ڈی لافوسی اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۷۷ پر لکھتا ہے:-

"جنگ کا خاتمہ شکست اور بے شرمی پر ہوا۔"

مورخ تھامسن اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۲۷ پر لکھتا ہے:

"حیدر علی کرناٹک کو ویران کر رہا تھا۔ انگریزی فوجیں اس کے پیچھے رینگ رہی تھیں۔ حیدر علی طوفان باد کی طرح مدراس کے دروازوں پر نمودار ہوا۔ گورنر اور ممبران کونسل پر اتنا ہراس چھا گیا کہ وہ اپنے اپنے گھروں اور باغیچوں میں چھپ گئے حیدر علی کے پیش کردہ شرائط پر ۱۷۶۹ء میں صلح ہو گئی۔"

جنرل مالیسن اپنی تصنیف "ہندوستان کی فیصلہ کن لڑائیاں" میں رقمطراز ہے،

" اس وقت حیدر علی کل سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ مدراس شہر کی قسمت اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کی آمد کا رعب اتنا غالب ہوا تھا کہ مدراس کا قلعہ بھی اس کے ہاتھ آ جاتا۔ ایسی حالت میں انگریزوں کو اس کی تمام شرائط پر تسلیم خم کرنا پڑا۔"

اس شکست کی خبریں انگلستان میں پہنچتے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے حصص کی قیمت ساٹھ فی صدی کم ہو گئی۔ یہ عہدنامہ نواب حیدر علی اور شاہ انگلستان کے درمیان لکھا گیا۔ اس لئے کہ نواب نے کمپنی کو فریق ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

صلحنامہ مدراس پر دو نظریے

پہلا نظریہ: اسلامی نقطہ نظر سے حیدر علی کی یہ رواداری اس قابل ہے کہ اس پر مسلمان جس قدر بھی ناز کریں بجا ہے۔ اس نے:-

" زندہ رہو اور زندہ رہنے دو"

کے مقولہ پر عمل کر کے اپنی سچی اسلامی بہادری کا نمونہ دنیا کے آگے پیش کر دیا۔ حیدر علی کے ظلم و ستم پر اعتراض کرنے والے دیکھیں کہ باوجود فاتح ہونے کے حیدر علی نے شکست خوردہ حریف سے کیا سلوک کیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام انگریز مورخین اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں کہ حیدر علی نے انگریزوں پر اعتماد کر کے اپنی عقل و فرزانگی کا ثبوت دیا۔

دوسرا نظریہ:- ہندوستان اس صلحنامہ پر جتنا بھی ماتم کرے بجا ہے۔ ایک فاتح جنرل اپنے مغلوب دشمن سے شرائط صلح یوں طے کرتا ہے کہ اسکے تمام مقبوضات اس کو چھوڑ دیتا ہے اور آئندہ صرف دوستی کا حلف لیکر بغیر کسی معاوضہ کے ہی پلٹ جاتا ہے۔ انگریزوں کی ہستی اس وقت حیدر علی کے رحم و کرم پر منحصر

تھی۔ مگر اس نے ان کی بے بسی سے فائدہ اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ آہ!
یہی عفو بیجا سلطنتِ خداداد کے زوال کا بھی باعث ہوئی۔ اگر اسے نواب حیدر علی
کی سیاسی غلطی سے تعبیر کیا جائے۔ تو اس کا بڑا سبب یہی ہے کہ بدقسمتی سے ہندوستان
کے باشندے باہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ اور ایک دوسرے کے اقتدار کو دیکھنا
گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ مرہٹوں کو یہ فکر تھی کہ ایک اسلامی طاقت کا آغاز ان کے
سدِ راہ ہے۔ ادھر نظام الملک کو حسد تھا کہ حیدر علی کا وجود اس کے لئے پیغامِ
مرگ ہے۔ حیدر علی بھی ابتداء سے دیکھ رہا تھا کہ اس حسد و نفاق کے سبب مرہٹے
اور نظام ہمیشہ اس کی طاقت کو فنا کرنے کے لئے پے در پے حملے کر چکے ہیں۔ اور کر رہے
ہیں۔ اس لئے اس کو ایک ایسے حلیف کی ضرورت تھی۔ جو وقت ضرورت مدد دے
سکے۔ اور اس نے اس صلحنامہ کے ذریعہ ایک حلیف پیدا کر لیا تھا۔ مگر اس
حلیف یعنے انگریزوں نے جس ایمانداری سے اس عہد کو نبھایا بزبانِ خاص انگریزی
مورخین کی زبانی سنیئے:

تاریخ ہند از ڈی۔ لا۔ فوسی صفحہ ۱۸۱:-

"جب آزمائش کا وقت آیا تو انگریز اپنے عہد پر پورے نہیں اترے"

رولرس آف انڈیا صفحہ ۱۷۰:-

"عہد نامہ کچھ ایسے الفاظ میں مرتب تھا کہ جسکے مختلف معنے ہو سکتے ہیں
اور اس سے انگریزوں نے فائدہ اٹھا کر حیدر علی کو جس وقت مدد
کی ضرورت تھی۔ کمک نہیں دی۔ اور اس طرح ایک عمدہ دوست
کو دشمن بنا لیا"

مسٹر کلیر لکھتا ہے:-

"جب حیدر علی کو ضرورت تھی تو بموجب عہدنامہ کے انگریزوں نے مدد نہیں دی"

ایک اور انگریزی مورخ لکھتا ہے:

"انگریزوں نے جب عہد نامہ پر دستخط کئے تو ان کا یہ ارادہ ہی نہیں تھا کہ اس پر عمل درآمد بھی کریں اور اس پر لطف یہ کہ انہوں نے نواب والاجاہ محمد علی کا علاقہ کرور بھی حیدر علی کو دے دیا۔ کہ ہمیشہ ان دونوں میں چلتی رہے۔"

میجر ٹارنس ممبر پارلیمنٹ اپنی کتاب "ایمپائر ان ایشیا" میں لکھتا ہے:۔

"کمپنی کو حیدر علی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ لیکن کمپنی نے نظام حیدر آباد سے اضلاع شمالی سرکارس کے متعلق معاہدہ کیا تھا جس کے معنے یہ تھے کہ نظام کو حیدر علی کے خلاف مدد دی جائے۔ سرنگا پٹم اور حیدر آباد کی رقابت مشہور تھی ایک ایسے وقت جب مرہٹوں کے حملوں نے حیدر علی کو کمزور بنا رکھا تھا حیدر آباد اور کمپنی کی فوجوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ اس وقت تک بھی جبکہ کمپنی کی فوجیں سرحد میسور پر پہنچیں کمپنی اور حیدر علی میں دوستی تھی لیکن اس دوستی کی حقیقت کیا ہے جو ایک کمزور اور طاقتور کے درمیان ہو۔ حیدر علی اس وقت کمزور تھا کمپنی طاقتور تھی۔ وہ اپنے کمزور دوست کو مہلت دینا نہیں چاہتی تھی کہ وہ طاقتور ہو جائے۔ اس لئے کمپنی کی فوجیں بارامحل کے ملک پر بڑھیں جو انکے مقبوضات کے قریب تھا۔ لیکن جنگ کا نتیجہ کیا نکلا وہی کہ مشرقی جنگوں میں جس طرح ہوتا آیا ہے وہی یہاں بھی ہوا۔ حیدر اپنے دشمنوں مرہٹوں اور نظام سے نپٹ کر اپنی پوری طاقت کے ساتھ انگریزوں پر برس پڑا۔ وہ میسور سے ایک طوفان کی طرح اٹھا جس کی تندی کے آگے حملہ آور لرزتے، کانپتے اور شدید نقصان اٹھاتے ہوئے یہاں تک بھاگے کہ تلو سنٹ تھامس مونٹ میں پہونچے۔ یہاں حیدر نے مدراس کے قلعہ کی دیواروں

کے بارے میں ایک صلح نامہ لکھا یا جس میں ایک شرط یہ تھی کہ وقت ضرورت کمپنی اس کو سات بٹالینوں سے کمک دے ، لیکن اس معاہدہ پر کمپنی نے جس طرح عمل کیا ۔ وہ بعد کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے ۔''

نظام الملک اور انگریز

نظام الملک میر نظام علی خاں کو توقع تھی کہ اس کے علٰحدہ ہو جانے سے دونوں حریفوں (یعنے انگریز اور حیدر علی) میں سے ایک نہ ایک مغلوب ہو جائیگا۔ اگر حیدر علی مغلوب ہو جائیں تو وہ خار جو اس کے پہلو میں کھٹکتا اور جو اس کے خواب شہنشاہیت میں سنگ گراں ثابت ہو رہا ہے ۔ دور ہو جائے گا ۔ اور انگریز مغلوب ہوں تو ان کا نام و نشان مٹ جائے گا ۔ اور اس طرح اس کے وہ مقبوضات جن پر انگریز قابض تھے ۔ واپس ملنے کے علاوہ کرناٹک پر بھی اس کا قبضہ ہو جائے گا ۔

تاریخ نظام علی خاں مطبوعہ حیدرآباد کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۷۵ پر لکھتا ہے:

''(میر نظام علی خاں نے) فرمایا کہ انگریزوں کے ساتھ متفق ہونے کی نسبت میرا منشا پہلے ہی نہیں تھا ہم کو لازم نہیں تھا کہ نصاریٰ کی استدعا پر حیدر علی خاں سے جو ان غاصبان سلطنت کے تباہ و برباد کرنے میں مشغول ہیں ۔ جنگ کرتے ۔ اصولاً تو ہم کو چاہیئے تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کی بھی مدد نہ کرتے ، یہاں تک کہ آپس میں لڑتے لڑتے کوئی ایک غالب ہو جاتا ۔ جس کے بعد حکمت عملی سے اس پر غالب ہو قابو پانا ہمارے لئے آسان تھا۔''

مگر جنگ کا نتیجہ اس کے حسب خواہش نہیں نکلا ۔ کیونکہ دونوں حریف ایک دوسرے کے دوست بنکر میدان جنگ سے واپس ہو گئے ۔ اس لئے نظام نے یہی بہتر سمجھا کہ حیدر علی

سے قطع تعلق کرکے انگریزوں سے مل جائے۔ دوسری طرف انگریز بھی اپنے سلسلۂ عیاری کو جاری رکھے ہوئے تھے کہ کسی طرح نظام علی خاں کو اپنے دام فریب میں لے آئیں اور جن لوگوں نے اس میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ وہ دیوان رکن الدولہ اور میر عالم تھے جنہوں نے نظام کو انگریزوں سے دوستی بڑھانے پر مائل کیا۔ اور میر عالم سفیر بن کر انگریزوں کے آستانے پر مدراس حاضر ہوا۔ اور ایک عہدنامہ پر دستخط ہوئے۔ جس کی رو سے نواب محمد علی والاجاہ کو سند نوابیٔ ارکاٹ دوامًا مل گئی۔ اور کرناٹک پر سے حیدرآباد کی سیادت کا تعلق منقطع ہو گیا۔ (سندر، انڈٹمر ٹینیر)

جنگ کے دوران میں انگریزی علاقہ کی حالت

انگریزی عملداری کے متعلق انگریز مورخ تھامپسن لکھتا ہے کہ "انگریزوں کی فوج نے ملک کے اکثر حصہ کو لوٹ کر تباہ کر دیا تھا۔ رعیت بھوکوں مر رہی تھی۔ اور انگریزی عمالان حکومت کا یہ حال تھا کہ باربرداری کے لئے جو مویشی لئے جاتے تھے۔ ان کی قیمت بھی کبھی ادا نہ کرتے تھے" (نواب حیدر علی پر لوٹ مار کا الزام لگانے والے آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ حیدر علی کے مہذب حریف کس طرح داد حکمرانی دے رہے تھے اور خود ان کا ملک کس امن و راحت میں تھا؟)

نواب حیدر علی کی مراجعت سرنگاپٹم

یوں تو نواب حیدر علی کی سواری کا شاہانہ کروفر فتح بدنور، کنارا و ملیبار کے بعد بہت کچھ بڑھ گیا تھا اور جس وقت فتح ملیبار کے بعد نواب حیدر علی سرنگاپٹم آئے تو ان کے شاہانہ جلوس کی شان و شوکت مدت العمر لوگوں کو یاد رہی۔ لیکن جب صلحنامۂ مدراس کے بعد نواب حیدر علی مراجعت فرماتے سرنگاپٹم ہوئے تو انکے جلوس کی چشم دید کیفیت ایک فرنچ مورخ نے اس طرح لکھی ہے:-

"جس وقت جلوس سرنگاپٹم پہنچا تو اس میں پچاس ہزار جرار سوار-

اسی ہزار پیادے۔ اور چار ہزار بندوقچی شامل تھے۔ اسکے علاوہ توپ خانہ اور بان وغیرہ برداروں کی تعداد علیحدہ تھی جس کی ترکیب اس طرح تھی:"

(۱) سب سے آگے سواران زنگستان کا خوبصورت رسالہ تھا جنکی خوشنما وردیاں اور اونچی اونچی ٹوپیاں اور ان کے زرق برق اسلحہ اور تنومند گھوڑوں سے عجیب جاہ و حشم ظاہر ہوتا تھا۔

(۲) ان کے پیچھے تین سو شتر سوار نامہ بر ساز و سامان سے آراستہ دو کوہان والے اونٹوں پر پھریرے لئے ہوئے نظر آتے تھے۔

(۳) انکے پیچھے دو ہاتھی نہایت سربلند نشان بردار ہوتے تھے بیشتر نیلے رنگ کے ریشمی اور زرکار پھریروں سے آراستہ تھے اور ایک نشان پہ آفتاب کی صورت، دوسرے پر چاند اور ستاروں کی صورت زری کام سے بنی ہوئی تھی۔

(۴) انکے بعد ایک سب سے اونچے ہاتھی پر ایک جوڑی نقاروں کی رکھی تھی۔ اور نقارہ نواز بجاتے جاتے تھے۔

(۵) پھر قرنا بجانے والے سواروں کا ایک غول تھا، جس قرنا کے ذریعے جوشیلے راگ فوج کو سنائے جاتے تھے اور سپہ سالاروں کے احکام بھی انہیں کے ذریعے سے تعلیم یافتہ فوج کو پہنچائے جاتے تھے۔

(۶) ان کے بعد چار ہاتھی اور تھے۔ ان پر جو جیش ارباب نشاط بیٹھے ہوئے موسیقی کے ساز بجاتے جاتے تھے۔

(۷) اسکے بعد پانچ ہاتھی اور تھے جن پر طلائی پرچہ کار عماریاں رکھی

ہوئی تھیں۔ یہ ہاتھی اس لیے ساتھ ہوتے تھے کہ لڑائی کے وقت
نواب مع سرداروں کے سوار رہے مگر نواب نے سوائے جلوس کے
کبھی ان ہاتھیوں پر بیٹھنا پسند نہیں کیا۔

(۸) ان کے بعد چار رسالہ تھی تھے ان پر زین ہشت پہلو پوشے کسے ہوئے
تھے۔ ان گھوڑوں پر چھ چھ جوان زرہ فولاد چار آئینہ جوشن بکتر پہنے ہوئے
سوار تھے اور بھری ہوئی بندوقیں ان کے ہاتھوں میں تھیں جو ادنیٰ اشارہ
پر گراب مارنے کو تیار ہو جاتے تھے۔

(۹) اسکے بعد دو رسالے حبشیوں کے تھے۔ ان کے ہتھیار نہایت چمکدار تھے۔
جن کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں۔ انکے گھوڑوں کے اوپر
سرخ و سیاہ پر نہایت لطف دیتے تھے۔ انکے ہاتھوں میں چمکدار نیزے تھے
اور گھوڑوں کے ابریشمی زینوں میں خوبصورت آویزے عجب بہار دکھاتے تھے۔

(۱۰) انکے پیچھے کالوں کا ایک عجیب غول تھا۔ یہ ایک چادر باندھے اور
گھٹنوں کے اوپر تک جانگیے پہنے اور کمر میں بجتا ہوا گھنٹہ باندھے سر پر شترمرغ
کے پر لگائے مستانہ چال چلتے تھے۔ اور انکے ہاتھوں میں لمبے نیزے تھے۔

(۱۱) انکے بعد ایک لمبی قطار جھنڈی برداروں کی تھی۔ انکی جھنڈیوں میں
سرخ اطلس کے پھریرے تھے۔ ان جھنڈیوں کے اوپر فولاد کی تیز بھالی لگی
ہوئی تھی۔

(۱۲) اسکے بعد دولت حیدری کے شاہزادے اور سپہ سالار دوسرے افسران
جاں نثار تھے جو سر سے پاؤں تک غرق فولاد نظر آتے تھے۔ عربی گھوڑوں پر سوار
شمشیر بر دست نیام کرتے تھے ہو رہے۔ لباس نہایت خوش رنگ وزرکار۔ گھوڑوں پر

جس پر طرہ کلغیاں لگی ہوئی تھیں۔ بعض شوقین زرہ بکتر پہنے
ہوئے تھے۔ گھوڑوں کے سروں پر طرہ کلغیاں اور موتیوں کی
جھالریں آویزاں تھیں۔ اس جماعت خاص میں کم و بیش پچاس
سوار آدمی تھے۔

(۱۳) اس جماعت کے بعد اسی سوار نکارہ بجاتے تھے۔ ان کے
گھوڑے بھی نہایت اعلیٰ درجہ کے تھے اور خوبصورت سامان سے
آراستہ تھے۔

(۱۴) اس کے بعد بارہ گھوڑے سواری خاصہ کے چھل بل دکھاتے ہوئے
کوتل چلتے تھے۔ یہ گھوڑے بہت ہی قیمتی اور شائستہ تھے اور ان کے
زرین اور مرصع زین و لگام بھی لاکھوں روپیہ کی لاگت کے تھے۔

(۱۵) ان گھوڑوں کے پیچھے ایک فوج پیادوں کی تھی جو سنہری
ملمع کا ایک لمبا سیاہ رنگ عصا لیے ہوئے تھی۔

(۱۶) اس کے بعد بارہ نقیب ترکی گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے جو عصائے
مرصع ہاتھوں میں لیے ہوتے تھے۔

(۱۷) ان کے بعد سب منصب دار خانگی۔ جیسے خانساماں، سرگروہ
نقیبان اور سلحدار حیدری وغیرہ۔ ان کے گلوں میں طوق زنجیر کی
ساخت کا پڑا ہوا تھا۔

(۱۸) اس کے بعد میر صدقات کا ہاتھی تھا۔

(۱۹) اتنے سلسلہ کے بعد نواب حیدر علی کا فیل ابیض (سفید ہاتھی) جھوم
جھوم کر خراماں خراماں آتا تھا۔ اس خوش نصیب ہاتھی کے اگلے پاؤں میں
چاندی کے حلقے اور گلے میں سونے کی زنجیریں پڑی تھیں۔ یہ ہاتھی سب

ہاتھیوں سے زیادہ بلند اور تنومند تھا اسکی عماری جس میں نواب سید علی
بیٹھے تھے۔ سوائے چار کلس طلائی کے اور کوئی زینت خانہ نہ رکھتی تھی۔
اور دو تیر ستمہ کی زنجیروں سے بندھے عماری کی دونوں طرف لٹکتے
تھے یہ دونوں تیر راجہ زامرن حاکم ملیبار کی عماری میں رہتے تھے۔
جب نواب نے اس پر فتح پائی تو وہ تیر نواب کی عماری میں لٹکائے جانے
لگے۔ اس ہاتھی کے مستک پر ایک زرین سپر لگی ہوئی تھی۔ اور خواصی
میں دو جیو بردار جیسے مورچھل جھلتے تھے۔ اس مورچھل سے نہایت عمدہ
خوشبو نکلتی تھی۔ اور دور دور تک کی ہوا کو معطر کر دیتی تھی۔

(۲۰) عماری کے ہاتھی کے بعد دس ہاتھیوں کی قطار تھی جو دو دو ہاتھی برابر
رکھ کر قائم کی جاتی تھی۔ ان پر طرح طرح کے نقرہ و طلائی مرصع ہودے اور
عماریاں کسی ہوئی تھیں۔ ہر ہودہ پر ایک سردار بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کا
خدمتگار اسکی خواصی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ہاتھیوں کی پوشش اور جھولیں
زربفت و زرکاری منقش ہوتی تھیں۔ اور ان ہودوں یا عماریوں میں شاہزادے
یا اکابر دولت سوار تھے۔ وہ جواہر بیش قیمت سے مرصع تھیں۔ جھولوں میں
سچے موتیوں کی جھالریں نظر آتی تھیں۔

(۲۱) اس قطار کے بعد پانچ اور زرنگار ہاتھی تھے۔ ان میں ایک ہاتھی پر طلائی
مسند رکھی ہوئی تھی۔ دوسرے ہاتھی پر تین مچھلیاں جن کے فلوس جواہر سے
بنائے گئے تھے اور بعض سنگ مینا کاری کی ہوئی تھی۔ چوتھے ہاتھی پر دو
انگیٹھیاں سونے کی دہکتی ہوئی تپائیوں پر رکھی تھیں۔ پانچویں ہاتھی پر ہاتھی دانت
کی بنی ہوئی ایک چوکی رکھی ہوئی تھی۔

(۲۲) اسکے بعد دو رسالے حبشیوں کے اس ساز و سامان سے آئے جیسے پہلے شکل

چکے تھے۔

(۲۳) ان کے بعد حبشیوں کی پلٹن آئی ان کا لباس قرمزی رنگ کا تھا۔
گلے میں چاندی کے طوق پڑے تھے۔ ہاتھوں میں نیزے لئے ہوئے تھے۔

(۲۴) پھر اور ایک چالاک اور جان نثار سپاہیوں کا غول تھا جو دو دو مل کر
چلتے تھے۔ ان کا لباس ریشمی تھا۔ اور ان کے ہاتھوں میں ایک ایک
نیزہ چودہ چودہ ہاتھ کا لمبا یاد وارنش سے چکنا ہوا نظر آتا تھا۔"

نواب حیدر علی کا یہ شاہانہ جلوس جہاں جہاں سے گذرتا تھا تماشائیوں کو جاہ و جلال دکھاتا جاتا تھا۔ جس کا ذکر مہینوں ہوتا رہتا تھا۔ اور درمیان میں جو راجے اور نواب تھے وہ بڑے شوق سے اس کے استقبال اور اس کے فوجی اہتمام کو دیکھنے آتے۔ الغرض نواب کا یہ جلوس رنگاپٹم کے قریب پہنچا تو میر مخدوم علیخاں نے بہت ہی دھوم دھام سے معزز امراء و سرداران دارالریاست شہر سے چند میل آکر استقبال کیا اور تمام امراء و سردار اور سب اہل فوج بعد دربار کے اپنے گھروں کو گئے۔

مرہٹوں کا چوتھا حملہ میسور پر۔ ۱۷۷۰ء

نواب حیدر علی خاں کی فتوحات اور عملداری کی کیفیت جس وقت پونا پہنچی۔ تو پیشوا مادھو راؤ اپنی فوجوں کو جمع کر کے میسور پر اس لئے حملہ آور ہوا کہ نواب نے پچاس لاکھ روپیوں کا جو وعدہ کیا تھا اس کو مع چوتھ وصول کرے۔ نیز اس وقت مرہٹوں کا مقصد خاص یہ بھی تھا کہ صوبہ سرا پر بھی اپنی عملداری قائم کر کے جنوبی ہندوستان میں پھر ایکبار مرہٹی طاقت کو شہنشاہیت کے رتبہ پر پہنچا دے۔

مرہٹی فوج

مادھو راؤ پیشوا کے ساتھ اس کا وزیر نانا فرنویس اور سپہ سالار ترمبک راؤ تھا۔ جن کی زیر کمان ایک لاکھ سوار اور سات

ہزار پیادے۔ پچاس ہزار بندوقچی۔ اور ایک بہت بڑی تعداد پنڈاروں سواروں کی تھی۔ ان کے علاوہ ایک بہت بڑا توپ خانہ بھی ساتھ تھا۔ شاہنور کا نواب عبدالحکیم خاں اور چیتلدرگ کا راجہ بھی انکے ساتھ شامل تھا۔ اس قدر کثیر فوج تھی کہ سرزمین میسور نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ مرہٹی فوجوں نے دریائے تنگبھدرا کو عبور کرکے سرزمین میسور پر سب سے پہلے کیامپ بروڑی، نوزلی اور چمرائی کے مقام پر قائم کئے۔ بے شمار فوج کوسوں تک پھیلی ہوئی تھی۔

نواب حیدر علی کا انگریزوں سے امداد طلب کرنا

مرہٹوں کی اس زبردست یورش کو دیکھکر نواب حیدر علی نے بموجب عہدنامۂ مدراس انگریزوں سے مدد مانگی، مگر انہوں نے انکار کردیا۔ انگریزوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اس وقت حیدر علی کی خیر نہیں ہے۔

حیدر علی اور مرہٹوں کی پہلی آویزش

نواب حیدر علی بھی اپنی فوج لیکر آگئے۔ پانچ چھ دن کے بعد جنگ کا آغاز ہوگیا۔ مادھو راؤ کی فوجوں نے اپنے زبردست توپخانے سے زمین پر زلزلہ ڈال دیا۔ حیدر علی کی فوج کو بری طرح شکست ہوئی لیکن حیدر علی نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ میدان جنگ سے ہٹکر ایک کمینگاہ میں اس لئے پناہ لی کہ دوسری شب مرہٹوں کے توپخانہ پر شبخون مارا جائے۔ مگر اندھیرے کی وجہ سے جنگل سے نکلتے نکلتے صبح ہوگئی اور ادھر سے مرہٹوں نے حملہ کردیا۔ اب نواب حیدر علی کے لئے بجز فرار اور کوئی صورت نہ تھی۔ آخرکار وہ پیچھے ہٹے اور انہوں نے اپنے توپخانہ کو حکم دیا کہ برقی فوج پر گولہ باری کی جائے مگر اتفاق سے توپیں چلنے سے رہ گئیں۔ مرہٹی فوج کی یورش اس غضب کی تھی کہ حیدری فوج قریب قریب کل کٹ چکی اور مرتبہ

باقی تھی وہ بھاگ نکلی۔ نواب حیدر علی ایک درخت کے نیچے کھڑے ہوئے اس حالت کو دیکھ کر خدا سے فتح و نصرت کی دعا مانگ رہے تھے۔ کہ ایسے میں چند طنبورچی سامنے سے نکلے۔ نواب نے طنبور بجانے کا حکم دیا۔ طنبورچیوں نے اس زور سے طنبور بجایا کہ اس کی آواز سارے جنگل میں گونج گئی۔ مرہٹوں نے جب یہ آواز سنی تو سمجھا کہ حیدر علی کی کمک کے لئے تازہ دم فوج آگئی ہے۔ اس لئے وہ جنگ موقوف کر کے پیچھے ہٹ گئے۔ اسی دن شام کو ہیبت جنگ تازہ دم لشکر لیکر آپہنچا۔ مگر حیدر علی نے یہی مناسب سمجھا کہ پیچھے ہٹ جائیں۔ اس لئے وہ بنگلور کی طرف چلے۔ اور چلتے ہوئے تمام ملک کو ویران کرتے گئے کہ مرہٹوں کو رسد نہ مل سکے۔ بنگلور پہنچکر حیدر علی نے صلح کے لئے وکیل بھیجا۔ مگر مادھوراؤ نے ایک کروڑ روپیہ طلب کیا۔ اور اسکے ساتھ ہی ایسی سخت شرطیں لگائیں کہ حیدر علی نے صلح کرنے سے جنگ جاری رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

مرہٹی فتوحات دامن دریائے تنگبھدرا سے نکل کر مرہٹی فوج سرنگاپٹم کی طرف بڑھی۔ اور تمام شمالی و مشرقی اضلاع فتح کر لئے۔ یہاں تک کہ بنگلور سے تیس۳۰ میل پر جنگل کے مقام پر آپہنچے جہاں ان کا بڑھتا ہوا سیلاب رک گیا۔ ایک طرف تو اس کثیر فوج کو ملک کی تباہی و بربادی کے باعث رسد ملنا دشوار ہو گیا تھا۔ حیدر علی نے پہلے ہی تمام علاقہ کو ویران کر دیا تھا۔ دوسری طرف ایک پہاڑی کی آڑ سے حیدری فوج نے رات شبخون مارنا شروع کر دیا۔ اور تیسری طرف قلعہ جنگل کی حیدری فوج اس بے جگری سے مدافعت کر رہی تھی کہ باوجود فوج کی اس کثرت کے مادھوراؤ اس کو فتح نہ کر سکا۔

مادھو راؤ کی پونا کو واپسی ابھی یہ ہنگامے روز و شب ہو رہے تھے کہ بارش کا موسم شروع ہو گیا اور ادھر مادھو راؤ سخت بیمار ہو کر پونا واپس ہو گیا۔ ترمک راؤ نے کل فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اور مرہٹی فوج کی از سر نو تنظیم کرنے کے خیال سے پیچھے ہٹا اور اپنی کمک کے لئے رتن گری، میرج، ونکٹ گری، ہرگسی اور کالستری کے راجاؤں کے علاوہ مراری راؤ حاکم گتی کو بھی طلب کیا۔

ترمک راؤ کی فوج کشی ترمک راؤ سامان رسد وغیرہ کا انتظام کر کے اپنی ٹڈی دل فوجوں کے ساتھ سرنگاپٹم پر بڑھا۔ یہ حملے کچھ اس غضب کے تھے کہ حیدری فوج جو راستوں میں قلعوں پر تھی کچھ بھی نہ کر سکی۔ اس لشکر عظیم کا جس طرف سے گذر ہوتا تھا۔ وہاں کی تمام کھیتیاں پامال کر دی جاتی تھیں۔ بلکہ مرہٹوں نے دیہاتیوں کے جھونپڑوں کی خشک گھاس تک کو بھی نہ چھوڑا تھا۔ اس طرح مرہٹی فوج کا یہ طوفان بڑھتا ہوا سرنگاپٹم کے قریب پہونچ گیا۔ نواب حیدر علی سرنگاپٹم کی مدافعت کے لئے تھوڑی سی فوج چھوڑ کر چن پٹن کی راہ سے ماگڑی کے جنگل میں آئے۔ کہ جب مرہٹے دار الحکومت کا محاصرہ کریں تو پشت پر سے ان پر حملہ کیا جائے۔ مگر ترمک راؤ بھی نواب کی اس حرکت سے غافل نہ تھا۔ چنانچہ وہ سرنگاپٹم کو چھوڑ کر حیدر علی کے تعاقب میں میرن کٹہ پہنچا۔ اور آتے ہی اس پہاڑی کا محاصرہ کر لیا۔ چند دن تک معمولی لڑائیوں میں گذرے۔ جس میں حیدر علی کی فوج شبخون مارتی تھی۔ ان شبخونوں سے تنگ آ کر ترمک راؤ نے فیصلہ کن جنگ کے لئے میرن کٹہ کی پہاڑی کا ایک سخت اور تنگ محاصرہ کر لیا جس کے باعث حیدری فوج کو رسد ملنا بند ہو گئی۔

حیدر علی کی پسپائی

جب حالت یہاں تک پہونچی تو حیدر علی نے سرنگا پٹم کو واپس ہونے کے خیال سے اپنا توپخانہ لیکر اندھیری رات میں نکلے۔ بارش کی وجہ سے راستے بالکل خراب ہو چکے تھے۔ اس لئے مشکل سے تھوڑا فاصلہ طے کیا تھا کہ رات ختم ہو گئی۔ اور اتفاق سے ایک توپ چل گئی۔ جس سے مرہٹی فوج حیدر علی کے فرار سے خبردار ہو گئی۔ ترمک راؤ نے فوراً ایک زبردست فوج روانہ کی۔ کہ حیدری فوج کو روک لیا جائے۔ مرہٹی فوج نے پیچھے سے سخت حملہ کرنا شروع کر دیا۔ گولے اور گولیاں برس رہی تھیں مگر حیدر علی آگے ہی بڑھ رہے تھے۔ جب موتی تالاب پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ سامنے سے راستہ بند ہے۔ اور مرہٹے تالاب کے بند پر آ ڈٹے ہیں۔ پیچھے سے گولے برس رہے تھے۔ اب نہ آگے بڑھنے کا راستہ تھا اور نہ پیچھے جانے کا۔ اس وقت اپنی خداداد جرأت سے کام لیکر حیدر علی نے ایک منتخب دستہ کے ساتھ موتی تالاب کے بند پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ مرہٹے توپیں اور سامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ یہاں حیدر علی نے تھوڑا توقف کر کے اپنی منتشر فوج کو جمع کیا۔ اور چونکہ رات سے تمام فوج اور خود انہوں نے بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ اس لئے یہاں ناشتہ کیا گیا۔ چند سرداروں نے مشورہ دیا کہ آج کی شب یہیں قیام کیا جائے۔ مگر نواب نے کوچ کا حکم دیدیا۔ فوج اگرچہ بالکل تھک گئی تھی مگر نواب کے ہمراہ چل پڑی۔ اس عرصہ میں یکایک مرہٹوں کی بڑی فوج آ گئی۔ اور مرہٹوں نے ان پر نہایت شدت سے گولے برسانا شروع کیا۔ اتفاقاً ایک گولہ حیدر علی کے اس اونٹ پر پڑا جن پر بان لدے ہوئے تھے۔ بانوں میں آگ لگ گئی۔ اور یہ آگ ایک اونٹ سے دوسرے اونٹوں پر پھیل گئی۔ جس کے باعث خود حیدری فوج میں انتشار پھیل گیا۔ اس سے بڑھ کر اور مصیبت یہ پیش آئی کہ بانوں کے اڑنے سے بارود کی گاڑیوں میں آگ لگ

گئی۔ بارود اور گولے اڑنے شروع ہو گئے جس کے باعث صدہا سپاہی جل کر مر گئے اور اس قدر دھواں چھا گیا تھا کہ بالکل پریشان ہو گئی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر مرہٹی سواروں نے حملہ کر دیا اور حیدری فوج کے قلب میں آ گھسے۔

اس سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں حیدری فوج کا اپنا بچاؤ مشکل ہو گیا۔ لالہ میاں جو نواب حیدر علی کے بھائی شہباز کے داماد تھے۔ شہید ہو گئے۔ میر علی رضا خاں اور علی زماں خان سرداران فوج زخمی ہو کر گرفتار ہو گئے۔ مرہٹے حیدر علی کو گرفتار کرنے کے لئے ڈھونڈتے پھر رہے تھے کہ ایک جانب حیدر علی کا سپہ سالار یاسین نماں (جو ونچی کڈرے یاسین خاں کے نام سے مشہور تھا) لڑ رہا تھا۔ یہ بھی زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔ چونکہ اس کی شکل و شباہت حیدر علی سے بہت کچھ ملتی جلتی تھی۔ مرہٹوں نے دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ یاسین خاں نہایت ہشیار تھا۔ سمجھ گیا کہ مرہٹوں کا مقصد کیا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو حیدر علی ظاہر کیا۔ جس پر اس کو مرہٹوں نے نہایت ہی احترام و اعزاز کے ساتھ ترمک راؤ کے پاس بھیج دیا۔

نواب حیدر علی نے دیکھا کہ قسمت پلٹ چکی ہے۔ فوج منتشر ہو چکی ہے۔ سرداران فوج میں سے کسی کا پتہ نہیں۔ اور آپ اکیلا رہ گئے ہیں۔ دشمنوں کی کثرت اور اس قیامت خیز ہنگامہ میں کسی کا ملنا بھی دشوار ہے تو فوراً تنہا فرار ہو گئے۔ اور جب تک سرنگاپٹم نہیں پہنچ گئے۔ دم نہیں لیا۔ سرنگاپٹم پہنچ کر درگاہ قادر ولی میں ٹھہرے۔ اور بارگاہ خداوندی میں اپنی فوج اور اپنے فرزند ٹیپو سلطان کی سلامتی کی دعائیں مانگتے رہے۔ اس لئے کہ شہزادہ میدان جنگ میں دشمنوں کی کثرت سے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ غروب آفتاب کے قریب شہزادہ ٹیپو سلطان بھی دو تین سواروں کے ساتھ مرہٹی بھیس میں سرنگاپٹم میں آئے

درگاہ پر آ پہنچا۔ بیٹے کو دیکھ کر نواب بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہوئے۔ اور انہیں ہمراہ لیکر سرنگا پٹم داخل ہوئے۔

ادھر میدانِ جنگ میں محمد علی کمیدان نے جب دیکھا کہ نواب کا پتہ نہیں ہے تو جو کچھ سپاہی مل سکتے تھے۔ لیکر ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور مرہٹی فوج کو آگے بڑھنے سے شام تک روکے رکھا۔ مرہٹوں کی زبردست فوج کے آگے محمد علی کی یہ مدافعت چند گھنٹوں سے بڑھ کر کام نہ دے سکی۔ شام کے قریب مرہٹوں نے اس پہاڑی کو بھی فتح کر لیا اور محمد علی کمیدان گرفتار ہو کر ترمک راؤ کے سامنے لایا گیا۔ جہاں ترمک راؤ نے اسکی جوانمردی کو دیکھتے ہوئے پیشوائے پونا کی ملازمت پیش کی۔ کمیدان محمد علی مصلحتِ وقت سمجھ کر فوراً راضی ہوگیا۔ اور اپنے اہل وعیال کو سرنگا پٹم سے لیکر آنے کی اجازت چاہی جس کی ترمک راؤ نے منظوری دیدی۔

دن ختم ہو کر رات آچکی تھی۔ مرہٹوں نے اس میدان میں کیمپ قائم کر دیا جو سرنگا پٹم سے صرف پندرہ میل کے فاصلہ پر تھا۔ انہیں یقین تھا کہ مرہٹی فوج کے پہونچتے ہی قلعہ دار سرنگا پٹم کا قلعہ حوالے کر دیگا۔ انکے خیال میں نواب حیدر علی ان کے ہاتھوں میں اسیر تھے۔ اس لئے مرہٹوں نے یہاں چند دن آرام لینے کے خیال سے توقف کیا۔

محمد علی کمیدان کا کارنامہ

دوسرے دن کمیدان محمد علی نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ جنہیں مرہٹوں نے نہتا کر دیا تھا لیکر اپنے اہل وعیال کو لانے کے بہانے سے باہر نکالا اور جب زیادہ رات آگئی تو راستے ہی میں اس مقام پر ٹھہرا جہاں مرہٹوں کا ہراول دستہ اپنی فوج کی حفاظت کیلئے کیمپ

ڈالے ہوئے تھا۔ محمد علی نے ٹھہرنے کی اجازت چاہی، رات ہونے کی وجہ سے مرہٹوں نے
اجازت دیدی۔ جب رات بہت زیادہ آئی اور مرہٹے غافل ہو کر سو گئے تو محمد علی
نے اپنے نہتے سپاہیوں سے ان کی چند بندوقوں اور تلواروں پر قبضہ کر کے مرہٹوں
پر حملہ کر دیا اور تمام کو قتل کر کے انکے تمام ہتھیار و سامان لیکر سرنگاپٹم جا پہنچا۔ اور
نواب حیدر علی سے مل گیا۔

ترمک راؤ کو جب محمد علی کی خبر پہونچی تو اس نے حیدر علی کے دوسرے
سرداروں سے جو اس کی اسیری میں تھے، سختی سے پیش آیا۔ اور انہیں پونا روانہ
کر دیا گیا اور اسی شام کو یسین خاں سے کر خیمے میں پہونچکر جس کو وہ نواب سمجھے
ہوئے تھا۔ بہت کچھ تسلی و تشفی دیتے ہوئے کہا کہ میدان جنگ میں فتح و شکست
خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے آپ صبر کرتے ہوئے اپنے پردہ نشینان حرم اور
شاہزادوں کو بلا لیجئے کہ پونا پہونچکر جس طرح پیشوا کی رائے ہو عمل کیا جائے۔
یاسین خاں بھی غضب کا چلتا پرزہ تھا۔ ترمک راؤ کی باتوں کا کچھ بھی جواب
نہیں دیا۔ ترمک راؤ بھی منشائے وقت کے لحاظ سے خاموش ہو رہا۔

نواب حیدر علی کا دوبارہ فوج جمع کرنا

نواب حیدر علی نے سرنگاپٹم پہنچکر اپنے آنے کی خبر بالکل
پوشیدہ رکھی۔ سوائے چند سرداروں کے کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ نواب سرنگاپٹم
میں موجود ہیں۔ یہاں پھر نواب حیدر علی نے فوج جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور اس
قدر روپیہ دیئے گئے کہ چند ہی دن میں کافی فوج جمع ہو گئی۔

محاصرہ سرنگاپٹم

باوجود سخت رازداری کے آخر یہ خبر پھیل کر ہی رہی کہ نواب
حیدر علی سرنگاپٹم میں موجود ہیں اور پھر فوج جمع کر رہے
ہیں۔ ترمک راؤ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اس نے نواب حیدر علی کے دھوکے

میں یاسین خاں کو قید کر رکھا ہے اور یہ بھی احساس ہوا کہ اس نے سرنگاپٹم پر چڑھائی نہ کر کے ایک سنگین غلطی کی تھی مگر اب سوائے سرنگاپٹم پر حملہ کرنے کے دوسرا گذر نہیں تھا۔ اس لئے اس نے فوج کو محاصرہ کرنے کا حکم دیدیا۔ ادھر نواب حیدر علی نے ہر نئے بھرتی ہونے والے سپاہی کو اس قدر تنخواہ دینا شروع کیا کہ ترمک راؤ کی فوج سے کئی سردار و سپاہی حیدری فوج میں آ آکر ملنے لگے اور چند ہی دن میں نواب حیدر علی کے پاس بارہ ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے جمع ہو گئے۔ اور اب نواب حیدر علی نے کھلے میدان میں ترمک راؤ سے مقابلے کی ٹھان لی۔ اس وقت مرہٹے کوہ کری گٹ پر قابض ہو کر قلعہ پر گولہ باری کرتے تھے۔ جس سے حیدری فوج کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔

جب محمد علی کمیدان کو نواب کا ارادہ معلوم ہوا تو اس نے نواب سے اجازت چاہی کہ پہلے اس کو ترمک راؤ سے نبرد آزمائی کرنے کی اجازت دی جائے۔ نواب نے یہ بات منظور کر لی۔ محمد علی کمیدان اپنی چیدہ سپاہ کو مرہٹی لباس پہنا کر نکلا اور کوہ کری گٹہ کے پیچھے گھنے جنگل سے پہاڑ پر آیا۔ اور یہاں پہلے مورچہ پر اطلاع دی کہ ترمک راؤ نے مقیم فوج کے عوض دوسری فوج روانہ کی ہے۔ جس کو سن کر مورچہ والوں نے اس کو جگہ دیدی۔ مورچہ پر قبضہ ہوتے ہی باقی کارروائی آسان تھی۔ حیدری فوج بے خبر مرہٹوں پر تلواریں لیکر گری اور تھوڑے ہی عرصہ میں کری گٹہ ہاتھ آ گیا۔ مگر غنیم کی بے شمار فوج کو دیکھتے ہوئے یہاں پر ٹھہرنا ناممکن تھا۔ محمد علی نے رات ہی رات چھوٹی توپیں سرنگاپٹم روانہ کر دیں۔ اور بڑی توپیں بیکار کر دی گئیں اور مورچہ بھی توڑ دیا گیا۔ صبح ہونے سے پہلے کری گٹ خالی کر کے محمد علی کمیدان سرنگاپٹم واپس آ گیا۔

ترمک راؤ کو جب کری گٹہ کی خبر پہنچی تو اس نے ہزاری سرداروں کو حکم دیا کہ

نواب صاحب سرنگاپٹم کو اس طرح ویران کر دیں کہ حیدر علی تک رسد بالکل نہ پہونچ سکے۔

اتفاقاً دو دن بعد ہندوؤں کی عید آگئی۔ اور تمام مرہٹے اس دن غسل کرکے عبادت خانے میں مصروف ہوگئے۔ سپہ سالار ترنبک راؤ بھی اتصالِ دوآبہ کاویری پر غسل کرنے کو سعادت سمجھ کر فوج کے ساتھ پہونچا۔

ترنبک راؤ کی فراری

نواب حیدر علی نے پہلے ہی سے یہاں ایک کمینگاہ تیار کر رکھی تھی اور فوج لیکر مرہٹوں کے منتظر تھے۔ دوسری طرف ایک خشک نالے میں شاہزادہ ٹیپو سلطان اپنی فوج کے ساتھ رات ہی سے بیٹھ گیا تھا۔ محمد علی کمیدان اور غازی خاں سردار پنڈارہ کو حکم تھا کہ جب ترنبک راؤ اتصالِ دوآبہ پر پہنچے تو حملہ کردیں۔

نوٹ: "اس زمانے میں پنڈارے کثرت سے ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے ہر حاکم کے پاس انکی باقاعدہ فوج ہوتی تھی۔ پنڈارے لوٹ مار میں مشہور ہیں۔ اس لئے جب کبھی جنگ ہوتی تو روپیہ دیکر انکی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔"

ترنبک راؤ جو اس حال سے بے خبر تھا آکر غسل کرنے میں مصروف ہوا اور اس کی فوج پیچھے پہرہ پر متعین تھی کہ اتنے میں محمد علی کمیدان نے اس پر حملہ کر دیا۔ مرہٹوں کی ایک دوسری بڑی جمعیت بطورِ حفظِ ماتقدم اور پیچھے تھی۔ بندوقوں کی آواز سن کر وہ آگے بڑھے۔ مگر غازی خاں کی پنڈارہ فوج نے راستہ ہی میں اس کو روک لیا۔ مرہٹی فوج نے غازی خاں کے ساتھ صرف سو سواروں کو دیکھ کر اس پر حملہ کر دیا اور پنڈارے اس طرح بھاگے کہ انہیں حقیقت میں شکست ہوگئی ہے۔ اس تھوڑی سی فوج کے تعاقب میں مرہٹی فوج یہاں تک آگے بڑھی جہاں ٹیپو سلطان کی کمینگاہ تھی۔ مرہٹی فوج کا یہاں تک پہنچنا ہی تھا کہ

ٹیپو سلطان نے اپنی کمینگاہ سے نکلکر ایک ایسا سخت حملہ کیا کہ مرہٹی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مرہٹوں کی بڑی جمعیت جب اس طرح سے دور ہو گئی تو محمد علی کمیدان نے ترمک راؤ کے خاص باڈی گارڈ پر حملہ کر دیا۔ اور دوسری طرف نواب حیدر علی اپنی کمینگاہ سے نکلے اس فوج کو دیکھتے ہی مرہٹوں میں پریشانی پھیل گئی۔ اور انہوں نے فرار ہونا شروع کر دیا عین اس موقع پر حیدری فوج نے گولے برسانا شروع کئے۔ جس سے مرہٹوں کے نشان اور نقاروں کے ہاتھی مارے گئے۔ ترمک راؤ اس حال کو دیکھ کر دریا سے نکلا۔ اور اسی طرح بھیگی دھوتی سے جس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان سے بھاگا۔ تمام فوج تتر بتر ہو چکی تھی۔ حیدری پنڈارے اور ٹیپو سلطان کی فوجیں کیمپ لوٹ رہی تھیں ترمک راؤ نے موتی تالاب پر جو سرنگاپٹم سے تیس میل دور ہے۔ جا کر دم لیا۔ یہاں پھر اپنی پریشان فوج کو جمع کرنے لگا۔ حیدری فوج کے ہاتھوں کئی ہزار سپاہی مارے گئے اور سات ہزار سپاہی اسیر ہو چکے تھے۔ اب ترمک راؤ میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ پھر سرنگاپٹم پر بڑھے۔ اس لئے اس نے اپنی فوج کو پائین گھاٹ و بالا گھاٹ پر بڑھا دیا کہ ان پر قبضہ کر لے تاکہ رسد نہ ملنے کی وجہ سے خود نواب عاجز آجائے۔ یہاں مرہٹے ملک کو کچھ اس طرح ویران کرنے لگے کہ گھاس تک بھی باقی نہ چھوڑی۔ مگر حیدری فوج کے دستے بھی ساتھ ساتھ تھے اور جب کبھی موقع پاتے شبخون مارتے تھے۔

پائین گھاٹ پر مرہٹی حملے

ترمک راؤ کے رخصت ہوتے ہی نواب نے شہزادہ ٹیپو سلطان اور کمیدان محمد علی کو پائین گھاٹ کی طرف روانہ کیا اور یہاں ٹیپو سلطان نے رائے کوٹہ میں کیمپ قائم کیا اور کمیدان محمد علی کشنگری میں مقیم ہوا۔ محمد علی کو خبر ملی کہ ترمک راؤ کا خزانہ کشنگری کی راہ سے

جا رہا ہے۔ محمد علی رات کے وقت کشنگری سے نکل کر کوہ ماٹ کے دامن میں چھپ گیا۔ جب مرہٹوں کا خزانہ میدان سے نکل کر درۂ کوہ میں داخل ہوا تو محمد علی کمیدان نے ان پر حملہ کیا۔ مرہٹے اس اچانک حملے سے بھاگ نکلے کئی ایک قتل ہوگئے۔ اور تمام نقدو جنس محمد علی کے ہاتھ آئی۔ جس کو لیکر محمد علی کشنگری پہنچ گیا۔ جب یہ خبر ترمک راؤ کو معلوم ہوئی تو اس نے اپنا کیمپ نپور گھاٹ سے اٹھا کر قصبہ اوتالیگری میں قائم کیا۔ دوسرے دن محمد علی نے ٹیپو سلطان کو اطلاع دی کہ مرہٹی فوج اوتالیگری سے دھرمپوری پر حملہ کرنیوالی ہے۔ ٹیپو سلطان اپنی فوج لیکر دھرمپوری کی طرف بڑھے۔ دیکھا کہ مرہٹے دھرمپوری کے اطراف میں لوٹ کر کے گھوڑوں پر سامان لاد رہے ہیں۔ ٹیپو سلطان نے بھی مرہٹوں کو دھوکہ دینے کے خیال سے مرہٹی لباس میں خود بھی ایک طرف لوٹنا شروع کیا۔ اور جب سب سامان گھوڑوں اور بیلوں پر لد چکا تو مرہٹے اوتالیگری واپس ہوئے۔ یہاں راستے میں ٹیپو سلطان کی فوج کا ایک حصہ کمینگاہ میں بیٹھا ہوا تھا جنہوں نے مرہٹوں پر حملہ کر دیا اور خود مرہٹی فوج ٹیپو سلطان کی . . . .

فوج مرہٹی لباس پہنے ہوئے ان میں ملی ہوئی تھی۔ اب تو مرہٹوں کو سوائے فرار ہونیکے کوئی چارہ نہ رہا۔ اس لوٹ میں ٹیپو سلطان کے ہاتھ چار ہزار گھوڑے، صد ہا بیل، اونٹ اور بیس ہاتھی ہاتھ لگے۔ ترمک راؤ ان پے در پے حملوں سے حواس ہو گیا۔ اوتالیگری سے کیمپ اٹھا کر کاویری پٹن پہنچا۔ ٹیپو سلطان نے کو میں کیمپ قائم کیا۔ اور محمد علی کمیدان کی فوج خانخانہلی کے قلعہ کو روانہ ہوگئی۔

مرہٹے کاویری پٹن میں چند دن قیام کرکے خانخانہلی پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں محمد علی کمیدان کی فوج قلعہ گیر تھی۔ ترمک راؤ نے ایک فوجی دستہ بھیجکر قلعہ کا محاصرہ

کردیا۔ خانخانہلی میں محمد علی نے رات کا وقت قلعہ کی دیوار پر اپنی فوج کے کپڑے لکڑیوں
پر لگا دیئے۔ اور قلعہ کے اندر آگ سلگائی۔ جس سے مرہٹی فوج کو اطمینان ہو گیا کہ میسوری
فوج قلعہ میں رہے گی۔ مگر جب نصف شب گزری تو اپنی فوج کو صحیح و سالم قلعہ کے پیچھے
گھنے جنگل سے اتار کر لے گیا۔ صبح کو جب مرہٹے قلعہ پر حملہ آور ہوئے تو قلعہ خالی تھا۔

ترمک راؤ نے نیل کوٹہ میں کیمپ قائم کیا۔ اس کے لئے سب سے بڑی مصیبت یہ
تھی کہ اسکی کثیر فوج کو ملک کی تباہی و ویرانی کے باعث سامان و رسد نہیں مل سکتا تھا۔
گھوڑوں اور بیلوں کو گھاس ملنا بھی دشوار تھی۔ اور اسکے ساتھ ساتھ ٹیپو سلطان اور
محمد علی کمیدان کے شبخون نے مرہٹوں کا قافیہ تنگ کر دیا تھا۔ مگر فوج کی کثرت کی وجہ
سے انہیں ان نقصانات کا احساس بالکل نہیں ہوتا تھا۔ ترمک راؤ کی سب سے بڑی خواہش
یہ تھی کہ کسی طرح حیدر علی سے کھلے میدان میں مقابلہ ہو جائے اور ادھر حیدر علی کو معلوم
تھا کہ اس کثیر فوج سے جم کر مقابلہ کرنا کس حد تک خطرناک ہے۔ لہٰذا انکی فوج یا تو دن
کو چھپ کر حملہ کرتی تھی یا رات کو شبخون مارتی تھی۔

جس وقت ترمک راؤ نے نیل کوٹہ میں کیمپ قائم کیا تو حیدر علی نے صلح کی درخواست
بھیجی۔ مگر مرہٹی سپہ سالار نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ جب تک حیدر علی کامل طور پر اطاعت
نہ کرلیں۔ صلح نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا حیدر علی کے سفیر واپس ہو گئے۔ ترمک راؤ کسی طرح
حیدر علی کو کھلے میدان میں مقابلے کے لئے لانا چاہتا تھا۔ اسلئے اس نے تجویز کی کہ بدنور پر
قبضہ کر لیا جائے۔ اس لئے مرہٹی فوج بدنور پر بڑھی ادھر ٹیپو نے بھی محمد علی کمیدان کو چھ ہزار
بندوقچی اور بارہ ہزار سوار اور ایک زبردست توپ خانہ دیکر مرہٹوں پر حملہ کرنے کے لئے
بھیجا۔ محمد علی کی فوج کورگ کے جنگلوں سے بدنور کی طرف بڑھی۔ مگر جنگلات گھنے

ہونے کا باعث توپ خانہ کا بچانا مشکل تھا۔ اس بھاری توپ خانہ کو واپس کر دیا گیا۔ ترمک راؤ کو جب محمد علی کے میدان کی خبر پہنچی تو اس نے ایک زبردست فوجی دستہ کو اسکی طرف روانہ کیا۔ اور انعام بھی مشتہر کر دیا کہ کسی طرح یا تو محمد علی کو زندہ پکڑ لائیں یا اس کا سر لائیں۔ اتفاق سے دونوں فوجوں کا مقابلہ ایک کھلے میدان میں ہو گیا۔ جہاں دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ دوسرے دن مرہٹوں نے ترمک راؤ سے مدد مانگی جس پر ترمک راؤ خود توپخانہ لیکر میدان میں آ پہنچا۔ یہاں حیدری فوجوں نے مرہٹی مقتولین کو جمع کر کے حفاظت کے لئے دمدمہ تیار کیا۔ اور اسی کی پناہ لیکر بندوقیں چلاتے رہے۔ اپنے مقتولین کی یہ حالت دیکھ کر مرہٹی فوج میں ایک قسم کی سراسیمگی چھا گئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی ترمک راؤ کو اور بھی طیش آ گیا۔ شام تک معمولی لڑائی ہوتی رہی۔ اور اس عرصہ میں ترمک راؤ کا توپ خانہ میدان جنگ میں مناسب مقامات پر جما دیا گیا۔ جب شب ہوئی اور لڑائی تھم گئی تو محمد علی اپنے زخمیوں کو بھی میدان جنگ میں چھوڑ کر جنوب کی طرف چل نکلا مگر زخمیوں سے یہ کہہ کر گیا کہ مقام استارہ پر پہنچ کر ان کے لئے ڈولیاں بھیجی جائیں گی صبح کو جب مرہٹوں نے دیکھا تو میدان خالی تھا۔ زخمیوں سے دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ محمد علی استارہ کو چلا گیا ہے۔ مرہٹے بھی شمال کی طرف استارہ پر بڑھے۔ یہاں محمد علی کا پتہ نہیں تھا۔ ترمک راؤ اور اس کی فوج کا بڑا حصہ راستے میں پٹن کی ندی کے کنارے تھا۔ جس پر ٹیپو سلطان کی فوجوں نے صحرائے ماگڑی درگ سے نکل کر شبخون مارا جس میں بہت سا سامان حیدری فوج کے ہاتھ آیا۔

ترمک راؤ نے محمد علی کے نہ ملنے سے مایوس ہو کر اپنی فوج کو اور آگے بڑھایا اور ادھر نواب حیدر علی بھی فوج لیکر ماگڑی درگ کے گھنے جنگلوں میں محمد علی اور ٹیپو سلطان کی

فوجوں سے آ کر مل گئے۔ اور ایک زبردست شبخون مارنے کا انتظام کرنے لگے۔ نواب حیدر علی کی خوش قسمتی سے یہ موقع بہت جلد حاصل ہو گیا۔ مرہٹوں کی تمام فوج ایک گھنے جنگل کے کنارے کیمپ ڈالے ہوئے پڑی تھی۔

مرہٹی فوج پر شبخون

نواب حیدر علی نے ان تمام بیلوں کو جو ترمک راؤ کی فوج سے ملے تھے۔ جمع کیا اور اطراف واکناف سے بھی قریب دس ہزار بیل جمع کئے گئے اور ان تمام بیلوں کی سینگوں پر کپڑے لپیٹ کر انہیں تیل سے تر کر دیا گیا۔ جب وقت رات بہت زیادہ آئی تو حیدری فوج نے چاروں طرف سے ترمک راؤ کی کیمپ کا محاصرہ کرتے ہوئے بیلوں کی سینگوں کو آگ لگا کر کیمپ کی طرف ہانک دیا۔ مرہٹی فوج جاگ اٹھی اور جب خیموں سے باہر نکلی تو دیکھا تمام جنگل چراغاں بنا ہوا ہے۔ اور ہر طرف چراغ نظر آ رہے ہیں۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ حیدر علی کی زبردست فوج حملہ کرنے کے لئے آگئی ہے۔ وہ ابھی تیاری ہی میں تھے کہ بیل آگ کی گرمی سے پریشان ہو کر ہر چہار طرف دوڑنے لگے۔ جس کی وجہ سے مرہٹوں کے خیموں میں آگ لگ گئی۔ اور خود انکی سواری، اور بار برداری کے جانور گھبرا کر رسیاں تڑا کر بھاگ نکلے۔ اور دوسری طرف اطراف سے حیدری فوج جنگل میں چھپی ہوئی گولیاں برسا رہی تھی۔ یہ ایک ایسا ہنگامہ تھا جس کو فرو کرنے سے مرہٹے عاجز تھے۔ اگر غنیم کی فوج انکے آگے آجاتی تو وہ اور بات تھی۔ مگر یہاں غنیم کا پتہ ہی نہیں تھا۔ اندھیری رات تھی اور کیمپ جل رہا تھا اور خود انہیں کے بیل، ہاتھی، گھوڑے وغیرہ ہر چہار طرف دوڑ دوڑ کر قیامت برپا کر رہے تھے اس حالت میں محمد علی کمیدان کی فوج نے گولے اور بان برسانا شروع کر دئیے۔ مرہٹوں کو اب سوائے فرار ہونے کے اور دوسری راہ نظر نہیں آئی۔ یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کس طرف

جائیں۔ ہر شخص جدھر راستہ نظر آیا۔ بھاگنا شروع کر دیا۔ توپیں لیجانے کیلئے باربرداری کے جانور بھی نہیں تھے اس سراسیمگی اور پریشانی کی حالت میں ترمک راؤ اور دوسرے مرہٹہ سردار بھی جان بچا کر بھاگ نکلے۔ اس وقت حیدری فوج کے پنڈاروں نے کیمپ لوٹنا شروع کر دیا تھا اور ان کے ساتھ خود مرہٹی فوج کے پنڈارے بھی شامل ہوگئے۔ دوست دشمن کی تمیز اڑگئی اور آپس میں تلوار چلنے لگی۔ ترمک راؤ فرار ہوا۔ اور جب صبح کو اس میدان سے ہٹ کر دس میل دور قیام کیا تو اسکے پاس سوائے چند ہزار سپاہیوں کے اور کچھ نہ تھا! اس نے یہاں پھر اپنی فوج کو جمانا شروع کیا۔ اور پونہ سے امداد کا طالب ہوا۔

نواب حیدر علی کا بیڑا اقبال زوروں پر تھا۔ پونا میں پیشوا مادھو راؤ کا انتقال ہوگیا اور تخت نشینی کے لئے نارائن راؤ اور رگھوبا میں کشمکش شروع ہوگئی تھی اس موقع سے حیدر علی نے پورا فائدہ اٹھایا۔ اور ایک سفیر کو ترمک راؤ کے پاس بھیجدیا کہ صلح کر لی جائے۔ ترمک راؤ بھی پونا کی حالت دیکھتے ہوئے اور اپنی موجودہ کمزوری کا احساس کرتے ہوئے فوراً صلح پر راضی ہوگیا اور مطالبہ کیا کہ حیدر علی اخراجات جنگ ادا کریں۔ مگر یہاں حیدر علی نے ملک کی تباہی و بربادی کا حوالہ دیتے ہوئے انکار کر دیا۔ آخر بہت رد و قدح کے بعد چھتیس لاکھ روپیہ پر معاملہ طے ہوگیا اور ترمک راؤ پونا واپس چلا گیا۔ اس طرح اس جنگ کا خاتمہ ہوا اس جنگ کا آغاز ۱۷۷۰ء سے شروع ہوا تھا اور ۱۷۷۲ء میں خاتمہ ہوا۔

مرہٹوں کی مذکورہ بالا جنگ کے متعلق بہادر نامے میں لکھا ہے:۔

کروں کیا بیاں ماجرائے ستیز ۔۔۔ کہ برپا تھی اس جا پہ اک رستخیز
سر و حلق مردان جنگ آزما ۔۔۔ نشانہ دم خنجر و تیغ تھا

روان خوں تھا مانند دریائے آب　　سرِ پہلوانان تھے مثلِ حباب
جوانمرد جتنے تھے اس فوج کے　　سبھی دفعتہً واں پہ مارے گئے
ہوئے کشتہ اعدا بہت وقتِ جنگ　　زمیں خوں سے یکسر ہوئی لالہ رنگ
کوئی لوٹتا تھا پڑا خاک پر　　کوئی کھائے نیزہ گرا آہ کر
ہوئے کشتہ کتنے کروں کیا بیاں　　سوا لاش کے کچھ نہ واں تھا عیاں
مظفر ہوئی غازیوں کی سپاہ
ہوئی فوج پرناں سراسر تباہ"

مگر سب سے دلچسپ ملّا فیروز کی وہ فارسی نظم ہے جو انہوں نے اپنی تاریخ جارج نامہ میں لکھی ہے۔ ملّا فیروز اپنی تاریخ جارج نامہ یعنے فتوحات برطانیہ انگریزی تاریخوں سے مرتب کی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے اس جنگ کا پورا نقشہ کھینچکر رکھدیا ہے۔ اس کا اقتباس ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہاں دیا جاتا ہے۔

اس وقت جب حیدر علی کو موتی تالاب پر شکست ہوئی۔ اور وہ تن تنہا سرنگاپٹم فرار ہوئے تو حیدر علی کی زبان سے ملّا فیروز لکھتے ہیں :-

اگر سوخت بارود بان و شتر　　ازاں جنس دارم بسے قلعہ پر
چہ باشد بعالم خدا مہربان　　ندارم غم از سوخت بارود و بان
نباشد اگر خیمہ ام نیست ننگ　　بود خیمہ ام آسمان روز جنگ
دگر فرس نبود ازاں ننگ نیست　　بمرداں بسیط زمیں تنگ نیست
بہ حورِ بہشتی مرا نیست کار　　عروسِ ظفر بایدم در کنار

اور پھر جب ٹیپو سلطان اور سردارانِ فوج آکر ملے اور نئی فوج کی بھرتی شروع

کی تو فرماتے ہیں:۔

امیرانِ من نیک خواہ من اند | ہمہ دارِ قسر کلاہ من اند
خزائن بمن دادہ حق بے شمار | بیا سم بعشرت فلاں وقت کار
چو یکدل شنا سیم در روز جنگ | شود دشمن ما دو دل بے درنگ

فوج اور سرداران لشکر کو نئے حملے سے پیشتر یوں مخاطب فرماتے ہیں:۔

الا اے سواران شمشیر زن | جوانان شیر افگن و پیل تن
سواری بر اسپان تازی کنید | بفرق عدو گوئے بازی کنید
حرام است آرام در روز جنگ | برائید از خانہ ہا چوں نہنگ
بفوج عدد تیر باراں کنید | ہوا را چو ابر بہاراں کنید
بہ پیلاں بہ نبد یدکوس و درا | کہ تا گاؤ ماہی بجنبد ز جائے
چو سر بر کشید آفتاب بریں | من و ترک و تیغ میدان کیں

پھر خاتمہ جنگ پر اس طرح فرمایا جاتا ہے:۔

"چو بود مراد خزائن کمی | فراہم بزرمی شود آدمی
چناں رخنہ بندیم بر بد سگال | کہ ترک چو یک شود پائمال
چو شمشیر ما برق ریزاں شود | بہ پونا چو رد و ناں گریزاں شود"

مورخ ٹامپسن اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"پونا میں پیشوا مادھو راؤ کی وفات کے باعث حیدر علی سے ترک راؤ نے چھبیس لاکھ روپیہ لیکر صلح کرلی اور حیدر علی نے مادھو گری اور گرم کنڈہ کے اضلاع مرہٹوں کو دیدئے۔"

فتح کورگ ۱۷۷۲ء جب مرہٹے پونہ واپس چلے گئے تو نواب حیدر علی کو اپنا خزانہ بھرتی کرنے کے لیے نئے فتوحات کی سوجھی اور نواب کی خوش قسمتی سے ملک کورگ میں تخت کے لئے خانہ جنگی برپا تھی۔ اور ملک دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ (کورگ موجودہ وقت میں ریاست میسور کی مغربی جانب ایک چھوٹا انگریزی صوبہ ہے جس کا رقبہ ۱۵۸۰ مربع میل اور آبادی پچیس ہزار کے قریب ہے) جس میں ایک طرف مرکرے کا راجہ تھا اور دوسری طرف بیل کا راجہ تھا۔ حیدر علی بیل کے علاقے کی طرف بڑھے۔ راجہ نے قلعہ بند ہو کر نہایت سختی سے مقابلہ کیا۔ چند دن بعد اپنے اہل و عیال کو قلعہ سے نکال کر اندرون ملک کسی مقام کو ۔ ۔ ۔ ۔ روانہ کر دیا۔ ٹیپو سلطان کو جب یہ خبر ملی تو ایک فوجی دستہ بھیج کر جنگل میں راجہ کے خاندان پر حملہ کیا۔ اور اچانک تمام سپاہیوں اور راجہ کی عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ اس حال کے معلوم ہوتے ہی بیل کے راجہ نے اطاعت قبول کر لی۔ نواب حیدر علی قلعہ پر قبضہ کرکے مرکرا پر بڑھے۔ یہاں کے راجہ نے بہت سا مال و زر دے کر نواب کی اطاعت قبول کر لی۔

فتح ملیبار ۱۷۷۳ء نواب۔ فتح کرگ سے واپس ہو کر ملیبار کی طرف بڑھے۔ جہاں علی راجہ نے بڑے طمطراق کے ساتھ استقبال کیا۔ ملیبار کے جنوبی حصہ میں اس وقت مختلف راجاؤں میں لڑائی ہو رہی تھی۔ نواب حیدر علی نے چرکل پر حملہ کر دیا۔ لڑائی میں راجہ مارا گیا اور اس کا ایک ہفت سالہ فرزند قید ہو گیا۔ جس کو نواب نے مسلمان بنا کر ایاز خاں نام رکھا اور بطور اپنے ایک فرزند کے اس کی پرورش کی۔

نوٹ :۔ آگے چل کر یہی ایاز خاں یہاں کا نواب بنا۔

یہاں کے انتظام سے فارغ ہو کر نواب نے کوچین کی بندرگاہ پر چڑھائی کی۔ کوچین کا راجہ اٹھائیس لاکھ اور سات لاکھ روپیہ نقد دیکر نواب کا مطیع ہو گیا۔ ان فتوحات سے مغربی پورا جنوبی کنارا، ملیبار، کوچین، واناڈ اور نیلگری نواب کے قبضہ میں آ چکے تھے اس لئے نواب نے ان تمام علاقوں کو صوبہ کنارا کے نام سے ایک صوبہ بنا کر سردار خاں کو صوبہ دار مقرر کیا۔

واقعاتِ پونا

مادھو راؤ کی وفات کے ساتھ ہی پونا میں واقعات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ رگھوناتھ راؤ عرف رگھوبا اور نارائن راؤ میں پیشوا کے منصب کے لئے کشمکش شروع ہو گئی جس سے مرہٹے مختلف پارٹیوں میں منقسم ہو گئے۔ اور آپس میں لڑائی شروع ہو گئی۔ رگھوبا قید کر دیا گیا۔ اور نارائن راؤ پیشوا بنا۔ مگر بعد میں نارائن راؤ سازش کا شکار ہو کر قتل ہو گیا۔ اور رگھوبا پھر قید سے چھوٹ کر پیشوا بنا۔ مگر مرہٹوں کی ایک جماعت نارائن راؤ کے نوزائیدہ بچے کو پیشوا بنانے پر تلی ہوئی تھی اس لئے رگھوبا نے انگریزوں سے سازش شروع کی۔ اور دوسری طرف نارائن راؤ کے بچے کی حمایت پر نانا فرنویس اور دوسرے مرہٹہ سردار تھے۔ مرہٹوں کی اس خانہ جنگی کے اسباب میں انگریزوں کا ہاتھ کس قدر رہا۔ اس کے لئے ایک علیحدہ تفصیل کی ضرورت ہے اور اسکے علاوہ سوانح حیدر علی سے اس کو زیادہ تعلق بھی نہیں۔ بہر طور مرہٹی طاقت منتشر ہو گئی۔ اور اس حالت کو دیکھتے ہوئے نواب حیدر علی نے اپنا کھویا ہوا ملک دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

تسخیر بلاری ۱۷۷۶ء

یہ موقع انہیں اس طرح حاصل ہوا کہ بسالت جنگ ناظم ادھونی نے اس وقت بلاری پر حملہ آور

ہوا۔ بلاری کے پالیگار نے حیدر علی سے امداد طلب کی۔ حیدر علی اپنی فوج لیکر بلاری کی طرف بڑھے۔ اور بسالت جنگ کی فوج پر جو موسیو ڈی لالی کے زیر کمان تھی اچانک حملہ کر دیا جس کی وجہ سے حیدر آبادی فوجوں کو کامل شکست ہوئی اور نواب حیدر علی کا بلاری پر قبضہ ہو گیا۔ اور بلاری کا راجہ بجائے نظام الملک کے نواب حیدر علی کا خراج گذار بن گیا۔

فتح گتی ۱۷۷۶ء گتی جنوبی ہندوستان کا ایک مشہور قلعہ ہے۔ جہاں عرصۂ دراز سے مرہٹے حکمران ہوتے چلے آئے تھے۔ گتی کے راجہ اس قدر زبردست ثابت ہوئے تھے کہ اطراف و اکناف میں انکی ہیبت چھائی ہوئی تھی اور آج تک بھی ضلع اننت پور اور بلاری میں راجگان گتی کے کارنامے اور گتی کی عظمت کی داستانیں لوگ ذوق و شوق سے بیان کرتے ہیں۔ نواب حیدر علی نے بلاری کی فتح سے فارغ ہو کر انتقام لینے کے لئے گتی پر چڑھائی کی۔ کیونکہ یہاں کا راجہ مراری راؤ ہمیشہ مرہٹوں سے مل کر میسور پر حملہ آور ہوتا تھا اور انگریزوں سے جو پہلی جنگ ہوئی تھی اس میں بھی نواب والاجاہ محمد علی کے ساتھ تھا۔ نواب حیدر علی نے گتی کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ کی مضبوطی کی وجہ سے محاصرہ نے نہایت طول کھینچا۔ آخر کار جب سخت محاصرہ کی وجہ سے رسد پہنچنا بند ہو گئی اور قلعہ کے اندر تالاب و باؤلیاں سوکھ گئیں تو راجہ نے اطاعت قبول کر لی۔ راجہ اور اسکے عورتوں کو سرنگاپٹم بھیج دیا گیا اور حیدر علی تمام مضافات گتی پر قابض ہو گئے جن میں کنچی کوٹہ اور بینی کنڈہ اور سندور شامل ہیں۔ گتی کے فتح ہونے سے گرم کنڈہ کے قلعہ دار نے بھی اپنا قلعہ خود بخود نواب حیدر علی کے حوالے کر دیا۔

آخیر بلاری سے متاثر ہو کر نظام الملک مرہٹوں سے مل گیا۔ اور ادھر مرہٹوں کو بھی گتی کے ہاتھ سے نکل جانے سے حیدر علی سے رنجش پیدا ہو گئی تھی۔ پیشوا رگھوبا نے سولہ[12]

ہزار کی ایک فوج نظام الملک کی کمک کے لئے بھیجی۔ نواب حیدر علی نے ان دونوں فوجوں کے ملنے سے پیشتر ہی مرہٹی فوج کو رشوت دیکر ان میں پھوٹ ڈال دی جس کی وجہ سے آپس میں لڑکر وہ واپس ہو گئے۔ حیدر آباد کی جانب سے ابراہیم خاں دھونسہ آیا ہوا تھا۔ جس کی سرکوبی کے لئے نواب نے محمد علی کمیدان کو دھونسہ کے مقابل گھونسہ کا خطاب دیکر بھیجا۔ اور نواب برق سرعت سے راہ طے کرتے ہوئے تیسرے دن اچانک حیدر آبادی فوجوں پر حملہ آور ہوئے۔ اس جنگ میں گولوں کے عوض بان مارے گئے اور حیدر آبادی فوج پریشان ہو کر بھاگ نکلی۔ اور کہا جاتا ہے کہ دھونسہ برہنہ سر ہو کر فرار ہو گیا۔ اور فرانسیسیوں کے دستہ فوج میں جاکر پناہ لی۔ مرہٹوں کے چلے جانے سے حیدر آبادی فوجیں بے دل ہو کر گولکنڈہ کی طرف واپس چلی گئیں۔ نواب حیدر علی ان کا تعاقب کرتے ہوئے ادہونی پہنچکر اس کا محاصرہ کر لیا اور راستہ ایک سفیر کو بسالت جنگ کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا کہ دارالامارت سرنگاپٹم دور ہونے سے سپاہیوں کی تنخواہ دو مہینوں سے نہیں دی گئی ہے۔ اس لئے ضروری مصارف کے لئے دس لاکھ روپیہ بھیجدیا جائے۔ بسالت جنگ نے اسکو غنیمت جان کر فوراً روپیہ پیش کر دیا۔

" ادہونی کے متعلق مقامی روایت ہے کہ نواب حیدر علی نے قلعہ کا محاصرہ کر کے چند گولے قلعہ پر برسائے۔ جن کی وجہ سے بسالت جنگ کی حرم سرا میں تہلکہ پڑ گیا تو بسالت جنگ نے خود بخود ایک بڑی رقم نواب حیدر علی کو دیکر آئندہ دوستی کا وعدہ کر کے رخصت کر دیا۔"

شہزادوں کی شادیاں ۱۱۷۷ھ

شمالی اضلاع کی فتح سے فارغ ہو کر نواب سرنگاپٹم واپس پہنچے۔ اور انہی دنوں میں شہزادہ ٹیپو سلطان

کی شادی اپنی مرضی سے امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے اور خواتین محل کی مرضی کے مطابق رقیہ بانو سے کی۔ رقیہ بانو لالہ میاں شہید چرکولی کی دختر تھیں۔ خواتین محل کو پہلی نسبت اس لئے پسند نہ تھی کہ وہ خاندان کی لڑکی نہ تھی۔ مگر نواب حیدر علی کو اپنی بات قائم رکھنے پر اصرار تھا۔ اگر مقامی روایات پر یقین کیا جائے تو یہ شادی جو امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے ہوئی۔ اس قدر دور رس نتائج رکھتی ہے کہ ٹیپو سلطان کے زوال سلطنت میں اس کا بہت بڑا دخل ہے۔ اس رشتہ سے ناراض ہو کر اہل نوائطہ نے انگریزوں سے سازشیں شروع کر دی تھیں۔ نائطہ کو اپنی شرافت اور نسب پر حد درجہ غرور تھا۔ اور اس شادی کو وہ اپنی توہین سمجھ رہے تھے اور در پردہ انتقام کی فکر میں تھے۔ ٹیپو سلطان کی شادی کے بعد حیدر علی کی صاحبزادی کا نکاح حافظ سید علی سے ہوا اور شاہباز صاحب کی دو لڑکیوں کا نکاح بھی تربیت علی خاں نائطہ اور یاسین صاحب سے ہوا۔ ان شادیوں کا جشن سرنگاپٹم میں ایک ماہ تک ہوتا رہا۔

پونا میں پیشوائی کیلئے کش مکش سنہ ۱۷۷۴ء

پونا میں واقعات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے اور حالت یہاں تک پہونچ گئی کہ رگھوبا پونا چھوڑ کر فرار ہوا اور جنوب میں میسور میں آ کر حیدر علی سے مدد مانگی۔ اور اسکے عوض وہ تمام علاقہ جو دریائے کرشنا سے جنوب کی طرف جو مرہٹوں کے قبضہ میں تھا۔ حیدر علی کو لکھ کر دیدیا مگر اسکی فوجوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور ایک کثیر حصہ اس کو چھوڑ کر پونا چلا گیا۔ جس کی وجہ سے رگھوبا علاقہ میسور چھوڑ کر گجرات کی طرف چلا گیا۔ چونکہ رگھوبا کی کارروائیوں میں انگریزوں کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ اس لئے دوسری طرف نانا فرنویس نے انگریزوں کو ملک سے نکال دینے کے لئے تمام سرداران

ملک کو مجتمع کرنا شروع کیا اور اس سلسلہ میں نواب حیدر علی کو بھی لکھا کہ انگریزوں پر حملہ کرے۔ مگر حیدر علی نے مقتضائے وقت کے لحاظ سے کچھ جواب نہیں دیا۔ بلکہ اس کی اطلاع انگریزوں کو دیدی۔ نواب حیدر علی شروع سے دیکھ رہے تھے کہ کس طرح بے وجہ مرہٹے حملے کرکے میسور کو تباہ و برباد کرتے رہے ہیں۔

بعض ہندو مورخین نواب حیدر علی پر معترض ہیں کہ انہوں نے نانا فرنویس کا وہ راز جو انگریزوں کو ملک سے نکالنے کے لئے تھا۔ انگریزوں پر ظاہر کرکے اپنے تدبر اور حب الوطنی کا کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کیا مگر نہیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ۱۷۶۱ء سے ۱۷۷۲ء تک مرہٹوں نے میسور پر چار حملے کئے اور ہر وقت انکی یہی خواہش رہی کہ کسی طرح حیدر علی کو مٹا دیا جائے۔ مادھوراؤ اور ترمک راؤ کے اخیر حملے کچھ اس غضب کے تھے کہ اگر قسمت حیدر علی کا ساتھ نہ دیتی تو انکے مٹ جانے میں کوئی کسر باقی نہ تھی۔ نواب حیدر علی کی درخواست صلح کو بھی مرہٹے ٹھکرا چکے تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے حیدر علی نے مرہٹوں کے راز کو انگریزوں پر ان سے دل برداشتہ ہونے کی وجہ سے منکشف کر دیا۔ تو ان پر کوئی الزام نہیں آسکتا۔ حیدر علی نے جو کچھ کیا وہ اقتضائے وقت، نزاکت حالت، حفاظت خود اختیاری اور مجبوری کی وجہ سے تھا۔

اس کے بعد نواب حیدر علی شاہنور کے نواب عبدالحکیم خاں کی سرکوبی کے لئے نکلے۔ شاہنور کا نواب مرہٹوں سے سازش کر رہا تھا۔ اس لئے نواب حیدر علی نے اس پر چڑھائی کی اور شاہنور کی فوجوں کو شکست دے کر عبدالحکیم خاں کو اسیر کر لیا جس پر اس نے اپنی خاص سواری اور فیل (؟) کے ہاتھی و نیز ڈیڑھ لاکھ روپیہ حیدر علی کی نذر کر دیا۔ اور ہمیشہ اطاعت گذار رہنے کا وعدہ کیا۔ مصلحت وقت جان کر شہزادہ

کریم شاہ کی شادی شاہنور کے نواب عبدالحکیم خاں کی بیٹی سے کردی گئی۔

اس شادی کے بعد نواب اپنی فوجوں کو سرہٹی، ڈمل اور کوپل کے راستے سے بادامی اور دھارواڑ پر بڑھا لایا۔ تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ افواجِ میسور خاص مرہٹہ واڑی پر حملہ آور ہوئیں۔

فتح بادامی۔ دھارواڑ و دیگر فتوحات ۱۷۷۵ء

بادامی ایک معمولی جنگ کے بعد فتح ہو گیا۔ مگر قلعہ دھارواڑ نہایت مضبوط تھا اور اسکی حفاظت پر مرہٹوں کی ایک زبردست فوج متعین تھی۔

فتح دھارواڑ کے متعلق سر الفرڈ لائل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"حیدر علی نے اپنی فوج کے ایک حصے کو مرہٹی لباس پہنا کر دھارواڑ پر روانہ کیا اور قلعہ دار کو ایک جعلی خط بھیجا کہ اسکی کمک کے لئے مرہٹی فوج آرہی ہے چونکہ حیدر علی نواح دھارواڑ میں تھے۔ مرہٹی قلعہ دار نے اس کو سچ سمجھ لیا۔ حیدر علی کی یہ فوج جو مرہٹی لباس میں تھی اس وقت قلعہ دھارواڑ پر پہنچی۔ جب حیدر علی اپنی فوج کے دوسرے حصے سے قلعہ پر حملہ کر رہے تھے۔ اب یہ فوج جو مرہٹہ لباس میں پہنچی تو حیدر علی نے مصنوعی طور پر خالی کارتوس چلانا شروع کردیے ادھر تو یہ مصنوعی لڑائی ہونے لگی۔ اور ادھر یہ فوج جو مرہٹی لباس میں تھی قلعہ پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگی اور اسی طرح لڑتے ہوئے دروازے پر پہونچ گئی جہاں قلعہ دار نے اپنی ہی مرہٹی فوج سمجھ کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ یہ فوج قلعہ کے اندر داخل ہو گئی اندر داخل ہونے کے بعد قلعہ پر قبضہ کرنا ایک معمولی بات تھی اس طرح دھارواڑ پر نواب حیدر علی کا قبضہ ہو گیا۔"

حیدر علی دھاڑواڑ سے نکل کر اناگندی پہ آئے۔ سلطنت وجیانگر کے زوال کے بعد وہاں کے راجہ کا خاندان اناگندی میں مقیم تھا۔ اور اس وقت وہاں کا حاکم تم راج نامی راجہ تھا۔ جس کی نسبت مشہور ہے کہ دستور کے موافق کسی کو سلام تک نہ کرتا تھا۔ راجہ نے ایک لاکھ ہن (ہن تین روپیہ) بطور پیشکش اپنے بیٹے کے ہاتھ سے روانہ کیا۔ اور حاضری سے معافی کا خواستگار ہوا۔ نواب نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ یہاں سے نکل کر نواب حیدر علی بکاپٹن کی راہ سے ہاکل واڑی پہنچے۔ یہاں کا راجہ اپنی سفاہت اور حماقت کے لئے مشہور تھا۔ کئی کوٹھیاں افیون سے بھری پڑی تھیں۔ مگر اس کی حرص کسی طرح کم نہیں ہوتی تھی۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ

"کاش یہ پہاڑ جو میرے شہر میں ہے۔ افیون کا بن جاتا۔"

کبھی کبھی باغ کی سیر کو نکلتا تو باغ میں اونگھتا ہوا پھرتا۔ اور خادموں سے دریافت کرتا کہ ہم کو محل سے نکلے ہوئے کئی روز ہوئے۔ غلام کہتے کہ آپ جلد چلیں۔ محل نزدیک ہی ہے یہ سن کر ہنستا ہوا جواب دیتا کہ جلد چلنا جانوروں کا کام ہے۔ محل میں رانی کے پاس تھجلا ہی نہیں تھا۔ رانی کے خدام زبردستی اٹھا کر لے جاتے۔ نواب حیدر علی نے ہاکل واڑی پہنچ کر راجہ کو حضوری میں طلب کیا۔ اور اس کے حالات اور مال کی کیفیت پوچھی۔ اور یہ بھی دریافت کیا کہ آپ مجھے کیا نذر کریں گے۔ راجہ نے جواب دیا کہ آپ کے اقبال سے کئی سو من افیون بھری پڑی ہے اور دودھ پینے کے لئے صدہا گائیں موجود ہیں۔ اور کنیزی کیلئے ببرکا رانی موجود ہے جس کے پاس زیور بھی ہے۔ یہ جواب سن کر نواب مسکرا دیئے۔ اور حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ دیکھو! یہ ہیں خلق خدا کے محافظ اور ان کے جان و مال کے نگہبان"

بعد ازاں وہاں اپنا ناظم مقرر کر دیا اور راجہ کے خرچ کے لئے ایک گاؤں جاگیر دیدی۔ یہاں سے نواب حیدر علی کڑپہ اور کرنول کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں کے نواب

ہمیشہ مرہٹے۔ والاجاہ محمد علی اور نظام الملک کے ساتھ مل کر ملک پر تاخت کرتے رہتے تھے
جب حیدری فوج سواد کڑپہ پہونچی تو حاکم کڑپہ نواب عبدالحکیم خاں نے پانچ لاکھ روپیہ
نقد اور دو ہاتھی بطور پیش کش بھیجکر خراج گذار رہنے کا وعدہ کر لیا۔ نواب حیدر علی نے
پیش کش قبول کر لی۔ اور بنگن پلی طرف کوچ فرمایا۔ یہاں ایک معمولی مقابلہ ہوا جس میں
حیدری افواج غالب آئیں۔ بنگن پلی کے نواب نے سات لاکھ روپیہ پیش کش دیکر
اپنی جان بچائی اور خراجگذار رہنے کا بھی وعدہ کیا یہاں سے حیدری افواج کرنول کی طرف بڑھیں
نواب کرنول مقابلہ کیلئے آیا اسکے ساتھ ایک پیر مسکین شاہ نامی تھے جنہوں نے اس کو یقین دلایا تھا کہ :-

"میرے ہوتے ہوئے کرنول کی فوج کو شکست نہ ہوگی"

مگر جب مسکین شاہ نے نواب حیدر علی کے جلال و جبروت کو دیکھا تو آپ خود لاپتہ ہو گئے
انکے غائب ہوتے ہی نواب منور خاں حاکم کرنول نے پچاس لاکھ روپیہ نقد بطور نذر دیکر
خراجگذار اور مطیع رہنے کا اقرار کیا۔

اب نواب حیدر علی کے مقبوضات قلعہ دھارواڑ سے لیکر مشرق میں کرنول تک اور
جنوب میں کوچین تک پھیلے ہوئے تھے۔ صرف ایک چیتلدرگ کا علاقہ باقی تھا۔ یہاں کا راجہ
نہایت زبردست فوج اور قلعے رکھتا تھا۔ نواب حیدر علی پیشتر بھی اس علاقہ کو فتح کرنیکی
غرض سے اس پر تاخت کر کے قلعہ چیتلدرگ کا محاصرہ پانچ ماہ تک کر چکے تھے مگر ناکام
رہے۔ چیتلدرگ کا راجہ ہمیشہ مرہٹوں سے مل کر حیدر علی کا مخالف رہا اسلئے اب حیدری
افواج بغرض انتقام چیتلدرگ پر بڑھیں۔ یہاں راجہ کی فوج نے ایک ایک قدم پر ڈٹ کر
مقابلہ کیا جس کی وجہ سے نواب حیدر علی کو قلعہ چیتلدرگ تک پہنچنے کے لئے مہینے لگے۔ آخر کار
نواب حیدر علی نے چیتلدرگ کا محاصرہ کر لیا۔ قلعہ چیتلدرگ کے اطراف میں گھنا جنگل تھا اور

نواب کو معلوم تھا کہ مدافعت بہت سخت ہوگی۔ اس لئے انہوں نے پہلے جنگل چھانٹنا شروع
کردیا اور توپ خانہ ایک اونچی پہاڑی پر چڑھا دیا گیا۔ جس سے قلعے پر گولے برسائے جاتے
تھے۔ دن بھر میں جتنا نقصان دیوار قلعہ کو پہونچتا تھا۔ اس کو شب میں چیتلدرگ والے
درست کرلیتے تھے۔ کیونکہ فصیل قلعہ کے اطراف بھی جنگل نہایت گھنا تھا۔ نواب حیدر علی
نے محمد علی کمیدان کو ایک دستہ فوج دیکر حکم دیا کہ کسی طرح قلعہ کی ایک بازو پر حملہ کرکے
قابض ہو جائے۔ کمیدان محمد علی اپنی فوج لیکر رات کے وقت آگے بڑھا۔ رات نہایت اندھیری
تھی اس نے نہایت ہوشیاری اور جرأت سے ایک سنگین اور پختہ مکان پر قابض ہوگیا۔
جو دیوار قلعہ سے باہر کی طرف تھا۔ اس مکان سے جنگل میں ہر سمت مخفی راہیں گئی ہوئی
تھیں۔ دوسرے دن نواب حیدر علی سات ہزار پیادے۔ اور پانچ ہزار سوار لیکر قلعہ پر حملہ آور
ہوئے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی اس پر حیدر علی نے راجہ کو کھلے میدان میں لانے کے لئے محاصرہ
اٹھا کر بارہ میل پیچھے ہٹ گئے۔ جب تقدیر یاور ہوتی ہے تو بگڑی ہوئی بھی بن جاتی ہے
حیدر علی کے طالع اقبال سے اتفاق چیتلدرگ کے راجہ کے دو سالے قلعہ سے باہر مندر
میں پوجا کرنے کے لئے گئے تھے۔ ادھر غمازوں نے راجہ سے کہدیا کہ یہ نواب حیدر علی کے
پاس گئے ہیں راجہ نے فی الفور اپنے خسر کو قتل کرکے اس کا مکان لوٹ لیا۔ ادھر یہ
خبر جب راجہ کے سالوں کو پہونچی تو وہ جان کے خوف سے نواب حیدر علی کے کیمپ میں
آگئے۔ اور سارا حال بیان کیا۔ جس پر نواب حیدر علی نے راجہ ہرپن ہلی کی معرفت اسے
انہیں بلاکر خلعت فاخرہ اور جواہر گراں بہا سے سرفراز فرمایا۔ نیز ان کو جاگیر دینے کا
وعدہ فرمایا۔ ان دونوں نے راجہ سے انتقام لینے کی غرض سے حیدری فوج کو ایک تنگ
مخفی راستہ پہاڑ کی چوٹی تک دکھلادیا۔ جہاں سے گولے قلعے کے اندر پہونچ سکتے تھے۔
حیدری فوج نے پہاڑ کی چوٹی پر قابض ہوکر سات دن تک قلعہ پر گولے برسائے جس

کی وجہ سے راجہ کی فوج قلعہ چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ آخر کار جب راجہ نے دیکھا کہ فوج کے اکثر سپاہی بھاگ رہے ہیں۔ اور اکثر وفادار مر چکے ہیں تو وہ نہایت طمطراق سے مسلح ہو کر مقابلہ کے لئے باہر نکلا۔ میدان محمد علی کی فوج کمینگاہ میں چھپی ہوئی تھی جس نے پیچھے سے حملہ کر کے راجہ کو گرفتار کر لیا۔ راجہ کے گرفتار ہوتے ہی قلعہ پر محمد علی کا قبضہ ہو گیا جس میں راجہ کے حرم سرا اور دوسرے معتمد محافظین مقیم تھے ان سب کو گرفتار کر کے نواب حیدر علی کے پاس بھیجدیا گیا راجہ اور اس کے خاندان کو ایک زبردست دستہ فوج کی حفاظت میں سرنگا پٹم روانہ کر دیا گیا۔ چونکہ چیتلدرگ کی جنگ میں افواج حیدری نے بڑی تکلیفیں اٹھائی اور جان توڑ کوششیں کی تھیں اس لئے ہر ایک سپاہی کو معقول انعام دیا گیا۔ اور چیتلدرگ کا انتظام دولت خاں کے سپرد ہوا۔ جو نواب حیدر علی کا ایک لے پالک لڑکا تھا۔ اور یہ لڑکا نواب کو تی منگل میں وزیر نند راج کے یہاں کام کرتا ہوا ملا تھا۔ نواب نے اس کی ہوشیاری و فرزانگی سے خوش ہو کر اس کی پرورش کی تھی۔

فتح چیتلدرگ کے متعلق لیوس بی بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

"چیتلدرگ ناہموار اور ویران کوہستان کے دامن میں کئی میل تک آباد تھا۔ اور جنگلوں کی طولانی قطار سے گھرا ہوا تھا۔ یہاں کا سردار مرہٹوں سے ملا ہوا تھا۔ حیدر علی جب چیتلدرگ پر بڑھے۔ تو اس سردار نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر اس کی فوج میں تین ہزار مسلمان بھی تھے۔ جن کو حیدر علی نے اپنی طرف ملا لیا۔ یہ دیکھ کر مڈکیری نایک پالیگار (راجہ) نے مجبور ہو کر حیدر علی کے قدموں پر سر رکھدیا۔ حیدر علی نے اس مقام کو لوٹ کر راجہ اور اس کے خاندان کو قید کر کے سرنگا پٹم بھیجدیا۔ اور اس کی قوم کے بیس ہزار باشندے گرفتار

کرکے ان کو جبراً مسلمان بنایا گیا۔ ان میں سے لڑکوں کو تربیت دیکر سپاہی بنایا گیا۔ یہ جماعت ٹیپو سلطان کے زمانہ میں بہت ترقی کر گئی تھی اور یہ فوج چیلوں کی فوج یا فوج مریداں کہلاتی تھی۔"

تاریخ رولرس آف انڈیا میں بھی اسی روایت کو دہرایا گیا ہے۔

انگریزی مورخین کی یہ فطرت ہے کہ وہ دیسی حکمرانوں کو بدنام کرنے کے لئے ایک نہ ایک الزام تراش لیتے ہیں کسی پر مذہبی دیوانگی اور تعصب کا، کسی پر فضول خرچی و عیاشی کا۔ اور کسی پر ظلم و ستم شعاری کا۔ اگر بالفرض نواب حیدر علی اور انکے جانشین فرزند ٹیپو سلطان شہید تلوار کے ذریعہ اشاعتِ اسلام کرنے پر آمادہ ہو جاتے تو دنیا کی کوئی طاقت ایسا کرنے سے انہیں روک نہیں سکتی تھی اور آج جنوبی ہندوستان میں خصوصاً علاقہ میسور میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آبادی کا جو تناسب نظر آتا ہے وہ یہ نہ ہوتا۔ آج ریاست میسور کی ساٹھ لاکھ آبادی میں صرف چار لاکھ مسلمان ہیں۔ اگر جبریہ اشاعت اسلام ہوتی تو نومسلمانوں کی کثرت ہونا لازمی تھی۔ دارالسلطنت سرنگاپٹم ہر شخص کا دیکھا ہوا ہے۔ اور آج بھی یہاں کے کثیر مندر زبانِ حال سے گواہی دے رہے ہیں کہ یہاں کے مسلمان حکمران کس قدر بے تعصب، معتدل اور روادار تھے۔

تنظیم مملکت و فوج

فتح خیلدرگ سے فارغ ہو کر نواب نہایت عجلت و اطمینان کے ساتھ سرنگاپٹم واپس آئے اور تنظیم مملکت و فوج پر توجہ کی۔

امتحان وفاداری

استحکام مملکت و فوج سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی نے سوچا کہ اپنے امیروں اور دوسرے نوابوں راجاؤں اور باجگذاران ماتحت کی وفاداری کا امتحان کرنا چاہئے چند خاص رفقا کے ساتھ نواب حیدر علی سرنگاپٹم سے حیدرنگر کی طرف گئے۔ راستے میں ان رفقاء کو سمجھا دیا کہ تمام انتظام بطور خود

قایم رکھیں اور ایک زمنی تابوت بناکر سرنگاپٹم روانہ کردیا اور مشہور کردیا کہ نواب حیدر علی کا جنازہ جا رہا ہے۔ اس تجویز کے مطابق نواب ایک خیمہ میں خلوت گزین ہوگئے زعفرانی ایک نہایت آراستہ تابوت زرتار دوشالہ ڈال کر زریں شامیانے کے زیر سایہ سرنگاپٹم کو روانہ کیا۔ جنازہ کے سامنے عود و عنبر کی انگیٹھیاں اور آگے پیچھے حفاظ آیات قرآنی پڑھتے جاتے تھے۔ بدرقہ کے لئے سپاہی ساتھ تھے۔ جو کہ فی الواقع اپنے آقا کے غم میں سوگوار روتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ جب اس واقعہ کی خبر مشہور ہوئی تو تمام ملک میں ایک تہلکہ اور طلاطم برپا ہوگیا۔ اور حیدری فوج بوجہ اپنی خاص عقیدت و محبت کے نہایت غمگین ہوگئی۔ جس طرح دوستوں کو رنج پہنچا۔ اسی طرح دشمنوں اور مخالفوں میں خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ چنانچہ نواب عبدالحلیم خاں حاکم کڑپہ نے حیدر علی کے وفات کی خبر سن کر لوگوں میں شیرینی تقسیم کی اور مجلس عیش ترتیب دیکر خوشی کے شادیانے بجائے۔ اور حیدر علی کے پرچہ نویس کو جو بطور ریزیڈنٹ کڑپہ میں مقیم تھا شہر بدر کردیا۔ جب تمام ملک کی حالت معلوم ہوگئی۔ تو نواب حیدر علی نے اپنے خلوت کدہ سے نکل کر ایک بہت بڑا دربار اور جشن شاہانہ منایا۔ اسکے چند دن بعد ایک زبردست فوج اور توپخانہ لیکر کڑپہ کی جانب کوچ فرمایا۔ اس خبر کے سنتے ہی نواب عبدالحلیم اپنا ایک سفیر بھیجکر معافی کا خواستگار ہوا۔ مگر نواب بہادر نے اس کو بے نیل و مرام واپس کردیا۔

تسخیر کڑپہ سنہ ۱۷۷۶ء

اب نواب کڑپہ کو سوائے جنگ کے دوسرا کوئی چارہ نہیں تھا اپنے دو کمپنیوں کی سرکردگی میں ایک فوج روانہ کی۔ اس فوج کا کڑپہ سے بارہ میل پر حیدری فوج سے مقابلہ ہوا جو میر علی رضا خان کی کمان میں تھی۔ اس لڑائی میں افغان غالب آگئے۔ جس پر نواب حیدر علی نے اپنی پوری

فوج کے ساتھ رات کو افغانوں پر شبخون مارا یہ پٹھان منتشر ہو کر کڈپہ کی طرف بھاگے۔ نواب حیدر علی نے ان کا تعاقب کیا۔ افغانوں نے پھر ایک جگہ مجتمع ہو کر مقابلہ کیا۔ دوپہر تک لڑائی ہوتی رہی۔ جس میں حیدری فوج کے دو ہزار آدمی کام آئے۔ حیدر علی نے توپخانہ کو آگے بڑھایا اور قلعہ کی دیوار میں تھوڑے ہی وقت میں رخنے پڑ گئے۔ حیدر علی کے خاص دستہ باڈی گارڈ نے شہر کڈپہ میں گھس کر افغانوں کا قتل عام شروع کر دیا جس کی وجہ سے افغانوں کی وہ فوج جو دوسری طرف نہایت جوانمردی سے لڑ رہی تھی، ہتھیار رکھ دی۔ شہر کڈپہ مسخر ہو گیا۔ نواب عبد الحکیم خاں اور اس کے دونوں بھتیجے علیحدہ علیحدہ قید کر دیئے گئے۔ نواب حیدر علی نے حکم دیا کہ تمام افغانوں سے ہتھیار لے لیے جائیں۔ اس پر بعض افغانوں نے جو نواب عبد الحکیم خاں اور اس کے بھتیجوں کے ساتھ تھے۔ ہتھیار دینے سے انکار کر دیا۔ اور نواب نے بھی ان کی بہادری کی قدر کرتے ہوئے ہتھیار دینے پر اصرار نہ کیا۔ یہ افغان جب آدھی رات گذری تو اٹھے اور اپنے حفاظتی گارڈ کو مغلوب کر کے قتل کر دیا۔ اور چند افغانی حیدر علی کے خیمے تک جا پہنچے۔ آواز سن کر حیدر علی چونک پڑے اور اپنے بستر پر تکئے وغیرہ رکھ کر اس پر چادر ڈال دی۔ اس طرح کہ کوئی سو رہا ہے۔ اور خود خیمہ کی قنات کاٹ کر باہر نکل گئے۔ اب پورا کیمپ جاگ اٹھا۔ افغان چن چن کر قتل ہونے لگے۔ اس ہنگامہ میں نواب عبد الحکیم خاں سدہوٹ بھاگ گیا۔ نواب حیدر علی نے ایک دستہ فوج قلعہ گنجی کوٹہ کو روانہ کیا اور خود سدہوٹ پر بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ میر علی رضا خان نے گنجی کوٹہ فتح کر لیا۔ یہ سن کر حلیم خاں اپنے وکیل محمد قباش کو حیدر علی کے پاس معافی مانگنے کے لیے روانہ کیا۔ حیدر علی نے کہا کہ جب تک قلعہ کے تمام سپاہی باہر نہ نکال

دیئے جائیں بمعافی نہیں مل سکتی۔ لہٰذا یہ تمام افغان سپاہی باہر نکال دیئے گئے۔
نواب حیدر علی کی فوج اندر جاکر قلعہ پر قابض ہوگئی۔ عبدالحلیم خاں اپنے دیوان خاص میں
مسند امارت پر بیٹھا ہوا تھا۔ حیدری فوج کے چند افسروں نے اندر مسند کے روبرو پالکی لیجاکر
رکھ دی۔ حلیم خاں سمجھ گیا۔ اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر پالکی میں سوار ہوگیا۔ نواب
حیدر علی نے حلیم خاں اور اسکے حرم کو نہایت حفاظت و عزت کے ساتھ سرنگاپٹم بھیجدیا۔
جہاں گمنامی میں انکے رہنے کا بندوبست اور انکے مصارف کا خاطر خواہ انتظام کردیا
گیا۔ چند دن بعد نواب عبدالحلیم خاں کا انتقال ہوگیا۔
بورنگ اپنی تاریخ میں الحاق کڈپے کے متعلق لکھتا ہے:۔

"حیدر علی نے اپنے نسبتی بھائی میر علی رضا خاں کو نواب کڈپے کے مطیع کرنے کے لئے
روانہ کیا مگر علی رضا خاں مضبوط اور جفاکش افغانوں کو مطیع نہ کرسکا۔ اور مقابلہ نہایت
سخت ہوا۔ حیدر علی فوج لیکر کمک کو جا پہنچے۔ کڈپے کے شمال میں مقام گھوڑمیں
افغانوں سے جنگ ہوئی۔ افغانوں کو حیدری فوج کثیر نے چاروں طرف سے
گھیر لیا۔ اس لئے وہ اطاعت پر مجبور ہوئے اور حیدر علی نے ان لوگوں کو اپنی
ملازمت میں لے لیا۔ جنہوں نے اپنی نمک حلالی کی ضمانت دیدی۔ لیکن ان میں
اسی سوار ایسے بھی تھے جو ضمانت نہ دے سکے۔ اور ہتھیار دینے سے بھی انکار کردیا۔
حیدر علی نے بھی انکی جوانمردی کا پاس کرکے انکو ہتھیار دینے کے لئے مجبور نہ کیا۔
اور وہ ہتھیار سمیت ٹھہرائے گئے۔ یہ افغانوں کی دغابازی مشہور ہے وہ آدھی رات
کو اٹھے اور اپنے حفاظتی گارڈ کو مار کر حیدر علی کے خیمہ تک جا پہنچے لیکن اہٹ
پاکر حیدر علی جونک پڑے۔ اور اپنے بستر پر تکیے رکھ کر ان پر چادر اڑھادی

گویا کہ حیدر علی بے خبر سو رہے ہیں اور خود خیمہ کی قنات کاٹ کر باہر نکل گئے اتنے میں سب جاگ اٹھے۔ اور ان افغانوں کا قتل شروع ہو گیا اور کچھ گرفتار کر کے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر انہیں تمام کیمپ میں گھسیٹا گیا۔ کڑپہ کا نواب، سدہوٹ کی طرف بھاگ گیا جو کڑپہ سے تھوڑے فاصلہ پر تھا۔ لیکن چند دن کے بعد جب اسکی جان، ناموس اور حکومت کی ضمانت دیدی گئی تو اس نے اطاعت قبول کر لی۔ اور اسکو سرنگا پٹم بھیجدیا گیا وہاں جا کر اس کی حسین ہمشیرہ سے حیدر علی سے شادی کر لی وہ بخشی بیگم کے نام سے سرفراز ہوئی۔"

انگریزوں کی سازشیں

یہ آگے لکھا جا چکا ہے کہ پونا میں مرہٹوں میں نا اتفاقی زور پکڑ گئی تھی اور مرہٹے دو جماعتوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ایک جماعت رگھوبا کی حمایت پر تھی اور دوسری جماعت پیشوا نارائن راؤ کے نوزائیدہ بچے کی حمایت پر۔ اور یہ جماعت نانا فرنویس وزیر اعظم کے ماتحت تھی۔ اس جانشینی کے مسئلہ نے یہاں تک طول کھینچا کہ انگریز رگھوبا کی حمایت میں جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ جب جنگ نے طول کھینچا تو نانا فرنویس نے حیدر علی سے مدد مانگی اور اس کو بتلایا کہ کس طرح انگریز دن بدن اپنی چیرہ دستیوں سے ہندوستان پر قبضہ کر رہے ہیں تحفظ وطن کی خاطر اب ضروری ہے کہ دیسی حکمران ملک متحد ہو کر انگریزوں کو ملک سے نکال دیں۔ اسی طرح نظام علیخاں نظام الملک نے بھی نواب حیدر علی سے مدد طلب کی اس لئے کہ انگریز اس کے علاقہ گنٹور پر بغیر اسکی مرضی کے قابض ہو چکے تھے۔ اور ان کا اثر دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ نواب حیدر علی بھی ان واقعات کو

دیکھ رہے تھے اور انکے دل میں بھی انگریزوں کی طرف سے عناد پیدا ہو چکا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ انگریزوں نے ۱۷۶۹ء میں صلحنامہ مدراس کی رو سے امداد کا وعدہ کیا تھا مگر جس وقت مرہٹے میسور پر حملہ آور ہوئے تو انہوں نے مدد دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح نواب حیدر علی کو نظام الملک پر بھی بالکل بھروسہ نہیں تھا۔ ان کی دور بین آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ حیدر آباد میں انگریزوں کا کس قدر رسوخ ہے خود نظام الملک اور ان کا وزیر رکن الدولہ کس قدر طوطا چشم ہیں اور حیدرآبادی فوجیں کہاں تک صعوبات جنگ کی متحمل ہو سکتی ہیں۔ ابھی پونا اور حیدرآباد سے نامہ و پیام جاری ہی تھا کہ یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑ گئی۔ انگریزوں نے ہندوستان میں پانڈیچری فتح کر لیا۔ اور بندرگاہ ماہی پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھے یہ بندرگاہ ملیبار میں واقع ہے اور تمام ملیبار حیدر علی کے زیر حکومت تھا انگریزی فوج نے ماہی پر چڑھائی کی اور باوجود حیدر علی کی ممانعت کے ان کے ملک سے گذرے اس پر فرانسیسیوں نے حیدر علی سے مدد مانگی۔ اور چونکہ وہ حیدر علی کے ملک میں تھے اس لحاظ سے وہ حیدر علی کی حمایت میں تھے اور انکی امداد کرنا حیدر علی پر فرض تھا۔ سر الفرڈ لائل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"فرانسیسیوں کی حمایت کے علاوہ حیدر علی کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ ہندوستان کی کمزوری کی اصلی وجہ ہندوستان کی بحری طاقت کا فقدان ہے اور بحری طاقت ہی کی وجہ سے یورپین اقوام ہندوستان پر تسلط جما رہی ہیں۔ اس خیال سے حیدر علی نے بھی بحری طاقت کا انتظام شروع کر دیا تھا اور اسکے علاوہ ماہی بندر حیدر علی کے لئے یورپ سے رسل و رسائل قائم رکھنے اور انگریزوں کے خلاف فرانسیسیوں سے سامان جنگ حاصل کرنے کے لئے ایک عمدہ بندرگاہ

تھا۔ حیدر علی کو پہلے ہی انگریزوں سے بدظنی تھی اور جب انگریزوں نے ماہی پر
قبضہ کر لیا تو اس نے پوری قوت کے ساتھ انگریزوں پر حملہ کر دیا۔"

اس حملہ کے ہوتے ہی انگریزوں نے اپنی قدیم روایات سے کام لیکر حیدرآباد میں سازش شروع کر دی۔ اور یہ جھوٹی خبر مشہور کر دی گئی کہ شہنشاہ ہندوستان دکن کی صوبہ داری نواب حیدر علی کو تفویض کرنے والا ہے۔ ایکے ساتھ ہی گنٹور کا علاقہ نظام الملک کے حوالے کر دیا گیا۔ نظام الملک اس خبر سے گھبرا گیا۔ مگر انگریزوں نے تسلی دی کہ حیدر علی سے وہ خود سمجھ لیں گے جس پر نظام الملک خاموش رہ گیا۔ نواب محمد علی والا جاہ نے جس کو نواب حیدر علی سے حد درجہ حسد تھا۔ اس سازش میں بہت بڑا حصہ لیا:

"انگریزوں نے عہد نامہ مدراس کو ردی کا کاغذ سمجھ کر پھینک دیا اور جب حیدر علی کو امداد کی ضرورت تھی تو انھوں نے مدد دینے سے صاف انکار کر دیا۔ نواب والا جاہ محمد علی کے تمام ملک پر یہ قبضہ کر چکے تھے۔ جو حیدر علی کے لئے تشویش کا باعث بن گیا۔ دوسری طرف انگریزوں نے گنٹور پر قبضہ کر لیا۔ جس کے باعث نظام الملک بھی ان سے بگڑ بیٹھا۔ اور انگریزی فوج حیدر علی کے علاقے سے بغیر اسکی اجازت کے گزر کر ادونی پر بڑھنا چاہی ایک طرف تو مرہٹے انگریزوں سے لڑ رہے تھے اور دوسری طرف نظام الملک آمادہ جنگ تھا۔ ان مواقع سے حیدر علی نے فائدہ اٹھانا چاہا مگر انگریزوں نے گنٹور کا علاقہ نظام الملک کو واپس دیکر اس کو اپنی طرف ملا لیا لیکن جنگ کی ابتدا اس طور پر ہوئی کہ یورپ میں انگریز اور فرانسیسیوں میں جنگ چھڑ جانے سے ہندوستان میں انگریز تمام فرانسیسی علاقوں پر قبضہ کر کے ماہی پر بڑھے۔ جو حیدر علی کے علاقہ ملیبار میں

فرانسیسیوں کی ایک بندرگاہ تھا۔ حیدرعلی کو فرانسیسیوں کی حمایت اور دوستی لازمی تھی۔" (تاریخ ہند از تھامپسن)

یہی مورخ آگے چل کر لکھتا ہے:

"نواب حیدرعلی سے اگر انگریز اپنا وعدہ ایفا کرتے تو وہ انکا بہترین دوست ثابت ہوتا کیونکہ اس کو انگریزوں پر کامل اعتماد تھا۔"

مورخ ڈی لافوسی لکھتا ہے:۔

"انگریزوں نے اپنی وعدہ شکنی اور چیرہ دستی سے حیدرعلی کو اپنا دشمن بنا لیا۔"

ایک اور انگریزی مورخ لکھتا ہے:۔

"نواب حیدرعلی خان کو خیال ہوا کہ انگریز بدعہد ہیں اور نظام علی خاں خود غرض ہے اس لیئے اس نے اپنے پرانے دوست فرانسیسیوں کو پھر شریک حال بنانا چاہا۔ اس خیال سے اس نے فرانسیسیوں کی طرف توجہ کی۔"

رسالہ انگلش ملٹری بیاگرافی میں تحریر ہے:۔

"انگریزوں کو نواب حیدرعلی خان کے ساتھ بموجب عہدنامہ ۱۷۶۹ء دوستی اور اتفاق رکھنا مناسب تھا مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ مرہٹے جب بار بار اس کے ملک پر حملہ آور ہوئے تو اس نے متعدد مرتبہ انگریزوں سے مدد مانگی لیکن انہوں نے نہیں دی۔ جب نواب نے انگریزوں کے قول و فعل میں یکسانیت نہیں دیکھی تو وہ فرانسیسیوں کی حمایت کرکے انکی دوستی کا متلاشی ہوا۔"

انگریزوں سے دوسری جنگ ۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۴ء تک

انگریزوں کو جس وقت نانا فرنویس نظام الملک اور حیدرعلی کے نامہ و پیام کی خبر ملی تو انہوں نے

بھی اپنے دو سفیر پادری شوارٹز اور بعد میں مسٹر گرے کو درباری حیدری میں دوستی بڑھانے کے لئے بھیجا مگر نواب حیدر علی اس وقت جان چکے تھے کہ انگریزوں کے وعدے کس قسم کے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ان سفیروں کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔ نوٹ: ان دو انگریزی سفیروں میں پادری شوارٹز جاسوس تھا جس کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے حیدر علی کی فوجی طاقت کا اندازہ کرنے اور حیدر علی کے خلاف جو جماعت تھی ان سے اطلاعات حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ سلطنت خداداد کے زوال کے زیر عنوان اس پر مفصل بحث کی گئی ہے (محمود)

اس کے بعد ہی فوراً انگریزوں نے فرانسیسیوں کے بندرگاہ ماہی پر قبضہ کر لیا جس کی وجہ سے نواب حیدر علی اپنی پوری طاقت کے ساتھ ملک کرناٹک پر حملہ آور ہوئے۔ نواب حیدر علی کے اس حملے کے متعلق سر آلفرڈ لائل، سنکلیر، ڈبی۔ لافوس وغیرہ متفق اللفظ ہیں کہ ایک طوفان برق و باد تھا جو میسور سے اٹھا اور ملک کرناٹک پر چھا گیا۔ نواب کے زیر کمان تقریباً اسی ہزار کی فوج تھی۔

حقیقت میں نواب حیدر علی کا یہ حملہ اس قدر مہیب اور زبردست تھا کہ ملک کرناٹک نے اس سے پہلے اس قدر فوجوں کی کثرت اور خونریزی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ نواب حیدر علی اپنی فوجوں کو مختلف سپہ سالاروں اور شاہزادہ ٹیپو سلطان و کریم صاحب کی زیر کمان دے کر خود بھی ایک دستہ فوج کے ساتھ جولائی ۱۷۸۰ء میں پائین گھاٹ علاقہ والاجاہ محمد علی کی طرف پیش قدمی کی اور محمد علی کی فوجوں سے جنگ شروع ہو گئی۔

شہزادہ ٹیپو سلطان کی فوجوں نے پائین گھاٹ سے نکل کر آرنی کا محاصرہ کر لیا۔ اسکے بعد بخشی بدر الزماں کو اسی محاصرہ پر مامور فرما کر ٹیپو سلطان ترمری کی طرف بڑھے۔

حملات حیدری کا مصنف لکھتا ہے:-

"والا جاہ محمد علی کے قلعہ دار حسین علی خاں نے شہزادہ کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں قلعہ کی حفاظت کے لئے تیار ہوں مگر اس جگہ کثرت سے اہل سادات آباد ہیں اور خواتین سادات آپ کی گولہ باری سے خوف زدہ ہو رہی ہیں اس لئے گولہ باری موقوف کر کے آپ قلعہ پر قبضہ کر لیں۔ ٹیپو سلطان نے عرض کر قلعہ کی کنجیاں لے لیں اور قلعہ کا انتظام سیدی امام کے سپرد کر دیا۔"

فتح آرنی کے بعد ترونور، کلوہ اور کاویری پٹن معمولی لڑائیوں کے بعد فتح ہو گئے۔

شاہزادہ کریم صاحب نے بندر گاہ محمود بندر پر چڑھائی کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اور چند دن کی جنگ کے بعد محمود بندر پر حیدری فوج کا قبضہ ہو گیا۔

نواب حیدر علی چنگا گھاٹ سے نکل کر کاشی پور پہنچ گئے۔ راستہ میں جو چھوٹے چھوٹے قلعے تھے۔ حیدری افواج کے سیلاب کے آگے خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے اور نواب کی فوج ۱۸ اگست ۱۷۸۰ء میں کنجی ورم کے نواح میں گئی اور فوج کے ہراول دستے مدراس کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے۔

مورخ سنکلیر لکھتا ہے:۔

"حیدری فوجوں کی لوٹ مار اور آتش افروزی سے دھوئیں کے بادل جن میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں ملی ہوئی تھیں مدراس سے صاف نظر آتے تھے۔"

جنگ پولی لور ۱۷۸۰ء

حیدری فوج کنجی کوٹہ پر قابض ہو گئی اور خود نواب حیدر علی نے محمد علی والا جاہ پر ضرب لگانے کے لئے ارکاٹ کا محاصرہ کر لیا۔ انگریزوں نے ارکاٹ کو بچانے کے لئے مدراس سے جنرل سر ہکٹر منرو کو دستہائے جنگ بحکم بنگال

میں ۱۷۶۱ء میں ناموری پیدا کی تھی) اور علاقۂ نظام سے کرنل بیلی کو جو گنٹور کی طرف جا رہا تھا۔ روانہ کیا اور حکم دیا کہ دونوں فوجیں متفق ہو کر حیدر علی پر حملہ آور ہوں۔ نواب حیدر علی کو جس وقت یہ خبر ملی تو ارکاٹ میں ایک دستۂ فوج کو چھوڑ کر مقابلہ کے لئے مقام کنجی پر آگئے اور ٹیپو سلطان کو پولی پور کی طرف بڑھایا۔ کہ انگریزوں کی دونوں فوجیں مل کر سکیں۔ سر ہیکٹر منرو کی فوج بھی پولی پور سے دو میل آگے ندی کے کنارے کیمپ کئی ہوئی تھی۔ جس وقت کرنل بیلی پولی پور پہنچا تو لڑائی شروع ہوگئی۔ نواب حیدر علی نے دوسری طرف سے ایک دستۂ فوج لیکر کرنل بیلی پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ کرنل بیلی ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور ہوگیا۔ اب حیدری توپ خانہ باغ پر گولے برسانے لگا۔ اور ایک گولہ کرنل بیلی کی میگزین پر ایسا پڑا کہ تمام بارود جل اٹھی اور تمام باغ دھوئیں سے بھر گیا۔ حیدر علی نے اپنے سواروں کو لڑائی کا حکم دیا انگریزی فوج کٹ کٹ کر گرنے لگی اور کرنل بیلی اسیر ہوگیا۔ باقی ماندہ فوج نے ہتھیار رکھ دیا جس کو اسیر کر لیا گیا۔ نواب حیدر علی کو کامل فتح حاصل ہوئی۔

الفنسٹون لائل لکھتا ہے:۔

"ہندوستان میں اس سے بڑھ کر مصیبت انگریزوں پر اور کوئی نہیں پڑی۔ جس میں دو ہزار انگریزی سپاہ اسیر ہوگئی ان میں ڈیوڈ بیرڈ بھی تھا جس نے بعد میں محاصرۂ سرنگا پٹم ۱۷۹۹ء میں نام پیدا کیا۔"

ملا فیروز اپنی تاریخ جارج نامہ میں لکھتے ہیں:۔

زماہ نہم روز نہ رفتہ بود | بہ بیلی زمانہ برآشفتہ بود
شدہ اختر ش کند بر آسماں | بہ شوریدہ و تند گشتہ جہاں

غود و لشکر از شہر پیرم بکام — سوئے منڈر و تیز برداشت گام
فزون پنج صد بود بر پنج ہزار — ز ہند و یورپ مردم کارزار

میدانِ جنگ میں ٹیپو سلطان کی آمد کا حال اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

بناگاہ ٹیپو ہدار جا رسید — سر آتشِ جنگ بالا کشید
بتیزہ بپیوست از دو گروہ — چو انگریز بود در میانِ دو کوہ
بنگاہ گذر رہ بر و تنگ بود — نہ میدانِ آویزش جنگ بود

کرنل بیلی کی اسیری کے متعلق لکھتے ہیں:-

فراواں بہ شمشیر و بارانِ تیر — بکشتند و افتاد بیلی اسیر
شش و بیست نام آورانِ سپاہ — تبہ گشتہ افتادہ بر خاک راہ
ہمان نیز پنجاہ از مہتراں — پُر از زخم بستہ بہ بندِ گراں
فرو مایہ لشکر بران تل خاک — ازاں ہر کہ وا رستہ بد از ہلاک
بیفتاد در دست دشمن بہ بند — گر از تیغ بد خستہ گر بے گزند
یکے تن نہ گشتہ رہا از سپاہ — کسے خستہ کس بستہ کس شد تباہ
چنیں است پایانِ رزم و نبرد — سرے زیر تاج و سرے زیر گرد

بہادر نامے کا مصنف لکھتا ہے:-

جہاں[1] جو نے لشکر جو دیکھا کھڑا — تو آ سامنے اسکے باندھا پرا
سوارانِ جنگی و مردانِ کار — ہوئے قایم آکر یمین و یسار
لگی لڑنے پھر دونوں جانب کی فوج — لگا مارنے خون ہر طرف موج
ہوا اس گھڑی اس قدر کشت و خون — کہ حیرت میں تھا چرخِ فیروزہ گون

---

[1] ٹیپو سلطان

عدو اس قدر واں پہ کشتے ہوئے　　کہ میدان میں کشتوں کے پشتے ہوئے
ہوا موت کا واں پہ بازار گرم　　دلوں میں رحم اور نہ آنکھوں میں شرم
برستی تھی یوں گولیاں اس گھڑی
کہ بھادوں کی جس طرح برسے جھڑی"

"رسالہ ملٹری بیاگرافی مطبوعہ لندن میں تحریر ہے کہ اس جنگ میں ساڑھے چار ہزار فرنگی سپاہی مقتول ہوئے کرنل فلیچر بھی اسی جنگ میں مارا گیا کرنل بیلی اور کپتان بیرڈ باقی ماندہ فوج کے ساتھ اسیر ہو گئے۔"

جس وقت کرنل بیلی کی شکست کی خبر سر ہیکٹر منرو کو ملی تو یہ اپنی بڑی بڑی توپوں کو دریا میں پھینک کر مدراس فرار ہو گیا۔

تسخیر ویلور و ارکاٹ ۱۷۸۰ء

حیدر علی نے کرنل بیلی اور اس کی فوج کو سرنگاپٹم روانہ کر کے ویلور پر قبضہ کرتے ہوئے پھر ارکاٹ کا محاصرہ کر لیا چونکہ قلعہ ارکاٹ کی فصیل بہت اونچی تھی۔ اس لئے نواب حیدر علی نے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے دمدمے تیار کرا کر ان پر توپیں چڑھا دیں اور قلعہ پر گولہ باری ہونے لگی۔ قلعہ کی والاجاہی اور انگریزی افواج بھی نہایت مستعدی سے مدافعت کرتی رہیں اور حیدری فوجوں کو فصیل تک پہنچنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ تین ہفتے کا محاصرہ اور متواتر گولہ باری سے فصیل قلعہ میں رخنے پڑ گئے جس پر حیدری سواروں نے ایک زبردست حملہ کر دیا اس حملہ میں نواب حافظ علی خاں (داماد نواب حیدر علی خاں) شہید ہو گئے مگر حیدری سپاہ نے حصار قلعہ پر قبضہ کر لیا اور دست بدست جنگ شروع ہو گئی تھوڑے ہی عرصہ میں والاجاہی اور انگریزی فوجیں مغلوب ہو گئیں اور والاجاہ محمد علی کے تمام

سردار اسیر ہو گئے۔ ارکاٹ پر نواب حیدر علی کا قبضہ ہو گیا۔

والاجاہ محمد علی کے سرداروں میں سے سید حمید کیلیان راجہ بیربہادر اور میر صادق نے نواب حیدر علی کی ملازمت اختیار کرلی۔ سید حمید کو چار ہزار سپاہ کی سرداری پر مقرر کیا گیا۔ راجہ بیربر کو ارکاٹ کی گورنری دی گئی اور میر صادق افسر محاصل مقرر ہوا۔

فتح بدنور کے بعد نواب حیدر علی خاں نے ارکاٹ میں ایک جشن شاہانہ اور دربار منعقد کیا جس میں روضۂ ٹیپو سلطان کے متولی نے نذر گزرانی اور نواب نے ایک سو ایک اشرفی اور شاہانہ زر بفت مع چوبہائے طلائی درگاہ کو روانہ فرمایا۔

۱۷۶۵ء میں نواب والاجاہ محمد علی موضع کولار پر جو حیدر علی کا مولد تھا۔ قبضہ کر کے یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ حیدر علی مطیع ہو جائیں گے مگر خدا کی شان کہ اس کے قریب بارہ سال بعد حیدر علی نے ارکاٹ پر جو محمد علی کا دارالامارۃ تھا۔ قبضہ کر کے دربار شاہانہ منایا اور محمد علی ایک بے بس کی حیثیت میں انگریزوں کے سہارے مدراس میں ایک پناہ گزیں کی زندگی بسر کرتا رہا۔ اس دربار میں نواب حیدر علی نے فرمایا:

"والاجاہ محمد علی کی وطن دشمنی اور ہر وقت کی غداری سے اس قدر تنگ آگیا ہوں کہ اس دفعہ میں کرناٹک کے باشندوں کے حق میں غضب الہٰی کا آلہ بن کر آیا ہوں۔"

(نشان حیدری)

میدان جنگ حقیقت میں نمونۂ محشر تھا۔ دشمنوں کے ساتھ جو لوگ میل جول رکھتے تھے یا جو لوگ دشمنوں کو علانیہ یا خفیہ تائید پہنچاتے تھے ان سے نہایت سختی کے ساتھ انتقام لیا گیا بلکہ اس جرم میں کئی ایک مواضعات تباہ کر دیئے گئے۔ ہزارہا عورت اور مرد اسیر ہوئے۔ مگر جب کامل طور پر قبضہ ہو گیا تو نواب حیدر علی نے جو سلوک وہاں کی

رعایا سے کیا۔ اس کے متعلق مسٹر ڈبلیو۔ ٹارنس ممبر پارلیمنٹ اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰۱ پر لکھتا ہے :

"ایک مہیب و خونریز حملے کے بعد ارکاٹ پر ۳ نومبر کو حیدر علی کا قبضہ ہو گیا قبضے کے بعد رعایا سے نہایت انسانیت کا سلوک کیا گیا لوٹ اور قتل و غارت قطعی طور پر روک دیئے گئے ہر شخص کو عام اجازت تھی کہ امن و آسائش کے ساتھ اپنا کاروبار جاری رکھے۔ بلکہ ان ملازموں کو جو والا جاہ محمد علی کے تھے انکے سابقہ عہدوں پر بحال رکھا گیا۔ جو انگریز قیدی حیدر علی کے قبضہ میں آئے انہیں حیدر علی کی جانب سے روپیہ دیا گیا کہ اپنی ضروریات مہیا کر لیں۔"

حیدر علی کی یہ جنگ جس قدر ہیبت ناک تھی۔ اسکے متعلق امپائر ان ایشیا کا مصنف لکھتا ہے :-

"انگریزوں نے جب ماہی پر قبضہ کر لیا تو حیدر علی کے غصہ کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ وہ کرناٹک پر ایک طوفان بلا خیز چھا گیا۔ شہر دیہات اور گاؤں پر نہ صرف قبضہ کیا گیا بلکہ انہیں تباہ کر دیا گیا وہ لوگ یعنی انگریز جو محمد علی کی نیابت کرتے ہوئے حکمرانی کر رہے تھے رعایا کی حفاظت کرنے کے بجائے انکو اپنی قسمت پر چھوڑ کر چلے گئے۔ عذر یہ تھا کہ فوج مدافعت کے قابل نہیں رہی۔"

مدراس سے بھی انگلستان کو خطوط لکھے گئے جس میں حیدر علی کے ظلم و ستم کی داستانیں بیان کی گئیں اور اشتعال دلایا گیا کہ حیدر علی سے انتقام لینا ضروری ہے اس لئے کہ ملکی لوگ حیدر علی سے متنفر ہیں لیکن وہ ایک ثبوت بھی اس کا نہ دے سکے بلکہ اسکے عوض کرناٹک کے لوگ حیدر علی کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے

تھے۔ اس کی مثال کرنل کاسبی کے واقعہ سے ملتی ہے:

"کرنل کاسبی اپنے ایک خط میں اقرار کرتا ہے کہ لوگ اسکی ذرا ذرا سی نقل و حرکت کی اطلاع حیدر علی کے کیمپ میں پہنچا دیتے ہیں۔"

ایک اور دوسری مثال اس سے زیادہ واضح ہے:

"کرنل بیلی جب پولی پور میں حیدری فوج میں گھر گیا تو جنرل منرو اسکی تائید کو پہنچا چاہا۔ لیکن اس کو راستہ معلوم نہیں تھا۔ مقامی لوگوں میں سے چند اشخاص کو پکڑ کر راستہ دکھانے کے لئے کہا گیا۔ انکے گلے میں طوق پہنا دیئے گئے۔ ان سے کہا گیا کہ اگر وہ سیدھا راستہ دکھائیں اور مقام مقصود تک پہونچا دیں تو انہیں انعام دیا جائیگا ورنہ مار دیئے جائیں گے۔ یہ لوگ بادل نخواستہ چلے۔ اور دن بھر کے سفر کے بعد انگریزی فوج کو ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں ایک تالاب تھا۔ اور آگے جانے کا راستہ مسدود۔ اس لئے منرو بر وقت بیلی کی تائید کو نہ پہونچ سکا۔"

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کرناٹک کے لوگ بھی جو انگریزوں کے محکوم تھے حیدر علی سے حد درجہ محبت رکھتے تھے۔

انگریزوں کی جانب سے صلح کی درخواست

نواب حیدر علی ارکاٹ میں مقیم تھے۔ مدراس سے انگریزوں کا ایک وفد صلح کی درخواست لیکر آیا۔ دوران گفتگو میں نواب نے کہا:

"مجھے گمان تھا کہ انگریزی قوم میں سچائی اور وفائی ہے مگر آزمائش سے اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ ان صفات سے معرّا ہے۔"

نواب نے اس سفارت کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔

فتح چندرگیری و چتور ۱۷۸۱ء

ارکاٹ کے جشن شاہانہ سے فارغ ہو کر نواب حیدر علی خاں نے میر معین الدین خاں کو چتور روانہ کیا میر علی رضا خان مضافات ارکاٹ پر قبضہ کرنے کے لئے اور شاہزادہ ٹیپو سلطان جنوبی قلعوں کی تسخیر پر روانہ ہوئے۔

میر معین الدین بخشی چتور فتح کر کے چندرگیری کی طرف بڑھا جہاں نواب نصیر الدولہ عبدالوہاب خاں عرف محفوظ خاں برادر نواب والاجاہ محمد علی مقیم تھا۔ میر معین الدین بخشی نے عبدالوہاب خاں کو اطاعت کے لئے لکھ دیا اور ابھی اس کا جواب آیا نہیں تھا کہ ایک واقعہ پیش آ گیا۔ یعنی سامان حیدر علی قلعہ کی ایک جانب گھاس لکڑی جمع کرنے کے لئے دامن کوہ میں پھر رہے تھے کہ قلعہ دار نے جاسوس سمجھ کر ان پر فائر کا حکم دیدیا جب یہ خبر معین الدین کو پہونچی تو اس نے فوراً قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور شہر پر گولہ باری ہونے لگی۔ اور اتفاق سے دو گولے عبدالوہاب خاں کے حرم سرا میں گرے۔ مورخ نشان حیدری و حملات حیدری لکھتے ہیں کہ عبدالوہاب خاں کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے اور وہ بے ہوش ہو گیا اور ادھر تمام عورتیں گھبرا گئیں۔ بیگم عبدالوہاب خان نے میر معین الدین کو اطلاع دی کہ قلعہ پر قبضہ کرنا مقصود ہے تو قلعہ حاضر ہے گولہ باری موقوف کی جائے۔

گولہ باری موقوف ہوئی۔ اور بیگم اپنے شوہر کو پالکی میں ڈال کر مع خواص و خدام میر معین الدین کے کیمپ میں آ گئی۔ میر معین الدین نے قلعہ پر قبضہ کرتے ہوئے اسیران جنگ کو نواب حیدر علی کے پاس لے آیا جہاں سے انہیں سرنگا پٹم روانہ کر دیا گیا۔

شہزادہ ٹیپو سلطان قلعہ ماہی منڈل اور کیلاس گڈھ فتح کرتے ہوئے سات گڈھ

کی طرف بڑھے۔ جہاں کا قلعہ نہایت مضبوط اور اسکی حفاظت کیلئے ایک زبردست فوج تھی مگر حیدری سپاہ کی شان سپہ گری اور فتوحات دیکھ کر بغیر کسی لڑائی کے قلعہ ٹیپو سلطان کے حوالے کر دیا گیا۔ یہاں سے ٹیپو سلطان آمبور کی طرف بڑھے۔ جہاں انگریزی فوج اور والاجاہی فوج مقیم تھی۔ پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد آمبور فتح ہو گیا۔

دوسری طرف حیدری افواج نے اپنے مختلف سپہ سالاروں کے ماتحت کوہ موکل کشن گڈھ، جنید گڈھ، ترناملے، علی آباد، کرناٹک گڈھ فتح کر لئے۔

فتح آمبور کے بعد ٹیپو سلطان نے کوہ راوت اور تیلور پر قبضہ کرکے نیا ک گڈھ پر حملہ آور ہوئے۔ جہاں انگریزی سپاہ متعین تھی۔ چند دن کی لڑائی کے بعد یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا اور قلعہ داروں کو اماں دیگئی۔ مگر قلعہ والوں نے ٹیپو سلطان کے کیمپ میں آکر غداری کی جس پر انھیں قتل کر دیا گیا۔ اور انگریز اسیروں کو سرنگا پٹم بھیجدیا گیا۔

نواب حیدر علی خود بھی اپنی فوج لیکر اطراف و اکناف میں تاراج و غارت کرتے ہوئے ۔ ار اگست کو نواح مدراس میں پہنچے۔ انگریز خوفزدہ ہو کر قلعہ اور جہازوں میں پناہ گزین ہوگئے۔

نواب حیدر علی خان کے فتوحات کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ تمام ملک کرناٹک سوائے چند ساحلی مقامات انکے حیدری فوجوں کے قبضہ میں تھا۔ وارن ہیسٹنگس کو جب یہ خبر ملی کہ پورا مدراس کا علاقہ انگریزوں کے ہاتھ سے چلا گیا ہے تو اس نے جنرل سرائرکوٹ کو جس نے بنگال میں بہت ناموری پیدا کی تھی بحری راستہ سے مدراس بھیجا۔

جنرل سرائرکوٹ اور والاجاہ محمد علی کی گفتگو

جس وقت انگریزی جنرل سرائرکوٹ مدراس پہنچا تو والاجاہ محمد علی اپنا قصر امارت ترپلکنٹری چھوڑ کر چنیال پیٹ میں بالکل پریشانی کی حالت میں دن

بسر کر رہا تھا۔ سر آئر کوٹ نے محمد علی سے انکی فوجوں کے متعلق دریافت کیا جس پر والاجاہ نے جواب دیا کہ :-

"میں نے انگریزی فوج کی حمایت کی توقع پر اپنی سپاہ کو موقوف کر دیا تھا۔ اور جو باقی تھی وہ اب حیدر علی کے قبضہ میں ہے۔"

کہا جاتا ہے کہ سر آئر کوٹ کو اس جواب پر ہنسی آگئی اور اس نے کہا :

"بغیر فوج کے بادشاہت کرنا اور کاسہ گدائی لیکر بھیک مانگنا دونوں برابر ہیں۔"

نواب محمد علی والاجاہ نے دو لاکھ ہون (چھ لاکھ روپیہ) جنرل کے سامنے پیش کئے اور کہا کہ اب سوائے دو ہزار سپاہ کے اور پانچ سو سوار کے اور کچھ فوج نہیں ہے۔

جنرل سر آئر کوٹ نے اپنی سپاہ کے ساتھ نئی فوج بھی بھرتی کی اور مدراس سے نکلکر کڈک بالا اور راجہ راکم ہوتا ہوا کوہ مور کے دامن میں کیمپ قائم کیا کہ محمود بندر پر چڑھائی کرے۔

ٹیپو سلطان نے اس عرصہ میں نطہر نگر (ترچناپلی) اور تنجاور پر حملہ کر کے تمام ملک کو لوٹ لیا اور اسی نواح میں انکی فوجوں کا میجر بال کی متعینہ فوج سے مقابلہ ہو گیا چند دن کی لڑائی کے بعد میجر بال کی فوج ہتھیار ڈال کر اسیر ہو گئی جنہیں سرنگاپٹم بھیجدیا گیا۔

حیدری فوج کی شکست ۱۷۸۱ء

جنرل سر آئر کوٹ کوہ مور سے نکل کر وانڈی واش پہنچا جہاں کیپٹن فلنٹ محصور تھا انگریزوں کی اس نئی فوج کے آتے ہی حیدری فوج محاصرہ اٹھا کر وانڈی واش سے ہوتے محمود بندر چلی گئی۔

جنرل کوٹ نے وانڈی واش پر قبضہ کر کے محمود بندر پر چڑھائی کی اس خبر کے سنتے ہی نواب حیدر علی خان اور ٹیپو سلطان محمود بندر پہنچ گئے۔ یہاں انگریزی اور حیدری افواج

میں ایک خونریز جنگ ہوئی دوران جنگ میں سرآئر کوٹ کو معلوم ہوا کہ نواب حیدر علی میدانِ جنگ میں موجود ہیں۔ تو اس نے انگریزی جہازوں کو اس مقام پر گولہ باری کرنے کا حکم دیا۔ جس کی وجہ سے نواب دوسری جگہ ہٹ گئے۔ اور انکے ہٹتے ہی انگریزی فوجوں نے حصار قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ عین لڑائی میں میر علی رضا خاں پر ایک گولہ گرا جس سے وہ شہید ہوگئے (میر علی رضا خان کی لاش دفن کے لئے گرم کنڈہ روانہ کردی گئی) یہ پہلا وقت تھا کہ انگریزی جہازوں نے بھی جنگ میں حصہ لیا اور چونکہ حیدری فوج اس کا جواب دے نہیں سکتی تھی اس لئے انکا بہت سخت نقصان ہوا۔ نواب حیدر علی اپنی فوجوں کو یہاں سے نکال کر تنڈی واش چلے گئے اور محمود بندر انگریزوں کے قبضہ میں آگیا۔

اب میدان جنگ کی یہ حالت تھی کہ انگریز اپنی فتح پر مسرور تھے مگر انہیں اس قدر جرأت نہیں تھی کہ جہازوں کی پناہ چھوڑ کر اندرون ملک بڑھیں۔ اس لئے وہ بنگال سے آنے والی مدد کا انتظار کرنے لگے۔ بنگالہ سے کرنل پال اور اسٹورٹ کے ماتحت پانچ ہزار کی فوج اور گولہ بارود کی ۲۵۰ کشتیاں آگئیں۔ اس نئی فوج کے آنے پر کرنل کوٹ اندرون ملک قسمت آزمائی کرنے کے لئے نکلا۔ اور اس وقت اسکے ہمراہ نواب والاجاہ محمد علی کا فرزند سیف الملوک بھی تھا۔ جنرل کوٹ نے پولی پور میں اسی جگہ قیام کیا۔ جہاں کرنل بیلی مقیم ہوا تھا تیسرے دن حیدر علی بھی اپنی فوجیں لیکر آگئے۔ اور میدان کارزار گرم ہوگیا۔

اس جنگ میں کرنل اسٹورٹ اور سیف الملوک زخمی ہوگئے۔ شام تک لڑائی ہوتی رہی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ انگریزوں کو اپنی تازہ دم فوج کی وجہ سے توقع تھی کہ حیدر علی کو شکست ہوگی مگر نتیجہ انکے حسب خواہش نہیں نکلا۔ دوسرے دن شہزادہ ٹیپو سلطان نے پیچھے سے

انگریزی فوجوں پر حملہ کیا جس کی وجہ سے انگریزی افواج پورا پور چھوڑ کر شولنگر کی طرف بڑھیں۔ راستہ میں حیدری افواج سے چھوٹے چھوٹے مقابلے ہوئے جن میں کبھی حیدر علی غالب رہتے اور کبھی انگریز جنرل کوٹ ۱۷۸۱ء میں شولنگر پہنچا۔ جہاں حیدری فوج کے ایک دستے کو سخت شکست دیکر شولنگر پر قابض ہوگیا۔ اسکے بعد اسکی فوجیں آرنی کی طرف بڑھیں اور اس کا محاصرہ کرلیا سیدی امام قلعہ دار نے سختی سے مدافعت کی مگر انگریزی فوجوں نے رات کے وقت شبخون مار کے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ جس وقت نواب حیدر علی کو ستوط شولنگر اور آرنی کی خبریں پہنچیں تو ایک زبردست فوج سے وہ آرنی پر بڑھے مگر اس سے پیشتر جنرل کوٹ محاصرہ کے خوف سے قلعہ خالی کرکے مدراس کی طرف واپس ہوگیا تھا ٹیپو سلطان نے راستے میں انگریزی سامان رسد جو مدراس سے آرہا تھا لوٹ لیا تھا مدراس پہنچکر جنرل کوٹ کا انتقال ہوگیا۔ اور جنرل اسٹورٹ سپہ سالار بنادیا گیا۔

مدراس گورنمنٹ میں ردّو بدل ۱۷۸۱ء

اس عرصہ میں انگلستان سے نیا گورنر لارڈ میکارٹنی مدراس آگیا اور چونکہ یورپ میں انگریزوں اور ڈچ والوں میں جنگ چھڑ گئی تھی اس لئے اس نے آتے ہی انگریزی افواج کو ڈچ علاقہ ناگ پٹم پر قبضہ کرنے کا حکم دیدیا کرنل بریٹ وائیٹ کے تحت ایک زبردست فوج بھیجی گئی۔ جس نے ناگ پٹم پر قبضہ کرکے تلجری پر چڑھائی کی۔ مگر ٹیپو سلطان کی فوجوں نے کاویری ندی کے قریب اس کو گھیر لیا چند دن کی لڑائی کے بعد انگریزی فوجوں کو کامل شکست ہوئی۔ انگریزی فوج قریب قریب کل کٹ گئی اور باقی رہی بھی اسیر ہوگئی، کرنل بریٹ وائیٹ بھی مقید ہوگیا۔

فرانسیسی جہاز حیدر علی کی کمک پر ۱۷۸۲ء

ہندوستان میں فرانسیسی حیدر علی کی حمایت میں تھے اور موجودہ جنگ کی

ابتدا بھی انہیں کو انگریزوں سے بچانے کے لئے ہوئی تھی۔ اسکے علاوہ حیدر علی کی ملازمت میں موسیو آلن کے علاوہ موسیو ٹوی لالی بھی تھے۔ جنہوں نے فرانس کو یہاں کے حالات سے خبردار کردیا تھا۔ فرانسیسی گورنمنٹ نے اپنے مقبوضات بچانے اور حیدر علی کی امداد کے خیال سے ایک جنگی جہازوں کا بیڑا بھیجدیا جو امیر البحر سفرن کے ماتحت تھا۔

یہ بیڑا جس وقت خلیج بنگالہ میں آیا تو اسکے اور انگریزی بیڑے کے درمیان جو امیر البحر ہیوجز کے ماتحت تھا۔ جنگ چھڑگئی اور فرانسیسی متواتر غالب آئے۔ انگریزوں کا مدعا یہ تھا کہ فرانسیسی اپنے سپاہی ساحل پر اتارنے نہ پائیں مگر فرانسیسیوں نے محمود بندر پر اپنی فوج اتار دی۔

اب سمندر میں فرانسیسی جہازات کے آجانے سے حیدر علی کی ہمت اور بڑھ گئی اس سے پہلے انگریز ساحلی مقامات چھوڑ کر آگے نہ بڑھتے تھے۔ ادھر حیدر علی کو محمود بندر کی لڑائی نے سبق دیدیا تھا۔ فرانسیسی سپاہ نے محمود بندر پر اتر کر چیدم بیدم اور پرٹوکول پر قبضہ کرلیا اس پر انگریزوں نے ایک زبردست فوج کڈلور پر اتار دی۔ جو جنرل اسٹورٹ کے ماتحت تھی نواب حیدر علی بھی اپنی فوجوں کے ساتھ کڈلور کی طرف بڑھے۔ اس وقت سمندر میں فرانسیسی جہازات انکی کمک کے لئے موجود تھے۔ یہاں ایک سخت جنگ ہوئی جس میں انگریزی فوجوں کو کامل شکست ہوئی۔ حیدری افواج خشکی پر سے حملہ کررہی تھیں۔ اور فرانسیسی جہازوں پر سے گولے برسا رہے تھے اس فتح کے بعد نواب حیدر علی نے اپنی فوجوں کو داند واش اور پانڈیچری پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اور خود آرنی کی طرف بڑھے۔ آرنی کا قلعہ فتح ہوگیا اسکے بعد نواب بیمار ہوکر ارکاٹ میں مقیم ہوگئے۔

میدان جنگ کی حالت سمندر میں انگریزی اور فرانسیسی بیڑے ایکدوسرے

کے ساتھ آمادۂ پیکار رہتے تھے اور ادھر ادھر حملے کرتے ہوئے پھر رہے تھے۔ ایک وقت فرانسیسی بیڑے نے مدراس پہونچکر گولہ باری بھی کی۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ اس کے بعد انگریزی فوجیں کڈلور سے واپس آکر مدراس میں جہازوں کی پناہ میں مقیم ہوگئیں۔ اور ساحل چھوڑ کر کھلے میدان میں حیدری افواج کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھیں۔ اس کی خبر جب وارن ہیسٹنگس گورنر جنرل کو معلوم ہوئی تو اس نے ایک زبردست فوج جنرل پیرس کے ماتحت اڑیسہ اور شمالی سرکار کے راستہ سے روانہ کی۔ وارن ہیسٹنگس کی حکمت عملی نے چھوٹے ناگپور کے راجہ کو جس کے علاقہ میں اڑیسہ تھا۔ اپنی جانب ملا لیا تھا۔ اور راجہ کو راستہ دینے کے لیے سولہ لاکھ روپیہ کی رقم دیدی۔ یہ راجہ نانا فرنویس کا طرفدار تھا۔ جو اس وقت پونا میں انگریزوں سے برسر جنگ تھا مگر اس کے دربار میں کچھ ایسی سازشیں ہوئیں کہ یہ نانا فرنویس کا ساتھ چھوڑ کر انگریزوں سے مل گیا بلکہ روپیہ لیکر انکی فوجوں کے گذرنے کے لئے راستہ بھی دیدیا۔ تمام انگریزی مورخین وارن ہیسٹنگس کی حکمت عملی کی تعریف کرتے ہیں کہ اس نے راجہ کو اپنی طرف ملاکر ہندوستان کو مرہٹوں سے بچا لیا۔ اور جنوب میں بھی حیدر علی کے مقابلہ میں فوج بھیجنے کے قابل ہوا۔

حیدر علی کی وفات ۱۷۸۲ء

جس وقت نواب حیدر علی ارکاٹ کے قریب نرسنگ رائن پیٹ میں مقیم تھے۔ تو انکے مرض نے اور زور پکڑا۔ نواب حیدر علی کو سرطان کا مرض تھا۔ پیٹھ کے پھوڑے نے تمام پیٹھ کو چھلنی کردیا تھا جراح و حکیم علاج سے عاجز آچکے تھے۔ مشیروں نے عرض کیا کہ آپ مہمات سے کنارہ کش ہوکر آرام فرمائیں اور شہزادہ ٹیپو سلطان کو طلب کرکے انتظام سپرد کردیں۔ نواب حیدر علی نے شہزادہ کے نام رقعہ لکھا جو اس وقت ملیبار میں لڑائی میں مصروف تھا۔ کرناٹک میں نواب کی مصروفیت کو دیکھ کر باشندگان کورگ اور ملیبار نے بغاوت کردی تھی تو نواب نے میر مخدوم علی کو

کوڈنگ پر روانہ کر دیا گیا جنہوں نے جاتے ہی بغاوت فرو کر دی۔ مگر خود بھی ایک ہنگامہ میں شہید ہو گئے۔ ٹیپو سلطان نے ملیبار میں نائروں کی بغاوت کو کامل طور پر دبا دیا۔ شہزادہ کو رستے بھیجنے کے بعد دوسری صبح ۶ دسمبر ۱۷۸۲ء میں نواب نے کل فوج کو ایک ماہ کی تنخواہ بطور انعام دینے کا حکم دیا اور فوج کے ساتھ محتاجوں کو بھی زر نقد اور کھانا تقسیم کیا گیا۔

نواب حیدر علی خاں کی آخری گھڑیاں

قریب شام کے نواب نے تاریخ معیافت فرمائی معلوم ہوا کہ محرم کی چاند رات ہے تو آپ نے غسل کرانے کا حکم دیا۔ غسل کے بعد دوسرا لباس پہن کر کلمہ اور درود شریف پڑھ کر منہ پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اسی وقت چند سرداران فوج کو طلب کر کے دس ہزار فوج شمالی ارکاٹ پر اور پانچ ہزار فوج نواح ارکاٹ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ فرمائی۔ اور اس کے چند ساعت بعد اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

یہ وہ شب تھی کہ ۱۱۹۵ھ رخصت اور ۱۱۹۶ھ کا آغاز ہو رہا تھا اور انگریزی تاریخ ۷ دسمبر ۱۷۸۲ء تھی۔

امرائے سلطنت نے سلطان ٹیپو کی آمد تک نواب حیدر علی کی وفات کی خبر کا اظہار خلاف مصلحت ملکی سمجھ کر مخفی رکھتے ہوئے جنازہ خفیہ طور پر سرنگا پٹم بھیج دیا۔ جہاں گنبد میں دفن کر دیا گیا۔ ایک شاعر نے

تاریخ وفات: "حیدر علی خان بہادر" کہی ہے
۱۱۹۵ھ

نواب حیدر علی خان کی وفات کا ہندوستان پر اثر

"نواب حیدر علی خان بہادر کی بے وقت موت ہندوستان کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان اور صدمۂ جانکاہ تھا جس سے انگریزوں کے اکھڑتے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ نواب حیدر علی کے اٹھنے کے ساتھ گویا ہندوستان کا اقبال بھی رخصت ہوا معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ قدرت کو بھی شاید یہی منظور تھا کہ یہ ہندوستان جنت نشان اغیار کی طوق غلامی میں گرفتار ہو جائے۔

"نواب حیدر علی خان بہادر" جس زبردست شخصیت کے مالک تھے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پونا میں جو مرہٹے نانا فرنویس کے ماتحت انگریزوں سے لڑ رہے تھے اور باوجود فاتح ہونے کے جس وقت "نواب حیدر علی خاں" کی وفات کی خبر پہنچی تو انہوں نے صلحنامہ سالبی پر جس کو وہ پہلے ٹھکرا چکے تھے۔ اب سر اطاعت خم کر کے دستخط کر دیئے نواب حیدر علی خان کی وفات کے وقت انگریزوں کی ہندوستان میں جو حالت تھی وہ مسلمان مورخین سے نہیں بلکہ انگریزی مورخین کی زبانی سنیئے:

مورخ سنکلیر لکھتا ہے:

"ہندوستان میں انگریزوں کی حالت اس سے زیادہ خطرے میں کبھی نہیں تھی۔ بنگال پر ناگپور کا راجہ حملہ کرنے ہی والا تھا۔ وسطی ہندوستان میں نانا فرنویس کے ماتحت مرہٹے انگریزوں سے ایک کامیاب جنگ میں مصروف تھے جنوب میں انگریزی فوجیں جہازوں کی پناہ لیے ہوئے ساحل مدراس پر مقیم تھیں معلوم تو یہ ہو رہا تھا کہ انگریز ملک میں کوئی دم کے مہمان ہیں۔"

مورخ ڈی لافوسی لکھتا ہے:۔

"ہندوستان میں انگریزوں کی حالت انتہائی درجہ کمزور ہوگئی تھی کہ حیدر علی کی وفات نے پھر انہیں سنبھال لیا۔"

اور ایک انگریزی مورخ لکھتا ہے:۔

"حیدر علی کی وفات انگریزوں کی خوش قسمتی کا باب تھی۔ اس کی وفات سے نہ صرف میسوریوں کو بلکہ مرہٹوں کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ نانا فرنویس کو حیدر علی کی فتوحات سے امید ہو چلی تھی کہ انگریز ہندوستان سے رخصت ہونے والے ہیں مگر اس کی وفات نے نانا فرنویس کو مایوس اور مجبور کر دیا کہ انگریزوں کی شرائط صلح پر دستخط کرے۔"

ایک اور انگریزی مورخ کی زبانی سنیئے:۔

"قسمت ہندوستان کے خلاف ہو چکی تھی۔ اس لئے حیدر علی کی غیر متوقع وفات نے انگریزوں کے قدم ہندوستان میں جما دیئے۔"

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کی محکومی کا جوا مقدر ہو چکا تھا۔ حیدر علی کی وفات نے انگریزوں کے اکھڑے ہوئے قدم کو پھر ہندوستان میں جما دیا۔

ہم آگے لکھ چکے ہیں کہ ہندو مورخین کا اعتراض ہے کہ حیدر علی نے نانا فرنویس کی اس تجویز کو جو انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے متعلق تھی انگریزوں پر ظاہر کرکے اپنی فراست و حب الوطنی کا کوئی اچھا ثبوت نہیں دیا۔ وہ اب نانا فرنویس کی عجلت پسندی اور فقدان سیاست کو بھی دیکھیں کہ ابھی میسور کی اس جنگ کا خاتمہ نہیں ہوا تھا اور حیدر علی کے بہادر فرزند ٹیپو سلطان نے ابھی جنگ جاری رکھی تھی۔ لیکن نانا فرنویس نے انگریزوں سے کو بکر صلح کر لی۔ نانا فرنویس ٹیپو سلطان کی شخصیت سے ناواقف نہیں تھا۔ حالیہ جنگ میں بیلی اور بریٹ وائیٹ کی شکست سے سلطان کی شہرت تمام ہندوستان بلکہ انگلستان تک پہنچ چکی تھی۔ اب یہ امر

لاحاصل ہے کہ ہم نانا فرنویس پر اعتراض کریں۔ یا انگریزوں کی سازشوں کا ماتم؟ ہندوستان کی قسمت میں انگریزوں کا محکوم بنکر رہنا مقدر تھا۔ حیدر علی کی وفات نے انکے قیام و ثبات کی ایک صورت پیدا کردی۔

نواب حیدر علی کی تدفین تاجدارِ میسور کی وفات کی خبر ملکی و جنگی مصلحتوں کی وجہ سے اس وقت تک مخفی رکھی گئی۔ جب تک ٹیپو سلطان ملیبار سے نہ آگئے۔ سلطان کے آنے کے بعد جنازہ نہایت تزک و احتشام سے سرنگاپٹم بھیجا گیا۔ جہاں لال باغ میں دفن ہوا۔ ٹیپو سلطان نے اس پر ایک عالیشان مقبرہ تعمیر کیا۔ اس وقت کے کسی شاعر نے تاریخ وفات لکھی ہے جو گنبد کی مغربی دیوار پر کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم   اللہ محمدؐ ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ
زہے گنبدے کز شکوہ و بنا   فلک زیر دستش بود در علو
تو خواہی مہ و خواہ خورشید خواں   فلک داغ گردید از رشک او
بود غرفہ اش نور چشم فلک   قمر یافتہ ضوء تعلیم از او
تراوش کناں ابر رحمت ز خاک   کروبے ز گردوں بیاں گرد او
سحرگہ پے کسب فیض و شرف   گذشتم ازیں خوابگاہ نکو
چو دیدم این مضجع تازہ بچشم   نمودہ چو روحانیاں جستجو
بگفتم این خانہ آسودہ را چیست نام   چہ تاریخ رحلت نوشتہ او
یکے زاں میاں گفت تاریخ و نام
کہ حیدر علیخاں بہادر بگو
۹۵ ھ ۱۱

نواب حیدر علی خاں کا حلیہ، مشاغل، عادات و اطوار

حلیہ، لباس و طرز گفتگو نواب حیدر علی پورے گرانڈیل جوان تھے۔ قد چھ فیٹ کا، رنگ گندمی، چہرہ پر رعب، درشتی، چستی و چالاکی کے آثار نمایاں تھے۔ داڑھی، مونچھ اور ابروؤں کا صفایا کرتے تھے۔ لباس ہندوستانی سفید ململ یا تنزیب کا، جس کی آستین چست اور دامن فراخ تھا، پہنتے تھے۔ سر پر اونچا عمامہ باندھتے تھے۔ فوجی لباس ایک خاص وضع کا تھا اور تمام فوج میں یہی لباس رائج تھا۔ نواب کا لباس سفید اطلس کا ہوتا تھا۔ جس میں سنہری گل و بوٹے ہوتے تھے۔ پیلے مخمل کے موزے، سفید ابریشمی کمربند، اور سر پر گلناری پگڑی رہتی تھی۔ اکثر بید کی چھڑی ہاتھ میں رہتی تھی جس کے سر پر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

طرز گفتگو حیدر علی بات چیت نہایت سہولت اور آسانی سے کیا کرتے۔ ہر شخص کی بات پوری سنتے اور اس کا جواب دیتے۔ مذاق کی بھی عادت تھی نواب کی مذاقیہ گفتگو شہرت اب تک میسور میں ہر جگہ ہے۔

زبان حیدر علی کی مادری زبان فارسی تھی۔ اس کے علاوہ جنوبی ہندوستان کی مروجہ زبانوں یعنی "دکھنی اردو، کنڑی، تمل، مرہٹی اور تلنگی میں بھی گفتگو کرتے تھے جس میں کنڑی کو بوجہ ملک میسور کی مروجہ زبان ہونے کے امتیاز حاصل تھا کہا جاتا ہے کہ فرانسیسی زبان میں کچھ کچھ گفتگو کر لیتے تھے۔

دل و دماغ نواب حیدر علی کی دماغی قوتیں ایسی زود رس اور قوی تھیں کہ ایک ہی وقت میں بہت سے کام سر انجام دیتے تھے۔ دربار میں کئی کئی منشی ایک ہی وقت میں عرضیاں سناتے۔ نواب سنتے جاتے اور دوسری طرف جواب اور حکم احکام بھی دیتے تھے۔ اور ساتھ ساتھ کھیل تماشے بھی دیکھتے جاتے تھے۔ ذہن اور حافظہ اس قدر تیز کہ بچپن کی باتیں یاد تھیں۔ اور جس کو ایکبار دیکھ لیتے تھے پھر کبھی نہ بھولتے اور اپنے ہر سپاہی کو پہچانتے تھے۔ جنگی و ملکی پیچیدہ مسائل اس قدر آسانی سے حل کر لیتے تھے کہ دیکھنے والے کو گمان ہوتا۔ آپ بغیر سوچے بول رہے ہیں۔ میدان جنگ کے مختلف محاذوں پر سپہ سالاروں کو ہدایات جنگ بھیجتے تھے۔ گویا کہ موقع پر حاضر ہیں۔

موسیو ٹلٹ لکھتا ہے :-

"نواب حیدر علی خاں کے عزم بلند کا پلہ کسی طرح تیمور و نادر سے کم نہیں تھا"

ادب شناسی شہنشاہ اکبر کی طرح نواب حیدر علی بھی امّی تھے۔ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اس لئے تمام فرامین و احکام جب لکھاتے تو دوسرے منشی سے پڑھوا کر اپنی مہر جو انگوٹھی پر کندہ تھی، چسپاں کرتے تھے۔ اور جس کاغذ پر دستخط کی ضرورت ہوتی۔ اس پر علاوہ مہر کے دستخط بھی کرتے جو صرف لفظ "ح" تھا۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ بعض لوگ مجھ کو امّی کہتے ہیں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں کیونکہ میرے پیغمبر بھی امّی ہی تھے۔ باوجود بے علم ہونے کے اس قدر ادب شناس تھے کہ انکی محفل میں خلاف ادب گفتگو کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ نواب حیدر علی کے فرامین اور خطوط کتابت سے پتہ چلتا ہے کہ انکی ادب شناس نظر نے کسی قدر بلند پایہ ادیبوں اور دبیر منشیوں کو اپنے دربار میں جگہ دی تھی۔

ملک داری

فرائض ملک داری پر پورا عبور حاصل تھا۔ رعایا کے آرام و آسائش کا خیال ہمیشہ رکھا کرتے تھے۔ اکثر راتوں کو بھیس بدل کر ملک اور رعایا کے حالات دریافت فرماتے۔ دادخواہوں کو حکم تھا کہ جب عمالِ حکومت کے انصاف سے انہیں تسلی نہ ہو تو سرِ دربار حاضر ہو کر اپنا معروضہ پیش کریں۔ انگریزی مورخین کو اعتراف ہے۔ کہ حیدر علی کی حکومت میں پولیس کا انتظام اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اور محاصل وصول کرنے کیلئے رعایا پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ ظالم اور رشوت خوار عاملوں کو تازیانہ سے پٹوانے تھے۔ تمام جنوبی ہند میں بہادری کو ٹ ایسی بہادر۔ حیدر علی کا کوڑا مشہور ہے۔ فوج کی ساخت و پرداخت میں خاص ملکہ تھا۔ سپاہیوں سے غیر معمولی محبت اور انکے آرام و آسائش کا اس قدر خیال رکھتے کہ ان کے آرام کے ساتھ اپنا آرام اور ان کی تکلیف کیساتھ خود بھی تکلیف برداشت کرتے تھے۔ اس لئے تمام فوج ہمیشہ جاں نثاری پر تیار رہتی تھی۔ اگر کوئی سپاہی ذرا بھی بہادری کا کام کرتا تو اس کو انعام دیتے۔ اور اسکے ساتھ ہی سپاہیوں پر فوجی قانون کے مطابق نہایت سخت تاکید بھی رہتی کہ وہ ہر وقت اپنے کام پر مستعد رہیں۔ یہی نہیں بلکہ رعایا کے کسی فرد سے بھی بہادری اور وفاداری ظاہر ہوتی۔ تو انعام و اکرام دیا جاتا۔ چنانچہ جس وقت انگریزوں سے پہلی جنگ ہوئی تو انگریزوں نے قلعہ کاٹ بینا کا محاصرہ کر لیا۔ اور سیڑھیاں لگا کر فصیل قلعہ پر چڑھنے لگے۔ یہاں حیدری فوج بالکل کم تھی۔ اس لئے مدافعت میں رعایا نے بھی حصہ لیا۔ جس میں عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ عورتوں نے چڑھنے والے انگریزی سپاہیوں پر فصیل قلعہ سے گرم گرم پانی جس میں گوبر گھولا ہوا تھا۔ ڈالنا شروع کیا اور یہ کام انہوں نے اس مستعدی سے کیا کہ انگریزی سپاہی فصیل پر چڑھنے سے باز آگئے یہ خبر جب نواب تک پہنچی تو ٹیپو سلطان کی معرفت ان سب عورتوں کو طلائی

کپڑے اور روپے بطور انعام بھیجے گئے۔

نواب حیدر علی کو کسانوں پر خاص توجہ تھی۔ ہمیشہ ان کی دلجوئی اور ہمت افزائی کی جاتی۔ لیکن غنیم کے حملوں کے وقت اپنے ملک کے سرسبز قطعات اور لہلہاتی ہوئی کھیتیوں کو برباد کر دینے میں انہیں کوئی دریغ نہ ہوتا تھا۔ تاکہ دشمن کو سامان رسد نہ مل سکے سوداگروں کی خوب آؤ بھگت کیجاتی تھی۔ باہر سے جو سوداگر ملک میں آتے۔ ان کی خاطر تواضع حد درجہ کی جاتی تھی۔ اور ان کی تمام جنس خرید کر دوبارہ ان کو اپنے ملک میں آنے کی ترغیب دلائی جاتی تھی۔

نواب کو اپنی سوار فوج پر خاص توجہ تھی۔ اور نواب کی لڑائیوں میں اکثر اچانک دھاوے اور شبخون زیادہ ہوتے تھے۔ اس لئے فوج میں ہمیشہ گھوڑوں کی ضرورت رہتی تھی۔ نواب کے حکم سے میسور میں دو جگہ گھوڑے بیل اور ہاتھیوں کے فارم (چراگاہ) کھلے ہوئے تھے۔ جہاں ان جانوروں کی نسل کشی اور پرورش ہوتی تھی وہی سلسلہ آج بھی ریاست میسور میں قائم ہے اور اس محکمہ کا نام میسور میں محکمۂ امرت محل ہے۔ اس میں زیادہ تر گائے اور بیل رکھے جاتے ہیں گھوڑوں کیلئے بھی ایک علیحدہ فارم قائم تھا۔

خوراک

وہ خود مختار بادشاہ جسکے سلطنت کی وسعت اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) مربع میل سے زیادہ ہو۔ اور اسوقت کے تمام ہندوستان کے بادشاہوں سے بلحاظ وسعتِ ملک سب سے بڑھکر طاقتور ہو اسکے سفرے کے متعلق تمام مورخین خاموش ہیں مگر مقامی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ایامِ جشنِ دسہرہ میں ان کا دسترخوان اسقدر وسیع ہوتا تھا کہ شاہان دہلی کے دسترخوان پر رشک ہوتا تھا۔ ورنہ معمولی طور پر بالکل سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ چونکہ بچپن سے طبیعت محنتی اور جفاکش تھی۔ اسلئے ہمیشہ غذا بھی

سادہ اور دو وقتہ تھی ۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ کئے وقت جو یار آ گئی کی سوکھی روٹی اور پانی پر گذر ہوتا تھا۔ دوسرے وقتوں میں بھی دسترخوان پر راگی (ایک قسم کا غلہ جو میسور میں بکثرت ہوتا ہے اور عام لوگوں کی غذا ہے) کی روٹی ضرور ہوتی تھی۔

روزانہ مشاغل نواب حیدر علی ہر صبح قبل طلوع آفتاب بیدار ہوکر گذشتہ دن اور رات کے ضروری اخبار سنتے۔ ذمہ دار افسروں کو اجازت تھا کہ جب کوئی بالکل ہی ضروری خبر سنانی ہو تو رات اور دن میں کسی وقت بھی حاضر ہو کر سنائیں۔ قریب آٹھ بجے دیوان خانہ میں تشریف فرما کر خطوط اور عرضیاں سنتے۔ اور انکے جواب لکھاتے اس سے فارغ ہوکر تھوڑے، ہاتھی اور شتر کا [illegible] دیکھتے۔ یہ بھی مشہور [illegible] تے کہا جاتا ہے کہ نواب بعض خوبصورت چیتوں کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے۔ اور انہیں اپنے ہاتھ سے کھلاتے اور چیتے بھی نواب سے اسقدر مانوس تھے کہ نواب کو دیکھتے ہی بطور خوشی سے کودتے اور دُم ہلاتے۔ اُن چیتوں کو نوکر پکڑے ہوئے رہتے۔ اور انکے سر پر ایک قسم کی ٹوپی ہوتی تھی۔ جو رسّی کے ایک ادنیٰ اشارے سے بوقت ضرورت آنکھوں کو ڈھانپ لیتی تھی۔ قریب دس بجے ناشتہ کر کے پھر دیوان خانہ میں آتے۔ جہاں باہر کے آئے ہوئے سفیروں کو شرف باریابی بخشا جاتا۔ اسکے بعد دربار عام ہوتا نواب کا دربار عام ایک زر دوزی شامیانے میں ہوتا تھا یہیں تشریف لاتے۔ یہاں فریادی بذات خود پیش ہوتے۔ اور مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا۔ ماتحت راجگان اور امراء کے وکیل اس دربار میں ضرور شامل رہتے تھے۔ جب عرضیاں اور مقدمات کی سماعت ختم ہو جاتی تو تاجروں کو حضوری میں طلب کیا جاتا۔ اور انمیں بعض کو خصوصیت سے بیٹھنے کا حکم بھی ملتا۔ تاجروں کو پان دیکر رخصت کیا جاتا۔ یہ دربار قریب تین بجے کے ختم ہوتا جس کے بعد محل میں جاکر آرام کرتے۔ اور پھر پانچ بجے باہر

آکر فوج کا معائنہ فرماتے۔ منشیوں کو ہمیشہ ساتھ رہنے کا حکم تھا۔ یہاں بھی احکام صادر کئے جاتے جس کے بعد ہوا خوری کو جاتے تھے۔

رات کو رقص و سرود کی محفل گرم ہوتی اس میں عود و عنبر کی انگیٹھیاں سلگتیں اور خوب رنگینی کی جاتی۔ ان محفلوں میں امرا، مصاحب اور امیرزادے بھی شامل ہوا کرتے تھے ان امیرزادوں سے چار امیرزادے کمربستہ مع شمشیر رہتے تھے۔ گیارہ بجے تک یہ جلسہ رہتا جس کے بعد محل میں تشریف لے جاتے۔

حیدر علی کے مشاغل زندگی میں یہ معمول صرف ان ایام کا ہے۔ جبکہ وہ سرنگاپٹم میں رہتے تھے۔ ورنہ انکی تمام زندگی جنگ اور سفر میں کٹی۔ سفر میں اکثر ہفتے میں دو دفعہ شیر، چیتے اور ہرن وغیرہ کے شکار کو جاتے۔ اور اس وقت، ساتھ صرف نیزہ اور تلوار رکھتے تھے۔

جب حیدر علی کسی بڑی مہم سے فتح پاکر آتے تو جشن منایا جاتا۔ جس میں شعرا قصائد پڑھتے اور انعام پاتے تھے۔

عدل و انصاف حیدر علی کے عدل و انصاف کی روایات بھی اسی قدر مشہور ہیں جس قدر ان کی بہادری ۱۱۶۷ھ میں ایک روز حیدر علی کو کمبو نور میں ہوا خوری کے لئے نکلے۔ راستے میں ایک بڑھیا نے نواب کو روک کر فریاد کیا کہ اس کی عرضی کی داد نہیں ملی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ عرضی، عرض بیگیوں کے سردار حیدر شاہ کے ہاتھ میں دیگئی تھی اور کیفیت یہ تھی کہ نقیبوں کے سردار آغا محمد نے اس کی لڑکی چھین لی ہے۔ حیدر شاہ سے دریافت کیا گیا تو اس نے بڑھیا اور اس کی لڑکی کو طوائفوں سے بتلایا اور اسی لئے پیش نہ کرنے کا حیلہ کیا۔ نواب نے کل واقعہ دریافت کرکے حیدر شاہ کو دو سو کوڑے

لگا کر معزول کر دیا اور آغا محمد کا سر قلم کر دیا گیا کہ آئندہ رعیت کو کوئی نہ ستائے لڑکی بڑھیا کو واپس دلائی گئی۔

نواب حیدر علی کی صولت و سطوت کا یہ حال تھا کہ غریب اور مفسدان کے نام سے کانپتے تھے۔ نواب نے خاص خاص جرموں کی سزا دینے کے لئے دو سو تنسقچی ملازم رکھے تھے جن کا کام مجرموں کو کوڑے لگانا ہوتا تھا۔ اس طریق سزا دہی میں امیر غریب سپاہی اور افسر سب برابر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ کسی جرم پر شاہزادہ ٹیپو سلطان کو بھی حیدر علی نے اپنے ہاتھ سے کوڑے لگائے تھے۔

شاہانِ مغلیہ کا طمطراق سرنگا پٹم میں۔ روما کے تماشے

نواب حیدر علی کے حکم سے آتش بازی کا تماشہ بھینسوں اور بیلوں کی لڑائیاں، ہاتھیوں کی باہم ٹکریں، پہلوانوں کی کشتیاں ہمیشہ سر شام محل کے روبرو ہوا کرتیں۔ فوج کے بہادر سپاہی زرہ بکتر پہن کر ریچھوں اور شیروں سے لڑتے۔ اگر سپاہی غالب آجاتے تو انہیں خلعت اور انعام کے علاوہ تنخواہ میں اضافہ ہوتا اگر جانور غالب آنے والا معلوم ہوتا تو فوراً اس کی پیشانی پر گولی مار دی جاتی۔ ایسے وقت نواب ہر وقت بندوق ہاتھ میں لئے رہتے تھے اور گولی وہی مارتے تھے۔

تاریخ ہند بتلاتی ہے کہ شاہان بیجاپور نے بھی ہاتھیوں کی باہم لڑائیاں اپنے یہاں رائج کی تھیں مگر جس وقت یہ خبر شہنشاہِ ہندوستان شاہجہاں کو پہونچی تو اس نے فوراً سفیر کے ذریعہ باز پرس کی کیونکہ یہ کروفر صرف شہنشاہ ہندوستان ہی کے لئے زیبا سمجھا جاتا تھا۔ مگر نواب حیدر علی کے زمانے میں سلطنت دہلی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا اور ہندوستان بھر میں حیدر علی کے پایہ کا اور کوئی خود مختار زبردست بادشاہ نہیں تھا۔

اقوال نواب حیدر علی کے مقولے کثرت سے لوگوں کی زبان پر ہیں۔ مگر ان میں جو زیادہ مشہور اور تاریخی شہرت پا چکے ہیں۔ حسب ذیل ہیں :۔

(۱) ایک بہادر آدمی میدان جنگ میں تن بے سر کا اچھلنا کودنا دیکھ کر رقص بسمل کا لطف حاصل کر سکتا ہے۔

(۲) توپ اور بندوق کی آواز آہنگ سرود سے زیادہ مزہ دیتی ہے۔

(۳) مردوں کی عمدہ نشست گاہ خانۂ زین ہے۔

(۴) لڑائی کے فتح کر لینے میں جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ وہ کسی جشن سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

(۵) میرا پیغمبر بھی امی اور میں بھی امی۔ یہ خدا کی قدرت کا ایک ادنےٰ نمونہ ہے کہ مجھ ایسے جاہل سے ایسے کارہائے نمایاں ظہور پذیر ہوں۔ جو ہزاروں عالموں سے وقوع میں آئیں۔

(۶) اگر مجھے مجھ ایسا ایک اور شخص مل جائے تو خدا کی تائید سے ہفت اقلیم فتح کر ڈالوں۔ اور دنیا کو پھر حضرت عمرؓ کی فتوحات کا نقشہ دکھا دوں۔

لونڈی بچہ نواب ہمیشہ جب کسی کو پکارتے تو لونڈی بچہ پکارتے۔ ایک وقت ایک مصاحب نے عرض کی کہ بادشاہوں کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکلنا زیب نہیں دیتا۔ اس پر نواب نے اس مصاحب کو انہیں الفاظ سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اور تم اور جو کوئی بھی ہے وہ تمام لونڈی بچے ہیں۔ بی بی بچے تو صرف دو ہی ہیں۔ جن کا نام حسنینؓ ہے۔ بی بی تو وہی ایک ہوئیں۔ جن کا نام حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہے اور باقی تمام لونڈیاں ہیں۔

شجاعت اور بہادری نواب حیدر علی یہ جانتے ہی نہیں تھے کہ خوف وہراس کیا چیز ہے مشکل سے مشکل امر میں بھی انہوں نے کبھی

ہمت نہیں ہارتے تھے۔ سرنگاپٹم میں جب راجہ کی سازش کی وجہ سے جان پر بن گئی تھی تو تن تنہا دریائے کاویری میں کود کر بنگلور آگئے تھے۔ ترمک راؤ کے مقابلہ میں جب کامل شکست ہوگئی تو سرنگاپٹم فرار ہو کر پھر فوج جمع کر کے مقابلہ کے لئے نکلے۔ میدان جنگ میں شجاعت اور بہادری کا یہ حال تھا کہ صف دشمن میں گھس جانے سے کبھی خوف نہ کھاتے تھے۔ مستقل مزاج کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی نے نہیں دیکھا کہ نواب پریشان خاطر ہیں۔ کڈپہ میں رات کے وقت جب افغان ان پر حملہ آور ہوئے تو نہایت اطمینان سے اپنے بستر پر تکیہ رکھ کر چادر اڑھا دی تاکہ حملہ آوروں کو گمان نہ ہو اور اس کے بعد خود باہر نکلے۔

فراست و قیافہ شناسی

نواب کو قیافہ شناسی میں بھی خاص ملکہ تھا انسان کو دیکھ کر اس کے ظرف و کم ظرفی، پست نظری و بلند خیالی، شجاعت اور بزدلی پہچان جاتے تھے۔ نواب حیدر علی تو بالکل لکھے پڑھے نہ تھے۔ دستخط بھی مشکل سے کرتے تھے۔ ایک دن کسی فرمان پر اپنا نشان بنا رہے تھے سامنے ایک شخص کھڑا حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ نواب حیدر علی تاڑ گئے کہا دستخط کو کیا دیکھتا ہے۔ پیشانی کو بتلایا کہ یہاں دیکھ۔ یعنی میرے طالع کو دیکھ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس پر ہو جائے)

بے تعصبی اور مذہبی رواداری

نواب حیدر علی نہایت حد درجہ غیر متعصب تھے ان کی تمام زندگی میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ مذہب کی بنا پر انہوں نے کسی سے کچھ تعرض کیا ہو۔ ان کے مشیر و وزراء اور فوج میں ہندو اور مسلمان دونوں یکساں تھے۔ مصنف حملات حیدری نے اپنی تاریخ میں بہت سے ہندوؤں کے نام لکھے ہیں جن میں قلعہ دار بھی ہیں اور فوجی افسر بھی۔ وزراء میں

کشن راؤ اور پورنیا مشہور ہیں۔ حیدر علی کا پہلا پرائیویٹ سکریٹری کمنڈے راؤ برہمن تھا۔ جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ اس کے بعد اس منصب جلیلہ پر بھی ایک ہندو فائز رہ چکے ہیں۔ سفارت کے اہم عہدوں پر بھی ہندو فائز تھے۔ نواب حیدر علی کو ہندوؤں پر اس قدر اعتماد تھا کہ سیاسی مجرم بھی ہندو پالیگاروں کے قلعے میں قید کیے جاتے تھے۔ میتھک سوسائٹی کے تاریخی کاغذات میں ایسے بہت سے ہندو سیاسی مجرموں کے نام دیئے گئے ہیں۔ جو ان پالیگاروں کے قلعہ میں مقید تھے۔ انگریزوں سے پہلی جنگ کے دوران میں مدراس سے دو انگریز پادریوں نے حیدری فوج میں آکر اپنے آپ کو فرانسیسی مشہور کر دیا اور نواب کی فرانسیسی فوج کے ملازموں کو ورغلانا شروع کیا۔ نواب کو جس وقت خبر ہوئی تو صرف ان کے ظاہری لباس و تقدس کی بنا پر انہیں بجائے سزا دینے کے قید کر کے پانڈیچری روانہ کر دیا۔

رواداری کی مثالیں عام طور پر میسور میں ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ جس قدر قدیم مندر ملک میسور میں ہیں۔ سب کی جاگیریں حیدر علی نے نہ صرف بحال رکھیں بلکہ اپنی طرف سے بھی انعامات دیئے۔ جن کی سندات مندروں میں موجود ہیں۔ اگر ان سب کی تفصیل لکھی جائے تو بہت طویل ہوگی۔ یہاں صرف دو تین مثالیں دی جاتی ہیں۔ جن کی صحت کے لئے میسور کے محکمہ آثار قدیمہ کے سالانہ رپورٹیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) دیون ہلی کے مندر میں جو ناقوس استعمال میں ہے وہ نواب حیدر علی کا عطیہ ہے۔ (میسور آرکیولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۴ء)

(۲) سرنگاپٹم میں سری رنگاناتھ کے مندر میں جو برتن استعمال میں ہیں وہ حیدر علی کے دیئے ہوئے ہیں۔

(۳) سرنگیری کے مندر میں نواب حیدر علی کے لکھے ہوئے تین اسناد ملے ہیں۔ جو بطور رکارڈ محفوظ ہیں۔ ان میں ایک وہ خط ہے جو نواب حیدر علی نے ۱۷۶۹ء میں یہاں کے گرو کو لکھا تھا۔ اس خط

میں بعد ہدیہ آداب وسلام کے نواب نے لکھا ہے کہ،

"آپ نے بالاجی پنڈت اور دنیکٹ راماٹیا کے ذریعہ جو اطلاع دی ہے اس سے آگاہی ہوئی۔ آپکی شخصیت واجب التعظیم اور آپ کا تقدس باعث برکت ہے یہ ایک قدرتی بات ہے کہ ہر شخص کے دل میں آپ سے ملنے اور سعادت حاصل کرنیکی خواہش پیدا ہو۔ معلوم ہوا ہے کہ صاحب رگھوناتھ راؤ پیشوائے پونا آپ سے ملنا اور آپ کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ آپ کو انکے پاس بغرض ملاقات بھیجا جائے۔ اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ پونا تشریف لے جاکر صاحب موصوف کی خواہش پوری کریں۔ آپ کے اس سفر کے لئے ایک ہاتھی ایک پالکی، پانچ گھوڑے اور پانچ اونٹوں کا انتظام کردیا گیا ہے انکے علاوہ دیوتا کے لئے زریں کپڑے، آپ کے عَلم (نشان) کے لئے پانچ ریشمی تھان اور خاص آپ کے لئے دو خلعتیں اور ایک جوڑی شال بھی ارسال خدمت ہے۔

اخراجات سفر کے لئے ساڑھے دس ہزار روپیہ ارسال ہیں۔"

اس خط میں حیدر علی نے اپنے نام کے ساتھ شروع میں "نواب" اور اخیر میں "خان بہادر" کا خطاب استعمال کیا ہے۔ یہ خط مطلقاً و مذہبیہ۔ (میسور آرکیالوجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

دوسرا خط جس پر تاریخ نہیں ہے۔ سوامی ابھینوا نرسمہا بھارتی کے نام ہے جس میں سوامی جی کے خطا اور تحفوں کی وصولی لکھی ہوئی ہے۔ اس خط میں نواب حیدر علی نے گرو جی کو یقین دلایا ہے کہ مندر کے نام جو انعام ہیں وہ بحال رکھے جائیں گے اور ساتھ ہی درخواست کی گئی ہے کہ سوامی جی مندر میں جاکر اقامت کریں اور سوامی جی سے یہ بھی درخواست کی گئی ہے کہ ارسال شدہ تحائف کو قبول کیا جائے۔ (میسور آرکیالوجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

تیسرا خط ۱۷۸۰ء کا ہے جو اصل میں ایک حکمنامہ ہے جو ملازمین حکومت کے نام ہے۔ اس

میں انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ سرینگری مندر کی جاگیرات میں مندر کے ملازم اپنی جانب سے جو محصولات وصول کرتے ہیں۔ ان میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ پیدا کی جائے۔ اس حکم نامہ کے عنوان پر نواب حیدر علی کی مہر اور سنہ ہجری لکھا ہوا ہے۔ (میسور آرکولاجیکل رپورٹ ۱۹۱۶ء صفحہ ۷۳)

سری رنگناتھ کا مندر

سرنگاپٹم کا سب سے بڑا مندر جو سری رنگناتھ جی کے مندر کے نام سے مشہور ہے۔ نواب حیدر علی کا تعمیر کردہ ہے میتھک سوسائٹی جرنل مورخہ اپریل ۱۹۲۹ء کے صفحہ ۵۴۴ پر تحریر ہے:

"۱۷۴۰ء میں قدیم الدین خاں نامی ایک شخص کے گھر میں آگ لگ گئی جس کی وجہ سے بہت سی جانوں کے اتلاف کے علاوہ سری رنگناتھ کا مندر بھی جل کر تباہ ہو گیا حیدر علی نے اس مندر کو دوبارہ تعمیر کیا۔" (ای گراقی کرناٹکا جلد نہم صفحہ ۲۷)

"بیلور میں گنگا سیرا کے مندر کا دروازہ بھی حیدر علی کا تعمیر کردہ ہے۔"

(ای گرافی کرناٹکا جلد پنجم صفحہ ۷۳)

رحم دلی نواب کی درشتی و سختی جس قدر مشہور ہے۔ اسی قدر ان کی رحمدلی بھی مشہور ہے محمد علی کمیدان جو سپہ سالار افواج حیدری تھا اور جس کے کارنامے ہم سوانح حیدری میں لکھ چکے ہیں۔ ایک وقت عہدہ سے اس لئے معزول کر دیا گیا تھا کہ اس کے تیور بگڑے ہوئے تھے اور کہا جاتا ہے کہ خود اسکے دل میں نواب بننے کی خواہش تھی۔ حیدر علی نے اس کو معزول کر دیا۔ مگر پھر چند دن کے بعد اس کو اس کے سابق عہدے پر بحال کر دیا۔

حیدر علی کی رحمدلی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انکے حکم سے ہر بڑے شہر میں سرکاری خرچ سے ایک یتیم خانہ موجود تھا۔ جہاں لاوارث بچے پرورش پاتے تھے جس کی نظیر اس زمانہ میں اور آجکل کی مہذب و متمدن سلطنتوں میں بھی نہیں ملتی۔ انگریز مورخین نے ان یتیم خانوں

کے وجود کا اعتراف تو کیا ہے مگر اپنی روایتی تعصب دوستی سے یہ بھی لکھا ہے کہ ان یتیم خانوں میں جو لڑکے پرورش پاتے تھے۔ وہ بڑے ہو کر بعد فوج میں بھرتی کر لئے جاتے تھے۔

تعمیرات

نواب حیدر علی کو فن تعمیر قلعہ میں کامل دستگاہ تھی۔ انکے بنائے ہوئے بہت سے قلعے موجود ہیں۔ جب کوئی نیا قلعہ فتح ہوتا تو پھر اسکی درستگی و تعمیر نواب کے حسب مرضی ہوتی تھی۔ بنگلور، میسور، بلاری، چیتلدرگ اور سرنگاپٹم کے قلعہ جات نواب نے از سر نو تعمیر کئے۔ نواب حیدر علی کے فن تعمیر قلعہ کے متعلق انکے دشمنوں کو بھی اعتراف ہے کہ نواب کامل الفن تھے۔ قلعہ بلاری کے متعلق انگریزی تاریخ میں مشہور ہے کہ ایک فرنچ انجینیر نے اس کو تعمیر کیا۔ نواب حیدر علی نے جس وقت اس قلعہ کا معائنہ فرمایا تو انہوں نے فرنچ انجینیر کو اس بنا پر پھانسی چڑھا دی کہ قلعہ جس پہاڑی پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس سے ملی ہوئی اور ایک اونچی پہاڑی ہے۔ جس پر غنیم کی فوج قابض ہو کر قلعہ والوں کو تنگ کر سکتی تھی۔ انجینیر کو پھانسی پر چڑھانے کی روایت صرف چند انگریزی مورخین کی زبانی ہے ورنہ دوسرے تاریخوں میں اس کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ بہرطور اس سے پتہ چلتا ہے کہ نواب حیدر علی کو کس قدر اس فن میں مہارت حاصل تھی۔ ان قلعوں کے ساتھ ساتھ حیدر علی نے بعض اہم مقامات پر جیسے سرنگاپٹم، حیدر نگر، اکرم گنڈہ، ڈنڈیگل وغیرہ میں توپ ڈھالنے اور بارود، گولا اور دوسرے ہتھیار بنانے کے کارخانہ بھی قائم کئے تھے۔

چونکہ نواب حیدر علی کا اکیس سالہ عہد حکومت تمام تر لڑائیوں اور جنگوں ہی میں گذرا اس لئے نواب کی بنائی ہوئی کوئی مسجد یا عمارت سوائے دریا دولت باغ اور محل سلطانی کے دوسری اور نہیں ہے۔ محل کا بہت سا حصہ ٹیپو سلطان نے بعد میں تعمیر فرمایا تھا۔ انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ دریا دولت باغ میں جو تاریخی تصاویر دیواروں پر ہیں

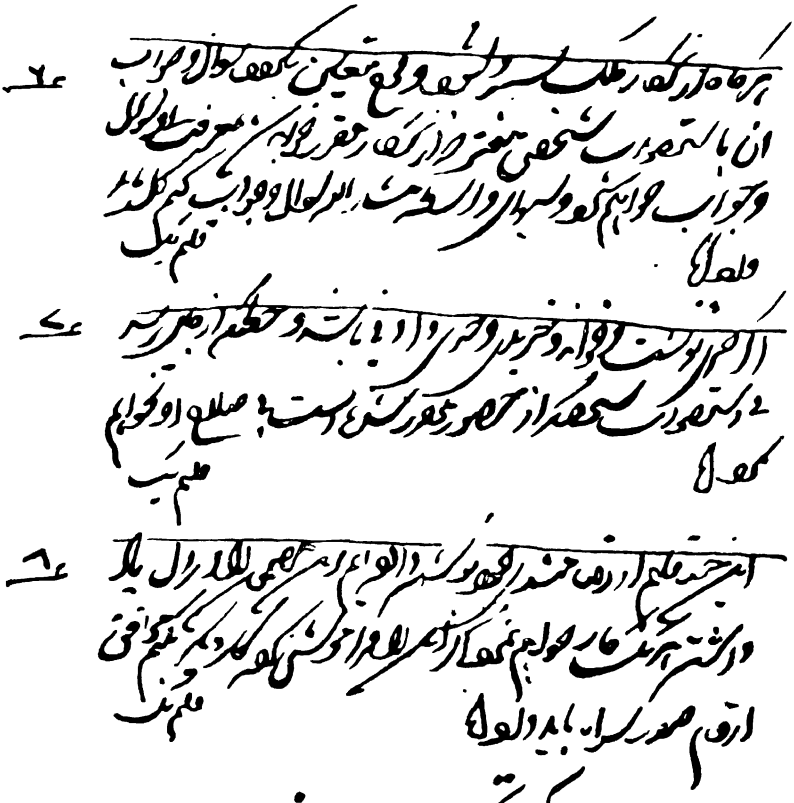
وہ نواب حیدر علی کے حکم سے بنائی گئی ہیں۔ ان تصاویر میں ایک میں کرنل بیلی کی شکست کا منظر دکھایا گیا ہے۔ اور دوسرے میں ایک کارٹون ہے جس میں میر نظام علیخاں نظام الملک کی دوستی و دشمنی دکھائی گئی ہے۔

اطاعتِ والدین

نواب حیدر علی کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ نواب حیدر علی اپنے سے بڑے خویش و اقارب کا حد درجہ ادب کرتے تھے۔ ایک دفعہ جبکہ ۱۷۶۷ء میں انگریزوں سے جنگ ہو رہی تھی تو حیدر علی کی والدہ بیٹے کے دیکھنے کے لئے حیدر نگر سے پائین گھاٹ کے میدان جنگ میں تشریف لائیں۔ جس وقت حیدر علی کو خبر ہوئی تو آپ نے تین میل آگے تمام فوج کو دست بستہ کھڑا کر دیا اور آپ مع شہزادہ ٹیپو سلطان و کریم شاہ استقبال کو بڑھے۔ جب محافہ قریب آ گیا تو نواب اور شہزادے دہنے بائیں جلو میں ساتھ ہوئے۔ جب سواری فوج کے آگے آئی تو کل فوج نے نہایت تعظیم سے سلامی اتاری۔ والا بیگم کے جلو میں دو سو کنیزیں برقعہ پہنے ہوئے عربی گھوڑوں اور گجراتی بیلوں پر سوار تھیں اور محافے کے پیچھے آٹھ رتھ تھے جن پر زر دوزی پردے پڑے ہوئے تھے۔ سواری کے آگے فرانسیسی سالار اور چھ سو نیزہ بردار اور پیچھے چار سو ہندوستانی سوار تھے۔ والا نواب بیگم دو روز قیام فرما کر جب واپس ہو گئیں تو نواب پھر اسی مقام تک ہم رکاب رہے۔ جہاں پہلے استقبال ہوا تھا۔

تعلیم و تربیت اولاد

حیدر علی اگرچہ خود ان پڑھ تھے، مگر انہوں نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے نہایت اہتمام کیا تھا۔ مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ امور جنگی و سیاسی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ حیدر علی جنگوں میں ٹیپو سلطان کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ٹیپو سلطان کو عالم بننے کا بہت شوق تھا اور وہ ہمیشہ لکھنے پڑھنے ہی میں مصروف



عکس تحریر سلطانی

یہ عکس سلطان کے اقرار نامہ سے لیا گیا ہے۔ جس کا ذکر حالات نواب حیدر علی میں آچکا ہے۔ غالباً یہ تحریر اس وقت کی ہے۔ جب سلطان کی عمر ۱۶ - ۱۷ سال کی تھی۔

اوراق امر

پیش تنبیهات

ع ۱ پدر ول مرقومی بود که حضرت شاه نعمت الله یک گاو بخواهم که
اگر کنم که چون در خاطر همی بود یکی دو سر راه باید ملا کرد قلم بیت

ع ۲ در آخر که رود در و تعلیقت کرد و تقصیر کنم سر آن است حل
قلم بیت
باید ملا کرد

ع ۳ خلاف کرد و جا باری کنم سر آن همی حل کرد است
قلم بیت

ع ۴ پدر ول خدم آن حضرت الله که بیدار دو ده بخواهم امت و جزا کرد
که بخواهم گرفت اگر کنم ... قلم بیت

ع ۵ تا هر کس بسیاری احوالات که رود به قلم در قلم اعتباری
قلم بیت
فهم سر او الله دوار باید بنشد کرد

نظر آتے تھے۔ حیدر علی کو جب ٹیپو سلطان کا یہ انہماک معلوم ہوا تو ایک دن انہوں نے کہا کہ

"جانِ پدر! سلطنت کے لئے قلم سے زیادہ تلوار کی ضرورت ہے۔"

حیدر علی نے اپنے فرزند کو امور سلطنت میں ماہر ہونے کے لئے جس قسم کی تعلیم دی تھی اور سرکاری کام مشورہ سے کرنے کے متعلق جو ہدایت کی تھی۔ اس کی ایک جھلک اس اقرار نامہ سے ملتی ہے جو بطور نمونہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

ٹیپو سلطان نے یہ اقرار نامہ اپنے قلم سے فارسی زبان میں لکھ کر دیا تھا۔ ذیل میں اس کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔

اقرار نامہ

(۱) بغیر مرضی مبارک حضرت خداوند نعمت کوئی کام نہیں کروں گا۔ اگر کروں تو جو سزا مناسب سمجھی جائے۔ دی جائے۔

(۲) اگر سرکاری کاموں میں چوری یا تغلبی کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

(۳) اگر جھوٹ بولوں یا دغابازی کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

(۴) بغیر مرضی مبارک حضور کے کسی سے نقد یا کوئی اور چیز لوں تو میری ناک کاٹ کر شہر بدر کر دیا جائے۔

(۵) سوائے امور سرکاری کے اگر میں کسی سے کلام و کلام یا دغابازی کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

(۶) اگر سرکار کی جانب سے مجھے کسی ملک کی حکومت تفویض کی جائے اور میرے ماتحت فوج رکھی جائے تو میں تمام متعلقہ امور ان لوگوں کے مشورہ سے سرانجام دوں گا۔ جنہیں سرکار نے اس غرض کے لئے مقرر کیا ہے۔ اگر اس کے عوض کسی دوسرے ذریعہ سے یہ کام کروں تو پھانسی کی سزا دی جائے۔

(۷) اگر کبھی خط و کتابت یا خرید و فروخت یا کوئی خط کسی جگہ سے آئے تو سوائے حضور کے مقرر

کردہ مشیروں کی صلاح کے کوئی کام نہیں کروں گا۔

(۵) یہ چند قلم اپنی رضامندی سے لکھ کر سامنے ہوں اور ان کے مفہوم کو دل میں بطور یادداشت رکھتا ہوا اقرار کرتا ہوں کہ ہر کام ان دفعات کے مطابق کرونگا۔ اگر نہ کروں تو جو سزا چاہے دی جائے۔

نواب حیدر علی کی بلند نظری اور اتحاد اسلامی کی کوشش

نواب حیدر علی بہادر بڑے مدبر، معاملہ فہم اور بلند نظر تھے کہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی کمزوری ان کے آپس کے نفاق کا باعث ہے۔ اس لئے حیدر علی نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد قائم رہے اور اس مقصد کے لئے انہوں نے ہر طرح کوشش کی۔ چنانچہ جب کبھی والاجاہ محمد علی اور نظام الملک کی طرف سے ذرا بھی صلح کی سلسلہ جنبانی ہوئی تو آپ نے اتحاد بین المسلمین کے خیال سے فوراً صلح کر لی جس کا ثبوت اسی کتاب کے گزشتہ اوراق میں ملتا ہے۔

بحری طاقت

حیدر علی کے کارناموں میں یقیناً یہ سب سے بڑا اور نمایاں کارنامہ ہے کہ بندرگاہ منگلور پر قبضہ کرنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ نہ صرف تجارت بلکہ ملک کی مدافعت کے لئے بحری طاقت کی ضرورت ہے۔ انہوں نے یہاں جہازات بنانے کا ایک کارخانہ قایم کیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسلسل جنگوں میں مصروفیت اور ہندوستانیوں کو جنگی جہازوں کی تعمیر سے ناواقفیت کی وجہ سے اس شعبہ کو زیادہ ترقی نہیں ہوئی۔ تاہم ان کی وفات کے وقت ایک بڑا اور سات چھوٹے جہازات موجود تھے۔ اگر اس شعبہ کو ترقی ہوتی تو یقیناً میسور کی دوسری جنگ میں ان جہازات سے بہت مدد ملتی۔ اس سے قطع نظر یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ حیدر علی کی بلند نظری کس قدر وسیع تھی۔ انگریزی مورخین نے حیدر علی کی تعریف میں سب سے بڑھ کر انکے اسی کارنامہ کی تعریف کی ہے۔

نواب حیدر علی کے متعلق مورخین کی آراء

تاریخ رولرس آف انڈیا میں نواب حیدر علی کی نسبت لکھا ہے :-

"حیدر علی کو تمام جانوروں میں شیرزہ نہایت پسند تھا۔ حیدر علی میں بھی یہی صفات موجود تھے۔ ان میں شیرزہ کی سی شجاعت و بہادری موجود تھی اور جس طرح جانوروں میں شیرزہ کی صفات میں خوبصورتی اور نفاست میں شرافت موجود ہے۔ حیدر علی میں بھی موجود تھی اس لئے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حیدر علی ہندوستان کا شیرزہ تھا۔

بہت سی باتوں میں وہ ایک ایسا شخص تھا جس نے اپنے وقت میں دوسروں سے اپنے آپ کو برتر و فائق ثابت کیا۔ اور خصوصاً اس کی سچائی اور معاملات میں راستی نے اس کو ممتاز بنا دیا تھا۔ ہندوستان میں انگریزوں کو حیدر علی سے بڑھ کر طاقتور رقیب اور کوئی نہیں ملا۔ حیدر علی کی فراست اور دانائی کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت ہی نہیں ہو سکتا کہ حیدر علی نے ہندوستان کی اصلی کمزوری کا راز پہچان لیا تھا۔ یعنی یہ کہ خشکی پر قبضہ رکھنے کے لئے بحری طاقت کی ہندوستان کو سخت ضرورت ہے۔ جس کے فقدان کی وجہ سے ہندوستان کے ساحل غیروں کے رحم و کرم پر ہیں۔ اس لئے اس نے ایک بحری طاقت کی بنیاد رکھی۔ حیدر علی کے پیش نظر دو خاص مقصد تھے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے بدست بحری طاقت قائم کی جائے اور دوسرا جنوبی ہندوستان میں ایک بڑی شہنشاہیت قائم ہو پہلے مقصد میں

حیدر علی کو اتنی کامیابی نہیں ہوئی تھی کہ دوسری میں۔ چنانچہ بیس سال کے
قلیل عرصہ میں اس نے ایک ایسی سلطنت اور شہرت حاصل کر لی جس کی وجہ سے آج
بھی لوگ اسکے نام کی تعریف، توصیف و تنظیم کرتے ہیں۔"

حقیقت میں حیدر علی نے ایک ایسی وسیع اور زبردست سلطنت کی بنیاد رکھی جو اسی ہزار مربع میل پر پھیلی ہوئی تھی اور اسکے ماتحت کے نواب اور راجگان خراجگزار تھے اور اس لحاظ سے اگر حقیقت دیکھی جائے تو نواب حیدر علی ایک بادشاہ نہیں بلکہ شہنشاہ تھے لیکن چونکہ حیدر علی کے نام کے ساتھ نواب عام طور پر مشہور ہو گیا ہے اس لئے ہم نے بھی اپنی تاریخ میں حیدر علی کو نواب کے خطاب ہی سے منسوب کیا ہے۔

ایک ہندو مورخ اپنی تاریخ میں جو انگریزی زبان میں ہے لکھتا ہے:

"انگریزوں کو اپنی سلطنت قائم کرنے کے لئے ہندوؤں، مرہٹوں، جاٹوں، گورکھے اور سکھوں سے کئے مشہور و معروف زبردست لڑائیاں لڑنی پڑیں۔ مگر ان میں سب سے زیادہ اگر کوئی طاقتور دشمن انہیں ملا تو وہ حیدر علی تھا جس کو انگریز شکست نہ دے سکے۔ ۱۷۶۹ء سے پیشتر تک اس نے اپنی بہادری کا سکہ انکے دل پر بٹھا دیا۔ اس کا مدراس کا مشہور محاصرہ ایک ایسا تاریخی اور جنگی کارنامہ ہے کہ جو تا عمر یاد رہے گا مگر اس کے ساتھ ہی اس کے دل میں اس قدر رحم اور وسعت تھی کہ اس نے مدراس پر قبضہ نہیں کیا جو اس کیلئے ایک آسان بات تھی۔ اگر اس وقت مدراس پر حیدر علی کا قبضہ ہو جاتا تو جنوبی ہندوستان میں اسی وقت انگریزوں کا قصہ ختم تھا۔ اسکے بعد کی جنگ میں بھی اکثر اس قسم کے مواقع حاصل ہوئے مگر قسمت ہندوستان کے خلاف تھی۔ حیدر علی کی وفات انگریزوں اور مرہٹوں کے لئے ایک نقصان عظیم کا باعث ہوا۔ اسکی وفات کی خبر سنتے ہی مرہٹوں نے ہتھیار رکھ کر انگریزوں سے بمقام سالبی

انگریزی شرائط پر صلح کر لی۔

حیدر علی اگرچہ ایک جاہل مسلمان اور زبردست سپاہی تھا مگر تعصب مذہبی سے بالکل مبرّا تھا۔ وہ ایک اولوالعزم سپاہی اور ایک عمدہ شہسوار تھا۔ حیدر علی کی زندگی میں اس کے مقابل کا کوئی اور جنرل ہندوستان میں نہیں نکلا بلکہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں بھی اس پایہ کے لوگ بہت کم پیدا ہوئے ہیں۔ حیدر علی ہی صرف وہ ہندوستانی بادشاہ تھا جس نے اپنے ملک کی مدافعت کے لئے بحری طاقت قائم کی۔"

پادری شوارٹز جو ۱۷۷۹ء میں سرنگاپٹم آیا تھا۔ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"حیدر علی کا محل ہندوستانی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ محل کے آگے ایک وسیع میدان ہے اور محل کے دونوں طرف متعلقہ کمروں میں سلطنت کے دفاتر ہیں یہاں شاہانہ سطوت حکومت نہیں کرتی۔ بلکہ باقاعدگی اور سلیقہ شعاری کی حکومت ہے۔ سزا دینے کے لئے دو سو نسقچی ہمیشہ تیار رہتے ہیں اور ان کے ہاتھ سے نہ افسر بچتے ہیں اور نہ شہزادے۔ جب میں حیدر علی کے قریب بیٹھا ہوا تھا تو اس نے تھوڑے وقت میں ایک ہی دفعہ کئی عرضیاں سنیں۔ اور جواب لکھوایا۔ اس کو یہ پرواہ ہی نہیں تھی کہ لوگوں کا مذہب کیا ہے۔ اس نے ہر ایک کو اپنی خواہش اور عقیدے پر آزاد چھوڑ دیا تھا۔ وہ صبح سے شام تک کام میں منہمک رہتا۔ گویا کہ وقت اور کام کا غلام ہے ہر ایک کام خواہ کتنا ہی چھوٹا ہوتا۔ خود ہی نگرانی کرتا۔ یہاں تک کہ خیموں کے لئے رسیاں ہیں یا نہیں۔ وہ بھی خود ہی دیکھتا۔"

نوٹ ۔ پادری شوارٹز جو ۱۷۷۹ء میں سرنگاپٹم میں خاص جاسوسی کے لئے آیا تھا۔ اس نے واپس جاکر میسور کی رانیوں کی جانب سے ایجنٹ کے طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کی تفصیل کتاب سند اینڈ ٹریٹیز میں موجود ہے اور شوارٹز کا دستخط بھی۔ اس سازش کا ذکر "سلطنتِ خداداد کے خلاف سازش" کے عنوان کے تحت کسی اور جگہ دیا گیا ہے۔

حیدر علی کے مظالم کی داستان

انگریزی مورخین نے نواب حیدر علی کو جو بے رحم اور ظالم مشہور کر رکھا ہے اس کا اصلی سبب یہ نہیں ہے کہ ملک کرناٹک نواب کے ہاتھوں سے اجڑ گیا۔ بلکہ ان کو نواب پر اس لئے غصہ ہے کہ انگریزی اسیروں کے ساتھ نہایت بے رحمانہ سلوک کیا گیا اور انکی ختنہ کر کے ان کو مسلمان بنایا گیا۔ ان الزاموں کے ثبوت میں جو کتابیں پیش کی جاتی ہیں ان میں ایک مسٹر جے۔ مرے کی کتاب میمورس آف دی لیٹ وار اور دوسری جیمس اسکری کی اسیری کے حالات ہیں۔ یہ کتاب لندن میں ۱۸۲۴ء میں شائع ہوئی۔

جے مرے اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

"ہمارا قید خانہ میسور کے کمسن راجہ کے وسیع محل کے قریب تھا۔ محل کے سامنے میدان کے مشرقی جانب سلطان کا محل تھا۔ ہمارا قید خانہ اس جگہ تھا کہ ہم انگریزی قیدیوں کو سلطانی محل کے چھت پر چلتے ہوئے دیکھ سکتے تھے مگر انکی باتیں سنائی نہ دیتی تھیں۔ یہاں ہم نے ۱۷ ستمبر ۱۷۸۳ء کو دسہرہ کا تماشا دیکھا۔ جبکہ میسور کا راجہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا دسہرے کے کھیل تماشہ دیکھ رہا تھا۔ سلطان کے حکم سے انگریزی قیدی علیحدہ علیحدہ رکھے گئے تھے جنرل بیلی ایک مسافر خانہ میں مقید تھا۔ جان میتھیوز اور بیرڈ دوسری جگہ تھے۔

عام سپاہیوں کو علیحدہ ایک مربع کمرہ میں قید کیا جاتا تھا۔ اس طرح شہر کے
مختلف حصوں میں قید خانے تھے۔ ہمارا قید خانہ دراصل ایک
گھر تھا۔ جس میں ایک فراخ صحن تھا اور اس کے گرد اٹھارہ فیٹ کی مٹی کی بنی ہوئی
چہار دیواری تھی۔ ہمیں ان قیدیوں سے جو دوسری جگہ تھے بات کرنے کا موقع نہیں
ملتا تھا۔ اس لئے قیدی ان نوکروں کے ذریعہ جو ان پر متعین تھے ایک دوسرے
کو پیغام بھیجتے تھے۔ ایک دھوبی جو ہمارے کپڑے دھونے کے لئے متعین تھا
اکثر اسی کے ذریعہ ہم آپس میں پیغام اور پیسے بھیجتے تھے۔ افسروں کو بیڑیاں
ڈال کر رکھا جاتا تھا۔ بیمار ہونے پر سوائے معمولی بازاری ادویات کے اور
کوئی خاص دوائیاں دی نہیں جاتی تھیں۔ لکھنے پڑھنے کے لئے کتابیں
مہیا نہیں تھیں۔ ہم اپنا فرنیچر (پلنگ کرسی وغیرہ) خود بنا لیتے تھے۔
بیلی اور جنرل میتھیوز اور بہت سے دوسرے افسر اسی حراست میں
مر گئے۔ فریزیر، رمبلی اور سیامسن ان تینوں افسروں کو میسور لے جا کر
قتل کر دیا گیا۔ معائنہ کے دن ہم کو سخت خوف رہتا کہ کہیں ہم کو جبراً مسلمان
بنا کر ملازمت میں داخل نہ کر لیا جائے۔ قید خانے کا افسر سید ابراہیم قیدیوں
پر نہایت مہربان تھا۔ یہ شخص کسی زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازم تھا
اگرچہ وہ سلطان کی ملازمت میں تھا۔ مگر ہمارے متعلق سلطان کی
کوئی بات نہیں سنتا تھا۔ سید ابراہیم کے مرنے کے بعد اس کی اس وفاداری
کی قدر کرتے ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کا مزار تعمیر کیا اور اس کو
عمدہ حالت میں رکھا ہے۔

(نوٹ: سید ابراہیم کی قبر چن پیٹ میں عاقل شاہ کے مقبرے کے قریب واقع

ہے۔ اس پر ایک سادہ گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ (محمود)

ہم اس قید کی حالت میں دن گزار رہے تھے کہ ایک دن سلطان کی جانب سے ایک برہمن نے آکر ہم کو خوشخبری سنائی کہ سلطان اور کمپنی میں صلح ہو گئی ہے اور ہم کل رہا کر دئے جائیں گے۔ اس خبر کو سن کر ہم نے ہمارے پاس جو کچھ پیسہ تھا اس کو جمع کر کے آپس میں ایک دوسرے کی دعوت کی۔ رات بھر اس خوشی میں ہم کو نیند نہیں آئی۔ صبح کو ایک لوہار بیڑیاں کاٹنے آیا۔ ہم ایک پہ ایک گرے پڑتے تھے کہ جلد بیڑیاں کٹ جائیں۔ یہاں تک کہ ہم جو بالکل وحشی بنے رہتے تھے۔ بیڑیاں جلد کٹنے کے لئے ایک دوسرے سے لڑتے تھے۔ آخرکار شام کے تین بجے تک سب بیڑیاں کٹ گئیں۔ جس کے بعد ہم کو سلطانی محل کے پاس لے جایا گیا۔ میدان سے گزرتے وقت ہم نے بہت سے یوروپین لڑکوں کو دیکھا۔ جن کو ختنہ کر کے مسلمان کیا گیا تھا۔ ہم نے ان سے کہا کہ مدراس پہونچ کر ان کی رہائی کی تجویز کریں گے۔ محل میں ہمارے نام لکھ لیکر ہم کو کرنل بریٹ ویٹ کے قیدخانہ میں بھیج دیا گیا۔ شام تک تمام یوروپین یہاں جمع ہو گئے اور ہم قلعہ سے نکل کر سومنات پیٹ پہنچے۔ جو دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ ہم کو یہاں اجازت دی گئی کہ بازار دیکھیں اور دریائے کاویری میں غسل کریں۔ اگرچہ ہماری بیڑیاں کٹ چکی تھیں۔ مگر ہمارے ہاتھ پیر جواب دے رہے تھے۔ اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ ابھی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ آزادی کے ساتھ ہاتھ پیر استعمال کرنے کے لئے ہم کو ایک عرصہ لگا۔ ہماری رفتار دیکھ کر ہمیں خود ہنسی آرہی تھی۔

جیمس اسکری کی کتاب کا اقتباس :-

"ہمارا جہاز "ہنی بال" فرانسیسیوں کے ہاتھ آگیا۔ امیر البحر سفرن نے جون ۱۷۸۲ء
میں ہم کو کڈلور میں حیدر علی کے افسروں کے حوالے کر دیا۔ قیدیوں میں بعض لڑکے بھی
تھے۔ یہاں ان لڑکوں کی ختنہ کر کے ان کے کانوں میں بالیاں ڈالی گئیں۔ انکو قرآن
سکھلانے پر سرجن ڈمپسٹر مقرر رہا جو کمپنی کا ایک مفرور سپاہی تھا۔ قیدیوں کی مجموعی تعداد
ایک سو تھی۔ ہم اس اسیری میں دس سال تک رہے۔ ہماری طویل اسیری درحقیقت ان
انگریزی کمشنروں کی غلطی ہے جنہوں نے صلح کے وقت ہماری رہائی کا مطالبہ نہیں کیا۔
ہمیں سرنگاپٹم لا کر فوج میں بھرتی کر لیا گیا۔ میرے چار ساتھیوں کو چیتلدرگ کی
فوج میں کام کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ یہاں سے ہم فرار ہو کر سرحد پر پہنچے۔ اس
وقت ہمارے جسم پر سلطانی فوج کی وردی، دوپٹہ، بری کپڑے کی قمیص اور کمبل تھی۔
سرحد پار ہو کر ہم ڈاکٹر لٹل کے گھر پہنچے۔ یہاں ہم نے اس کو اپنا حال سنایا۔"

جیمس اسکری کے حالات کا مصنف لکھتا ہے :

"جیمس اسکری جان میڈوس کے ماتحت میسور کی تیسری جنگ میں شامل تھا۔
جس کے بعد وہ انگلستان گیا۔ یہاں شہر ریلائی مرتھر میں اس نے ایک دوکان کھولی
تھی۔ مصنف کتاب لکھتا ہے کہ جیمس دوکان پر بیٹھا ہوا آہیں بھرا کرتا تھا کہ کاش
پھر اس کو سرنگاپٹم کی نیند نصیب ہو۔ اس کتاب میں سرنگاپٹم میں شام کا وقت
جو کھیل تماشے ہوتے تھے ان کا حال بھی مفصلاً درج ہے۔"

اسی کتاب میں اسکری کی زبانی مصنف لکھتا ہے کہ کس طرح سرنگاپٹم میں انگریز
لڑکوں کی شادی ہوئی۔ سلطان کا مقصد شاید یہ تھا کہ اگر ان لڑکوں کی شادی ہو
جائے تو وہ ملک میں مقیم ہو جائیں گے۔ کرناٹک کے حملوں میں بے شمار لڑکیاں حیدر علی

کے ساتھ تھی تھیں جن میں سے چند لڑکیوں کو ہمارے لئے بھیجا گیا تھا انتخاب کا
طریقہ یہ تھا کہ لڑکیاں ایک قطار میں کھڑی کر دی جاتی تھیں اور انکی پشت پر
ہمیں کھڑا کر دیا گیا تھا۔ داروغہ حکم دیتا تھا کہ دونوں صف ایکساتھ پلٹیں اور
جو مقابل ہوئے لیں اس طرح ہر ایک کے حصہ میں چار و ناچار ایک لڑکی آئی۔
ہم کو اس کے بعد صندوق پلنگ وغیرہ دیا گیا۔ اور ہم کو حکم دیا گیا کہ ان لڑکیوں
کو لیکر اپنی اپنی رہائش گاہ پر چلے جائیں۔ ہم کو آسائش گاہ کو جانے کے لئے بازار میں
سے گذرنا ہوتا تھا یہاں لوگوں کا ہجوم اس قدر کثرت سے تھا کہ لڑکیوں میں خلط
ملط ہو گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ مقام پر پہونچتے پر ایک کی عورت دوسرے کے قبضہ
میں تھی۔ اس طرح پھر آپس میں لڑائیاں ہوئیں۔ بلکہ لڑکیاں بھی ایک دوسرے
سے لڑتی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے دشمن بھی ہمارے اس طریق سے
خوش تھے۔ دو ماہ کے بعد ایک قاضی نے آکر ہمارا نکاح کیا۔ جیمس اسکری اپنی
عورت کے متعلق کہتا ہے کہ ارکاٹ کی ایک نوخیز لڑکی تھی جو میری غربت اور
تمام مصائب میں وفاداری کے ساتھ رہی۔ ہماری رجمنٹ کو جس وقت بنگلور
سے دوسری جگہ جانے کا حکم ملا تو میں اور میرے چار ساتھیوں نے فرار ہونیکا تہیہ
کر لیا۔ حکم شام کے وقت آیا تھا۔ میدان میں سپاہی جمع ہو رہے تھے سامنے میں ایک
شخص میرا نام (شمس خاں) لیکر پکارا۔ اس وقت تھا کہ میں اپنی عورت اور بچے کی
صورت کو آخری دفعہ دیکھ رہا تھا میری صورت اور میری حالت سے اس کو کچھ شبہ
پیدا ہو گیا۔ اور وہ ایک قسم کی گھبراہٹ اور بے چینی کے ساتھ مجھ کو دیکھ رہی تھی۔
وہ مجھ سے مختلف سوالات پوچھ رہی تھی جن کا مجھ سے جواب نہ بن آتا تھا۔ میں
نہیں چاہتا تھا کہ جدائی کا لفظ منہ سے نکالوں۔ بغیر بات کئے سہمے میں باہر آگیا۔

اور ہم فرار ہو کر انگریزی علاقہ میں آگئے۔"

(نوٹ:۔ مذکورہ بالا دونوں مضامین کتاب "سیج آف سرنگا پٹم" محاصرہ سرنگا پٹم سے لئے گئے ہیں)

یہ ہیں وہ مظالم جن کی بنا پر حیدر علی اور سلطان کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ اس کے خلاف یہی قیدی جب تک فرانسیسیوں کی قید میں تھے اور انکی جو حالت تھی وہ اسی جیمس اسکری کی زبانی سنیئے:

کپتان اسکری اپنی کتاب اسکریس کیپٹیوٹی میں لکھتا ہے:

"ہم لوگوں نے ایک مدت تک فرانسیسیوں کی قید میں طرح طرح کی اذیتیں پائی۔ آخر ان سنگدلوں نے ہماری قوم کے اسیروں، کو جو تعداد میں پانچسو تھے کئی جہازوں پر سوار کرا دیا۔ چھ ماہ کے بعد ہم سب قلعہ کڈلور میں پہنچے۔ جب یہاں کچھ دن گذرے تو ہم کو حیدر برم جو نواب کے قلعہ حیات میں خاص استحکام رکھتا ہے، لے گئے۔ وہاں اس قلعہ کے درمیان ہم کیا دیکھتے ہیں کہ جا بجا سینکڑوں آدمی بحال تباہ پڑے ہوئے مردہ معلوم ہوتے ہیں۔ اکثر مارے بھوک کے ایسی حالت میں تھے کہ اگر گندے مقام پر ایک سڑی ہڈی کہیں پڑی دیکھتے تو اس کی طرف بھی ہاتھ بڑھا دیتے۔ خوراک ہم لوگوں کی یہاں یہ تھی کہ فقط لگائے کا گوشت اور موٹے چاول کھانے کو ملتے اسی غذا اور شور زمین کا باعث تھا جو ہمارے ساتھ کے اکثر آدمی رو رو کر مر گئے۔ اور اکثر تن و توش والوں کو ہم نے دیکھا کہ گھٹ گھٹ کر تشنج میں انکے اعضا ماؤف ہو گئے۔ خدا جانے فرانسیسیوں کو انگریزوں سے ایسی کیا عداوت تھی، جو ہم سب کو ایسے ظالموں کے حوالے کر دیا۔ کپتان اسکری کہتا ہے کہ جب ہم

قریب دو ماہ کے اس مقام پر بسر ہونے پر ہم میں سے ۲۰ آدمیوں نے لفٹنٹ ولسن کے ہمراہ بھاگنے کا قصد کیا اور ایک رات ہم لوگ کمبلوں کی رسی بنا کر اس کے سہارے سے حصار کے باہر نکل گئے۔ ہم کو کچھ معلوم نہیں ہوا کہ ہم رات بھر بھاگ کر کہاں پہنچے۔ لیکن صبح ہوتے ہی ہم سب گرفتار کر کے واپس لائے گئے۔ ایک شخص ندی میں ڈوب کر مر گیا۔ باقی ۱۹ پھر وہیں رکھے گئے۔ لفٹنٹ ولسن کو ننگا کر کے املی کی ایک چھڑی سے سخت سزا دی گئی۔ باقی لوگوں کے ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں پہنائی گئیں۔ بعد دو دن کے ہم کو اور ایک مستحکم زندان میں لے گئے۔ جہاں ہماری پنڈلیاں چھید کر آہنی بیڑیاں پہنائی گئیں۔ اور ہمارے پاسبانوں کی تعداد دوچند کر دی گئی۔ دو مہینے کے بعد حیدر علی نے حکم بھیجا کہ ہمیں بنگلور لے جایا جائے۔“

حیدر علی پر ایک نظر باز گشت

یوں تو ہندوستان کی خاک سے بہت سے نامور شہنشاہ اور جلیل القدر فاتح پیدا ہوئے لیکن حیدر علی کی زندگی کے حالات ان سے بہت مختلف ہیں۔ بیشک وہ ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوا جب ایک جری انسان اپنی تلوار سے کام لیکر اپنے لئے دولت و ثروت بلکہ تاج و تخت بھی پیدا کر سکتا تھا۔ مگر حیدر علی نے جن مصائب و آفات میں گھر کر ایک سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس کی مثال کم از کم ہندوستان میں تو نہیں مل سکتی۔ اس کی پشت پر کوئی ایسی خاندانی روایات نہیں تھیں۔ جو لوگوں کو اس کا گرویدہ کرتیں یا دولت و امارت نہیں تھی کہ لوگ خود بخود اس کی طرف کھینچ کر آتے۔ اس کا آغاز ایک معمولی آغاز تھا۔ ملازمت کے سلسلے میں اگرچہ وہ سپہ سالار کے عہدہ تک پہنچ گیا تھا لیکن کبھی اس کو یہ خیال تک پیدا نہ ہوا۔ کہ اپنے آقائے نعمت سے غداری کرے۔ اگر اس زمانہ میں جب یہ ڈنڈ بگل کا گورنر تھا یا مرہٹوں پر فتح پا کر انہیں ملک سے نکال باہر کیا تھا اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ اپنے استقلال کی کوشش کرے۔ تو اس کے لئے بہت سی آسانیاں فراہم ہو سکتی تھیں اور اس کا شمار بھی ان غداروں میں ہوتا جن کی حالات سے تاریخ ہند لبریز نظر آتی ہے۔ یہ ایک حیرتناک امر ہے کہ وہ اسی وقت اپنے استقلال کی کوشش کرتا ہے کہ جب مصائب و آفات کی گھنگھور گھٹائیں اس کی زندگی پر بے طرح چھا جاتی ہیں اور اس کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ وہ جن سے نیک سلوک اور اپنی وفاداری کے صلہ کی توقع رکھتا تھا۔ وہی لوگ اسکی جان کے دشمن بن جاتے ہیں۔ یہی وہ وقت ہے کہ اس کا جوہر اصلی ظاہر ہوتا ہے۔ اس کے

بے مثل تدبر کو حرکت ہوتی ہے آزاد ہو کر وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے۔ لیکن یہ انتقام وہ ذلیل انتقام نہیں ہوتا جس کی مثالیں ادنیٰ دل ودماغ والوں میں آسانی سے مل سکتی ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں ایک بہادر تھا۔ اور ایک بہادر انسان اپنے دشمن سے جو سلوک کرتا ہے وہی سلوک اس نے اپنے دشمن سے کیا۔

ان ابتدائی مشکلات سے نپٹ لینے کے بعد حیدر علی جیسی دل ودماغ والی شخصیت کے لئے راجہ میسور کی چھوٹی سی راجدھانی پر قانع رہنا ایک ناممکن امر تھا اس نے ہندوستان کی وسیع سرزمین پر نظر کی۔ یہ وہ وقت تھا کہ مغلیہ سلطنت کی شان وشوکت ختم ہو چکی تھی۔ اور ملک پارہ پارہ بن چکا تھا۔ ایک طرف تو مرہٹی طوفان برق باد بنکر مسلمانوں کی خرمن ہستی کو نشانہ بنا رہا تھا تو دوسری طرف مغربی قومیں اپنی عیاری ومکاری کا جال بچھا کر تمام ملک کو اپنے تسلط میں لانا چاہتی تھیں۔

ایسے وقت حیدر علی ایک آہنی عزم لیکر اٹھا۔ اسکے مطمح نظر مسلمانوں کی سربلندی کے ساتھ ساتھ ابنائے ملک کی فلاح وبہبودی بھی تھی۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے اس نے اپنی ذات کو وقف کر دیا لیکن ملک کی بد قسمتی اور مسلمانوں کے طالع کی خرابی نے نہ صرف ابنائے وطن بلکہ اس کے خاص ہم مذہبوں کو بھی اس کا دشمن بنا دیا۔ مرہٹوں کو گوارا نہیں تھا کہ حیدر علی کو عروج حاصل ہو۔ ارکاٹ اور حیدر آباد کو منظور نہیں تھا کہ یہ بہادر سپاہی اپنے ارادوں میں کامیاب رہے۔ انکی سیاست بالکل سطحی تھی۔ انکے دل ودماغ خود غرضی سے ماؤف ہو چکے تھے۔ انہیں ملک کے مستقبل کی پرواہ نہیں تھی ان کے ساتھ ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی تھی جس کو حیدر علی کے عروج میں اپنی موت کا سامان نظر آ رہا تھا۔ اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس کا اکیس۲۱ سالہ عہد حکومت ہمیشہ میدان جنگ میں گذرا۔

اس کو اپنی وفات تک ہمیشہ دشمنوں سے برسرپیکار رہنا پڑا۔ بلکہ اس کی موت تک میدانِ جنگ ہی میں ہوئی وہ اگر دولت وامارت چاہتا یا عیش وعشرت اس کا مقصد ہوتا تو اس کے لئے میسور کی راجدھانی جس پر وہ قبضہ کر چکا تھا۔ کافی تھی لیکن ہندوستان کی آزادی کی تڑپ اور مسلمانوں کی سربلندی کی آرزو اس کو آمادہ کی کہ حصول مقصد کے لئے ہمیشہ سر اور دھڑ کی بازی لگاتا رہے اور یہ بہادر سپاہی اس سے ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی نہیں جھجکا۔ سنہ ١٧٦١ء سے ١٧٨٢ء تک اگر حیدر علی کی زندگی پر نظر کی جائے تو اس کو کسی ایک سال بھی آرام وچین کی زندگی میسر نہیں ہوئی۔ ٢١ سال کی یہ زندگی ایک طوفانی زندگی تھی جس میں اس کو کامیابی وناکامی اور فتح وشکست سے ہمیشہ دوچار ہونا پڑا۔ ارکاٹ حیدر آباد کے مسلمان، پونا کے مرہٹے، مدراس کے انگریز اور خاص میسور اور اس کے اطراف کے پالیگار، کڑپہ، کرنول اور ساونور کے نواب۔ ان سب میں کوئی نہیں تھا جو حیدر علی کا دوست تھا۔ مگر اس جانباز سپاہی کی مستقل مزاجی یا سخت جانی اور اس کے بے پناہ تدبر نے ان تمام مشکلات میں گھر جانے کے باوجود بھی ایک ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی جو ملک وملت کی آزادی کی ضامن تھی۔ اس نے اپنی وفات کے وقت ایک ایسی سلطنت مسلمانوں اور ابنائے ملک کے لئے چھوڑی جس کا رقبہ اسی ہزار میل اور اس کے حدود دھارواڑ سے لیکر ٹراونکور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے آگے تلوار کے روبرو قلم ایک بے معنی شے تھی۔ اس کا مقولہ تھا کہ "اگر مجھے اپنے جیسا ایک اور شخص مل جائے تو میں دنیا کو فتوحات عمریؓ کا نقشہ دکھا دوں" وہ اُمّی محض تھا لیکن اس کی تدبیر سیاستدانی اور بیدار مغزی کا لوہا دوست ودشمن دونوں تسلیم کر چکے تھے۔ موت کا بے رحم ہاتھ یا ملک کی بدقسمتی سنہ ١٧٨٢ء میں اس کا اگر خاتمہ نہ کر دیتی تو یقیناً ملک کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

نہ جان چکا تھا کہ مسلمانوں کے زوال کے اسباب کیا ہیں اس کو اس بات سے آگاہی تھی کہ مغرب کا تفوق مشرق پر صرف بحری طاقت کی وجہ سے ہے۔ مغرب سے مشرق کو آنے کے لئے راس امید (کیپ آف گڈ ہوپ) کا راستہ اسلامی ممالک کے تمدن، تجارت اور خوشحالی پر ایک کاری ضرب لگا چکا ہے۔ اس لئے کہ جو تجارت مغرب کی مشرق سے یا مشرق کی مغرب سے ہو رہی تھی وہ بری راستے کے ذریعہ تھی اور اس کا گذر ایران و عراق اور عرب و مصر کے درمیان سے تھا۔ راس امید کا بحری راستہ کھل جانے سے تجارت مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر یورپی اقوام کے ہاتھوں میں آ چکی تھی۔ جو ایسی مہلک ضرب تھی کہ جس سے اسلامی ممالک کی عام خوشحالی فنا ہو گئی۔ اور ادھر ہندوستان کا ساحل بحری مدافعت کا سامان نہ ہونے کی وجہ سے اپنا آغوش ہر سمندری قزاق و ڈاکو کے لئے کھلا رکھتا تھا۔ پرتگیزوں نے جو مظالم ہندوستان کے مغربی ساحل پر کئے۔ فرانسیسی اور انگریزوں نے مغربی و مشرقی ساحلوں پر اپنا جو اقتدار جمایا وہ صرف اس بحری طاقت کی وجہ سے تھا۔ حیدر علی نے اس راز کو سمجھ لیا تھا کہ جب تک ہندوستان کے پاس اس کی اپنی بحری طاقت نہ ہوگی۔ اس وقت تک ملک کو مغربی قوموں سے نجات ملنا مشکل ہے۔ اس لئے اس نے ایک بحری بیڑے کے قیام کی طرف توجہ کی۔ اس کے دوسرے کارنامے اگر نظر انداز بھی کر دیئے جائیں تو یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جو اس کو تمام سلاطین ہندوستان میں ممتاز کر دیتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کے ہندو یا مسلمان فرمانرواؤں نے کبھی بحری طاقت کی طرف توجہ نہیں کی۔ ہندوستان کے ساحل ہمیشہ غیر محفوظ رہے ہیں۔ ہندوستان کے ہندو راجاؤں کو معلوم تھا کہ محمد بن قاسم کا ساحل سندھ پر کامیاب حملہ عربوں کی بحری طاقت کا نتیجہ تھا۔ لیکن ہندوستانیوں نے پھر بھی اس طرف توجہ نہیں کی اس کے بعد یہ ہندوستان کی خوش قسمتی تھی کہ اس کے ساحلوں پر

کوئی قوم حملہ آور نہیں ہوئی۔ اور جو حملے بھی ہوئے۔ وہ بری راستوں سے ہوئے۔ یہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا کہ بحری راستوں سے مغربی قومیں ہندوستان میں آئیں۔ اکبر کے بعد سلاطین مغلیہ میں جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب نہایت شان و شوکت کے شہنشاہ ہوئے۔ اور یہی وہ زمانہ تھا کہ مغلیہ سلطنت کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا۔ باوجود اس فراست و دانائی کے اور باوجود تمام ذرائع مہیا رہنے کے بھی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سلاطین مغلیہ نے کبھی اس آنیوالے خطرہ کی طرف توجہ نہیں کی۔ جو نہ صرف انکی سلطنت بلکہ آخر کار تمام عالم اسلام کے لئے زوال کا باعث ہوا۔ انہیں معلوم تھا کہ تجارت غیروں کے ہاتھ میں جا رہی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ حاجیوں کے جہازات لٹ رہے ہیں۔ انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ ہندوستان کے ساحل بالکل غیر محفوظ اور خصوصاً جنوب مغربی ساحل پرتگالیوں کی جولانگاہ بنا ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ انکی اس وقت کی سیاست کچھ اور ہو۔ انہیں اپنی بری طاقت پر گھمنڈ تھا۔ اور وہ مستقبل سے بے نیاز تھے۔

اسی طرح جنوب کی وہ زبردست اور عظیم الشان سلطنت جس کا نام وجیا نگر ہے اس نے بھی اپنے ساحلوں کی حفاظت اور بحری بیڑے کی طرف بالکل توجہ نہ کی بلکہ اس کے برخلاف وہ پرتگالیوں کو مدد دیکر ان کے ذریعہ دکن کی اسلامی سلطنتوں کو ختم کر دینا چاہی۔ دکن کی اسلامی سلطنتوں کو بھی کبھی اس طرف خیال نہیں آیا۔

یہ سعادت صرف ٹیپو کے اس جانباز سپاہی کے حصہ میں آئی۔ جو جان چکا تھا کہ ہندوستان کا مستقبل کس قدر خطرے میں ہے۔ اسی لئے اس نے بحری جنگی بیڑے کی بنیاد رکھ دی۔ ہندوستان کی تاریخ اس کے اس زرین کارنامے پر جس قدر بھی فخر کرے۔ بجا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس بات پر ناز ہے کہ اس کا جنگی نظام ہمیشہ ہندوستانیوں سے

ممتاز رہا ہے۔ اور اسی لئے انہیں ہندوستانیوں پر فتح حاصل ہوتی رہی ہے۔ لیکن اسی قوم کو اعتراف ہے کہ حیدر علی کا جنگی نظام ان کے اپنے اس وقت کے نظام جنگ سے بھی بہتر تھا۔ کرنل اسمتھ کی ناکامیابی، کرنل بریٹ وائیٹ کی شکست، میجر منرو اور سر آئر کوٹ کی پسپائی، اور مدراس کا محاصرہ اس امر کا ثبوت دے رہے ہیں کہ اسکی جنگی چالیں اس کے حریفوں سے بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ اسی لئے تمام مغربی مورخین کو بھی اپنی تاریخ میں اعتراف کرنا پڑا کہ:

> "ہندوستان میں انگریزوں کو حیدر علی سے بڑھ کر اور کوئی زبردست حریف نہیں ملا۔ تمام بڑے بڑے موقعوں میں اس نے انگریزوں کو شکست فاش دی بلکہ ہندوستان میں انگریزوں کی ہستی اسکے رحم و کرم پر منحصر ہو گئی تھی۔"

یہ ترکی کی خوش قسمتی تھی کہ وہاں موجودہ زمانہ میں مصطفےٰ کمال کی ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی۔ جس کی زندگی کے حالات بالکل حیدر علی سے ملتے جلتے ہیں۔ مصطفےٰ کمال بھی ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوتا ہے۔ سپہ سالار کے عہدہ پر ترقی کرتا ہے۔ دردانیال (گیلی پولی) میں ملک و ملت کے دشمنوں کو وہ زبردست شکست دیتا ہے کہ پھر ان کو اس طرف رخ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ لیکن اس کا صلہ اس کو یہ ملتا ہے کہ اس کو اناطولیہ میں جلاوطن کر کے اس کے سر کے لئے انعام مشتہر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حیدر علی بھی ایک معمولی خاندان میں پیدا ہوتا ہے۔ سپہ سالاری کے عہدے پر ترقی کرتا ہے۔ ملک کو مرہٹوں کے آہنی پنجے سے رستگاری دلاتا ہے۔ اس کا صلہ بھی اس کو وہی ملتا ہے جو مصطفےٰ کمال کو ملا۔ جس طرح مصطفےٰ کمال پر یونانیوں کو مسلط کر دیا جاتا ہے اسی طرح حیدر علی پر مرہٹوں کو مسلط کیا جاتا ہے۔ جس طرح مصطفےٰ کمال نے سقاریہ کی جنگ میں ٹڈی دل یونانیوں کے پرخچے اڑا کر ایک آزاد سلطنت قائم کرتا ہے اسی طرح مرہٹوں اور میسور کے راجہ کی ٹڈی دل فوج کو شکست فاش دیکر حیدر علی نے بھی ایک آزاد سلطنت قائم کی تھی۔ مصطفےٰ کمال

بھی ہر وقت اپنے سر کی بازی اسی طرح لگاتا ہے۔ جس طرح حیدر علی نے لگائی تھی۔ حیدر علی پر جس طرح آفات و مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور جس طرح اس نے ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اسی طرح مصطفیٰ کمال بھی کبھی ہراساں نہیں ہوا۔ استقلال حاصل کرنے کے بعد مصطفیٰ کمال کو مہلت ملی کہ اپنی قوم کو بام ترقی پر پہونچانے کے وسائل اختیار کرے۔ اس کی پوری قوم اس کی شریک حال رہی۔ لیکن حیدر علی کو کوئی ایسا موقع نہیں ملا۔ اس کے اہل وطن (جیسے مرہٹے) اور اس کے ہم مذہب مسلمان (ارکاٹ و حیدرآباد) اور بیرونی دشمن (ایسٹ انڈیا کمپنی) نے اس کی پوری زندگی میں اس کو چین سے بیٹھنے نہیں دیا لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنی وفات کے وقت ایک ایسی طاقتور اور زبردست سلطنت چھوڑ جاتا ہے۔ جو ترکوں کی موجودہ سلطنت سے زبردست اور رقبہ میں اس سے کئی گنا بڑھ کر تھی۔ اور جو دشمنوں کے دلوں میں خار بن کر کھٹکتی رہی۔ اور جب تک اس کو بالکل ختم نہ کر دیتے ایسٹ انڈیا کمپنی اور مرہٹے نیز خود مسلمانوں کو بھی صبر نہ آیا۔

خدا رحمت کرے ہندوستان اور عالم اسلام کے اس زبردست ہیرو پر جو ہندوستان کا نجات دہندہ بن کر آیا تھا۔

ابوالفتح

فتح علی ٹیپو سلطانؒ

درمیانِ کارزارِ کفر و دیں
ترکشِ ما را خدنگِ آخریں

ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان رح

پیدائش خاک دیون ہلی کی تقدیر چمک اٹھی۔ سنہ ۱۱۶۳ھ (مطابق ۱۷۵۲ء) ۲۰ ماہ ذی الحجہ روز شنبہ کی پہلی ساعت میں بطنِ حیدر و فاطمہ (سلطان کی والدہ کا نام فاطمہ بیگم تھا) سے وہ لعل شب تاب پیدا ہوا جس کی نظیر ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کی تاریخ بھی بمشکل پیدا کر سکے گی جس طرح اسکی پیدائش عجیب و غریب حالات کے تحت میں ہوئی۔ اسی طرح اسکی زندگی اور موت کے حالات بھی حیرت انگیز ہیں۔

نوٹ:۔ دیون ہلی بنگلور سے شمال مشرق کی طرف تقریباً بائیس میل پر ایک قریہ ہے یہاں قلعہ سے باہر جس مکان میں سلطان کی پیدائش ہوئی۔ وہاں پر ایک چبوترہ اور چار دیواری بناکر ایک کتبہ نصب کیا گیا ہے جس میں سلطان کی تاریخ پیدائش کندہ ہے۔ یہ مکان اب نہیں ہے۔ صرف چار دیواری کے اندر چبوترہ اور کتبہ موجود ہے۔

نواب حیدر علی کا کاشانۂ اقبال اس درِ مقصود سے خالی تھا جس کو اولاد کہتے ہیں اس لئے بذریعۂ روحِ پُرفتوح حضرت ٹیپو مستان ولی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی مزار شہر ارکاٹ میں ہے) بارگاہِ ایزدی میں دعا مانگی گئی کہ بخشش اولاد سے یہ خاندان بہرہ ور ہو۔ دعا مقبول ہوئی اور حسبِ منت جب شہزادۂ بلند اقبال پیدا ہوا۔ تو حضرت ٹیپو مستان کے نام نامی پر اس کا نام ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان رکھا گیا۔

اس شہزادۂ بلند اقبال کے تولد کے ساتھ ہی آسمانی برکات کا نزول اس طرح ہونے

لگا کر فوجی ملازمت سے ترقی کرتے ہوئے ایک سال کے اندر ہی امور حیدر علی ڈنڈیگل کے گورنر بھی ہو جاتے ہیں۔ (اور دن بدن ترقی کرتے ہوئے) تھوڑے ہی عرصہ میں ریاستوں کی ریاست اور بادشاہوں کے تخت و تاج ان کی قوت بازو کے مرہون احسان بنجاتے ہیں۔ انکے اسپ صبا رفتار کی جولانی سرزمین جنوبی ہند میں زلزلہ ڈالدیتی ہے۔ ایک جانب نظام ارکاٹ اور حیدرآباد کی اسلامی ریاستیں کبھی ان کا دم بھرنے لگتی ہیں اور کبھی ان کو مٹانے کے لئے غیر اقوام کے ساتھ مل کر سازش کرتی ہیں۔ دوسری جانب مرہٹے انگریز اور فرانسیسی بھی اس بڑھتی ہوئی طاقت سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔ دریائے کرشنا سے جنوب میں جس قدر ملک ہے۔ وہ نشان حیدری کے سایہ حفاظت میں آجاتا ہے ریاست میسور جو صرف ۳۳ دیہات پر مشتمل تھی۔ ایک وسیع اور عریض سلطنت بنجاتی ہے

بچپن

سلطان کی پیدائش جن حالات کے تحت ہوئی اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی پرورش اور تربیت کے متعلق والدین نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا جس وقت سلطان کی عمر کا پانچواں سال شروع ہوتا ہے۔ عربی اور فارسی کی تعلیم کے علاوہ امور جہانبانی کی تعلیم کے لئے اعلےٰ پیمانہ پر انتظام کیا گیا۔ فنون سپہ گری اور شہسواری سکھلانے کے لئے بڑے بڑے مشہور استاد ملازم رکھے گئے۔ ٹیپو سلطان نے پندرہ سولہ برس کی عمر میں خود کو ایک لائق شہزادہ اور بہادر سپاہی ظاہر کیا۔ اور باپ کے ساتھ لڑائیوں میں شامل ہونے لگا اس کے بعد باپ کے حکم سے بطور خود میدان کارزار میں جاکر طریقۂ جنگ سے کامل واقفیت حاصل کی۔

بچپن کے حالات میں سب سے زیادہ دلچسپ اور حیرتناک امر یہ ہے کہ جب ٹیپو سلطان کی عمر چھ یا سات سال کی تھی تو وہ سرنگاپٹم میں اس جگہ جہاں اب مسجد اعلیٰ ہے۔ کھیل

رہا تھا، کہ ایک فقیر روشن ضمیر کا گذر اس طرف سے ہوا۔ (حیدر علی راجہ میسور کی ملازمت میں نایک کے عہدے پر تھے۔ اور اس وقت زیرِ عتاب تھے) اس نے بچے کو دیکھ کر کہا کہ:-

"تیری خوش نصیبی ایک دن تجھے اس ملک کا حکمراں بنائیگی اور جب وہ وقت آئیگا۔ تو اس جگہ ایک ایسی مسجد تعمیر کر جو زمانہ میں تیری یادگار رہے"

بچے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:-

"جب وہ بادشاہ ہوگا تو ضرور ایسا کرے گا"

خدا کی شان کہ باپ شہر سے دور، راجہ میسور کا معتوب ہو کر اپنی آخری بازی میدانِ جنگ میں گھوڑے دوڑ سے کھیل رہا ہے۔ ماں اور دیگر عزیز و اقارب قلعہ میں اسیر ہیں۔ مگر بچہ یقین کے ساتھ کہہ رہا ہے کہ فقیر کی ہدایت کی تعمیل لفظ بلفظ کرے گا اور دنیا نے دیکھ لی کہ فقیر کی پیشین گوئی کس طرح پوری ہوئی اور سلطان نے اپنا وعدہ کس خوبی سے پورا کیا۔

جوانی اور ایامِ ولیعہدی شہزادہ ٹیپو نے جبکہ اس کی عمر پندرہ سال کی تھی اپنے نامور و شجیع باپ حیدر علی خان بہادر کے ساتھ رہکر فنونِ جنگ کی عملی تعلیم حاصل کی یہاں تک کہ دو سال کے عرصۂ قلیل میں وہ اپنی خداداد قابلیت سے ایک بہت بڑا سپاہی، لائق جنرل اور فاضل اہل قلم بن گیا یہاں تک کہ فوجوں کی علیحدہ کمان اس کے تفویض کر دی گئی۔ تخت نشینی تک سلطان کے کارنامے حالات نواب حیدر علی میں لکھے جا چکے ہیں مگر یہاں دوبارہ سلسلہ قایم رکھنے کے لئے اجمالاً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

جس وقت سنہ ۱۷۷۱ء میں سلطان کی عمر ۲۱ سال کی تھی تو نواب حیدر علی خاں نے اس کو آٹھ ہزار سوار جوشن پوش اور بائیس ضرب توپ دیکر مرہٹہ سپہ سالار تریمبک راؤ کے مقابلے میں بھیجا۔ سلطان نے پائین گھاٹ میں اتر کر میدان کادیری میں ڈیرے نصب کئے۔ اس وقت معلوم ہوا کہ مرہٹہ فوج دہر میسوری کو لوٹ رہی ہے۔ اور گاؤں گاؤں کی لوٹ کا سامان بھی انکے ساتھ ہاتھی گھوڑوں پر لدا ہوا موجود ہے۔ سلطان یہ حالات دیکھ کر خود بھی بھیس بدل کر لوٹنے والوں کے ساتھ شامل ہو گیا گویا وہ بھی مرہٹی فوج کا کوئی سردار ہے۔ جب لوٹ بھر چکی تو مرہٹے سامان لادکر چلنے لگے۔ اسی وقت یکایک بحکم سلطانی مرہٹی سپاہ پر گولیاں برسنی شروع ہو گئیں۔ آخر دشمن سب اسباب چھوڑ کر فرار ہوا۔ سلطان چار ہزار گھوڑے سینکڑوں بیل اور اونٹ نیز بیس ہاتھی جن پر تمام اسباب سامان لدا ہوا تھا اپنے قبضہ میں لیکر صحرائے ماگڑی کی طرف واپس ہوا۔

اس جنگ میں دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ صحرائے ماگڑی درگ میں سلطان چھ ہزار سوار اور تین ہزار شتر سوار اور تین ہزار پیادے اور توپ خانہ کے ساتھ خیمہ زن تھا رائے پنی کی ندی کے قریب مرہٹی فوج کے رسد کا قافلہ آکر اترا۔ اس قافلہ میں اٹھتیس ہاتھی سینکڑوں اونٹ اور بیل۔ بہت بڑا خزانہ اور حفاظت کے لئے دس ہزار سوار موجود تھے۔ سلطان نے رات کے وقت شبخون مارا اور قتل عام شروع کر دیا۔ صبح ہوتے ہوتے دشمن کی سب فوج کٹ گئی اور جو کچھ بچے وہ بھاگ گئے۔ آخرکار صبح ہو گئی۔ ٹیپو سلطان نے اس تمام باربرداری اور اسلحہ کو سرنگاپٹم روانہ کر دیا۔

جب یہ خبر تریمبک راؤ سپہ سالار افواج مرہٹہ کو پہنچی تو اس کے ہوش وحواس جاتے رہے اور اس کے ساتھ ہی پونا میں کچھ ایسے واقعات ہو گئے کہ وہ نواب حیدر علی سے صلح کر کے پونہ کو روانہ ہو گیا۔

انگریزوں سے پہلی جنگ

اس جنگ کا آغاز ۱۷۶۷ء میں ہوا۔ اس وقت سلطان کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ اس جنگ میں نواب حیدر علی خان بہادر نے اپنے لائق فرزند ٹیپو سلطان کو سات ہزار کی جرار فوج دیکر نگر کی جانب روانگی کا حکم دیا۔ ٹیپو سلطان نے بندرگاہ کوڑیال میں پہونچکر انگریزی فوج کو دیکھتے ہی اندازہ کرلیا کہ وہ اپنی سات ہزار کی فوج سے دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اس لئے اس نے ایک طویل مراسلہ والد کی خدمت میں مزید کمک کے لئے بھیجا۔ حیدر علی بذات خود اپنے ساتھ بہت بڑی کمک لیکر آ پہنچے۔ اور ٹیپو سلطان کو قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ سلطان نے قلعہ فتح کرلیا۔ انگریزی سپہ سالار شکست کھاکر ساحل کی طرف مع اپنی فوج کے چلاگیا اور وہاں سے جہاز میں سوار ہوگیا۔ اس نمایاں کامیابی پر باپ نے بیٹے کی بہت تعریف کی۔

اسی جنگ میں جبکہ نظام، مرہٹے اور انگریز مل کر مختلف محاذ پر حملے کررہے تھے۔ تو نواب حیدر علی نے فوج دیکر ٹیپو سلطان کو مدراس پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ سلطان کا دھاوا ایسی عجلت اور سختی سے ہوا کہ مدراس کے انگریز سراسیما اور پریشان ہوکر نواب حیدر علی کی پیش کردہ شرائط پر صلح کرنے کے لئے مجبور ہوگئے۔

اسی سال کڈپہ، کرنول، بلاری، اناگندی اور دھاڑ واڑ پر لشکر کشی ہوئی اور بہ حیثیت سپہ سالار نوجوان شہزادہ نے ان سب میں حصہ لیا۔ جہاں جاتا تھا۔ فتح و ظفر اس کے ہمرکاب رہتی تھی۔

شادی

جب ان لڑائیوں سے فرصت ہوئی اور نواب حیدر علی خاں مظفر و منصور سرنگاپٹم واپس آئے۔ تو مناسب جانا کہ شہزادۂ والا تبار اور خاندان کی دوسری شادیوں سے فرصت پائے۔ چنانچہ ۱۷۷۴ء میں ٹیپو سلطان کی شادی

حسب مرضی نواب حیدر علی خان امام صاحب بخشی نائطہ کی لڑکی سے اور حسب تجویز خواتین محل رقیہ بانو صبیہ لالہ میاں شہید چرکولی دختر امیر برہان الدین سے ہو گئی۔ دونوں نکاح ایک ہی شب میں ہوئے۔

نظام اور مرہٹوں سے جنگ ابھی ان شادیوں سے فرصت نہ ہوئی تھی کہ نواب حیدر علی خان بہادر کو نظام، مرہٹے اور انگریزوں سے جنگ پیش آئی۔ ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء میں قلعہ ڈگتی فتح ہوا اور ۱۱۸۱ھ سے لیکر ۱۱۹۱ھ تک (مطابق ۱۷۶۷ء سے ۱۷۷۹ء) قلعہ چیتلدرگ علاقہ کڑپہ اور کنجی کوٹہ فتح کر لیے گئے اور ۱۱۹۴ھ مطابق ۱۷۸۰ء میں پھر میسور کی دوسری جنگ شروع ہو گئی ان مذکورہ بالا جنگوں میں سلطان ہر جنگ میں شریک رہا۔

میسور کی دوسری جنگ تاریخ شاہد ہے کہ نواب حیدر علی خان کو جن انگریز جنرلوں سے مقابلہ پڑا ہے ان میں سب سے زیادہ ہشیار کرنل بیلی اور سر آئر کوٹ تھے بیلی کو جو شکست فاش ہوئی۔ اس میں ٹیپو سلطان کی کارگذاری کو بہت بڑا دخل ہے۔ جنرل سر آئر کوٹ ایک جہاندیدہ اور تجربہ کار اور بڑا آزمودہ جنرل تھا۔ جس نے نواب حیدر علی کی فوجوں کو بھی شکست دی تھی جس وقت محمود بندر پر لڑائی ہو رہی تھی تو نواب حیدر علی خان بہادر نے اپنی فوجوں کی کمان شہزادہ والا تبار ٹیپو سلطان کے ہاتھ میں دیدی تھی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ٹیپو سلطان نے کہاں تک فنون جنگ میں ترقی کی تھی۔

حیدر علی کی رحلت ابھی میسور کی دوسری جنگ ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ملیبار کے ناروں نے بغاوت کر دی تھی چنانچہ سلطان اپنے باپ کے حسب الحکم ناروں کی تنبیہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ اور حیدر علی خان ارکاٹ سے سولہ میل شمال کی جانب خیمہ زن تھے کہ پیام اجل

آ پہنچا اور ۱۱۹۵ھ کی اخیر شام یعنے ۱۱۹۶ھ (مطابق ۱۷۸۲ء ۷ دسمبر) کی چاندرات کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

سلطان کو منگلور کے قریب نواب حیدر علی کا خط ملا۔ جو کہ وفات سے ایک روز پیشتر لکھا گیا تھا۔ جس میں یہ تحریر تھی:-

"نور چشم راحت جان پدر را

ورود سرور نے کہ تم کو اس نواح کے متمردوں کی تنبیہ و تادیب سے قرار واقعی جمعیت خاطر اور اطمینان کلی حاصل ہو تو چشم پدر کو اپنے دیدار راحت آثار سے جلد روشن اور مسرور کرو۔ اور اگر کچھ ملک اور فوج کی احتیاط ہو تو اس کا حال گذارش کرو۔ فقط"

خط کے ملتے ہی سلطان بسرعت تمام ارکاٹ کی جانب روانہ ہوا۔ نواب حیدر علی کی وفات کو امرا اور سرداران فوج نے ملکی مصلحت کے پیش نظر نہایت پوشیدہ رکھا تھا۔ سلطان کو جب والد کے انتقال پرملال کی خبر ملی تو انکے رنج و غم کی کوئی انتہا نہ رہی۔

اس عرصہ میں شہزادہ کریم شاہ نواب حیدر علی کے فرمان سے کاروبار سلطنت چلا رہا تھا سلطان جس وقت سرنگاپٹم پہونچا تو کریم شاہ نے بڑھ کر استقبال کیا۔ اور تمام امور مملکت کو سلطان کے تفویض کر دیا۔

سلطان کی تخت نشینی

حیدر علی کی وفات کے بعد اب وہ وقت آ پہنچا کہ فقیر کی پیشین گوئی پوری ہو گئی یعنے ٹیپو سلطان نے ۲۰ محرم ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۲ء روز یکشنبہ کو تاج شاہی زیب سر

کیا۔ ارکان دولت کو خلاع فاخرہ سے سرفراز کیا گیا۔ فوج کو انعام دیا گیا۔ محفل جشن آراستہ ہوئی۔ امرائے دولت و اعیان سلطنت نے نذریں پیش کیں۔ مبارک سلامت کی دھوم ہوئی۔ تخت نشینی کی اطلاع کے لئے خطوط، رقعے، فرمان، پروانے چاروں طرف روانہ کئے گئے۔ تمام ملک کے ناظموں، قلعداروں، اور افسران فوج کو لکھا گیا کہ جو جہاں ہے اپنا فرض منصبی نہایت خوبی اور اطمینان سے ادا کرتا رہے۔ اسی طرح میر صادق اور پورنیا دیوان از سر نو وزیر مالیات مقرر ہوئے۔ ملا فیروز اپنی تاریخ فتوحات برطانیہ میں سلطان کی تخت نشینی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

سران سپہ محفل آراستند ‌‌ ہمہ دست بر سینہ برخاستند
بگفتند کای شاہِ گردوں سریر ‌‌ ہمہ چاکر، ہمسر فرماں پذیر
سر ما ست بر خط فرماں بری ‌‌ ز تو حکم کردن، ز ما چاکری
نثر سیم از آتش و آب و خاک ‌‌ فدای تو ہوا خواہیت جان پاک
چو سلطان لقب یافتی از تخت ‌‌ کنون تخت و تاج شہی زان تست
پسر در جہاں آں بود نیک نام ‌‌ کہ بر تر نہد از پدر چند گام
ز رخسار چوں ماہ برکش نقاب ‌‌ نہاں چند داری بابر آفتاب
چو ایزد ترا داد فرِ شہی ‌‌ بتقدیم فرماں مکن کوتہی
سکندر صفت ملک تسخیر کن ‌‌ سر دشمناں زیر شمشیر کن
بزن سکہ خویش بر سیم و زر ‌‌ کہ از سکہ نام شہاں شد سمر
بسر جای دہ تاج شاہنشہی ‌‌ بنا پائے بر تخت فرماں دہی

بفتح و ظفر پا کے نہ در رکاب　　جہانگیر شو چوں بلند آفتاب

پسے نامداراں و گردن کشاں　　پئے خدمت تنگ بستہ میاں

اگر حکم سازی بہ وقتِ وغا　　بجز جوہر در آہن بسازیم جا

بفرمانت ای شاہ مالک رقاب　　بدریا نبازیم ہمچوں حباب

بفرمانت ای شہ در آذر رویم　　نداریم غم چوں سمندر رویم

باقبالت اے سرور دیں پناہ　　ربائیم از فرق کیواں کلاہ

خدایا در و بخت یار تو باد　　جہاں از کرم زیر بار تو باد

سریر تو باد اسپہر بریں　　سم مرکبت باد تاج زمیں

سرِ جا سداں زیر پائے تو باد　　ہمہ عیش عالم برائے تو باد

جس وقت حیدر علی کی وفات ہوئی تھی اس وقت انگریزوں سے جنگ کا خاتمہ نہ ہوا تھا اور مختلف محاذ پر لڑائیاں برابر جاری تھیں۔ رسم تخت نشینی سے فارغ ہو کر سلطان نے پھر جنگ کی طرف توجہ کی۔ دو ہزار فرانسیسی سپاہی کمک کے لئے روانہ کئے گئے۔ اس وقت انگریزی فوج جنرل اسٹیورٹ اور جنرل لانگ کے ماتحت وانڈی واش میں پڑی ہوئی تھی۔ سلطان نے ممردا ور ٹلور کے راستے سے وانڈی واش پر بڑھ کر پانچ میل پر قیام کیا اور جنگ کے لئے فوجوں کو ترتیب دی۔ مگر دوسرے ہی دن انگریزی فوج بغیر کسی جنگ کے گورنر مدراس کے حکم پر اپنا بوریہ بستر سنبھال کر مدراس چلی گئی۔ سلطان اپنی فوجوں کو لیکر ترد نور کی طرف بڑھا اور ڈیرے ڈال دیئے۔

بغاوتیں اسی اثنا میں خبر آئی کہ نواب کے لے پالک لڑکے ایاز خاں نے ملیبار

میں باغی ہو کر کوڑیال بندر اور منگلور کمپنی کی انگریزی فوج کے حوالے کر دیا ہے۔ اور دوسری طرف انچے شامیا دار السلطنت سرنگاپٹم میں قلعہ دار سے سازش کر رہا ہے کہ حرم سرائے سلطانی کو مقید کر کے دار السلطنت پر قبضہ کر لے۔ تیسری طرف کرپہ کے نواب عبد الحکیم خاں کے بھائی نے انگریزوں سے مچھلی بندر میں خفیہ طور پر معاہدہ کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے اور اسی طرح کنانور میں بالیا منہ نے سرکشی کی ہے۔

ان خبروں کے موصول ہوتے ہی سلطان نے بدر الزماں خاں ناظم، صلابت خاں بخشی، میر غلام علی اور میر معین الدین کو تنیپر پائیں گھاٹ کے لئے یعنی انگریزوں سے جنگ کرنے کے لئے چھوڑ کر حیدر نگر کا رخ کیا۔ جنکی گھاٹ پر پہونچکر محمد علی کمیدان کو دار السلطنت پر بھیجا۔ قمر الدین خاں کو کڈپہ کی جانب روانہ کیا۔ سلطان دیونہلی، مدگری اور سرا کی راہ سے ہوتے ہوئے نواح چیتلدرگ میں مقیم ہوا۔

محمد علی سرنگاپٹم میں

محمد علی کمیدان نے سرنگاپٹم کے قریب آکر مشہور کیا کہ وہ براہ کورگ تنیپر حیدر نگر کے لئے جا رہا ہے۔ اس نے قلعہ دار سرنگاپٹم کو ایک نہایت دوستانہ خط لکھا اور درخواست کی کہ جنگ پر جانے سے پہلے اس کو ایک شب قلعہ سرنگاپٹم میں اہل و عیال کے ساتھ گزارنے کا موقع دیا جائے۔ قلعہ دار نے محمد علی کی عاجزی اور درخواست پر اجازت دیدی۔ ان میں اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ ابھی تک چونکہ اس کی اور شامیا کی سازشیں پایۂ تکمیل کو نہ پہونچی تھیں۔ اس لئے ابھی سے محمد علی کو روکنا مناسب نہ تھا۔ اندرونی طور پر محمد علی نے اپنے سپاہیوں کو یہ حکم دیا کہ جب وہ قلعہ میں داخل ہو کر بگل بجائے تو تمام کے تمام دیوار پر چڑھ کر قلعہ پر قبضہ کر لیں۔ اس کے تمام سپاہی قلعہ کے اطراف میں چھپ گئے۔ محمد علی منتخب پچاس ساتھیوں کے ساتھ

قلعہ کو روانہ ہوا۔ امداد آنے کی اطلاع دی۔ جونہی قلعہ کا اندرونی دروازہ کھلا۔ ان پچاس ساتھیوں نے محافظوں کو قابو میں کر کے بگل بجا دیا۔ باہر جو فوج کمینگاہوں میں تھی، فوراً نکل آئی۔ اور آناً فاناً میں تمام قلعہ پر قابض ہو گئی۔ محمد علی نے قلعہ دار اور انچے شاہیا کے مکانات کا محاصرہ کر لیا۔ اور اس وقت تک انہیں یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ قلعہ پر کیا گذری۔ قلعہ دار اور انچے شاہیا گرفتار کر لئے گئے۔ دوسرے دن صبح کو حسب الحکم مالوہ سلطان بعض مجرموں کو توپ سے اڑا دیا گیا۔ اور انچے شاہیا کو بھاری بھاری طوق آہنی پہنا کر قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ قلعہ کی کمان اسد خان رسالدار کو دی گئی اور سید محمد خاں مہدوی گورنر سرنگاپٹم بنایا گیا۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد محمد علی اپنی فوج کے ساتھ نگر کی طرف بڑھ کر حضور سلطانی میں باریاب ہوا۔ جہاں سلطان نے اس نمک حلالی اور مستعدی پر اس کو خلعت فاخرہ بخشی۔

تسخیر حیدرنگر۔ محمد علی کمیدان کی فوج کے آنے پر سلطان حیدرنگر کی طرف بڑھا اور اٹھارہ دن کی سخت جنگ کے بعد انگریزی فوج نے پسپا ہو کر قلعہ سلطان کے حوالہ کر دیا۔ مورخ سلطانی نے اس وقت

"حیدرنگر گرفتہ"

تاریخ نکالی۔

تسخیر حیدرنگر سے فارغ ہو کر سلطان کوڑیال بندر کی طرف بڑھا۔ راستہ میں اس انگریزی فوج سے جو کرنل کیمبل کے ماتحت حیدرنگر کی طرف جا رہی تھی۔ لڑائی ہو گئی۔ صبح سے دوپہر تک جنگ ہوئی۔ جس میں افواج سلطانی مظفر و منصور ہوئیں۔ انگریزی فوج تمام کی تمام یا تو ماری گئی یا قید ہو گئی۔ اور کل سامان جنگ و ہتھیار وغیرہ

سلطانی قبضہ میں آ گئے۔ کوڈیال بندر پر جس وقت سلطانی فوج پہنچی، تو موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ مگر باوجود اس کے فوج نے نہایت جوش کے ساتھ قلعہ پر حملہ کیا۔ اور چند ہی گھنٹوں کے اندر قلعہ پر علم سلطانی لہرانے لگا۔ انگریزی سپہ سالار جنرل میتھیوز افواج سلطانی کے ہاتھوں اسیر ہوا۔

کنڈاپور کی شکست، جنرل میتھیوز کی اسیری اور تمام ملک کرناٹک ہاتھ سے نکل جانے سے مدراس کی گورنمنٹ اس درجہ سراسیمہ ہوئی کہ انگریزوں نے فوراً صلح کی درخواست کی جس کو سلطان نے منظور کر لیا۔ اور صلحنامہ منگلور مرتب ہوا۔ اس صلحنامہ کی رو سے تمام ممالک حیدری پر جو اس جنگ سے پیشتر قلمروئے سلطنت خداداد میں شامل تھے سلطان کی سیادت کو قبول کر لیا گیا۔

تسخیر نگر کے بعد محمد علی کمیدان کی موت

تسخیر نگر کے بعد ہی محمد علی کمیدان نے خودکشی کر لی۔

انگریز مورخین اپنی فطرت سے مجبور ہو کر لکھتے ہیں کہ محمد علی کی خودکشی کا باعث سلطان ہے۔ لیکن یہ نہیں لکھا جاتا کہ محمد علی کی خودکشی کے اسباب کیا تھے۔ اس لئے اس واقعہ پر روشنی ڈالنے کے لئے مورخ سلطانی کی تحریر کے علاوہ یہاں ان تمام علل و اسباب کو بتلایا جاتا ہے جو محمد علی کی خودکشی کا باعث بنے۔ ورنہ سلطان نے جو کچھ اس معاملہ میں کیا۔ اس میں وہ بالکل حق بجانب تھا۔

مورخ سلطانی لکھتا ہے:-

"تسخیر حیدر نگر کے موقع پر جب انگریزوں نے عاجز آ کر صلح کی درخواست کی اور صلحنامہ منگلور مرتب ہوا تھا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قلعہ دار غلام خاں کی بنا

بخشی کی جائے۔ اور اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے ۔"

فتح کوڑیال بندر سے فارغ ہو کر سلطان نے قاسم خاں کو حضوری میں طلب کیا۔ کیونکہ اس نے نمک حرامی کرتے ہوئے نگر ایسے مضبوط قلعہ کو بغیر جنگ کئے انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا اور اس پر سلطان نے اُسے سزائے موت کا حکم دیدیا۔ اس پر یہ الزام بھی تھا کہ اس نے انگریزوں کے ماتحت نگر کی افسری کو زری قبول کر لی تھی۔ جب سلطانی فوج نے نگر کا قلعہ دوبارہ فتح کر لیا تو قاسم خاں محمد علی کی پناہ میں آگیا۔ دوسرے دن صبح کو حکم سلطانی کے بموجب قاسم خاں کو ملازمان شاہی مقتل کو لیکر چلے تو محمد علی نے مزاحمت کی اور فوج کو قاسم خاں کے قتل سے روک دیا۔ جب سلطان کو اس واقعہ کی خبر ملی تو اس نے محمد علی کو بلا کر فہمائش کی اور کہا کہ قانون سیاست کی رو سے اور نیز سلطنت کا نظم و نسق بحال رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ قاسم خاں ایسے غدار کو سزائے موت دی جائے مگر محمد علی نے سلطان کی بات کو نہایت بے توجہی اور لاپرواہی سے سنا اور بغیر سلام کئے چل دیا۔ اگرچہ سلطان کو محمد علی کی اس نازیبا اور نالائق حرکت پر بہت ہی غصہ آیا۔ مگر اس کی سابقہ نمک حلالی اور جاں نثاری کا پاس کر کے سلطان خاموش رہ گیا۔

دوسرے دن پھر قاسم خاں کو سزائے موت دینے کے لئے سپاہی اس کو مقتل لے گئے۔ مگر اسی وقت محمد علی ہاتھی پر سوار ہو کر مقتل میں داخل ہوا اور قاسم خاں کو سپاہیوں سے چھڑا کر اپنے ہاتھی پر سوار کر لیا اور اعلان کر دیا کہ جو شخص ہمارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو وہ ہمارے ساتھ چلے۔ فوج کے دو تین سو آدمی محمد علی کے ساتھ ہو گئے۔ اور ان سب نے ٹل کر سرنگاپٹم کی طرف رخ کیا۔ جب سلطان کو اس کی خبر پہونچی تو سید حمید اور غازی خاں کو بھیجا کہ محمد علی کو لیکر آئیں۔ یہ ابھی چار کوس ہی گئے تھے کہ افواج سلطانی نے انہیں گھیر

لیا اور حضورِ سلطانی میں لے آئے۔

جونہی سلطانی کی نظر قاسم خاں پر پڑی۔ اس نے اسکے قتل کا حکم دیدیا اور فوراً اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ ان باغیوں کو جنہوں نے محمد علی کا ساتھ دیا تھا قرار واقعی سزا دی گئی۔ محمد علی کو نظر بند کر دیا گیا۔ رات کے وقت خود اس نے اپنی زبان کو کھینچ کر خودکشی کر لی۔ بعض کہتے ہیں کہ ہیرے کی کنی نگل کر خودکشی کر لی تھی۔ بہر طور مورخین نے اس شجیع و مامور جنرل کی موت کی تاریخ اس طرح نکالی۔

" رکنِ دولت یافتاد "

اس میں شک نہیں کہ محمد علی کمیدان نے خودکشی کرکے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا لیکن اس کے لئے سلطان کو کسی طرح بھی ذمہ دار نہیں گردانا جا سکتا۔ سلطان کا منشا صرف قاسم خاں کو سزا دینا تھا۔ لیکن محمد علی ناحق میدان میں کود پڑا اور وہ قاسم خاں کی (جس نے کہ غداری اور نمک حرامی کرکے اپنے آقا کے ایک مضبوط قلعہ کو دشمنوں کے سپرد کر دیا تھا) ناجائز حمایت کرکے اقتدارِ سلطانی کو صدمہ پہنچانے کا باعث ہوا۔ محمد علی کا یہ فعل کہاں تک حق بجانب تھا۔ اس کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑا جاتا ہے۔ محمد علی نے خودکشی اس لئے کر لی کہ سلطان نے اسکی بات کی پروا نہیں کی۔ اگر آئینِ جہانبانی کی رو سے دیکھا جائے تو سلطان قاسم خاں کو سزائے موت دینے میں یقیناً حق بجانب تھا۔

دورِ حاضرہ کی مہذب حکومتوں نے اکثر بڑی بڑی شخصیتوں اور اعیانِ سلطنت کو محض اختلافِ رائے یا شبہ کی بنا پر بلا تکلف موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ قاسم خاں کے علاوہ محمد علی کمیدان کا جرم بھی کچھ کم سنگین نہیں تھا کہ وہ ایک نمک حرام اور غدارِ سلطنت کی بیجا حمایت کرکے سلطان کی صریح حکم عدولی کر رہا تھا۔ لیکن رحمدل سلطان نے اس کے

خلاف کوئی سخت کارروائی کرنے کے بجائے صرف اسے نظر بند کرنیکا حکم دیدیا۔

یہ امر بات ہے کہ محمد علی کی غیور طبیعت نے اس کو گوارا نہیں کیا اور اس نے خود کشی کرلی۔ سلطان کو بھی اس کا افسوس تھا۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ محمد علی کی موت کے بعد مادر سلطان نے محمد علی کی بیوہ کو اپنی آغوش شفقت میں لیکر محل سلطانی میں اسکی پرورش کی اور سلطان نے کبھی بھی اس سے تعرض نہیں کیا۔

کمیدان محمد علی کے صفات

محمد علی ایک نہایت قابل اور ہوشیار سپہ سالار تھا اس نے متعدد مواقع پر ایسی ہوشیاری اور چالاکی سے کام لیاکہ میدانِ جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ نواب حیدر علی کی زندگی میں ان کا قوت بازو بنا رہا۔ اور نواب کی وفات کے بعد بھی سلطان کا ساتھ اسی طرح دیا مگر اس کی طبیعت میں شروع ہی سے خودسری رہی جس کی وجہ سے نواب حیدر علی نے بھی اس کو ایک دفعہ منصب سے معزول کر دیا تھا اور یہی خودسری سلطان کے وقت میں اس کی موت کا باعث ہوئی۔

محمد علی نہایت فقیر دوست تھا اسکی موت کے بعد اس کے پاس جو چیزیں نکلیں ان میں سوائے چند بوسیدہ کپڑے اور ایک ٹوپی کے کچھ نہ تھا۔ جس قدر مال ملتا تھا وہ سب فقیروں میں اسی وقت تقسیم کر دیتا تھا حتیٰ کہ بعض وقت جنگوں میں شاہی خزانہ بھی ہاتھ آجاتا تو وہ فقیروں کی نذر ہو جاتا۔

میسور کی دوسری جنگ کا سلسلہ

ہم یہ آگے لکھ چکے ہیں کہ پائین گھاٹ میں انگریزوں سے جنگ جاری رکھنے کے لئے سلطان اپنے سپہ سالاروں کو چھوڑ آیا تھا جب سلطان نگر کی لڑائی میں مشغول تھا تو ادھر پائین گھاٹ میں اسکے سپہ سالار انگریزوں سے نبرد آزما ہوئے۔ کرنل لانگ ترینا پلی سے

نکل کر کتورا اور ڈنڈیگل پر قبضہ کرنے کے لئے بڑھا۔ میر معین الدین نے بدرالزماں خاں ناظم کو مقابلہ کے لئے بھیجا جس وقت بدرالزماں خاں نواح کرور میں پہنچا تو قلعدار کرور انگریزوں سے مل گیا تھا اور قلعہ پر انگریزی علم نصب تھا۔ کرنل فلاٹنگ یہاں سے فارغ ہو کر اروا کریچی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ بدرالزماں نے اس قلعہ کی دوسری طرف دریائے امراوتی کے کنارے کیمپ ڈالا۔ دوسرے دن باوجود بدرالزماں کی سخت کوشش کے انگریزی فوج قلعہ پر قابض ہو گئی۔ اور بدرالزماں اپنی فوج لیکر دھارا پورا آ گیا۔

دوسری قابل ذکر جنگ جو ایشیائی گھاٹ میں ہوئی وہ کڈالور کی جنگ تھی جس میں تمام افواج سلطانی کے علاوہ فرانسیسیوں نے بھی حصہ لیا۔ ادھر انگریزی جنگی جہازوں نے بھی اپنی فوج کی حفاظت کے لئے کڈالور پر گولہ باری کی۔ ایک نہایت خونریز جنگ کے بعد جس میں کئی مرتبہ دست بدست لڑائی ہوئی۔ افواج سلطانی اور فرانسیسی غالب آئے جب یہ خبر مدراس پہنچی تو والا جاہ محمد علی کے مشورہ سے مدراس کی گورنمنٹ نے صلح کی درخواست بھیجی۔ محمد علی والاجاہ نے اس صلح کے لئے بہت کوشش کی اور بالآخر ۱۷۸۴ء میں صلح ہو گئی۔

شرائط صلح میں طے پایا کہ فریقین اپنے اپنے علاقوں پر جو قبل از جنگ ان کے قبضہ میں تھے قابض رہیں۔

مگر مورخ شنکر اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۸۰ میں لکھتا ہے۔

"انگریز جب صلح کی درخواست کئے تو سلطان کا پیمانہ غرور لبریز ہو گیا اسکی منہ مانگی مراد بر آئی کہ اس کا دشمن اس کے آگے سر جھکائے ہوئے طالب صلح تھا۔ سلطان نے فوراً دعوت صلح قبول کر لی"

سلطان باوجود فاتح ہو نیکے جب اس کے دشمن نے اس کے آگے سر جھکا دیا تو اپنی

دریا دلی سے بغیر تاوان جنگ یا کوئی حصہ ملک لینے کے صلح کے لئے رضامند ہوگیا۔

کیا اس سے بڑھ کر دریا دلی اور فراخ حوصلگی کا ثبوت تاریخ اور کوئی دیتی ہے؟

تعزیری مہمات
۱۷۸۶-۸۷ء

انگریزوں سے جنگ ختم ہونے پر سلطان نے اندرونی سازشوں کے استیصال پر توجہ فرمائی اور اس سلسلہ میں تعزیری مہمیں بھیجیں سید غفار اور امام خان کابلی اور سید عمر سپہ دار نگنور اور مدن پلی پر بڑھے یہاں پہنچ کر راجہ نگنور کے پاس پیغام صلح و اطاعت بھیجا۔ لیکن وہ بارہ ہزار کی فوج لیکر مقابلہ کے لئے نکلا۔ جنگ میں راجہ مارا گیا۔ فوج منتشر ہوگئی۔ سلطانی فوج تعاقب کرتی ہوئی بھونی کنڈہ کے جنگل کا محاصرہ کر لی۔ جس میں یہ سب پناہ گزین تھے یہاں کا راجہ جو کہ رائل اول پلی کو فرار ہوگیا۔ ڈھائی ماہ تک اول پلی کا محاصرہ رہا راجہ محاصرہ کی تاب نہ لا کر چیتور بھاگا۔ اول پلی پر سلطانی افواج کا قبضہ ہوگیا یہاں سے بڑھ کر شیخ عمر سپہ دار نے نگنور پر قبضہ کر لیا۔ نگنور کے قریب کوہستان کیرا میں ایک بہت بڑے بلند پہاڑ پر ایک تالاب تھا۔ یہ پہاڑ کی بلندی اور اس تالاب کا منظر شیخ عمر کو نہایت پسند آیا۔ شیخ عمر نے سلطان سے سفارش کی کہ اس جگہ ایک قلعہ بنایا جائے۔

جس وقت سلطان وہاں آیا تو آپ نے خود جاکر پہاڑ دیکھا اور قلعہ کی تعمیر کا حکم دیا اور اس قلعہ کا نام رحمان گڑھ رکھا۔

تعزیری مہمات کے سلسلہ میں دوسری فوج سپہ سالار برہان الدین کے زیر کمان مرکنڈہ پر بھیجی گئی۔ مرہٹوں کی اور خصوصاً پرسرام ناظم مرج کے اشتعال پر یہاں کا راجہ خود مختار بن بیٹھا تھا۔ یہاں پہونچکر برہان الدین نے اس کے پاس صلح و آشتی کا

پیغام بھیجا جس کا جواب نہایت تلخ آیا۔ دوسری طرف برہان الدین نے قلعہ پر گولہ باری کا حکم دیا۔ اسی دن رات کو راجہ کی فوج نے قلعہ سے نکل کر سلطانی سپاہ پر شبخون مارا جس میں حبشی صلابت جنگ اور دو سو سپاہی مارے گئے۔ یہ حالت دیکھ کر برہان الدین نے محاصرہ اور سخت کر دیا۔ تمام گرمی کا موسم محاصرہ قائم رہا۔ باوجود سخت تدابیر کے بھی قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ ادھر راجہ کی حالت دن بدن خراب ہو رہی تھی۔ اس نے پرسرام ناظم مرہٹہ سے کمک طلب کی۔ پرسرام کی جانب سے پانچ ہزار سوار پونا سے نکلے۔

جب یہ خبر سلطان کو پہنچی تو اس نے میر قمر الدین کو برہان الدین کی کمک پر بھیجا۔ راستہ میں میر قمر الدین کی فوج کا پیرزادہ سید محمد داماد عبد الحلیم خاں حاکم کڈپہ کی فوج سے مقابلہ ہو گیا۔ جو کہ سلطانی علاقوں میں لوٹ مار کر رہا تھا۔ بھیل داڑا میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ کڈپہ کی فوج قریب قریب سب مار دی گئی۔ سید محمد فرار ہو گیا۔ یہاں سے میر قمر الدین دریائے کرشنا کی جانب بڑھا جہاں سے مرہٹی فوج نرگوندہ کی امداد کے لئے آ رہی تھی۔ جس وقت میر قمر الدین کی فوج پہنچی۔ تو اس وقت مرہٹی فوج دریائے کرشنا عبور کر رہی تھی۔ اسی حالت میں اس پر حملہ کیا گیا۔ مرہٹی فوج منتشر ہو کر فرار ہوئی۔ یہاں سے میر قمر الدین نرگوندہ پہنچ کر محاصرہ میں شامل ہو گیا۔

جب کمک کی امید منقطع ہو گئی تو راجہ نے صلح کا پیغام بھیجا۔ راجہ کو طلب کر کے اس کو مع اہل و عیال قید کر کے سرنگا پٹم روانہ کر دیا گیا۔

اس جگہ سپہ سالار برہان الدین کو میر قمر الدین کی نیت پر شبہ ہوا۔ اس کو معلوم ہوا کہ میر قمر الدین خفیہ طور پر میر نظام علی خان حیدر آباد سے خط و کتابت کر رہا ہے تو برہان الدین نے سلطان کو معلوم کرایا کہ قمر الدین حیدر آباد جانے کے خیال میں ہے اور جلد

گھاٹ میں مکان تعمیر کر رہا ہے۔ سلطان نے قمرالدین اور اس کے منشی کو حاضری کا حکم بھیجا۔ قمرالدین، منشی کو حیدرآباد روانہ کرکے آپ حاضر ہوا۔ سلطان نے منشی کے متعلق دریافت کیا تو عرض کیا کہ وہ رخصت لیکر اپنے خاص کام کے لئے حیدرآباد گیا ہے۔ سلطان کا شک اور بڑھ گیا۔ اور اس کو نظر بند کر دیا۔

بغاوت کورگ

۱۷۸۴ء

اہل کورگ ہمیشہ بغاوت پر آمادہ رہتے تھے۔ نواب حیدر علی کے زمانہ میں کئی بار یہاں بغاوتیں ہوئیں۔ سلطان بارہ ہزار پیادہ اور دس ہزار سوار اور بائیس ضرب توپ لیکر نکلا۔ سرحد کورگ پر پہنچکر سواروں کو پریا پٹن، سداپور، منظرآباد پر حملہ کا حکم دیا۔ اور آپ پیادہ فوج لیکر اندرون ملک بڑھا۔ راستہ میں باغیوں سے مقابلہ ہوگیا۔ سلطانی سپاہ موسیو لالی کے زیر کمان قلعہ پر حملہ آور ہوئی۔ ایک سخت اور گھمسان کی جنگ کے بعد باغی فوج پیچھے ہٹنا شروع ہوئی۔ اس وقت سلطان نے اس پلاٹن باڈی گارڈ سے حملہ کر دیا۔ باغیوں کی صف بندی ٹوٹ گئی۔ اور وہ فرار ہوئے۔ سلطانی فوج نے تھل کاویری، ملن پلی اور خوشحال پور پر قبضہ کر لیا۔

اب باغیوں نے باقاعدہ جنگ چھوڑکر پہاڑوں اور گھنے جنگلوں میں چھپ چھپ کر چھاپے مارنا شروع کیا۔ مگر سلطان کی عمر اپنے نامور و شجیع باپ کے ساتھ ایسے ہی جنگلوں میں گذری تھی لہذا سلطان نے تمام جنگلوں کو کاٹنے کا حکم دیدیا اور باغیوں کے مقابلہ کے لئے حسین علی خان بخشی، میر محمود، امام خان اور موسیو لالی کو روانہ کیا۔

سلطان آٹھ ماہ تک کورگ میں مقیم رہا۔ اس عرصہ میں تمام کورگ کامل طور پر از سر نو تسخیر کر لیا گیا۔ ان جنگوں میں میر حسین علی خاں بخشی نے نہایت ناموری پیدا کی تمام کورگ میں اس کے نام کی دھاک بیٹھ گئی۔ اس نے باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے آٹھ ہزار مرد و عورت گرفتار کر لیا۔ ہزارہا باغی مارے گئے۔ جنگلات اور مواضع تباہ کر دئے گئے اور کئی ایک جگہ آگ لگا دی گئی۔ تمام کورگ میں حسین علی خاں کا نام "بنکی نواب" مشہور ہو گیا۔

نوٹ:- کنڑی زبان میں "بنکی" آگ کو کہتے ہیں۔ بنکی نواب کے نام سے بنگلور اور میسور میں ابھی تک دو راستے منسوب ہیں۔ بنکی نواب کا مزار سرنگاپٹم میں گنبد کے احاطہ میں ہے۔

دوسرے سردار بھی ہزارہا باغیوں کو گرفتار کر کے لائے۔ مورخ سلطانی لکھتا ہے کہ:

"اس جنگ میں اسی ہزار مرد اور عورت گرفتار کر لئے گئے"۔

جس وقت بغاوت کورگ کامل طور پر فرو ہو گئی۔ تو بالیا نور (کنانور کی رانی) جو خود مختاری کا اعلان کر بیٹھی تھی۔ پیش کش لیکر حضور سلطانی میں آئی اور از سر نو تجدید فرمان اطاعت کر کے واپس لوٹی۔

کورگ کا نئے طور پر انتظام کر کے سلطان مراجعت فرمائے سرنگاپٹم ہوا۔ باغیوں کے سرگروہ موتی نائر اور رنگا نائر جو گرفتار ہوئے۔ ان میں اول الذکر چند دن بعد مر گیا اور دوسرا مسلمان ہو گیا۔ اس کا نام شیخ احمد رکھا گیا اور اس کو عہدۂ رسالداری دیا گیا۔

جب تمام قیدی سرنگاپٹم پہونچے تو ان کو دعوت اسلام دی گئی۔ مورخ سلطانی لکھتا ہے کہ:-

"ان کے آگے مذہب اسلام پیش کیا گیا۔ اور اسکے فوائد و برکات سمجھائے گئے۔ یہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔"

ان کو فوج میں داخل کر لیا گیا۔ اور اس فوج کو "جماعت احمدی" کا نام دیا گیا۔ اس فوج کو آٹھ رسالوں پر تقسیم کر کے ان کو ہری کپڑے کی وردی سے آراستہ کیا گیا۔

نوٹ: آسٹریا کی جنگ میں جب ہزارہا اسیر ہاتھ آئے تو سلطان ترکی نے انکی ایک علیحدہ فوج بنائی۔ جو تاریخ میں "ینگ چری" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ فوج سلطانی بلاد کارزار میں شامل تھی۔ شاید سلطان نے بھی ترکوں کی تقلید کرتے ہوئے اسیران کورگ کو مسلمان بنا کر انکی ایک خاص فوج "جماعت احمدی" کے نام سے مرتب کی ہو۔

مورخ سلطانی کورگ کے حالات اپنی کتاب "نشان حیدری" میں اس طرح لکھتے ہیں:

"اس ملک کی خوبیوں کا حال کیا بیان کیا جائے۔ کہ کوہ و دامن کے کھیت لہلہا رہے تھے۔ اور جنگل میں انواع اقسام کے درخت مثل ساگوان، صندل، رال سفید، نو رخام وغیرہ کے، قدرت کا شاندار نمونہ ظاہر کرتے تھے۔ کالی مرچ (فلفل سیاہ) کے درختوں کا سلسل جال نہایت دلفریب معلوم ہوتا تھا۔ اور چھوٹی الائچی کے درختوں کے نیچے الائچیاں، جوار، مکا کے کھیتوں کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔ دار چینی کے درخت آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ اور باغستانی درختوں میں فالسہ، مرز، بیری، بین انناس، تمر جل، کھٹل، بڑھل، جامن وغیرہ کے درختوں سے اس زمین پر باغ کی کیفیت نظر آتی تھی۔ اور پھولوں میں گل مہندی، گیندا، نسترن، سوسن، چنبیا، گلاب ہمیشہ بہار کی کیفیت ظاہر کرتے تھے۔ ہاتھی اور جھینسوں کے گلے اور ان کے بچے کثرت سے جنگل میں پھر تے اور بہاڑ پہ

کے نیچے سونڈوں سے درختوں کی شاخیں توڑتے نظر آتے تھے اور یہ جنگل ان کا جولانگاہ تھا۔ اس ملک کے لوگوں نے ان ہاتھیوں کی تاخت سے محفوظ رہنے کے لئے ایک بہت بڑا حصار مع بروج فصیل کے بنا کر اس کے آس پاس بہت گہرا خندق کھود لیا تھا اور حصار کے اندر رہنے کے مکان بنائے گئے تھے۔ کہ ہاتھیوں کی تاخت سے امن کو پناہ ملے۔ لوگ ان گھروں میں رہتے۔ اور اس لالہزار کا لطف اٹھاتے تھے۔ گلے سے گھٹنوں تک کا ایک لباس پہنتے۔ چمڑے کی ٹوپی سر پر لگاتے۔ ایک رومال کمر میں باندھتے تیر لگانے اور بندوق چلانے میں ہر شخص مشاق پایا جاتا۔ انکی عورتیں حسن کی دیویاں نظر آتیں۔ ایسے حسن و جمال سے اس زمین پر پرستان کی کیفیت معلوم ہوتی۔ اور ان کے حسن کو ان کا لباس پوشیدہ نہ کرتا بلکہ وہ ہم لمحہ کا رومال سینے پر باندھ لیتے۔ اور ناف سے زانو تک دھوتی باندھتیں۔ باقی سب جسم کھلا رہتا۔ وہاں کے مردوں میں قوت رجولیت کم ہوتی۔ اس لئے چار چار حقیقی بھائی ایک عورت کو بیاہ لاتے یا چار دوست مل کر ایک عورت کو زوجہ قرار دیتے۔ اور ایک روز کی باری سے اس کے پاس رہتے یا سب کے سب ایک ہی رات کو یکے بعد دیگرے ہمبستر ہوتے۔ اور جو اولاد ہوتی وہ سب کے ورثہ کی مستحق قرار پاتی۔

اس جنگل میں مذکورہ بالا خوبیوں کے ساتھ بعض خوفناک چیزیں بھی کثرت سے پائی گئیں۔ مثلاً وہاں کے سبز و شاداب درختوں پر پانی کی سی جونکیں چمٹی ہوئی رہتی ہیں وہ آدمی پر کود کر گرتی اور کہیں نہ کہیں اس کے

جسم سے چمٹ جاتی ہیں اور جب پیٹ بھر کر خون پی لیتی ہیں تب علیحدہ ہوتی ہیں۔
اسی طرح بڑے بڑے اژدھے، زہریلے سانپ، بچھو اور دوسرے زہریلے جانور کثرت سے
اس جنگل میں رہتے پائے گئے۔"

برہان الدین کی شادی اور سادات و نائطہ کی مخالفت

جب بغاوت کامل طور پر فرو ہو گئیں اور ملک میں امن و امان ہو گیا، تو سلطان نے تنظیم مالیہ و فوج پر توجہ کی اور اپنے نسبتی برادر برہان الدین بن لالہ میاں کی شادی بھی کر دینا مناسب سمجھا۔ اسکے لئے نواب برہان الزماں نائطہ گورنر نگر کی دختر منتخب ہوئی۔ اور نواب کو حیدر نگر سے حضوری میں طلب کیا گیا۔ جس وقت برہان الزماں حضوری میں آئے تو سلطان نے خود ان کا استقبال کرتے ہوئے تحفہ تحائف نذر کئے، اور درخواست کی کہ برہان الدین کو اپنی دامادی میں قبول کرلیں۔ حیدر علی کے حالات میں ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ کس طرح اہل نوائط سلطان کے خاندان کو نسب کے اعتبار سے اپنے برابر نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ اس موقعہ پر یہی بات پیش آئی۔ مگر برہان الزماں خاں نے خاص حضور سلطانی میں انکار کرنا خلاف مصلحت سمجھا۔ شادی کی خبر جب معلوم ہوئی تو اہل نوائط حد درجہ برہم ہو گئے۔ برہان الزماں کی بیوی اور بیٹی بھی اس شادی کی مخالف ہو گئیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شادی کی شب کو اس لڑکی نے کنوئیں میں گر کر خودکشی کر لی۔ اہل نوائط اور سادات کے دلوں میں کدورت آ گئی اور یہی وہ کدورت ہے جس کی وجہ سے سادات اور نائطہ طبقہ ان کے خلاف ہو کر سلطنت خداداد کے زوال کا باعث ہوئے۔

نائطہ

ابن بطوطہ اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ جب مسلمان ہندوستان میں ملک گیری میں

معروف تھے۔ اور ان کی سلطنت دہلی میں قائم ہو گئی تھی تو عراق ایران و عرب کے
لوگ ہندوستان کو آتے رہتے تھے کہ مسلمان بادشاہوں کی علم دوستی و غریب پروری سے
فائدہ اٹھائیں۔ مسلمان بادشاہوں نے ان نو واردوں کا جو اس نئے ملک میں
نائط کہلائے گئے۔ بوجہ اس کے کہ وہ عرب سے متعلق تھے۔ عرب کی محبت میں ان
سے حد درجہ سلوک کرنا شروع کیا اور ملک میں تمام مذہبی عہدے قاضی، محتسب
وغیرہ انہی لوگوں کو دیئے جانے لگے اور اس طرح اہل نوائط کی تمام لوگوں پر
ایک مذہبی سیادت قائم ہو گئی جس کی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو عام مسلمانوں
سے برتر سمجھنے لگے۔ اور شادی و بیاہ کے معاملہ میں انہوں نے یہاں تک
احتیاط کی کہ ملک کے کسی طبقہ سے بھی اختلاط جائز نہیں سمجھا گیا۔ ان لوگوں
میں مذہبی علم و فضل کا نہایت چرچا تھا اور مذہبی عہدے انہیں میں
محدود تھے۔"

اس تفوق و برتری کی وجہ سے جو نواب میدالزماں کو بحیثیت نائط ہونے کے
تھی۔ خاندان سلطانی سے نسبت کرنے میں عار تھا۔

حیدرآباد اور مرہٹوں سے جنگ

۱۷۸۶ء۔۱۷۸۷ء

مرہٹوں اور نظام الملک نظام علیخاں کو امید تھی کہ سلطنت خداداد اپنی اندرونی بغاوتوں
اور انگریزوں سے جنگ ہونے کا باعث سر نہیں اٹھا سکے گی۔ اور ٹیپو سلطان کا خاتمہ ہو جائیگا۔
مگر انکی امیدوں کے خلاف سلطنت خداداد ابھری۔ اور اس شان سے ابھری کہ تمام جنوبی
ہندوستان میں سلطانی شان و شکوہ اور جلالت و جبروت کا پرچم اڑنے لگا۔ دریائے کرشنا
سے لیکر راس کماری تک سلطان کی ہیبت چھائی ہوئی تھی۔

انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ :

"جنوبی ہندوستان نے کسی سلطان کو نہیں دیکھا بلکہ صرف ٹیپو سلطان ہی ایک ایسا سلطان ہوا کہ جسکی شاہانہ عظمت و جبروت ہر ایک کو متحیر کر دیتی تھی"

حیدرآباد اور پونا کو یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ وہ حریف جس کو وہ ہمیشہ زک دینے پر آمادہ رہتے تھے۔ اس طرح سر اٹھائے۔ لہٰذا دونوں سلطنتوں میں بمقام ایت گیر ما پابیع ۱۷۸۶ء میں ایک معاہدہ ہوا۔

نظام علی خاں مطبوعہ حیدرآباد کے مصنف کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ کی تحریک مرہٹوں کی جانب سے ہوئی۔ جو ٹیپو سلطان کی ترقی سے خائف ہو گئے تھے۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۲۱ پر لکھا گیا ہے:۔

"جب پیشوا کو یہ معلوم ہوا کہ انگریز اور ٹیپو سلطان کے مابین صلح ہو رہی ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ انگریزی کمپنی معاہدہ سالبی کو فسخ کرنے پر آمادہ ہو گئی ہے جب پر انہوں نے ٹیپو سلطان کے پاس بغرض مصالحت و وصول پر تو اپنے ایلچی روانہ کیے۔ جس کے جواب میں ٹیپو سلطان نے کہلا بھیجا کہ انکے والد نے چند ضرب توپ اور بندوقوں کے سوائے اور کوئی چیز متروکہ نہیں چھوڑی ہے جس کے ساتھ میں حاضر ہوں۔ اس جواب سے مرہٹوں نے خائف و پردل ہو کر یہ تجویز کی کہ نظام علی خاں کے ساتھ اتحاد قائم کر کے ٹیپو سلطان سے ان علاقوں کو حاصل کریں۔ جن پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا"

اس معاہدہ کے بعد انکی متفقہ فوجیں ممالک محروسہ سلطنت خداداد پر بڑھیں اس وقت قلعہ دھاڑواڑ پر حیدر بخشی کماندار تھا جس نے رشوت لیکر قلعہ ڈھاڑواڑ کے علاوہ کچن گڈہ، نولگنڈہ، نرگنڈہ اور بھدرا ندی کے اس پار کا تمام علاقہ دشمنوں

کے حوالے کر دیا۔

جس وقت سلطان کو یہ خبر پہونچی تو ماہ شعبان کی چھ تاریخ کو ایک جلد فوج لیکر دار السلطنت سے نکلا بنگلور کے راستے سے ادھونی کی طرف بڑھا۔ اس وقت ادھونی میں میر نظام علیخان کا داماد نواب مہابت جنگ تھا جس نے اپنے دیوان اسد علی خاں کو حضور سلطانی میں صلح کے لئے بھیجا۔ اس موقع پر سلطان نے سفیر سے کہا:۔

"مجھے تم لوگوں سے کچھ دشمنی نہیں ہے مگر چونکہ نواب نظام علیخاں نے بے وجہ ہم سے چھیڑ چھاڑ شروع کی ہے۔ اور مرہٹوں سے اتفاق کر کے اس سلطنت خدا داد کی تباہی پر کمر باندھی ہے۔ میں اس کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ نظام الملک کو اسلام کا کچھ بھی پاس نہیں۔ اس نے ہمیشہ اس اسلامی سلطنت کو مٹانے کے لئے اعدائے اسلام سے سازشیں کی ہیں اور اس موقع پر بھی جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ مساجد اور اہل اسلام کے گھروں کو بت پرستوں نے بے حرمت کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ نظام الملک ہم سے اتفاق کرے۔ اور دونوں سلطنتوں کی فوجیں متفق و متحد ہو کر یورپ پر چڑھائی کریں۔ مذہب و ملت کی لاج رکھتے ہوئے خدا کی رضا مندی اور خلق اللہ کی رفاہ کے لئے جہاد پر کمر باندھیں۔ جو ایک مسلمان کی سرخروئی کا باعث ہے۔"

اتمام حجت اور مسلمانوں میں یکجہتی و اتفاق پیدا کرنے کے خیال سے سلطان نے محمد غیاث کو ایلچی بنا کر حیدر آباد روانہ کیا اور نظام الملک کے نام ایک خط بھی جس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے:۔

"میں اپنے تمام سلطان مسلمانوں کی سلطنت کو تقویت دینا اور اپنی جان اور مال خدا کے سچے مذہب اسلام پر نثار کر دینا چاہتا ہوں۔ ایسی حالت میں تمام مسلمانوں کو

میرے ساتھ ہونا چاہیے نہ کہ میرے خلاف بت پرستوں کا ساتھ دیں۔ اور ان کے ساتھ ہو کر اسلامی ممالک کی تاخت و تاراج کرنا ذریعہ حصول جاہ خیال کریں۔ جیسا کہ نواب نظام علیخاں بہادر نظام حیدرآباد یا بار پیشوائے پونا کا ساتھ دیتے اور دونوں فوجیں مل کر میرے ملک کو پامال اور میری رعایا کو شکستہ حال کرتی رہتی ہیں۔ اور افسوس کہ میں نے مخفی طور پر نظام علی خاں بہادر کو سب کچھ سمجھایا لیکن وہ مرہٹوں کی یلغار کو اپنے ملک سے دور رکھنے کے لئے انکی دوستی کو مقتضائے مصلحت جانتے ہیں۔ حالانکہ مرہٹوں نے آپ کو بہت سا نقصان پہونچایا۔ اور ملک کو تاخت و تاراج کیا۔ مسجدوں کو ڈھایا اور خانقاہوں کو گرایا۔ اس کا اقتضا یہ تھا کہ وہ میری طاقت کو اپنی طاقت سمجھ کر رہتے۔ اور جب میری اور انکی دو طاقتیں ایک جگہ مل جائیں تو مرہٹوں کی کیا مجال تھی کہ وہ اپنے ملک سے ایک قدم باہر نکالنے کا حوصلہ کرتے۔ لیکن اس کا بڑا سبب انگریزوں کی عقلمندی ہے۔ جو نظام حیدرآباد کو مجھ سے ملنے نہیں دیتی۔ اور وہ نظام کو مرہٹوں سے متفق کرکے میرے خلاف فوج کشی پر ابھارتے رہتے ہیں۔ اب اگر کوئی تدبیر میرے اور نظام کے اتفاق و یکجہتی کی ہو سکتی ہے تو وہ یہ کہ میرے خاندان کی لڑکیاں نظام کے بیٹوں، بھتیجوں اور نظام کے خاندان کی لڑکیاں میرے بیٹوں اور بھتیجوں کو بیاہی جائیں۔ تاکہ طرفین سے ابواب یگانگت کشادہ ہو جائیں اور سب کو ان دونوں اسلامی طاقتوں کے متحد ہو جانے کا علم و یقین ہو جائے۔"

اس خط کے ساتھ سلطان نے اعلیٰ درجہ کے قیمتی تحائف و جواہرات۔ اور امراء و وزراء کے لئے قیمتی خلعتیں روانہ کیں۔ غیاث الدین نے حیدرآباد پہنچکر وہ خط

اور تحائف وغیرہ پیش کرکے نظام الملک کو اتفاق و یک جہتی پر توجہ دلائی۔ نظام الملک کے دل پر بھی اس تقریر کا اثر ہوا۔ مگر جب نظام الملک حرم سرا میں گئے تو اس وقت شاطروں نے مزاج کا رنگ بدل دیا۔ اور سب سے بڑا عذر جو پیش کیا گیا وہ یہی تھا کہ اعلیٰ حضرت نظام کا درجہ ایک نائیک کے فرزند سے قرابت کا نہیں ہو سکتا۔ نظام الملک نے ایلچی کو بے نیل و مرام واپس کر دیا۔ اس پر رائے زنی کرتے ہوئے نشان حیدری کا مصنف مورخ کرمانی جو سلطان کا مصاحب بھی تھا۔ طنزاً لکھتا ہے۔

"یہ ایک دعویٰ باطل ہے کہ نظام الملک سوائے اپنی ذات کے دکن کے اور دولتمندوں کو شریف نہیں سمجھتا تھا۔ اور اپنی دولت و حشمت پر آپ ناز کرتا تھا۔ خدا گواہ ہے کہ سلطان ذی شان نسب کے اعتبار سے دوسروں سے کچھ کم نہیں ہے۔ اور نہ وہ کسی کمینہ عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہے اور حسب میں اس کا اقتدار اسبابِ دنیا داری اور امارت و جلالت بخشنئے روزگار ہے اور وہ شجاعت و بہادری میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ بعض نادان لوگوں نے جو لقب نایک کو اسکے نام پر ایزاد کیا ہے اس سے وہ صریح مغالطہ میں ہیں۔ نایک لقب سپہ سالار فوج کا ہے۔ قوم کا نام نہیں۔ خدائے قادر برحق کی قدرت و قضا میں اس قدر وسعت ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے۔ دین و دنیا میں اس کو صاحب دولتمند بنا دیتا ہے۔ اور دنیا کے ملک و دولت اور مرتبہ سے سرفراز کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہندوستان اور دکن کے ان سلاطین سے جو بارگاہ خدا وندی میں مقبول اور جن کی بارگاہ مراجع انام تھی واقف نہیں ہیں کہ وہ نسب و حسب کے اعتبار سے کیا تھے۔ اور کیا ہو گئے۔ کون نہیں جانتا کہ سلطان حسن گنگوہ (جو سلطنت بہمنی کا بانی اور حسن شاہ بہمنی کے نام سے مشہور ہے)

کا حسب و نسب کیا تھا۔ اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ باوجود اس سیادت کے اسکی وفات کے بعد اس کی قبر پر بجلی گری۔

اللہ اللہ کہ اس زمانہ میں دنیاوی مال و دولت کے اثر سے رذیل لوگ بھی دعوائے صحیح النسب کرتے ہیں اور کم ظرف و کم فطرت لوگ اپنے غرور بیجا سے سیادت اور شرافت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنے برابر کسی کو شریف نہیں سمجھتے۔ ؎

زبی ظرفی دا صالت ہست در دولت نہاں
عیب پوش قحبہ بشکل زریں چادر است"

سلطان کا ایلچی بے نیل و مرام واپس آگیا اور نظام الملک بدستور مرہٹوں سے مل کر تاخت و تاراج میں مصروف رہا۔ اب سلطان کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور یا اپنی فوجوں کو لیکر برق و باد کی طرح حیدر آبادی و مرہٹی فوجوں پر گرا۔ اور ایک ایسا سبق دیا کہ مرہٹے اور نظام ذلیل سے ذلیل شکست کھا کر میدان جنگ سے فرار ہوگئے۔ اور دوسری طرف اپنی اس سطوت و نصرت کے سلطان کا سلوک خاندان حیدر آباد اور دوسرے اسیران جنگ سے ایسا ہے کہ اس کی نظیر بمشکل تاریخ دے سکی گی۔

ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ قلعہ ہونی پر مہابت جنگ داماد نظام الملک کا تسلط ہوگیا تھا۔ افواج سلطانی نے اس کا محاصرہ کرتے ہوئے ایسا سخت حملہ کیا کہ دوسرے دن صبح قلعہ کا دروازہ کھل گیا مگر سلطان کو کسی طرح معلوم ہوگیا کہ نظام الملک کی بیٹی مہابت جنگ کی ناموس قلعہ میں موجود ہے۔ اس کے پاس خاطر سے سلطان نے فوجوں کو قلعہ پر قبضہ کرنے سے روک دیا۔ اگرچہ اس وقت رستم جنگ اور موسیو لالی فرانسیسی سپہ سالار

نے جو ملازم سلطانی تھے۔ بہت کچھ سلطان سے کہا کہ یہ رفت ہاتھ نہ آئیگا مگر سلطان نے اپنا حکم واپس نہ لیا۔ اور اس طرح ادہونی کا قلعہ حیدرآبادی فوج کے ہاتھ میں اور چند دن رہا۔ سلطان اپنی تھوڑی فوج کو اس نواح میں چھوڑ کر خود پیچھے ہٹ گیا جس کی وجہ سے مہابت جنگ کا زنانہ اور دیگر حیدرآبادی خواتین ادہونی چھوڑ کر رائچور چلے گئے جب سلطان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اس نے فوجوں کو تسخیر ادہونی کا حکم دیدیا۔

اٹھارہ دن کی سخت لڑائی اور محاصرہ کے بعد قلعۂ ادہونی جو کہ نہایت مضبوط اور ناقابلِ تسخیر خیال کیا جاتا تھا سلطانی فوجوں نے فتح کر لیا۔ اور مالِ غنیمت میں نواب بسالت جنگ مرحوم کا سلاح خانہ اور کتب خانہ بھی ہاتھ آیا۔ جو سرنگاپٹم روانہ کر دیا گیا۔ سلطان نے قطب الدین خاں کو قلعہ دار اور دولت رائے کو ادہونی کا صوبیدار مقرر کیا۔ قلعہ اور اطراف کی پہاڑیوں کے پاس حصار تمام توڑ ڈالے گئے۔ (قلعۂ ادہونی ضلع بلاری میں ہے۔ یہ قلعہ راجگانِ وجیانگر کا بنایا ہوا نہایت مضبوط اور ناقابل تسخیر تھا) ادھر سے فارغ ہو کر سلطان مرہٹوں کی طرف متوجہ ہوا۔ سب سے پہلے کنجن گڈھ پر قابض ہوا۔ رانی فرار ہو گئی۔ اور اس کا بیٹا گرفتار ہو گیا۔ جو بعد میں مسلمان ہو گیا۔ اور علی مردان خاں نام رکھا گیا۔ (جامع اوراق)

کنجن گڈھ سے افواج سلطانی ساونڈور میں مقیم ہوئیں۔ حاکم ساونڈور نے اطاعت قبول کر لی۔ اب سلطانی افواج کپلی کی طرف بڑھیں۔ اور ایک سخت لڑائی کے بعد کپلی پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ کے دوران میں سلطان کے بعض سپاہیوں کی چیرہ دستیوں کے باعث چند عورتیں دریا میں ڈوب کر مر گئیں۔ جب یہ خبر سلطان کو پہنچی تو اس نے ان سپاہیوں کو عبرتناک سزائیں دیں۔

اس کے بعد جب سلطان قلعہ دھاڑواڑ پر قبضہ کرنے کی غرض سے بڑھا تو موسم بارش کی وجہ سے دریائے تنگبھدرا میں طغیانی آگئی۔ اور سلطانی فوج کو مجبوراً رک جانا پڑا۔ جب اقبال عروج پر ہوتا ہے تو اس وقت ناممکن کام بھی ممکنات میں سے ہوجاتے ہیں۔ اور ہر بگڑی ہوئی سنور جاتی ہے۔ سلطان نے کئی دن تک انتظار کیا کہ دریا اتر جائے مگر طغیانی کسی طرح کم نہ ہوتی تھی۔ آخر سلطان نے حکم دیا کہ دریا میں اکیس گولے مارے جائیں اور کہا کہ "یہ بھی گویا ہمارے دشمن کا ہراول ہے جو ہمارا راستہ روکے ہوئے ہے۔" قدرت الٰہی دیکھئے کہ گولے پھٹتے ہی دریا کا پانی کم ہونے لگا اور دریا پایاب بن گیا۔ اس واقعہ کا اثر ایسا ہوا کہ تمام دیکھنے والے اور اہلِ فوج نے اس کو سلطان کی کرامت قرار دیا اور اس کی فتح و نصرت کے نعرے لگائے۔ سلطان دریا پار ہو کر دھارواڑ کی طرف بڑھا۔

حسین علی خاں اور بدیع الزماں خاں کے ماتحت غازی خاں، ولی محمد خاں کابلی، ابراہیم خاں اور فاضل خاں بہادر اپنی فوج لیکر بڑھے۔ اور دوسری طرف قادر خاں، میر محمد اور امام خاں بڑھے۔ یہ فوجیں کچھ اس طرح بڑھیں کہ مرہٹی فوج نرغے میں گھر گئی۔ اور سرداران مرہٹہ اپنی جانیں بچانے کے لئے اپنے اہل و عیال کو میدانِ جنگ ہی میں چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اور جس وقت افواج سلطانی انہیں اسیر کر کے لائیں تو سلطان نے از راہ کرم و مراحم خسروانہ ان سے نہایت عزت اور شفقت کا برتاؤ کیا اور بہت سے زر و جواہر دیکر انہیں پونا روانہ کر دیا کہ وہاں جاکر صلح و آشتی کا پیغام دیں۔

شاہنور کا میدان جنگ

شاہنور کے گرد و نواح میں مرہٹوں اور نظام کی فوجیں جمع ہو رہی تھیں اور یہیں ایک فیصلہ کن

جنگ کا انتظار تھا۔ تمام مرہٹی سپہ سالار اور نظام الملک میدان جنگ میں حاضر تھے۔
سلطان نے اپنی فوج کو اس طرح سے ترتیب دیا کہ میمنہ پر میر معین الدین اور فرانسیسی سپاہ تھی۔ اور میسرہ پر برہان الدین اور قلب میں خود مقیم رہا۔ اس فوج نے رات کے وقت پیش قدمی کی۔ اور علی الصباح برہان الدین کی فوج نے مرہٹی فوج پر جو ہری پنڈت اور راستیا کے ماتحت تھی حملہ کر دیا۔ دوسری طرف سے میر معین الدین کا حملہ ہوا۔ اسی وقت سلطان نے بھی قلب پر حملہ کر دیا۔ جس کی وجہ سے مرہٹوں کی فوج کو میدان جنگ میں قائم رہنا مشکل ہو گیا اور حیدر آبادی فوجیں فرار ہونے لگیں۔ مرہٹے پیچھے ہٹے اور قریباً تین میل جا کر پھر مجتمع ہوئے۔ اور ان کا توپخانہ سلطانی افواج کو سخت نقصان پہنچانے شروع کیا۔ یہ دیکھ کر سلطان نے سید حمید، شیخ انصر، احمد بیگ اور موسیو لالی کو توپخانہ چھیننے بھیجا۔ یہ فوج ایک خشک تالاب میں سے گذر کر اچانک غنیم کے سر پر پہنچی۔ اور اس قدر گولیاں برسائیں کہ مرہٹی فوج سراسیمہ ہو گئی۔ اور توپ خانہ چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ مرہٹوں کے دو سردار مارے گئے۔ مرہٹوں اور نظام کا کل سامان جنگ اور اسباب وغیرہ سلطانی فوج کے ہاتھ آیا۔ یہ فتح ایسی تھی کہ مرہٹے اور نظام بہت دور تک پیچھے ہٹ گئے اور اس کے بعد انہیں میدان جنگ میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

اس فتح کے بعد سلطان نے سید حمید اور سید غفار کو شاہنور بھیجا۔ کیونکہ نواب حکیم خاں باغی ہو کر مرہٹوں اور نظام سے مل گیا تھا۔ جس وقت اس فوج کی آمد کی خبر ملی تو نواب اپنے بیٹے عبد الخبیر خاں کو شہر میں چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ سلطانی افواج بغیر کسی سخت لڑائی کے شاہنور پر قابض ہو گئیں اور جو کچھ مال و دولت شاہنور میں مل سکا سب حضور سلطانی میں بھیج دیا گیا۔ عبد الخبیر خاں بھی گرفتار ہو کر حضور سلطانی میں پیش ہوا۔ سلطان نے اسے نظر بند کر دیا۔

عزم سلطانی

میدان شاہنور میں جو فتح کامل سلطانی فوج کو حاصل ہوئی تھی۔ اس سے سلطان کا دل بہت بڑھ گیا اور کل فوج آگے بڑھنے کے لئے بیتاب تھی۔ سلطان نے از سر نو فوجوں کو ترتیب دیکر ایک حصّہ کو تسخیر حیدر آباد کے لئے اور دوسرے کو تسخیر پونا کے لئے نامزد کیا اور خود اسی جگہ ضروریات جنگ مہیا کرنے اور کمک دینے کی غرض سے مقیم رہا۔ جب یہ خبر نظام الملک اور مرہٹوں کو ملی تو ان میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ کیونکہ برہان الدین نے بڑھ کر بنکاپور اور مندری کوٹہ پر قبضہ کر لیا اور سید حمید و سید غفار نے مندرگی درگ پر دھاوا بول دیا۔ وہ فوج جو خاص سلطان کے زیر کمان تھی۔ ہری پنڈت پھڑکیا کی فوج کی طرف بڑھی۔ جو کہ شاہنور کی جنگ میں پسپا ہو کر بہت فاصلہ پر مقیم تھی۔ سلطانی فوج شبخون مارتی ہوئی رات کے وقت مرہٹی کیمپ میں داخل ہو گئی۔

راجہ ہولکر جو مرہٹی فوج کی پوری کمان پر تھا اس خبر کے سنتے ہی اپنی حرم سرا چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ اسکے فرار ہوتے ہی فوج میں بھی بد دلی پیدا ہو گئی اور سب نے بھاگنا شروع کر دیا۔ افواج سلطانی کے ہاتھ تمام خیمے مال و اسباب آیا۔ ہولکر کی حرم سرا اور دوسرے تمام سرداروں کی عورتیں اسیر ہو کر سلطان کے روبرو حاضر ہوئیں تو سلطان نے دوسری دفعہ ان عورتوں کو پالکیوں میں سوار کرا کر نہایت عزت و آبرو کے ساتھ پونا روانہ کر دیا۔ اس کا اثر دربار پونا پر نہایت ہی اچھا پڑا۔ تمام مرہٹی سردار جنگ سے عاجز آ چکے تھے۔ اور ہولکر نے سب سے زیادہ صلح کر لینے کے لئے زور دیا۔ چنانچہ صلح کی گفت و شنید شروع ہو گئی۔

ہری پنڈت کی سفارش سے سلطان نے عبدالحکیم خاں کو دوبارہ شاہنور کی ریاست واپس دیدی۔

آج کل شانور کہلایا جاتا ہے۔ یہ ایک بالکل چھوٹی ریاست

۱ شانور: ہے جو ہوبلی اور گدگ کے قریب ہے۔“

جنگ کے خاتمہ پر ہری پنڈت کو اس کی جوانمردی کے صلہ میں نمجن گڈھ کا علاقہ بطور جاگیر دیدیا گیا۔

ہری پنڈت مرہٹی سپہ سالار تھا۔ اور اس جنگ میں سلطان کا مدِ مقابل رہا تھا۔ باوجود اس کے سلطان اپنے اس دشمن کی شجاعت اور جوانمردی کے کارناموں کو دیکھ کر اس سے یہ سلوک کرتا ہے کہ صلح ہونے پر اس کو ایک بہت بڑی جاگیر بطورِ انعام دیتا ہے۔ چونکہ سلطان خود نہایت بہادر تھا۔ اس لئے وہ بہادر دشمن کی بھی قدر کرتا تھا۔ تاریخ میں اس قسم کی رواداری کی مثالیں ہمیں مشکل سے ہی ملیں گی۔

مرہٹوں سے صلح کرنا گویا نظام علی خاں سے بھی صلح کرنا تھی۔ لہٰذا حیدرآباد سے بھی جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ سلطان منظفر و منصور نہایت شان و شوکت سے ۱۷۸۷ء میں سرنگاپٹم واپس ہوا۔ راستے میں رائے درگ اور ہرپن ہلی کے پالیگاروں کو جو دورانِ جنگ میں دشمنوں سے مل گئے تھے۔ قید کر کے بنگلور بھیج دیا گیا۔

انتظامِ سلطنت

ان مہمات سے فارغ ہو کر سلطان مراجعت فرمائے سرنگاپٹم ہوا۔ جہاں اس نے سلطنت کے انتظام پر توجہ کی۔ معلوم ہوا کہ سلطان کی غیر موجودگی میں دیوان میر صادق نے خزانے میں دست برد کی ہے اور رعایا اس کی سختی سے سخت نالاں ہے۔ سلطان نے بعد تحقیق میر صادق کو معزول کر کے مہدی علی خاں نائطہ کو دیوان مقرر کیا اور تمام سلطنت میں

جدید نظم ونسق کی ایک روح پھونکی گئی۔ اس سال یعنے ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۵ء میں جامع محمد کے نام سے ایک یونیورسٹی قایم کی گئی۔ اور مسجد اعلیٰ کی بھی بنیاد رکھی گئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی اور ٹیپو سلطان

اس چار سال کے عرصہ میں یعنے ۱۷۸۴ء سے ۱۷۸۸ء تک سلطان جب تک حیدر آباد اور مرہٹوں سے جنگ میں مصروف رہا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی خاموشی سے اپنی فوجی تنظیم میں لگی رہی۔ اس کو امید ہونے لگی کہ ان متواتر جنگوں سے سلطانی قوت بالکل کمزور ہو جائے گی۔ لیکن جب سلطان ان جنگ میں بھی مظفر ومنصور نکلا تو انگریزوں نے اس کو مہلت نہیں دینا چاہی وہ جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ اور اس کے لئے ان کو بہانہ کی تلاش تھی۔ انگلستان کی تاریخ میں یہ وہ زمانہ ہے کہ امریکہ کے مقبوضات اس کے ہاتھ سے نکل چکے تھے اس لئے انہیں نئے مقبوضات کی تلاش تھی۔ جنوبی ہند انکے لئے ایک وسیع میدان تھا۔ لیکن متواتر جنگوں میں حیدر علی اور ٹیپو سلطان سے شکست کھانے کے بعد انہیں اپنی امیدیں منقطع ہوتی نظر آنے لگی تھیں۔ اس لئے وزیراعظم مسٹر پٹ نے اپنی ساری توجہ اس طرف مرکوز کر دی۔ اس نے مدراس کی گورنری کے لئے جنرل میڈوز اور گورنر جنرل کے عہدہ سے لئے لارڈ کارنوالس کا انتخاب کیا تھا۔ جنرل میڈوز ایک نہایت آزمودہ کار جنرل تھا۔ اور اسی طرح لارڈ کارنوالس بھی۔ ان دونوں کا انتخاب اس لئے ہوا تھا کہ ٹیپو سلطان سے ۱۷۸۴ء کی شکستوں کا بدلہ لیا جائے۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات کو ہندوستان میں وسیع کیا جائے۔ جنرل میڈوز مدراس پہونچکر میسور کی رانی کے ایجنٹ ترمل راؤ سے خط وکتابت شروع کر دیتا ہے۔ اور موقع کا منتظر رہتا ہے کہ سلطان سے جنگ چھیڑ دی جائے۔ اور خوش قسمتی سے یہ موقع جلد حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنے ملیبار میں سلطان کے

خلاف بغاوت ہو جاتی ہے۔

سرکشانِ ملیبار کی بغاوت

۱۷۸۹ء میں سلطان باوجود ملکی انتظام میں مشغول ہونے کے کالیکٹ کے باغی نائروں کی سرکوبی کے لئے نکلا۔ بغاوت کو فرو کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ اس بغاوت کے پسِ پردہ راجہ کوچین اور راجہ ٹرا ونکور کے ہاتھ کام کر رہے ہیں۔ سلطان ان دونوں ممالک پر حملہ کرنے کی غرض سے بڑھا۔ خیر خواہوں نے عرض کیا کہ راستہ ناہموار ہے اور دریا و ریلان میں حائل ہے۔ مگر سلطان نے ایسی رات کی تاریکی میں صرف دو پلٹنیں اور دو ہزار سوار لیکر کوچین پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ لیکن مکار دشمنوں نے ازراہ فریب رات خاموشی سے بسر کر کے صبح ہونے سے پہلے دریا کے منبعوں کا منہ کھول دیا۔ جس سے کھاڑی اور چشمے لبریز ہو گئے۔ کمک یا واپسی کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں۔ جس کے بعد انہوں نے چاروں طرف سے سلطانی فوج کو گھیر لیا۔ اس معرکہ میں سلطان کے چار ہزار جری سپاہی کام آ گئے۔ سلطان بصد مشکل دریا عبور کرتا ہوا واپس ہوا۔ مگر سلطانی جلوداروں میں سے کوئی نہ بچ سکا۔ سلطان کی پالکی اور کٹار جو پالکی ہی میں تھی۔ دشمنوں کے ہاتھ لگ گئی۔ پھر سلطان نے دریا پار ہو کر اپنی فوج کو جمع کر کے سپہسالاروں کو عام حملہ کا حکم دیا۔ سلطانی سپاہ کے غیض و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ صبح کو جو واقعات ہوئے تھے۔ ان کا دل کھول کر بدلہ لیا گیا۔ سلطان نے بصد شان و شوکت قلعہ میں داخل ہو کر سب مال و متاع اور تمام اسلحہ پر قبضہ کر لیا۔

جب ان واقعات کی خبر مدراس پہونچی تو جنرل میڈوز جو پہلے سے سلطان کے خلاف تیاریوں میں مصروف تھا۔ اور میسور کی لائیوں کے انجینئر فرمل راؤ سے خط و کتابت

کیا ہوا تھا۔ بغیر اعلان جنگ کے سرحد سلطنت خداداد پر فوجیں بھیجد یتا ہے۔ سلطان کو جب اسکی اطلاع ملتی ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے کہ انگریز بغیر کسی وجہ کے اس سے کس لئے جنگ پر آمادہ ہیں؟ دریافت حالات کے لئے وہ جنرل میڈوز کو خط لکھتا ہے اس خط کا مضمون اور اس کا جواب بورنگ اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۴۶ پر اس طرح لکھا ہے:

"دونوں حکومتوں کے درمیان اگر کوئی رنجش کی وجہ پیدا ہوگئی ہے تو باہمی ملاقات سے معاملہ طے ہو سکتا ہے۔"

جنرل میڈوز نے جواب دیا کہ ٹراونکور حکومت مدراس کی حلیف ہے اور اس کی سرحد پر جو واقعات ہو رہے ہیں۔ ان سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ اس جواب سے سلطان نے سمجھ لیا کہ انگریز جنگ پر آمادہ ہو گئے ہیں۔"

سلطان کو جب یہ جواب پہونچا تو اس نے بھی اپنی مدافعت کے لئے پائین گھاٹ کی طرف بڑھا کہ انگریزی فوج کو آگے بڑھنے سے روک دے۔ کوئمبتور اور ستی منگل کی نواح میں جنرل میڈوز کی فوج سے مقابلہ ہوا جس میں سلطان فتحیاب ہوا۔ دوران جنگ میں جب انگریزی فوج کے خیمے لوٹے گئے تو اکثر مرد و عورت اسیر ہوئے اور ان میں کچھ ایسی عورتیں بھی تھیں جو خود کو مسلمان کہتی تھیں اور گوروں سے زنا کرتی تھیں۔ سلطان نے ان کو قتل کرا دیا۔

بنگالہ سے کرنل میکسویل کے ماتحت ادسا انگریزی فوج براہ سرکار ستی آکر باتور اور دانمباڑی پر قابض ہو چکی تھی۔ جب سلطان کو اسکی خبر پہونچی تو میر برہان الدین سپہ سالار کو مدافعت کے لئے روانہ کیا۔ اور خود نگر کی جانب بڑھا۔ برہان الدین اور اس کے ماتحت سپردار سید غفار نے کندل پہونچکر انگریزی فوج پر حملے کئے اور ڈیڑھ سو سوار

اور دو سو سپاہی قید کر لیے گئے۔ یہ خبر پاکر جنرل میڈوز جو شکست کھا کر ستی منگل کی
نواح میں تھا، کرنل میکسویل کی امداد کے لئے بڑھا۔ اور دونوں فوجیں تیور گھاٹ پر مل
گئیں۔ جن کے باعث افواج سلطانی کو بہت نقصان پہنچا۔ انگریزی فوج کشی کی سب خبر
پہونچی تو سلطان نے رسالے اور توپ خانے لیکر بہ نفس نفیس انگریزی کے نواح میں پہنچا۔
اور جاتے ہی حملے کا حکم دیدیا۔ اس جنگ میں انگریزی فوج کو سخت شکست ہوئی۔ اور اتنا نقصان
یہاں تک شدید ہو گیا کہ وہ ترچناپلی کی طرف فرار ہو گئی لیکن سلطانی سپاہ نے آگے بڑھ
کر ان کی راہ روک لی۔ اور چاروں طرف سے لوٹ پڑی۔ اور اس دلیری و بہادری
اور با قاعدہ معرکہ آرائی سے اپنا فن جنگ ظاہر کی کہ انگریز بھی لوہا مان گئے قریب
تھا کہ سلطانی فوج کو کامل فتح حاصل ہوتی کہ رات ہونے کی وجہ سے جنگ ملتوی ہو گئی
رات ہی رات انگریزی سپہ سالار بہت سا سامان اور اسباب ہی چھوڑ کر آگے روانہ ہوا۔
مگر سلطانی سواروں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ ناگاہ ان حملوں میں میر برہان الدین کو گولی لگی
اور وہ وہیں شہید ہو گئے۔ سپاہیوں نے ان کی لاش کو فوراً پالکی میں رکھ کر سلطان تک
پہنچا دیا۔ سلطان اپنے ایک ایسے تجربہ کار اور جاں نثار سپہ سالار کے مارے جانے سے
بے اختیار رو پڑا۔ اور اس غم میں اپنی فوج کو انگریزوں کے تعاقب سے منع کر دیا۔
اگرچہ دوسرے سپہ سالار اور سپاہیوں نے بہت کچھ زور دیا کہ جب کامل فتح اور دشمن
کی پوری بربادی آنکھوں کے سامنے ہے تو ضرور تعاقب کرنا چاہئیے۔ مگر سلطان نہ مانا۔
اس سے جنرل میڈوز کو غیر متوقع فرصت مل گئی۔ وہ اس کو غنیمت جانتے ہوئے اور
دوسری آنے والی مصیبتوں کا خیال کرکے اپنی سپاہ لیکر مدراس بخیر و عافیت پہونچ گیا۔
مگر راستہ بھر سلطانی سپاہ اس کو پریشان کرتی رہی۔ ان واقعات کے دوران میں سلطانی

سپاہ نے ستی منگل، چنجی اور کوہ پر مرکل کو فتح کر لیا۔ اور بہت سے انگریزی عورت اور مرد جو اسیر ہوئے سرنگاپٹم پہنچا دئے گئے۔

اس جنگ کے متعلق بورنگ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۸ پر لکھتا ہے :۔

"سلطان کے مقبوضات پر کامیاب حملہ کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ضلع بارامحل اور درۂ گجل ہٹی پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس خیال سے جنرل میڈوز نے کرنل میکسول کو کرشناگری پر بھیجا جو ضلع کا صدر مقام تھا۔ لیکن ابھی میکسول کرشناگری بھی نہیں پہونچا تھا کہ سلطان برق سرعت سے بڑھ کر میکسول سے جنگ شروع کر دی۔ اس عرصہ میں معلوم ہوا کہ دوسری جانب سے خود جنرل میڈوز کے ماتحت ایک انگریزی فوج آ رہی ہے ٹیپو جو ایک ماہر فن اور بہترین جنگی جنرل تھا سمجھ گیا کہ وہ دو فوجوں کے نرغے میں پھنس جائے گا ہے۔ اس لئے اپنی فوج لیکر پیچھے ہٹا۔ اور درّہ تیار سے نکلکر اس آنے والی انگریزی فوج پر حملہ کر دیا۔ انگریزی فوج نقصان اٹھا کر واپس ہوئی۔ یہاں سے سلطان دریائے کاورن کو عبور کر کے ترنا ملے اور پرماکوئل پر بڑھا اور یہ مقامات اس کے قبضہ میں آ گئے۔ یہاں سے وہ پانڈیچری پہونچکر فرنچ گورنر سے درخواست کی کہ اس کو چھ ہزار فرانسیسی سپاہیوں سے مدد دے۔ کہ انگریزوں کو ملک سے نکال دیا جائے۔ ٹیپو نے اس وقت یہ بھی وعدہ کیا کہ انگریزی مقبوضات فرانس والوں کے سپرد کر دیے جائیں گے۔ گورنر نے اس درخواست کو فرانس کے بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ لیکن لوئی شانزدھم نے انقلاب فرانس کے ڈر سے اس درخواست پر اس وقت توجہ نہیں دی۔"

ایک فرانسیسی مورخ بصد حسرت لکھتا ہے کہ:

"فرانس والوں نے اس زریں موقع کو ہاتھ سے کھو دیا اس وقت جب سلطان کل جنوبی ہندوستان کے سیاہ و سفید کا مالک اور انگریز اس کے رحم پر تھے اگر فرانس والے سلطان کی تائید کرتے تو ہندوستان کی تاریخ ہی کچھ اور ہوتی"۔

جب یہ خبریں لارڈ کارنوالس گورنر جنرل کو پہونچیں تو وہ انہیں واقعات کو بنائے جنگ قرار دیکر تیاری میں مصروف ہوا۔ سلطان نے جو کچھ کیا وہ اپنے ملک کی اندرونی بغاوتوں کے روکنے کے لئے کیا۔ لیکن انگریزوں نے بلا وجہ باغیوں کی حمایت کی اور جب انہیں اور باغیوں دونوں کو شکست ہوئی تو لارڈ کارنوالس نے باقاعدہ جنگ کی بنیاد ڈال دی۔ کہ کسی طرح سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو توڑ دیا جائے۔

سلطان سے جنگ کرنے کے لئے انگریزوں کے پاس کوئی معقول وجوہ نہیں تھے۔ لیکن ایک عرصہ سے نواب حیدر علی اور سلطان ٹیپو کی فتوحات انگریزوں کے دلوں میں خار کی طرح کھٹک رہی تھیں۔ اور گذشتہ شکستوں کا زخم ان کے سینوں میں اتنا گہرا تھا کہ وہ دن رات انتقام لینے کے درپے تھے۔ جب تنہا انگریز سلطان سے نبرد آزما نہ ہو سکے تو آخرکار نظام الملک اور مرہٹوں کو ساتھ ملا کر سلطان کے خلاف "اتحادِ ثلاثہ" قائم کر لیا گیا۔

ان حالات کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ مجملاً اس وقت کی تاریخ لکھ کر علیحدہ علیحدہ طور پر انگریز، فرانسیسی نظام الملک اور مرہٹوں کے حالات دکھلائے جائیں۔ والاجاہ نواب کرناٹک کے حالات کو اس لئے نظرانداز کیا گیا ہے کہ اس وقت وہ انگریزوں کے ہاتھ میں بالکل ایک کٹھ پتلی کی طرح تھا۔

حیدرآباد

۱۷۰۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد عظیم الشان سلطنت مغلیہ پارہ پارہ ہوگئی۔ اور ہر جگہ طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر مختلف صوبہ دار اپنی اپنی جگہ خود مختار بن بیٹھے۔ ان صوبہ داروں میں جو دو ممتاز ہستیاں نظر آتی ہیں وہ ایک تو صوبہ دار اودھ کی ہے اور دوسری نظام الملک آصف جاہ اول حیدرآباد کی ہے اورنگ زیب کی وفات کے بعد اسکے جانشین اس دل و دماغ کے نہیں تھے جو سلطنت کو قابو میں رکھ سکتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زمام سلطنت وزراء کے ہاتھ میں آگئی۔ اور شہنشاہ برائے نام رہ گئے۔ ان وزراء میں عبداللہ خان اور حسین علی خان دو بھائی تاریخ میں خاص طور پر مشہور ہیں۔ بلکہ دراصل یہ دونوں بھائی تاریخ میں (کنگ میکرز) بادشاہ ساز مشہور ہیں جس کو چاہتے تخت پر بٹھاتے، اور جس کو چاہتے معزول کر دیتے تھے۔ باوجود اسکے تاریخ اس کا ثبوت نہیں دیتی کہ وہ سلطنت کے دشمن یا بدخواہ تھے یہ لازمی بات تھی کہ جب وزراء میں سے دو طاقت پکڑ لیں۔ تو دوسرے امراء و وزراء انہیں رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہی دہلی میں ہوا۔ اور اسی کی وجہ سے دہلی میں سازشوں کا بازار گرم ہوگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بھائی تو قید ہوگیا اور دوسرا شہید کر دیا گیا۔ اور یہی وہ تاریخ ہے کہ اس دن سلطنت مغلیہ کے زوال پر مہر تصدیق ثبت ہوگئی۔

رائز آف دی کرسچین پاور ان انڈیا میں ڈاکٹر باسو مورخ صفحہ ۲۵۱ پر لکھتا ہے:۔

"اگر زوال سلطنت مغلیہ کی گھتی کو سلجھایا جائے تو نظر آتا ہے کہ ان دونوں

بھائیوں کے زوال میں اگر کسی کا ہاتھ تھا تو وہ نظام الملک کا ہاتھ تھا۔ وزراء و امراء میں جو نااتفاقی تھی وہ نظام الملک کی پھیلائی ہوئی تھی۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ مرکزی سلطنت کمزور ہو گئی۔ اور اس کمزوری سے دور دراز کے صوبہ داروں نے فائدہ اٹھا کر خود مختار بننا شروع کیا۔ باوجود اس افراتفری کے سلطنت میں ابھی دم خم باقی تھا۔ اور صرف شاہنشاہ مغلیہ کا نام اس امر کے لئے کافی تھا کہ سرکش سے سرکش کو فوراً نیچا دکھا دے۔ چنانچہ جس وقت گجرات میں بغاوت ہوئی جو دراصل نظام الملک کی خفیہ سازشوں کا باعث تھی۔ تو شاہی فوجوں نے نہایت آسانی سے اس کو فرو کر دیا لیکن زمانہ مغلیہ شہنشاہ ہند کی اس ہیبت و صولت کو بھی مٹانے پر آمادہ تھا اور وہ وقت ۱۷۳۹ء میں آ گیا جبکہ نادر شاہ ایک طوفان بلا کی طرح ہندوستان میں آ کر دہلی لوٹا اور شہنشاہان ہند کی عظمت و صولت کو پیوند خاک کر دیا۔ اب صرف یہ معمہ رہ گیا ہے کہ آیا نادر شاہ خود بخود ہندوستان میں آیا یا اس کو کسی نے آنے کے لئے ابھارا۔

اگر نادر شاہ طمع سلطنت لئے ہوئے آتا تو اس کے لئے یہ مشکل تھا کہ ہندوستان میں سر پر آ ہوا تاج ہندوستان سر پر رکھے بجائے اس کے تاریخ پتہ دیتی ہے کہ وہ لوٹ مار غارت گری کر کے ہندوستان سے واپس ہو گیا۔

مصنف سیر المتاخرین اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"نادر شاہ کو افغانوں سے شکایت تھی اور اس کو رفع کرنے کے لئے اس نے اپنا ایک ایلچی دربار دہلی میں روانہ کیا۔ جس وقت ایلچی دربار دہلی میں پہونچا تو امرائے سلطنت نے بھانپ لیا کہ اسکی تہ میں نظام الملک کا ہاتھ ہے اور خصوصاً ذکریا خان کا جو کابل میں وائسرائے اور نظام الملک کا رشتہ دار تھا۔"

تفصیلِ نظر اس سے اگر اس کو دیکھا جائے کہ جس وقت نادر شاہ ہندوستان پہونچ گیا تو دربار دہلی سے نظام الملک اور خان دوران کو حکم ملا کہ اپنی فوجیں لیکر نادر شاہ کو روکیں۔ صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں :-

"نظام الملک اور خان دوران نے شہر میں جانے کی خبر مشہور کرکے وقت گنوانا شروع کر دیا۔ اور ہر روز نئے حیلے تراشنا شروع کر دیا۔"

اور پھر جس وقت دہلی پر حملہ ہوا تو سعادت خاں صوبہ دار اودھ جو اپنی فوجوں سمیت شہنشاہ ہند کی حمایت کر رہا تھا۔ نظام الملک سے امداد مانگی۔ نظام الملک نے اس وقت جواب دیا۔

صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں :-

"اب شام کا وقت قریب ہے اب وقت ہے کہ شہنشاہ سعادت خاں کی فوج کو آرام لینے کا حکم دے۔ کل صبح تمام فوج کو اکٹھا کرکے دشمن سے مقابلہ کیا جائے۔"

اس لئے اب اس تشریح کی ضرورت نہیں کہ نظام الملک سعادت خاں کی امداد کو گیا یا نہیں دہلی پر جو گذر رہا تھا۔ گذرا۔ اور اس میں نظام الملک کا کہاں تک ہاتھ تھا اس کے متعلق 'ورنج یاسو' لکھتا ہے :-

"دہلی کی تباہی میں نظام الملک کا ہاتھ تھا۔"

ادھر نادر شاہ ہندوستان سے واپس ہوا۔ اور ادھر نظام الملک اپنے بھائی غیاث الدین کو وزارت پر چھوڑ کر دکن واپس آیا۔ اور اورنگ آباد سے پایۂ تخت حیدرآباد کو بدل دیا گیا۔ جہاں وہ اپنی سلطنت کو وسعت دینے اور زبردست بنانے میں منہمک ہو گیا مگر جو طاقت اس کے سدِ راہ تھی وہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت تھی۔

مرہٹے

سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب میں جہاں نظام الملک کا ہاتھ ہے۔ وہاں مرہٹوں نے بھی کچھ کم کام نہیں کیا۔ اورنگ زیب کے زمانہ ہی میں مرہٹے دکن میں طاقت پکڑ چکے تھے۔ اور اب جبکہ سلطنت دہلی پر انقلاب آ رہے تھے۔ تو انہوں نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اگر صوبہ دار دکن مغلیہ سلطنت کا وفادار ہوتا تو مرہٹوں کو کبھی وہ عروج حاصل نہ ہوتا جو انہیں حاصل ہو کر رہا۔ مگر اسکے عوض صوبہ دار دکن نے اپنے اغراض و مقاصد کی حصول کے لئے یہی مناسب جانا کہ مرہٹوں کو اور حوصلہ دلائے۔

صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

"نظام الملک نے اپنے چچا حمید خاں کو شہنشاہ سے بغاوت کرنے پر آمادہ کیا اور مشورہ دیا کہ سیلاجی اور کنتاجی مرہٹہ سرداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔"

پھر باجی راؤ پیشوا کے زمانہ میں شمالی ہندوستان پر حملہ کرنے کی ترغیب جس شخص نے مرہٹوں کو دی۔ وہ نظام الملک ہی تھا۔

مصنف سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

"نظام الملک نے باجی راؤ کے آگے تجویز پیش کی کہ مالوہ اور گجرات فتح کیے یا کم از کم انہیں ایسا تاخت و تاراج کرے کہ وہ صوبے دشمن سلطنت مغلیہ کے کسی کام کے نہ رہیں۔ باجی راؤ اور دوسرے مرہٹہ سرداروں نے اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے فوراً ایک زبردست فوج تیار کی۔ اور گجرات و مالوہ پر چڑھائی کر دی۔"

اب غور طلب امر یہ ہے کہ نظام الملک نے جو خود ایک زبردست سلطنت کی بنیاد

رکھنا چاہتا تھا۔ مرہٹوں سے ساز باز کیوں کی؟ اس کا جواب صرف یہی ہے کہ نظام الملک موقع کا منتظر تھا۔ اس کو نہ سلطنتِ مغلیہ سے ہمدردی تھی اور نہ مرہٹوں سے اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ دونوں حریف لڑ کر کمزور ہو جائیں تو خود طاقت حاصل کرلے۔ مگر قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ مرہٹے گجرات و مالوہ پر قبضہ کر کے کل ہندوستان پر چھا گئے۔ اور ان کی طاقت یہاں تک زبردست ہو گئی تھی کہ نظام الملک کی سلطنت ان کے رحم پر منحصر ہو گئی۔ اگر ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی میدان پانی پت میں انہیں شکست نہ دیتا تو ہندوستان پر انہیں کی حکومت ہوتی۔ اور حیدرآباد کا نام ونشان بھی مٹ گیا ہوتا۔ مگر باوجود اس شکست فاش کے یہ قوم پھر اپنی گم شدہ عظمت حاصل کرنے کے لئے بے تاب تھی۔ اور کل ہندوستان ان کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔

۱۷۶۱ء ہندوستان کی تاریخ میں وہ انقلاب انگیز سنہ ہے جب ہندوستان پر بہت سے انقلابات آئے۔ مرہٹی طاقت جو ہندوستان میں کوس لمن الملک بجا رہی تھی۔ میدان پانی پت میں دفن ہو گئی۔ اور نئی نئی طاقتیں ہوس ملک گیری لیکر منصۂ شہود پر آئیں۔ مرہٹوں کی طاقت اگرچہ لوٹ گئی تھی مگر ان میں اب بھی ہوس ملک گیری برابر قائم تھی۔ حیدرآباد میں آصف جاہ نظام الملک کا انتقال ۱۷۴۸ء میں ہو چکا تھا۔ اس کے بعد حیدرآباد خود بھائیوں کی ہوس کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ جنوب میں حیدر علی کی نئی طاقت اُبھر رہی تھی۔ دوسری طرف انگریز اور فرانسیسی ملک پر قبضہ جمانے کے لئے دست بگریباں تھے۔ اس لئے اس موقع پر ان دونوں قوموں کی مختصر تاریخی حالات کا لکھنا تسلسل قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

انگریز اور فرانسیسی

تاریخ سے ظاہر ہے کہ یہ دونوں قومیں کس غرض سے ہندوستان آئیں۔ اور کس طرح انگریزوں نے فرانسیسیوں کو شکست دیکر رفتہ رفتہ ملکی معاملات میں دخل دیتے ہوئے بنگالہ اودھ اور سرکارس پر قابض ہوگئے۔ اگر میر قاسم و میر جعفر کا وجود بنگالہ میں نہ ہوتا تو شاید انگریزوں کے قدم کبھی بطور حکمران ہندوستان میں نہ جمتے بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ دراصل یہ میر ہی تھے۔ جنہوں نے ہندوستان کو غلامی کا طوق پہنا دیا اور آپ بھی غلام بنکر رہ گئے۔ اگر تاریخ ہند کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ شمالی ہند میں میر جعفر و میر قاسم، حیدرآباد میں میر عالم اور میسور میں میر صادق و میر غلام علی لنگڑا ایک ہی وقت میں ایسی ہستیاں تھیں جنہوں نے ہندوستان کی سلطنتوں کو برباد کرکے رکھ دیا۔

انگریز تو ہندوستان میں محض تجارت کی غرض سے آئے۔ مگر مواقع ایسے پیش آئے۔ کہ وہ بنیاد حکومت ہی رکھ چکے۔ وارن ہیسٹنگس اور لارڈ کلایو نے بنگالہ میں جو کچھ کیا۔ اور جس طرح بنگالہ اور اودھ انگریزوں کے قبضہ میں آگئے۔ محتاج تشریح نہیں۔ فرانسیسی بھی انگریزوں کی طرح ہندوستان میں تجارت کے لئے آئے۔ مگر قسمت نے انگریزوں کا ساتھ دیا اور انگریز اپنی پالیسی میں کامیاب ہوگئے۔

ہندوستان کی مکمل تاریخ ہم لکھ چکے ہیں۔ اب صرف یہ بتلانا باقی ہے کہ سلطنت خداداد میسور کو اس سے کیا تعلق ہے۔ یہ بھی ہم دکھا چکے ہیں کہ سلطنت مغلیہ کے زوال سے جو طاقت فائدہ اٹھانا چاہتی تھی وہ حیدرآباد دکن کی ریاست تھی۔ مگر اس کی راہ میں جو چیز حائل ہو گئی وہ خود نظام الملک اول کی پالیسی کا نتیجہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت

تھی جس کے سیلاب کو روکنا اس کے لئے اب مشکل ہو گیا تھا۔ نظام الملک اول کی وفات کے
بعد حیدر آباد خانہ جنگیوں میں پھنس گیا۔ ۱۷۶۱ء میں مرہٹی طاقت منتشر ہو گئی۔ اور نظام الملک
نظام علی خاں مسند آرائے دکن ہوا۔ اور یہ بھی وہی شہنشاہیت ہند کا سودا سر میں لیکر آیا۔
جو نظام الملک اول لیکر آئے تھے۔ انگریز اور فرانسیسی تاجر تھے۔ سات سمندر پار سے
آئے تھے۔ نظام علیخاں کے خیال میں وہ مستقل بود و باش اور حکمرانی کے لئے نہیں
آئے تھے۔ انکی فوجیں زیادہ تر ہندوستانی تھیں۔ بہ شہنشاہ ہند کے جھنڈے تلے بوقت
ضرورت آسانی سے لائی جا سکتی ہیں۔ اس لئے اس نے اپنی زیادہ تر توجہ ان نئی ابھرنے
والی طاقتوں پر مرکوز کر دی۔ جو اس کے خیال میں شہنشاہیت ہند کے راستے میں سد راہ
ہونے والی تھیں۔ اور اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے اسکی نظر انتخاب انگریزوں اور مرہٹوں
پر پڑی۔ اول الذکر یہاں کے رہنے والے نہیں تھے۔ اور موخر الذکر کی طاقت آسانی سے
مٹائی جا سکتی تھی کیونکہ ہندوستان کے کل مسلمانوں سے امداد مل سکتی تھی اور ایران و افغانستان
سے بھی تائید کی توقع تھی۔ اس لئے نظام الملک مرہٹوں اور انگریزوں سے مل
گیا کہ نئی طاقت کو ابھرنے نہ دے۔

اگر بساط ہند پر حیدر (دیکھو) سے مہرے نہ آتے اور اس اسلامی سلطنت خداداد
کی بنیاد نہ پڑتی تو یقینی ہے کہ سرزمین دکن کی تاریخ حیدر آباد اور مرہٹوں کی جنگ
سے پر ہوتی۔ کیونکہ جہاں نظام الملک ہندوستان کی شہنشاہیت کے خواب دیکھ رہا تھا
وہاں مرہٹے بھی سیادت ہند کے لئے بے تاب تھے۔ جس طرح سلطنت خداداد کی بنیاد
نظام الملک کو کھٹک رہی تھی اسی طرح مرہٹے بھی اس نوزائیدہ سلطنت کو مٹانے
کے لئے آمادہ تھے اور چونکہ دونوں کا مقصد ایک ہی تھا۔ لازمی طور پر دونوں میں لینے

نظام الملک اور مرہٹوں میں اتفاق ہو گیا اور دراصل یہی وجہ ہے کہ ہم شروع سے اخیر تک سلطنت خداداد کے خلاف ان ہر دو طاقتوں کو متحد و متفق دیکھتے ہیں۔

مرہٹوں کو خراج کی ضرورت تھی۔ وہ صرف اپنی سیادت منوانا چاہتے تھے۔ مگر نظام الملک کے خیال میں سلطنت خداداد سنگ راہ تھی۔ اس لئے ہر سازش و ہر جنگ کی ابتدا نظام الملک سے ہوئی۔ نواب حیدر علی کے بعد ٹیپو سلطان کے عہد سلطنت میں بھی نظام الملک ہی کا نام آ رہا ہے۔ (نظام الملک کی ایک آرزو تو پوری ہو گئی کہ سلطنت خداداد مٹ گئی۔ مگر دوسری آرزو کی حسرت رہ گئی بلکہ خود حیدر آباد کی سلطنت اسی نظام کے عین حیات میں انگریزوں کی باجگذار بن کر رہ گئی۔ گذشتہ اوراق میں ہم بتلا چکے ہیں کہ تخت نشینی کے بعد ہی ٹیپو سلطان کو نظام الملک اور مرہٹوں سے جنگ پیش آئی۔ جس میں سلطان مظفر و منصور ہو کر نکلا۔)

یہ ہم بتلا چکے ہیں کہ کس طرح انگریز ہر دفعہ حیدر علی و ٹیپو سلطان کے مقابلے میں ناکامیاب رہے۔ بنگال کی سلطنت بنگالہ و اودھ میں مستقل ہو چکی تھی۔ جنوبی ہند میں نظام الملک اور محمد علی والاجاہ نواب کرناٹک انکے بندۂ بے دام بن گئے تھے۔ لہٰذا قدرتی طور پر انگریزوں کو بھی ہندوستان کی اس افراتفری اور نفاق سے فائدہ اٹھا کر سلطنت کی بنیاد رکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ انگریزوں کی دوربین نظریں دیکھ چکی تھیں کہ مرہٹے اور نظام الملک میں کس قدر بل اور طاقت ہے۔ اس لئے انکے راستے میں جو شے سد راہ تھی وہ یہی سلطنت خداداد تھی جس کے مٹانے پر یہ بھی تل گئے اور میسور کے ان جنگوں کی بنیاد پڑی۔ جس کو تاریخ میں میسور کی پہلی، دوسری، تیسری، اور چوتھی جنگ کہا جاتا ہے۔ ان میں دو تو حیدر علی کے زمانہ میں اور دو ٹیپو سلطان

کے عہد سلطنت میں ہوئیں۔ اب جس جنگ کا ذکر ہو رہا ہے وہ میسور کی تیسری جنگ ہے۔

لارڈ کارنوالس

وارن ہیسٹنگس گورنر جنرل کی کارستانیوں نے انگریزوں کے قدم ہندوستان میں مضبوطی کے ساتھ جما دیئے تھے۔ اور انکی سلطنت کی بنیاد بنگالہ و کرناٹک میں پڑ چکی تھی۔ اس لئے قدرتاً انگلستان میں ہندوستان سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اسی زمانہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ انگلستان سے باغی ہو کر آزاد ہو گئے تھے۔ اور سلطنت انگلستان کو ان کا نعم البدل پیدا کرنے کی فکر تھی۔ جس شخص نے ریاست ہائی متحدہ امریکہ کو کھویا تھا وہ خیر سے لارڈ کارنواس ہی تھا اور اسی لئے اہل برطانیہ کی نظروں میں اس کا وقار اب بالکل زائل ہو گیا تھا۔ انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر پٹ نے ہیسٹنگس کے بعد اسی شخص یعنے لارڈ کارنوالس کو ہندوستان کی گورنر جنرلی کے لئے منتخب کیا۔ کہ وہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت قایم کر کے امریکہ کا داغ بدنامی دھوڈالے۔ نیز مسٹر پٹ انگریزی مقبوضات کے وسیع کرنے کے لئے حد درجہ بیتاب تھا۔

لارڈ کارنوالس کو بھی اب اپنی گذشتہ بدنامی کی تلافی اور آئندہ شہرت کی فکر تھی۔ اس لئے جس وقت وہ گورنر جنرل کی سند حاصل کر چکا تو سب سے پہلے اس کی نظر ٹیپو سلطان پر گئی کہ اگر کسی طرح ٹیپو سلطان کو نیچا دکھا دیا جائے۔ تو پھر ہندوستان انگریزوں کا ہو کر رہے گا یہی وہ ارادہ تھا جس کو لارڈ کارنوالس اپنے دل میں لیکر ساحل ہندوستان پر قدم رکھا۔ اور اسی زمانہ میں جنرل میڈوز بھی مدراس کا گورنر ہو کر آیا۔ جس کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

لارڈ کارنوالس ۱۷۸۶ء میں گورنر جنرل ہوا۔ اور یہ وہ وقت تھا کہ ٹیپو سلطان کے نام کی ہیبت ہندوستان سے نکل کر انگلستان میں پہونچ چکی تھی۔

انگریزی مائیں اپنے بچّوں کو ٹیپو کے نام سے ڈراتی تھیں۔ ہندوستان میں جو انگریز مقیم تھے وہ ان شکستوں کی ندامت سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ جو گذشتہ جنگوں میں ٹیپو سلطان کے ہاتھوں انہیں ملی تھیں۔ کارنوالس ہندوستان میں آیا اور انگریزی طاقت کو مستحکم بنانے میں مصروف ہو گیا۔ سب سے پہلے سلطنت اودھ پر اس کی نظر پڑی۔ اودھ کو مکمل طور پر مطیع کر لینے کے بعد نظام الملک کی طرف متوجہ ہوا اور سرکارس پر قبضہ کر لیا۔ جس طریقہ پر کارنوالس نے سرکارس پر قبضہ کیا۔ مورخ مِل اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"کارنوالس کو نظام الملک کی طاقت آزمانا تھی۔ اس لئے اس نے بجائے صاف اور سیدھے طریقے پر سرکارس کی حوالگی کا مطالبہ کرنے کے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کیپٹن کیناوے (جو بطور سفیر حیدرآباد جا رہا تھا) کے حیدرآباد پہونچنے تک سرکارس کا مطالبہ نہ کیا جائے اور جب کیناوے حیدرآباد پہونچ جائے تو مدراس کی ایک فوج نواح سرکارس میں اس طرح بھیجے کہ نظام کو شبہ نہ ہو۔ اور جب موقع آئے تو فوراً ان قلعوں پر اس طرح قابض ہو جائے کہ کسی دوسرے کو مزاحمت کرنے کا موقع حاصل نہ ہو۔"

اس طریقہ پر عمل کیا گیا۔ نظام الملک پر جوں تک نہ رینگی۔ اس کو تو انگریزوں کی دوستی کی ضرورت تھی۔ اس نے سیح قطعہ کو اس طرح ہاتھ سے نکلتے ہوئے دیکھ کر بھی ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکلا۔ اور اس طرح ضلع گنجام، اجاں ٹین، گوداوری، کرشنا اور گنٹور کے اضلاع انگریزوں کے ہاتھ آگئے۔ اس طرح جب کارنوالس کا مقصد پورا ہو گیا اور اس کو یہ معلوم ہو گیا کہ نظام الملک

میں کتنی طاقت ہے تو اس نے مناسب خیال کیا کہ ٹیپو سلطان سے زور آزمائی کی جائے۔ جنگ کی ابتدا کے لئے کوئی ایک بہانہ چاہیئے تھا۔ اور کارنوالس کو بہانے کا ڈھونڈھ لینا کچھ مشکل نہیں تھا۔ آخر کار ٹیپو سلطان کے خلاف اس بہانے سے لڑائی چھیڑی گئی کہ سلطان راجہ ٹراونکور پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے جو انگریزوں کا حلیف تھا۔

گذشتہ صفحات میں بتلایا جا چکا ہے کہ جنرل میڈوز نے (گورنر مدراس) نے اسی بہانے سے جنگ چھیڑ دی تھی۔ اور شکستیں اٹھا رہا تھا۔ کارنوالس نے دیکھا کہ میڈوز جیسا تجربہ کار جنرل جب ٹیپو سلطان سے عہدہ برآ نہ ہو سکا۔ تو ایسٹ انڈیا کمپنی اگر اپنی پوری طاقت بھی خرچ کر دے تو کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اس نے نظام الملک اور مرہٹوں کو اپنی جانب ملا لیا۔ اور سلطان کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ جن کا بیان اگلے صفحات پر ہوگا۔

"زوال سلطنت خداداد کے اسباب" میں ان سازشوں پر مفصل بحث کی گئی ہے۔ (محمود)

سلطنت خداداد سے انگریزوں کی تیسری جنگ کے اسباب

انگریز اس جنگ کی ابتدا کیسے اور وہ اس میں کہاں تک حق بجانب تھے۔

تاریخ اس کا جواب دیتی ہے:۔

سر جان مالکم جو کارنوالس کا مداح ہے۔ لکھتا ہے:

"کارنوالس نے اس عہدنامہ کو نظر انداز کر دیا جو ۱۷۸۴ء میں منگلور میں ٹیپو سلطان اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں ہوا تھا۔ اسکے عوض اس نے اس عہدنامہ کو مستند قرار دیا جو ۱۷۶۶ء میں ہوا تھا۔ جس کی رو سے نظام الملک، مرہٹے،

سرداران ذنوابان اودھ وارکاٹ اور راجگان تانجور و ٹراونکور ایک دوسرے کے حلیف قرار پائے تھے۔ ٹیپو سلطان کا نام عمداً نظر انداز کرنے میں کارنوالس حق بجانب نہیں تھا کیونکہ عہد نامۂ منگلور کی رو سے ٹیپو سلطان بھی انگریزوں کا ایک دوست مانا گیا تھا۔

کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے :-

"کارنوالس جیسے سیاست دان اور انصاف پسند شخص سے یہ امید نہ تھی کہ اس طرح وہ بدعہدی کرے گا۔ کارنوالس نے مدراس گورنمنٹ کو فوجوں کی تیاری کا حکم دیا کہ ٹیپو سلطان کے خلاف صف آرا ہو جائیں۔ مدراس میں اس وقت مسٹر ہالینڈ گورنر تھا جس نے جواب میں لکھا کہ ٹیپو سلطان کا ہماری حکومت سے جنگ کرنے یا عہد نامے توڑنے کا کوئی خیال نہیں۔ مسٹر ہالینڈ گورنر مدراس کو استعفیٰ دینے پر مجبور کیا گیا اور ٹراونکور کا بہانہ جنگ کرنے کے لئے اختیار کیا گیا۔"

آگے چل کر یہی کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"ٹیپو سلطان ہرگز جنگ کے لئے تیار نہ تھا۔ اور اس نے اس امر کا یقین بھی دلایا کہ اس کا ارادہ ٹراونکور پر حملہ کرنے کا نہیں ہے۔"

کارنوالس بنگال میں تھا۔ لہٰذا مدراس کی گورنمنٹ اس سے بہتر جان سکتی تھی کہ حقیقت میں ٹیپو سلطان ٹراونکور پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ یا نہیں مدراس کے گورنر مسٹر ہالینڈ کو اسی بنا پر مستعفی ہونے کے لئے مجبور کیا گیا اور اس کی جگہ جنرل میڈوز مدراس کا گورنر مقرر کیا گیا کیونکہ وہ کارنوالس کے خیالات کا ممد و معاون تھا۔

اس جنگ کی ابتدا کرنے میں لارڈ کارنوالس کس قدر حق پر تھا اس کا فیصلہ خود اس کا وہ خط کر رہا ہے جو اس نے مدراس کے گورنر کو لکھا۔

"اس ملک میں ہماری شہرت و عظمت کو قایم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ٹیپو سلطان سے نبرد آزما ہوں۔ اور نہ صرف نبرد آزما ہوں بلکہ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر ٹیپو سلطان کی طاقت کو مٹا دینا چاہیئے۔ موجودہ وقت سے بڑھ کر اچھا وقت ہمیں نہیں مل سکتا۔ جبکہ ملک کی دوسری تمام طاقتیں ہماری امداد پر آمادہ ہیں۔ اگر ٹیپو سلطان کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے۔ اور فرانس والے اس قابل ہو جائیں کہ اس کی کمک کر سکیں۔ تو ہمیں ہندوستان کو خیرباد کہنا پڑے گا۔ (جیمس مل)

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں :-

"۱۷۹۰ء میں جس وقت سلطانی فوج نے تمام پائیں گھاٹ کو مسخر کر لیا اور انگریزی فوج مدراس میں جہازوں کی پناہ میں آگئی۔ اور تمام ملک کرناٹک کو ٹیپو سلطان کے قبضہ میں جاتا ہوا دیکھ کر حیدرآباد کے وزیر اعظم مشیر الملک نے ابوقاسم خاں عرف میر عالم کو کلکتہ بھیجا کہ گورنر جنرل کو سلطان کے خلاف جنگ پر آمادہ کرے۔"

کارنوالس نے سازش شروع کی نظام الملک اس کے ساتھ مل گیا کارنوالس کو خوف تھا کہ کہیں ناگپور کا راجہ بھونسلے اسکے سدراہ نہ ہو جائے۔ اس لئے اس نے خفیہ طور پر مسٹر جارج فارسٹر کو بھونسلے اور مرہٹوں کا ارادہ دریافت کرنے ناگپور بھیجا اس وقت مرہٹے، ٹیپو سلطان سے بغیر کسی وجہ کے جنگ کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ لارڈ کارنوالس اپنے اس افسر کو لکھتا ہے :-

"اگر مرہٹے اس جنگ میں ہمارے ساتھ شامل ہونا نہیں چاہتے تو کوئی راہ ایسی اختیار کی جائے جس کی بنا پر وہ ہم سے مل جائیں۔"

جارج فارسٹر نے کوشش کی اور مرہٹوں کو اپنی طرف ملانے میں کامیاب ہو گیا۔

یہی لارڈ جو صلح جوئی کے لئے مشہور ہے۔ مسٹر مالٹ ریذیڈنٹ پونا کو لکھتا ہے "ہمارے مفاد کے لئے ٹیپو سلطان سے جنگ اٹل ہے۔ اس لئے اس موقع پر مرہٹوں کی امداد اور تعاون حاصل کرنا نہایت ضروری ہے"

مسٹر مالٹ نے دربار پونا کو انگریزوں سے موافقت کرنے میں جو کچھ کیا وہ مرہٹی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر اس کی اور فارسٹر کی سازشوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹے انگریزوں سے متفق ہو گئے۔ اور ان میں باہم ایک عہد نامہ ہوا۔ سنکلیر اپنی تاریخ ہند کے صفحہ ۷۸ پر لکھتا ہے "

دو ملکی تماشہ (انگریز، نظام، مرہٹے) کا ایک عہد نامہ ہوا۔ کہ ٹیپو سلطان کی روز افزوں طاقت کو مٹا دیا جائے۔ اور اس کا ملک انگریز، نظام اور مرہٹوں میں تقسیم کر لیا جائے"

عہد نامہ کے ہوتے ہی لارڈ کارنواس جنوری ۱۷۹۱ء میں مدراس آتا ہے اور ایک ہی مہینے کے اندر اس کی فوجیں اعلان جنگ کئے بغیر خفیہ طور پر مملکت میسور میں داخل ہو کر بنگلور پر حملہ کرتی ہیں۔ اور اس کی فتح کے بعد سرنگاپٹم پر بڑھتی ہیں۔"

سازشوں کا جال

حملہ کرنے سے پیشتر انگریزوں کے لئے ضروری تھا کہ جہاں انہوں نے ملک کی مختلف طاقتوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اسی طرح سلطنت خداداد کے اندر بھی سازشوں کا بازار گرم کر دیں۔ تاکہ سلطان کو انگریزوں کی نقل و حرکت کا پتہ نہ لگے۔ اور بخلاف اس کے سلطان کی ہر حرکت سے وہ مطلع ہو جائیں۔ اس کام کے لئے کرنل ریڈ کو مامور کیا گیا۔ جس نے آمبور کو اپنے مستقر قرار دیکر ریشہ دوانی شروع کر دی۔ سب سے پہلے کرنل ریڈ نے ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالا جو سلطنت خداداد سے

ناراض ہو کر کرناٹک میں مقیم تھے۔ ان میں کنگنڈی کیم، بہرے، کردراچک بالاپور، وینکٹ گری، گھٹیکومیر، بگن پلی، پنگنور، مدن پلی، آیتل، انکوس گری کے پالیگاروں کے علاوہ پنکنڈہ کا راجہ اور جیل نایک بھی تھے۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ اگر ملک پر قبضہ ہو جائے تو ان کی ریاستیں انہیں واپس دیدی جائیگی۔ لہٰذا وہ ملک میں جا کر اپنے اپنے مقامات سے خفیہ طور پر حالات معلوم کرائیں۔ اور وقت ضرورت انگریزی فوج کے لئے رسد مہیا کریں۔

سلطانی سرداروں کو اپنی طرف ملانے کے لئے سیم و زر کی تھیلیوں کے منہ کھول دیئے گئے۔ چونکہ سرحد پار کوئی شخص بغیر سلطانی اجازت کے گذر نہیں سکتا تھا۔ یہ پالیگر تاجروں کا بھیس بدل کر اپنے اپنے مقامات کو گئے۔ تمام ملک میں سازش کا ایک وسیع جال بچھا دیا گیا۔ کیونکہ سیم و زر کی ہوس میں سلطان کے امراء و وزراء نے بھی کرنل ریڈ کو اطلاعات بہم پہنچانی شروع کر دیں۔ سید امام جو دارالسلطنت میں مقیم تھا۔ خاص طور پر دارالسلطنت اور سلطان کی نقل و حرکت سے انگریزوں کو مطلع کرتا تھا۔ حسن اتفاق سے اس کی اطلاع سلطان کو مل گئی۔ اور جب اس سازش کا حال معلوم ہوا تو علاوہ اوروں کے لال خاں بخشی، پنگنور، میر نذر علی موکب دار اور اس کا بھائی اسمٰعیل خاں رسالدار پکڑ لئے گئے۔ سلطان نے ان تمام کو سزائے موت دی۔ اور امام الدین باشندہ کولار فرار ہو کر بچ نکلا۔ جب ان لوگوں کو سزائے موت ملی تو کرنل ریڈ کی ترکش میں ابھی چند تیر اور باقی تھے۔ اس کی قابلیت نے نئے جاسوس اور پیدا کر لئے۔

جنگ کا آغاز

نظام علی خاں چالیس ہزار سوار اور بیس ہزار پیدل لیکر اپنے امرار اور دونوں فرزند عالی جاہ اور سکندر جاہ کے ساتھ حیدر آباد سے خروج کر کے آنیکل میں خیمہ زن ہوا۔ اور اپنے امیروں کو فوج دیکر ممالک محروسہ سلطانی کی تسخیر کے لئے روانہ کیا اور لارڈ کارنوالس اپنی انگریزی فوج لیکر مرگل گھاٹ اور وینکٹ گری کو عبور کر کے ملباگل، کولار، ہوسکوٹ میں چوکیاں قایم کرتا ہوا سیدھا کرشنا راج پور پہنچا جو بنگلور سے صرف تین کوس ہے۔

سازش کا آہنی جال ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ نامی وزرار اور امراس میں شریک تھے۔ اس لئے سلطان کو اس کی خبر اس وقت ہوئی۔ جبکہ انگریزی افواج بنگلور میں داخل ہو گئیں۔

سلطان سرنگاپٹم سے نکلکر کراخ نگی میں مقیم ہوا۔ اس وقت انگریزی افواج بنگلور سے تین میل پر تھیں۔ سلطان نے سید حمید سپہ سالار کو قلعۂ بنگلور کی حفاظت کے لیے روانہ کیا اور شیخ انصر، محمد خاں بخشی اور بہادر خاں قندھاری کو قلعہ داری کی خدمت پر چھوڑا۔ یہاں ہنوز سب خیمے نصب نہ ہوئے تھے۔ اور چار قشن اسد اللہی اور خاص اصطبل کے تین ہزار سوار چاروں طرف سے سواری کو گھیرے ہوئے تھے کہ انگریزی فوج کے ایک دستہ نے کرنل فلائڈ کی ماتحتی میں سلطان پر حملہ کر دیا۔ اس کے جواب میں سلطانی توپخانہ نے انگریزی لشکر پر گولے برسانا شروع کر دئے۔ جس سے انگریزی فوج کو سخت نقصان پہونچا اور خود کرنل فلائڈ بھی زخمی ہو گیا۔ انگریزی فوج میدان سے فرار ہو گئی سلطانی سپاہ نے چار سو انگریزی سپاہیوں کو مع گھوڑوں کے اسیر کر لیا۔

بنگلور پر انگریزی قبضہ

دوسرے دن کرنل موریس اور جنرل میڈوز نے قلعہ پر حملہ کیا۔ طرفین کے کئی ہزار آدمی کام آئے اور کرنل موریس بھی مارا گیا۔ انگریزی فوج دو ہفتہ تک حصار قلعہ توڑنے میں مصروف رہی۔ آخرکار دیوار ٹوٹ گئی۔ اور نمک حرام کشن راؤ کی سازش سے انگریزوں کو قلعہ میں داخل ہونے کا موقع مل گیا۔ کشن راؤ بنگلور میں معتمد سلطانی کے عہدہ پر مامور تھا۔ قلعہ کے اندر کی رتی رتی خبریں وہ انگریزوں کو پہنچاتا تھا۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج پہلے سے ہی سلطانی فوج کی کاروائیوں کا مناسب تدارک کر لیتی تھی۔ سید حمید سپہ دار اور قلعہ دار دروازہ کے سامنے مدافعت کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اور شیخ انصر سپہ دار اسیر ہوگیا۔ قلعہ کے تمام رہنے والے گرفتار ہو گئے۔ شہر لوٹا گیا۔ بے حساب زر و جواہر انگریزی سپاہیوں کے ہاتھ لگا۔ یہ خبر جب سلطان کے کیمپ میں پہنچی تو میر قمرالدین اور رہبر صاحب نے انگریزی فوج پر حملہ کرنے کے لئے سلطان سے اجازت طلب کی۔ سلطان نے فرمایا کہ جب وقت ہاتھ سے نکل چکا تو اب سپاہ کی طاقت منتشر کرنا ٹھیک نہیں ہے سلطان کو ابھی یہ حال معلوم نہیں تھا کہ اس شکست کی بڑی وجہ ایک گہری سازش ہے ورنہ ممکن تھا کہ اسی وقت سلطان بنگلور پر حملہ کر دیتا۔ سلطان تنگ سے نکل کر نواح ماگڑی میں مقیم ہوا۔ اسکے چوتھے دن لارڈ کارنوالس نے تین ہزار ہندوستانی سپاہ اور چھ سو گورے قلعہ کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر دیون ہلی کے قریب کیمپ قائم کیا۔

دیون ہلی انگریزی قبضہ میں

دیون ہلی کا قلعہ دار بھی اس سازش میں مشریک تھا۔ اس لئے بغیر کسی لڑائی کے یہ قلعہ بھی کارنوالس کے ہاتھ آگیا۔ یہاں سے انگریزی فوج نے چک بالاپور کی طرف بڑھ کر

قبضہ کرلیا۔ چک بالاپور کا علاقہ سالانہ ایک لاکھ روپیہ پیش کش کے عوض اسکے وارث اولین رام سوامی گوڈھ کو دیا گیا۔ اس سے کارنوالس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے قدیم خاندانوں کو اپنی طرف مائل کر لیا جائے۔ چک بالاپور سے کارنوالس ابراجی درگ کی طرف بڑھا۔ راجہ رام سوامی گوڑھ نے جب اپنی قدیم دولت کو آتے دیکھا تو ملک میں سلطان کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانا شروع کردی۔ سلطان کو جب معلوم ہوا کہ اس بغاوت کے پردے میں وینکٹ نارادرجوگی نیڈرنب نائب صدر بیدار ارکاٹ اور ہریپلی اور رائے درگ کے پالیگاروں کا ہاتھ ہے تو اس نے انکے قتل کا حکم صادر کر دیا۔

بالاپور اس سے فارغ ہوکر سلطان نے کشن راؤ کو دارالسلطنت کے انتظام پر مامور کیا۔ اور خود بالاپور کی طرف انگریزی افواج کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ مگر بالاپور کے لوگ انگریزوں کی شہ پر بغاوت پر آمادہ ہوگئے تھے۔ انہوں نے سلطان کے ہراول دستے کو قلعہ کے قریب دیکھ کر مٹی کی طرح کھونکنا اور جنگی باجے بجانا شروع کردیئے۔ جس سے سلطانی بہادروں کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے حملہ کرکے قلعہ کو فتح کرلیا اور باغیوں کو سخت سزائیں دیں۔

(نوٹ: یہ باغی دراصل وہ لوگ تھے جو زمینداروں کے بہکائے ہوئے تھے۔ جن کی زمینداریاں سلطان نے ختم کردی تھیں۔ مفصل حالات سلطان کے ملکی اصطلاحات کے تحت دیکھے جائیں)

سلطان کی والدہ کا خط بالاپور سے سلکٹہ ہوتے ہوئے چنتامنی اور ملباگل کے راستے سے سلطانی افواج وینکٹ گری کوٹہ پر بڑھیں۔ صبح جب انگریزی فوج پر حملہ کی تیاریاں ہورہی تھیں تو عین اس وقت سلطان کی والدہ کی جانب سے ایک خط سلطان کو پہونچا۔ اس خط میں درج تھا کہ کشن راؤ نے

بھی کھنڈے راؤ کی طرح فتنہ و بغاوت کا جال بچھا رکھا ہے۔ اور خبر ہے کہ بمبئی سے انگریزی فوج عنقریب سرنگاپٹم پہونچنے والی ہے۔ سلطان نے یہ خط پڑھ کر اسی روز سید صاحب کو ایک کثیر فوج دیکر سرنگاپٹم کو روانہ کیا۔ جس کی وجہ سے انگریزی فوج پر حملہ ہوتے ہوتے رک گیا۔

سید صاحب سرنگاپٹم میں

سید صاحب صحرائے ماگڑی (مراٹی) ورگ کے راستے سے آدھی رات کے وقت، دارالسلطنت کے قریب پہونچ گئے۔ اور دریا کے اس طرف فوج کو چھوڑ کر خود مع چند خواص اور پانچ سو جرار سوار کے صبح ہونے سے پہلے قلعہ کے دروازے پر پہونچے۔ اسد خاں رسالدار نے جو دروازے پر متعین تھا، دروازہ کھول دیا۔ قلعہ میں داخل ہوتے ہی اپنے سواروں کو مختلف کاموں پر متعین کر کے سید صاحب سلطان کی والدہ ماجدہ کی حضوری میں آئے۔ قلعہ دار کی طلبی ہوئی نواب نے کشن راؤ کی نمک حرامی ظاہر کی۔ کشن راؤ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا اور اس کی لاش بازار میں ڈال دی گئی کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ اور اسکے مکان کا سب اسباب ضبط کر کے توشک خانۂ سلطانی میں داخل کیا گیا۔ کشن راؤ نے اپنے آخری وقت میں کہا:۔

"میں نے جو آگ لگائی ہے۔ وہ سلطان کے بجھائے نہ بجھ سکے گی۔"

اسکے ان الفاظ میں کس قدر صداقت تھی وہ واقعات مابعد سے ظاہر ہے۔

کشن راؤ کی بیوی کا افسانہ

میسور گزیٹیر کا مستند مصنف (ہیون راؤ) اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۲۵ پر لکھتا ہے:۔

"کشن راؤ کی بیوی جو خوبصورت، وفادار اور باعصمت تھی اپنے شوہر کی موت کے بعد ایک روایت کے مطابق سلطان کے خاص حرم میں بجبر

(بحوالہ کرمانی) داخل کرلی گئی۔"

کرمانی پر یہ کس قدر اتہام ہے کہ اس کی تحریر میں لفظ "بجبر" ہونا بتلایا گیا ہے کرمانی کی اصل تحریر اس طرح ہے:-

"اس کی بیوی جو حسین بھی، حیادار بھی اور باوفا بھی تھی، ملکۂ زمانہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی درخواست کی۔ اور انہیں کے ذریعہ حرم سرائے سلطانی میں داخل ہوئی۔"

اب یہ فیصلہ قارئین تاریخ پر چھوڑا جاتا ہے کہ وہ خود فیصلہ کرلیں کہ میسور گزیٹیر کی عبارت میں "اور" "د" "بجبر" کے الفاظ آکر مطلب میں کتنا بڑا فرق پیدا کر دیتے ہیں۔ اس ہندو مصنف نے بیک وقت نہ صرف کرمانی پر تہمت اٹھائی ہے بلکہ سلطان پر بھی ایک نازیبا الزام لگایا ہے۔ یہ تو ہمیں معلوم ہی ہے کہ اس گزیٹیر کی دونوں جلدوں میں یعنے جلد دوم کے دوسرے اور تیسرے حصہ میں جو تاریخ میسور سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مصنف کو جہاں کہیں موقع ملا ہے تمام اسلامی سلاطین کو زہریلے الفاظ میں یاد کیا ہے لیکن پھر بھی بعض مقامات پر "حق" اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہا۔ یہی مصنف سلطان کے ذاتی حالات اسی گزیٹیر کے صفحہ ۲۸۷ پر لکھتا ہے:

"اس کو (سلطان کو) عورتوں سے کوئی رغبت نہیں تھی۔ وہ اپنے ایک تاکیدی خط میں برہان الدین کو عورتوں سے دور رہنے کے لئے لکھتا ہے۔ اگرچہ اس کو (سلطان کو) تیرہ بیٹے اور بیٹیاں تھیں۔ لیکن بقول بورنگ اس کو عورتوں سے شیفتگی نہیں تھی۔ اس کی جفاکش اعتدال پسند زندگی پاکیزگی کی اس حد تک پہونچی ہوئی تھی جو ایک مذہب کے دلدادہ مسلمان کی زندگی خیال کی جاتی ہے۔ اسکے ہاتھ میں ہمیشہ تسبیح رہتی تھی۔ جس سے عالمگیر کی یاد تازہ

ہو جاتی ہے۔"

اب اگر یہی مصنف اپنی دونوں تحریروں کو ملا کر دیکھے تو اس کو معلوم ہوگا کہ وہ چند صفحات پہلے کیا کچھ لکھ آیا ہے اور اب کیا لکھ رہا ہے کسی نے یہ بالکل صحیح کہا ہے کہ:

"دروغ گو را حافظہ نباشد"

اور یہاں یہ بھی قابل ذکر بات ہے کہ اس مصنف نے اپنی پہلی عبارت میں یہ الفاظ لکھے ہیں:-

"ایک روایت کے مطابق"

انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ دوسری روایت بھی لکھ دی جاتی۔ وہ دوسری روایت جس سے وہ بھی واقف ہے اور عمداً نظر انداز کر دی گئی ہے۔ اس طرح ہے:-

"کشن راؤ کی بیوی کے متعلق دوسری روایت جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو جب اپنے حرام خور شوہر (خزانہ دار) کے باغیانہ خیالات معلوم ہوئے تو اس کو سخت نفرت ہوئی اور بختاور دائی کی زبانی ٹیپو سلطان کی والدہ کو اپنے شوہر کی نامعقول حرکتوں کی اطلاع کرائی"

معلوم ہوتا ہے کہ میسور گزیٹیر کے مصنف نے اس روایت کو اس لئے نقل نہیں کیا کہ اس سے سلطان پر کوئی الزام نہیں آتا۔ اگر اس واقعہ میں کچھ بھی صداقت ہوتی تو مغربی مصنفوں کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے کیا یہ ناممکن ہے کہ وہ اس واقعہ کو نہ لکھیں؟ وہ تو اس کو اس قدر شہرت دیتے اور پروپیگنڈا کرتے کہ ہر تاریخی کتاب میں یہ واقعہ جلی حروف میں لکھا ہوا نظر آتا۔ اب صرف یہ لکھنا باقی رہ گیا ہے کہ پھر کرمانی نے یہ کیوں لکھا کہ اس کو حرم میں داخل کر لیا گیا۔ (بدقسمتی سے آج کل "حرم" شاہی محل کی عورتیں جن میں کنیزیں بھی شامل ہیں، مراد لی جاتی ہیں۔ ورنہ حرم تو ایک ایسا لفظ ہے جس کی معنی ایسی جگہ کی ہیں جو مقدس ہو اور جہاں گناہ

کرنا ممنوع ہے۔ اس لئے مکۂ معظمہ، مدینہ منورہ اور فلسطین کو حرمین کہتے ہیں بعد میں یہ لفظ اسلمانوں کے گھروں کے زنانہ حصوں کے لئے بھی استعمال ہونے لگا۔ اس سے مراد یہ لی جاتی تھی کہ یہاں گھر کی عفت مآب عورتیں رہتی ہیں جنہیں شریعت نے نامحرم نہیں رکھا۔ گھر کے زنانہ حصہ کو حرم کا نام دینے سے مسلمانوں کے زیر نظر یہ مقصد تھا کہ عورتوں کی قدر و منزلت بڑھ جائے۔ رفتہ رفتہ جب عیاش سلاطین اور امرا ناجائز طور پر حاصل کی ہوئی عورتوں کو بھی شامل کرنے لگ گئے۔ تو حرم کا مفہوم ہی کچھ اور ہو گیا اور اسی معنے میں آجکل مغرب اور ہندو مصنفین اس لفظ کو لے رہے ہیں۔ (محمود)

اگر اس پہلی روایت کے بعد دوسری روایت پر بھی غور کیا جائے۔ تو تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں۔ مقامی طور پر بھی جو بات مشہور ہے وہ یہی ہے کہ کشن راؤ کی بیوی نے اپنے شوہر کے کرتوتوں سے سلطان کی والدہ کو مطلع کر دیا تھا جس کی وجہ سے کرشن راؤ کے عزیز و اقارب اس کی جان کے دشمن ہو گئے۔ اور یہ ہونا لازمی تھا۔ سلطان کی والدہ نے اس کو پناہ دینے کے خیال سے اس کو محل کے اندر رہنے کی اجازت دیدی۔ اور چونکہ سلطان کی والدہ محل کے زنانہ حصہ میں (جو حرم کہلاتا تھا) رہتی تھیں۔ اس لئے کرمانی نے صحیح طور پر حرم کا لفظ استعمال کیا تھا۔ لیکن آج تعصب میسور گزیٹیر کے مصنف کو اس درجہ دلچسپ نظر آیا ہے کہ وہ حرم کی معنی کچھ اور سمجھے۔ اور الفاظ "خاص" اور "بجبر" اپنی جانب سے شامل کرے۔ ع ذرا سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

سلطان کی سرنگاپٹم کو مراجعت

سید صاحب کو سرنگاپٹم بھیجکر سلطان نے میر قمر الدین کو سپہ سالار مقرر کیا۔ اور اس کو حکم دیا کہ انگریزی فوج پر

حملہ کرے۔ اور آپ دارالسلطنت کو روانہ ہو گیا۔ قمرالدین نے اپنی فوج کو حیدرآبادی فوج کا لباس پہنایا۔ اور بیت منگل اور مالور کے راستے سے بنگلور کی طرف پیش قدمی کی۔ راستے میں انگریزی فوج کا سامان رسد لوٹ لیا گیا۔ سلطانی سپاہ کے ہاتھ غلے سے لدے ہوئے پانچ ہزار بیل آئے۔ اور دو سو آدمی اسیر ہوئے اس لوٹ مار کا سلسلہ یہاں تک جاری ہوا کہ انگریزی کیمپ میں رسد کی آمد مسدود ہو گئی اور دن رات میں کسی کو لشکرگاہ سے باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

حیدرآبادی و مرہٹی فوجوں کے فتوحات

اس عرصہ میں نظام علی خاں اور مرہٹوں نے ملک کے اطراف میں مختلف قلعوں پر حملے کئے۔ چنانچہ حیدرآباد کے عیسٰے خاں میراں یار جنگ نے قلعہ کنجی کوٹہ، تاڑپتری، تاڑمری وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور حافظ فریدالدین خاں المخاطب بہ مؤیدالدولہ نے قلعہ گنجی کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں قطب الدین خاں دولت زئی سلطانی فوجدار نے اس کا مقابلہ کیا۔ حیدرآبادی فوج نے جب یہ دیکھا کہ گنجی کا فتح ہونا دشوار ہے۔ تو نواں گنجی کو تباہ کرکے شہر کڈپہ اور سدہوٹ پر قبضہ کر لیا۔ نیز گرم کنڈہ کا بھی محاصرہ کر لیا گیا۔

دوسری طرف مرہٹوں نے پرسرام ناظم مرج کے ماتحت اس سرحد پار ہوکر دھاڑواڑ پر قبضہ کر لیا۔ ہری پنڈت پھڑکیا نے ہرپن ہلی پر قابض ہونے ہی سرا پر فوج کشی کی۔ پرسرام ناظم فوج نے۔ دھاڑواڑ، انکولہ، مرجان، شاہنور وغیرہ کا انتظام کرکے چتلدرگ پر پہونچکر قلعہ دار دولت خاں کے پاس خط بھیجا۔ کہ اگر قلعہ مرہٹوں کے سپرد کر دیا جائے تو چار لاکھ روپیہ کی جاگیر دی جائے گی۔ مگر دولت خاں بجائے جواب دینے کے رات کے وقت مرہٹی لشکر پر شبخون مار کر حیدرنگر چلا گیا۔ مرہٹی فوج سرا سے نکل کر

انگریزی فوج سے آکر مل گئی۔ یہاں سرنگاپٹم پر حملہ کرنے کی تیاری ہوئی۔ لیکن قمرالدین کی سلطانی سپاہ ساتھ ساتھ لگی ہوئی تھی اور جب کبھی موقع ملتا شبخون مارتی۔ یا سامان رسد لوٹ لیتی تھی۔ یہاں تک کہ اس فوج میں جو کوئی سپاہی انگریز کی ناک اور کان کاٹ کر لاتا۔ اس کو ایک طلائی ہن انعام ملتا۔ اور اناج سے لدے ہوئے بیل کا انعام پانچ ہن اور گھوڑے کے دس ہن تھے۔ اس سے انگریزی سپاہیوں میں سخت پریشانی پھیل گئی۔ اور جس وقت یہ کری گڑھ کے قریب پہنچے تو ان کا سامان رسد بالکل ختم ہو گیا تھا۔ کری گڑھ پہنچ کر انگریزوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ اور قلعہ پر حملہ شروع ہوا۔ لیکن سلطانی سپاہ نے سختی سے مدافعت کی۔ محاصرہ نے جب طول کھینچا تو سامان رسد کی کمی کی وجہ سے انگریزی کیمپ میں اجناس کی قیمت بڑھ گئی۔ چھ روپیہ سیر چاول اور تین روپیہ سیر دال اور چار روپیہ کو سیر آٹا اور گھی تو سولہ روپیہ سیر بھی ملنا دشوار تھا۔

سرنگاپٹم کا محاصرہ اور سامانِ رسد کی تنگی

انگریزی فوج حد درجہ تنگ آگئی توپ کشی کے بیل تک بھی کھا لئے گئے۔ ملیبار کے راستے سے رسد پہنچنے کی امید تھی۔ معلوم ہوا کہ سلطانی سپاہ نے اس کو بھی لوٹ لیا۔ اس وقت کارنوالس بھاری بھاری توپیں زمین میں دفن کرا کر اور آلات حرب اور وزن دار سامان کو آگ لگا کر کری گڑھ سے واپس ہوا۔ سلطان کو جب کارنوالس کی سراسیمگی کا حال معلوم ہوا تو اس نے کارنوالس کو میوے کے تحائف بھیجے اور صلح کا خط لکھا۔ کارنوالس نے میوہ واپس کر دیا۔ اور خط کا جواب بھی نہیں دیا۔

اس پر جیمس لکھتا ہے :-

"انگریزوں کو اس وقت سلطان سے اس درجہ بغض اور حسد تھا کہ جس طرح وحشی اقوام کو اپنے دشمنوں پر ہوتا ہے اور وہ سلطان سے اپنی شکستوں کا انتقام لینا چاہتے تھے۔"

انگریزی فوج محاصرہ اٹھا کر ازی ورگ پہونچی۔ لارڈ کارنوالس بالکل پریشان ہو گیا۔ انگریزی فوج جن مشکلات میں گھر گئی تھی۔ ماڈرن میسور کے مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۴ پر ان کا بیان اس طرح دیا ہے:۔

"کنم باڈی پہونچکر لارڈ کارنوالس کو یقین ہو گیا کہ وہ کسی طرح محاصرہ کو کامیاب نہیں بنا سکتا۔ سامان رسد کی تنگی اور باربرداری کے لئے جانوروں کی کمی نے اس کو مجبور کر دیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ اس لئے اس نے تاریخ ۲۱ مئی جنرل ابرکرامبی کو جو ملیبار کی طرف بڑھ رہا تھا لکھ بھیجا کہ ملیبار کو واپس ہو جائیے۔ کارنوالس کے خاص کیمپ میں فوجی سپاہی حد درجہ تکلیف میں مبتلا تھے۔ سپاہیوں کی خوراک نصف کر دی گئی تھی۔ باربرداری پر جو لوگ متعین تھے۔ ان میں بہت سے بھوک سے مر چکے تھے اور جو بچے ہوئے تھے وہ مرنے کے قریب تھے ان ناقابل بیان مشکلات نے لارڈ کارنوالس کو مجبور کر دیا کہ وہ محاصرہ اٹھا کر واپس ہو جائے۔"

لارڈ کارنوالس واپس ہوا۔ اگر خوش قسمتی سے مرہٹی فوج اس کو راستے میں مل کر سامان رسد مہیا نہ کرتی تو انگریزی فوج کی مکمل تباہی میں کوئی کسر نہیں باقی رہ گئی تھی۔ ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۴ پر لکھتا ہے:۔

"جبکہ دلی پہونچکر لارڈ کارنوالس کی خوشی اور حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی یہاں اس کو مرہٹی فوج مل گئی۔ جو پرسرام بھاؤ اور ہری پنتھ کے ماتحت اس کو مدد دینے

کے لئے آرہی تھی۔ مرہٹی فوج میں سامان رسد کی فراوانی تھی۔ اس سامان رسد سے انگریزی فوج کی جان میں جان آئی۔ اور انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کی کاشتکار رعایا نے انگریزی فوج کو کوئی رسد بہم نہیں پہونچائی تھی۔

چنانچہ ولی سے نکل کر اتحادیوں کی فوج بجائے دوبارہ سرنگاپٹم کا محاصرہ کرنے کے جانب شمال بڑھی۔ اور مگڑی اور نندی ورگ کے قلعوں پر حملہ کرکے ان پر اپنا قبضہ کر لیا۔ لطف علی قلعہ دار اور بخشی سلطان خاں اسیر ہو گئے۔

واقعات سنہ ١٢٠٧ھ مطابق سنہ ١٧٩٢ع

جب انگریزی فوج محاصرہ اٹھا کر واپس ہوئی تو سلطان نے شہزادہ فتح حیدر کو گرم کنڈہ پر روانہ کیا۔ حافظ فریدالدین کے ماتحت حیدرآبادی فوج گرم کنڈہ کا محاصرہ کرتی تھی۔ شہزادہ فتح حیدر اور علی رضا خاں نے حیدرآبادی فوجوں پر حملہ کر دیا۔ حافظ فریدالدین کا سر کاٹ لیا گیا۔ حیدرآبادی فوج کڑپہ کی طرف فرار ہو گئی۔

سلطانی سپاہ گرم کنڈہ سے نکلکر موڑن ہلی اور دانسیاڑی کی طرف بڑھی۔ یہاں سکندر جاہ اور مشیر الملک کی حیدرآبادی فوجیں مقیم تھیں۔ شہزادہ فتح حیدر کی آمد کی خبر سن کر وہ سنگل پالیہ چلے گئے۔ شہزادہ فتح حیدر یہاں سے مدگری ہوتا ہوا سرنگاپٹم پہنچا۔

اس کے ایک ہفتہ بعد نظام کی فوج خان خانہلی کے نزدیک انگریزی فوج سے آکر ملی۔ موسم برسات کے ختم ہونے پر کارنوالس نے دوبارہ سرنگاپٹم پر چڑھائی کی۔ حیدرآبادی اور مرہٹی فوج ساتھ تھی۔

فریقین جنگ کی تعداد کتاب ملٹری سیاگرافی میں فریقین جنگ

کی تعداد حسب ذیل دی گئی ہے :-

انگریزی فوج (زیر ماتحتی کارنوالس)	۲۲	ہزار
حیدرآبادی فوج	۱۸	ہزار
مرہٹی فوج (زیر ماتحتی ہری پنتھ)	۱۲	ہزار
" " (" " پرسرام بھاؤ)	۲۰	ہزار
انگریزی فوج (" جنرل ابرکرامبی)	۹	ہزار
جملہ	۸۱	ہزار (اکیاسی ہزار)

اس حملہ آور فوج کے متعلق ایڈورڈ مور اپنی کتاب "کیپٹن لٹل کی یادداشتیں" میں لکھتا ہے :-

"اس قدر کثیر حملہ آور فوج کے ساتھ باربرداری وغیرہ کے لئے جس قدر لوگ تھے ان میں مردوں سے زیادہ عورتیں تھیں۔ ہری پنتھ کی فوج بارہ ہزار تھی۔ اور پرسرام بھاؤ کے ماتحت بیس ہزار سپاہی تھے۔ لیکن جو لوگ ان سپاہیوں کے ساتھ باربرداری وغیرہ کے لئے تھے۔ ان کی تعداد فی سپاہی بارہ آدمی کے حساب سے تھی۔ اور جانور جن میں ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، بیل اور گدھے تھے۔ فوجی سپاہیوں سے پندرہ گنا زیادہ تھے۔ اندازہ کیا گیا کہ تین لاکھ بیس ہزار باربردار اور چار لاکھ اسی ہزار جانور کیمپ میں موجود تھے۔ انگریزوں اور نظام کی فوج ان کے علاوہ تھی۔ اتحادیوں کی یہ فوج جب کوچ کرتی تو معلوم ہوتا تھا کہ تمام کائنات، حدِ نظر تک انسانوں اور جانوروں سے بھری ہوئی ہے"

(مادرن میسور صفحہ ۱۵۶)

اتحادی فوج کی اوپر لکھی ہوئی تعداد کے مقابل اندازہ ہے کہ سلطانی سپاہ کی

تعداد قلعہ میں ۴۰ ہزار سپاہی اور پانچ ہزار سوار ہونگے۔ (ملٹری بیاگرافی)

جب یہ فوج سرنگا پٹم کے مقابل آئی سلطان پر حال کھلا کہ قلعداروں نے رشوت لیکر انگریزی فوج کی کہیں بھی مدافعت نہیں کی۔ افواج متحدہ نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ مہدی علی خان ناظر کی سازش سے لارڈ کارنوالس شہر گنجام اور لال باغ پر بغیر کسی جنگ کے قابض ہو گیا۔ اور دوسری فوج جو جنرل میڈوز کے ماتحت تھی۔ عید گاہ والے مورچہ پر قبضہ کر لی۔ اگرچہ سید غفار سپہ دار نے اپنی پوری طاقت اسکے بچانے پر صرف کر دی تھی۔

خاتمۂ جنگ اور شرائطِ صلح

رات ہو چکی تھی۔ دوسرے دن قلعہ سے سلطانی فوج نے باہر نکلکر کچھ ایسی بے جگری سے حملہ کیا کہ انگریزی فوج پسپا ہونے پر مجبور ہو گئی۔ قلعہ کی دیوار پر خود سلطان گولہ باری کا نگران تھا۔ انگریزی فوجیں کچھ اس طرح پسپا ہوئیں کہ دبیا پاڑا کر کری گڈہ میں پناہ لیں۔ شام ہو جانے سے سلطانی سپاہ واپس آ گئی۔ یہ ایک ایسی غلطی ہوئی کہ جس کا خمیازہ سلطانی سپاہ کو بہت بری طرح بھگتنا پڑا۔

خود لارڈ کارنوالس کا میر منشی حمید خان اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"اگر سلطانی فوج اس طرح تعاقب کرتی تو افواج متحدہ (انگریز، نظام، مرہٹے) کا اسی شب خاتمہ ہو جاتا۔"

مگر ہندوستان کی قسمت کچھ اور ہی گل کھلا رہی تھی۔ محاصرہ طول پکڑا۔ افواج متحدہ رسد کی تنگی اور رات دن کی لڑائیوں سے بد دل ہو گئی تھیں۔ اس لئے کارنوالس نے اس وقت سلطان کے اگلے خط کا جواب دیا۔ اور فریقین میں ۲۳ فروری ۱۷۹۲ء میں صلح ہو گئی۔

شرائط صلح

(۱) سلطان حلیفوں کو تین کروڑ روپیوں کا ملک چھوڑ دے۔

(۲) تین کروڑ روپیہ نقد دے۔ اور

(۳) ان روپیوں کے وصول ہونے تک دو شہزادوں کو انگریزوں کے پاس بطور یرغمال رکھا جائے۔

جب یہ شرائط قلعہ میں معلوم ہوئیں تو سلطان نے پہلے تو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مگر بعد میں امرا و وزرا نے ان کے قبول کر لینے پر زور دیا۔ سلطان کو معلوم ہو گیا کہ تمام کے تمام سازش میں ملوث ہیں۔ تو اس نے بمجبوری ان شرائط کو قبول کر لیا۔

شرائط صلح کی رو سے۔ بارہ محل، سلیم، انور انگری، سنکل درگ ڈنڈیگل اور کالیکٹ انگریزوں کے قبضہ میں آئے۔ دریائے تنگبھدرا سے شمالی جانب کا تمام ملک مرہٹوں کو ملا۔ اور حیدر آباد کی قسمت میں تاڑپتری، بارمری، بلاری وغیرہ آئے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ راجہ ٹرانکور جس کی حمایت کے بہانہ سے یہ جنگ شروع کی گئی اس کا شرائط صلح کے سلسلہ میں کہیں ذکر ہی نہیں آتا ہے۔

شہزادہ عبدالخالق اور معز الدین کو میر غلام علی لنگڑے کی نگرانی میں انگریزی کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں کارنوالس نے خود ان کا استقبال کیا۔ اور میجر ڈفٹن شہزادوں کا نگران مقرر ہوا۔ تاوان جنگ کی رقم میں ایک کروڑ روپیہ فوراً دیدیئے گئے۔ جب سلطان کے دو فرزند انگریزی کیمپ میں پہنچ گئے۔ تو لارڈ کارنوالس نے محاصرہ اٹھانے سے پہلے مطالبہ کیا کہ کورگ بھی انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔

مسٹر ٹارنس اپنی کتاب "امپائران ایشیا" کے صفحہ ،، پر لکھتا ہے :۔

"سلطان نے اس مطالبہ پر دریافت کیا کہ جبتک شہزادے اور تاوان کی رقم انگریزی کیمپ نہیں پہنچی تھی۔ اس جدید علاقہ کا مطالبہ کیس لئے نہیں کیا گیا۔ مگر یہ سب بیکار تھا۔ شہزادے انگریزی قبضہ میں تھے۔

کارنوالس جانتا تھا کہ شاہزادوں کی خاطر سے سلطان دوبارہ جنگ اختیار نہیں کرے گا۔ آخر یہی ہوا کہ سلطان نے کورگ دینا قبول کر لیا۔"

یہ ہے لارڈ کارنوالس کی وہ دیانتداری جس پر صلح کے بعد بھی اس نے عمل کیا۔

انگریزوں کو جب کورگ بھی حاصل ہو گیا تو صلحنامہ پر دستخط ہو گئے۔ افواج متحدہ محاصرہ اٹھا کر واپس ہو گئیں۔ اور سلطان کے قبضہ سے آدھا ملک نکل گیا۔

مورخ باسر لکھتا ہے :۔

"یہ موجودہ حکمران خاندان میسور کی خوش قسمتی تھی کہ سرنگاپٹم اس وقت فتح نہیں ہوا۔ ورنہ کارنوالس اتنی بھی زحمت گوارا نہ کرتا کہ ملک کس کو دیا جائے۔"

ہندو مورخین لکھتے ہیں کہ :۔

"سلطنت خداداد کا کارنوالس کے ہاتھوں خاتمہ ہو جاتا اور جس شخص نے اس کو بچا لیا وہ نانا فرنویس تھا جو پیشوائے پونا کا وزیر اعظم تھا۔ اس محب الوطن کی دوربین نظریں دیکھ رہی تھیں کہ کس طرح انگریز ملک پر حاوی ہو رہے ہیں۔"

مگر اصلیت یہ ہے کہ سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت خود مرہٹوں کو فنا کا پیغام دے رہی تھی۔ اس لئے نانا فرنویس کی غرض انگریزوں سے اتحاد کرنے میں صرف یہ تھی کہ سلطنت خداداد کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اگر بالفرض یہ بھی مان لیا جائے کہ نانا فرنویس کا مقصد صرف سلطان کی طاقت کو کم کرنا تھا اور جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو اس نے صلح کی تحریک کی

تو کہنا پڑے گا کہ یقیناً نانا فرنویس باوجود محب وطن ہونے کے دوراندیش نہیں تھا۔ اس نے خود انگریزوں کے خلاف متعدد بار ساز باز کی۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ انگریزوں نے پونا میں نارائن راؤ اور رگھوبا کے وقت میں کیا کچھ سازشیں کی تھیں۔ بنگال اور کرناٹک کے واقعات اس کی آنکھوں سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔ باوجود یہ جاننے کے کہ انگریزوں کا مدِمقابل سوائے ٹیپو سلطان کے ملک میں اور کوئی نہیں ہے۔ اس کی طاقت کو کم کرنا سوائے ایک مذہبی تعصب کے اور کچھ نہیں تھا۔ سلطان کی طاقت کو کمزور کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعد میں مرہٹوں بلکہ خود نانا فرنویس کی زندگی انگریزوں کے رحم پر منحصر ہو گئی تھی۔

جس وقت عہدنامہ کی خبر انگلستان پہنچی۔ تو مسٹر فاکس نے پارلیمنٹ میں کہا:۔

"کارنوالس نے لٹیروں کا ایک جتھا تیار کیا ہے اور اس کے ذریعہ سے وہ حقداروں کا حق لوٹ رہا ہے۔"

مگر پارلیمنٹ پر اس کا اثر کچھ بھی نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس لارڈ کارنوالس کے رتبہ کو بڑھا کر اس کو مارکوئیس کا خطاب دیا گیا۔

لارڈ کارنوالس کے میر منشی حمید خاں جو اس جنگ میں شریک تھے اپنی تاریخ میں لارڈ کارنوالس کی حکمت عملی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"جب ہماری (انگریزی) فوج موضع کرار میں تھی۔ اس دن شام کو محرم کا چاند نظر آیا۔ اس لئے لارڈ کارنوالس نے عشرہ محرم کے احترام میں دس دن تک کیمپ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ ہندوستان کے سب سپاہی محرم کی دس تاریخ تک بالکل بے لحاظ ہو کر اول فول بکتے۔ اور عوام الناس عشرہ کے دنوں میں روپ اور بھیس بدل کر سوانگ بھرتے ہیں۔ تعزیہ اور علم بنا کر دنگل وغیرہ قایم کرتے ہیں۔

اس قسم کی بہت سی رسومات سلطنتِ خداداد میں سلطان کے حکم سے ممنوع تھیں لارڈ کارنوالس نے ہندوستانی سپاہیوں کو چھٹی دیدی کہ محرم منائیں۔ لارڈ صاحب نے حکم دیا کہ سوانگ بھرنے والے انکے خیمہ پر سے گذریں کہ لارڈ صاحب کو ان کے دیکھنے کا شوق ہے! اور وہ اس کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ ساتویں محرم سے دسویں محرم تک علم اور تعزئے اُٹھے اور لوگ قسم قسم کے سوانگ بھر کر آئے لارڈ صاحب خیمہ کے باہر کرسی پر رونق افروز تھے۔ جب کبھی علم یا تعزیہ آتا تو اُٹھ کر سر جھکا کر تعظیم کرتے اور ادب سے دو تین قدم پیچھے ہٹ جاتے۔ اور رخصتی کے وقت اپنے سکرٹری جری صاحب کی معرفت چاندی کے طبق میں روپیہ رکھ کر نذر گذارنے تین دن تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ یہ خبر اطراف و اکناف میں پھیل گئی۔ تو لوگوں میں مشہور ہوا کہ انگریزی قوم جس کو اب تک کافر کہا جاتا تھا حسنِ سلوک اور اعتقاد میں مسلمان بادشاہوں سے اچھی ہے"۔

لارڈ کارنوالس مغربی دل و دماغ لیکر ہندوستان آیا تھا اور پروپیگنڈا کے فن میں اسے غیر معمولی کمال حاصل تھا۔ سلطان نہ صرف بادشاہ بلکہ شریعت سے پورا باخبر اور عالم باعمل تھا۔ چنانچہ اس نے محرم کی بدعات، قسم قسم کے مکروہ سوانگ اور مشرکانہ رسومات جنہیں اسلام سے کچھ دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ سلطنت میں بالکل ممنوع قرار دیدیا تھا۔

نوٹ:۔ لارڈ کارنوالس نے مسلمانوں کی ذہنیت کو دیکھتے ہوئے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس کی وجہ سے شیعہ اور سادات جن کا ہمیشہ پیری مریدی تھا۔ سلطان کے خلاف ہو کر انگریزوں کی دل کھول کر تائید کی۔ اس کا مفصل حال سلطنت خداداد کے زوال کے اسباب میں لکھا گیا ہے۔)

واقعات مابعد جنگ

انگریزوں سے جنگ کے خاتمہ پر سلطان نے از سرِ نو سلطنت کے انتظام پر توجہ کی۔ میر صادق دیوان مقرر ہوا، اور پورنیا وزیر مالیات تھا۔ سید صاحب سپہ دار کو حیدر نگر کا صوبہ دار بنایا گیا۔ اور اس کو نوبت نقارہ، فیل مع عماری طلائی مرحمت ہوئے۔ افواج مفرورہ کے جانے کے بعد جب سلطان کی فوجی طاقت کمزور محسوس ہونے لگی تو ملک میں کئی راجہ اور پالیگار بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ ان میں قابل ذکر مدگری اور ہرپن ہلی کی بغاوتیں ہیں۔ سید صاحب مدگری پر اور میر قمر الدین ہرپن ہلی پر بھیجے گئے۔ مدگری کی بغاوت بہت جلد فرو کر دی گئی۔ ہرپن ہلی میں سات مہینوں تک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر میں راجہ گرفتار کر لیا گیا۔ غرض جب ملک میں کامل طور پر امن و اطمینان ہو گیا تو سلطان نے کل سلطنت میں فرمان جاری کیا کہ ہر سال ذی الحجہ کے مہینے میں کارپرداز اور عمالان حکومت دار السلطنت میں حاضر ہو کر اپنی کارگذاری سنائیں۔ اور باہمی مشورہ کے ساتھ کام کریں۔ اسکے علاوہ ملک کے نظم و نسق میں رعایا کو حصہ لینے کے لئے مجلس و پارلیمنٹ) قایم کی جس کا نام "زمرۂ غم نباشد" رکھا گیا۔ اور اس کا صدر اعظم میر صادق مقرر ہوا۔

۱۷۹۶ء میں سلطان کے دونوں شہزادے جو انگریزوں کے پاس بطور یرغمال تھے۔ واپس ہوئے۔ انکی آمد پر ایک شاہانہ جشن منایا گیا۔ اور اس موقع پر سلطان نے تمام امرا و اعیانِ سلطنت کی دعوت کی۔ سب ایک ہی وسیع دسترخوان پر بیٹھے۔ اور ہر ایک کے سامنے شیر برنج رکھا گیا۔ سلطان نے سب کو مخاطب کر کے ایک تقریر کی، جس میں اتحاد، اتفاق، اور جہاد فی سبیل اللہ پر سب کو توجہ دلائی۔ اور ہر ایک سے اقرار لیا گیا کہ وہ دینِ اسلام کی حمایت و حفاظت کے لئے

ہمیشہ مستعد رہیں گے۔ اسکے بعد سب کو شہادت کے سرخ خلعت تقسیم کئے گئے۔

سلطان کے مسلمان افسر اور میر صادق نے اس وقت جس قسم کا عہد کیا تھا۔ اس عہد کو کتاب ماڈرن میسور کے صفحہ ۱۶۷ سے یہاں نقل کیا جاتا ہے:۔

عہد نامہ میر صادق

"میں میر محمد صادق نمک خوار و ملازم سرکار خداداد، اپنے پروردگار اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام اللہ کو حاضر و ناظر اور شاہد سمجھ کر اور خدا کی قسم کھاتے ہوئے صدق دل سے اقرار کرتا ہوں کہ میں نہایت وفاداری سے اپنے آقا سلطان کی اطاعت کروں گا اور اسی کے حکم کو ہر چیز پر مقدم سمجھونگا میرا دل کبھی اس کی اطاعت سے منحرف نہ ہوگا۔ میری زبان کبھی اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہے گی۔ میری آنکھ کبھی اس کی برائی نہ دیکھ سکے گی۔ میرے کان کبھی اسکے خلاف نہ سن سکیں گے۔ میرے ہاتھ ہمیشہ اس کی برتری و بھلائی کے لئے کوشاں رہیں گے۔ اور میں یہ بھی اقرار کرتا ہوں کہ اسکے خلاف جو کچھ دیکھونگا یا سنونگا تو اسی وقت حضوری میں بیان کر دوں گا۔ اگر خدانخواستہ مجھ سے ان مذکورہ بالا شرائط کی خلاف ورزی ہو جائے یا میری اطاعت میں فرق آجائے تو میں خدائے زبردست کو جس کا دوسرا نام منتقم بھی ہے۔ حاضر و ناظر سمجھ کر کہتا ہوں کہ وہ مجھے اپنے غضب میں پکڑلے اور مجھے تباہ کردے۔"

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں:۔

"لیکن وہ تو دور ہی پلٹ چکا تھا۔ اور وہ سیاہ دل قومی زندگی آزادی

یا شہادت کو کیا جانتے تھے۔ اس لیے سب زمانہ سازی کی باتیں کر کے واپس ہو گئے اور جو سچے دیندار اور سچے جاں نثار تھے ان کو سلطان کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔"

سلطان کو ہر شخص پر اعتماد تھا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا اور دوسرے امور سلطنت پر متوجہ ہو گیا۔

ملک کے تمام قلعوں کی مرمت کی گئی۔ سرنگا پٹم کا قلعہ خاص طور پر مضبوط کیا گیا۔ خاندان کے شہزادوں کی شادیاں کی گئیں۔ اسی عرصہ میں شہزادۂ ایران اپنا ملک چھوڑ کر بحالت غربت سرنگا پٹم پہونچا۔ سلطان نے اس کو نہایت اعزاز سے رکھا اور دس ہزار روپیہ ماہانہ مقرر کیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد تحفہ تحائف دیکر ایران کو رخصت کیا۔

اتحاد بین المسلمین و اتحاد ملکی کے لئے زمان شاہ والیٔ کابل، سلطان روم فرمانروائے ایران اور ہندوستان کے حکمرانوں کے دربار میں دوبارہ ایلچی اور خطوط روانہ کئے گئے۔ ۱۷۹۶ء میں یہ ایلچیاں واپس ہوئے۔ فرانس اور زماں شاہ کی طرف سے سلطان کو بوقت ضرورت تائید کا یقین دلایا گیا۔

ان تمام امور کے علاوہ سلطان کی خاص توجہ فوج کی تنظیم کی طرف تھی۔ بحری اور بری فوج کی تعداد بڑھادی گئی۔ انکی تعلیم کے لئے مدارس جاری کئے گئے۔

انگریزوں سے چوتھی جنگ

جب ملک میں از سرِ نو تازہ روح پھونکی جانے لگی تو سلطان کی طاقت دوبارہ اپنی گذشتہ حالت سے بدرجہا بہتر ہوگئی۔ سلطان کے عزم و ارادے دشمنوں کی نظروں میں خار بنکر کھٹکنے لگے۔ سب سے بڑھ کر خوف ایسٹ انڈیا کمپنی کو تھا۔ جواب ملک کی اندرونی حالت اور آپس کی نااتفاقی سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان پر اپنی سیادت قائم کر چکی تھی۔ کمپنی کی خوش قسمتی سے ارل آف مارنگٹن یعنے لارڈ ولزلی ایسٹ انڈیا کمپنی کا گورنر جنرل بن کر آیا جس کے دل میں پہلے ہی سے سلطنت خداداد کے مٹانے کا ارادہ موجود تھا۔

لارڈ مارننگٹن

ارل آف مارنگٹن کا وطن آئرلینڈ اور تاریخ پیدائش ۲۰ جون ۱۷۶۰ء ہے۔ اس کا پورا نام رچرڈ کولی (مارکوئیس آف ولزلی) ولزلی ہے۔ ۱۷۸۴ء میں پارلیمنٹ کا ممبر بنا اور اسی زمانہ سے سیاست ہندوستان میں دلچسپی لینے لگا۔ اس کو شروع سے پارلیمنٹری طریقۂ حکومت سے اختلاف رہا۔ وہ شخصیت اور شاہ پسند تھا۔ فرانسیسیوں سے اس کو خاص طور پر دشمنی تھی۔ اس لئے کہ فرانس میں اس وقت جمہوریت قائم ہو رہی تھی۔ فرانسیسیوں کے ساتھ اس کو جو مخصوص دشمنی تھی، اس کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مورخ لکھتا ہے:۔

"لارڈ صاحب کی بیوی ایک فرانسیسی عورت تھی جس سے شادی کے قبل ہی لارڈ صاحب کے تعلقات تھے۔ گو بعد میں اس سے شادی ہو گئی۔ لارڈ صاحب جب ہندوستان آرہے تھے تو اس عورت نے آنے سے انکار کر دیا اور گو طلاق نہیں لی۔

مگر علیحدہ ہوگئی۔ یہی وہ مخصوص وجہ تھی جس نے لارڈ ولزلی کو فرانس والوں کا دشمن بنا دیا۔ (رائیز آف کرسچین پاور ان انڈیا)

لارڈ کارنوالس سابق گورنر جنرل کی لارڈ ولزلی سے گہری دوستی تھی۔ اس دوستی کی وجہ سے ولزلی ہندوستان کے تمام حالات سے باخبر تھا۔

۱۷۹۸ء میں سر جان شور کے جانے کے بعد لارڈ ولزلی گورنر جنرل مقرر ہوا۔ اور جس وقت وہ انگلستان سے واپس آرہا تھا تو راستہ میں راس امید (کیپ آف گڈ ہوپ) میں اس کی ملاقات بیرڈ کے علاوہ جنرل بیلڈ ورز سے بھی ہوئی جو مدراس کا گورنر تھا۔ ان دونوں ملاقات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ولزلی کس قسم کے خیالات لیکر ہندوستان آیا ہوگا۔ بیرڈ ایک عرصہ تک سلطان کی قید میں تھا اور بیلڈورز متعدد جنگوں میں شکست کھا کر سلطان سے انتقام لینے کے لئے تڑپ رہا تھا۔ اس کا جذبۂ انتقام یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ جب لارڈ کارنوالس نے میسور کی تیسری جنگ میں سلطان سے صلح کرلینی چاہی تو اس نے اپنے آپ کو گولی مار لی تھی۔

ان دو شخصیتوں کے سوا ولزلی نے کیپ آف گڈ ہوپ میں میجر کرک پیاٹرک سے بھی ملاقات کی۔ جو ایک عرصہ تک حیدرآباد میں رزیڈنٹ رہا تھا۔ اس کی زبانی ولزلی کو معلوم ہوا کہ نہ صرف ٹیپو بلکہ حیدرآباد کی ملازمت میں بھی چند فرانسیسی موجود ہیں۔ ولزلی کو یہ پورا یقین تھا کہ جب تک فرانسیسی ہندوستان میں رہیں گے۔ انگریزوں کو ان سے خطرہ لگا رہے گا۔ کرک پیاٹرک کی زبانی اس کو حیدرآباد اور پونہ کی حالت سے بھی پوری واقفیت ہوگئی۔

یہاں ولزلی نے ان تمام سرکاری خطوط کو بھی دیکھا جو سر جان شور گورنر جنرل کی جانب سے کمپنی کے ڈائرکٹروں کو لکھے گئے تھے۔ ان خطوط سے

سیاسیات ہند کے تازہ حالات بھی معلوم ہو گئے۔ ان خطوط میں سرجان شور نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ ٹیپو کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک نہیں سکا تھا۔

یہاں یہ بھی لکھنا ضروری ہے کہ سرجان شور کی خاموش پالیسی انگلستان کے وزیر اعظم مسٹر پٹ کے بالکل ناپسند تھی۔ اس کو انگلستان کی سلطنت کو وسیع کرنے کی دھن لگی ہوئی تھی۔ جس طرح اس نے کارنوالس کا انتخاب کیا تھا۔ اسی طرح اب ولزلی کا بھی انتخاب کیا اور یہ انتخاب نہ صرف سیاست ہندوستان بلکہ اس وقت کی یورپ کی سیاست کو مدنظر رکھتے ہوئے ہوا تھا۔ یورپ میں یہ وہ زمانہ تھا کہ نپولین اعظم کی فتوحات کا ڈنکا بج رہا تھا۔ ہالینڈ، بلجیم، آسٹریا اور اٹلی فرانس کے زیرنگیں آچکے تھے۔ اور نپولین مصر اور ہندوستان پر فوج کشی کرنے کے لئے بے تاب نظر آرہا تھا۔ ایسے وقت ہندوستان میں فرانسیسیوں کی موجودگی انگلستان کے لئے اضطراب کا باعث بنی ہوئی تھی۔ اس لئے وزیر اعظم مسٹر پٹ کی نظر میں ایک ایسی شخصیت تلاش کر رہی تھی جس کا مزاج فرانسیسیوں کے خلاف اور جس کی طبیعت میں انقلاب سے بیزاری موجود ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فرانس میں انقلاب پسندوں نے شاہی کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اور یہی انقلاب پسندوں نے اپنی بڑھتی ہوئی قوت سے یورپ کے تمام شاہی خاندانوں کا خاتمہ کر دینا چاہتے تھے۔ یہ انگلستان کی خوش قسمتی تھی کہ انھوں نے ابھی تک انگلستان پر توجہ نہیں کی۔ انکی تمام تر توجہ آسٹریا اور اٹلی پر لگی ہوئی تھیں۔ اس لئے اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر انگلستان اپنے مقبوضات کو وسیع کرنا چاہتا تھا۔ ایسے وقت میں جب یہ معلوم ہو چکا تھا کہ ہندوستان میں ٹیپو سلطان فرانسیسیوں کا دوست اور انگریزوں سے گذشتہ جنگ کا انتقام لینا چاہتا ہے تو مسٹر پٹ نے لارڈ ولزلی کا انتخاب کیا۔ جو شاہ پسند طبقہ سے تھا اور

جس کے دل میں بھی انگلستان کے مقبوضات کو وسیع کرنے کی تڑپ موجود تھی۔

لارڈ ولزلی کا ہندوستان میں پہلا کام

لارڈ ولزلی جس وقت ہندوستان پہونچا تو اس وقت ہندوستان میں قابل الذکر تین طاقتیں تھیں۔ ایک مرہٹے، دوسری حیدرآباد اور تیسری سلطنتِ خداداد، گو مرہٹوں میں نا اتفاقی تھی مگر انکی طاقت مسلمہ تھی۔ حیدرآباد میں جو کچھ طاقت تھی وہ ۱۷۹۵ء میں جنگ کرڈلا میں مرہٹوں کے ہاتھوں فنا ہو چکی تھی لیکن اب بھی نظام کو ایسٹ انڈیا کمپنی پر بھروسہ تھا کہ شاید دیگر حیدرآباد کی سابقہ حالت کو بحال کر دے گی۔ اس لئے وہ کمپنی کی دوستی کا متلاشی تھا۔ تیسری طاقت ٹیپو سلطان کی تھی۔ جو روزافزوں ترقی پر تھی۔ اس لئے لارڈ ولزلی کی نظر سب سے پہلے حیدرآباد پر اٹھی کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ لارڈ ولزلی اپنے ایک خط میں لکھتا ہے :-

"موجودہ وقت میں معلوم ہوتا ہے کہ نظام ہر قسم کی قربانی دیکر ہماری دوستی حاصل کرنے پر آمادہ ہے۔ اس لئے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمیں نظام سے اس کی اپنی فوجیں علیحدہ کرنے کے لئے خط وکتابت کرنا چاہیئے۔"

اس وقت حیدرآباد میں کیپٹن جیمس کرک پیاٹرک رزیڈنٹ تھا، جس کو دربار حیدرآباد سے حشمت جنگ کا خطاب بھی حاصل تھا۔ کیپٹن کرک پیاٹرک نے حیدرآباد میں اس قدر اثر ورسوخ اور دوستی پیدا کرلی تھی کہ اس کی مناکحت بھی حیدرآباد کے ایک امیر کی دختر تھی۔

کتاب "میر عالم کے سوانح زندگی" مصنفہ محمد سراج الدین طالب حیدرآبادی مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۹۷ پر اس واقعہ کو ان الفاظ

یوں لکھا گیا ہے :-

"جیمس ایچلیس کرک پیاٹرک اپنی حیدرآباد کی ریذیڈنٹی کے زمانہ میں اپنی راتیں ایک مکان میں (جو ریزیڈنسی کے سرکاری مکان کے قریب واقع تھا) گزارتے تھے۔ جن میں ان کی ایک مدخولہ رہتی تھی۔ اس گھر میں غافل الدولہ کی نواسی خیر النساء بیگم بھی (جو مہدی یار خاں اور شرف النساء بیگم کی لڑکی تھی) آیا اور رہا کرتی تھی۔ یہ لڑکی [illegible] ہوئی تھی۔ سوء اتفاق سے کرک پیاٹرک سے اس کا تعلق ہو گیا۔ اور اس کی دلچسپی اس لڑکی سے زیادہ ہو گئی اور جب بات کھل گئی تو انہوں نے اس لڑکی کو اپنے مکان ریزیڈنسی میں داخل کر لیا۔"

کرک پیاٹرک کی یہ چیرہ دستیاں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ علاوہ دوسرے امرائے حیدرآباد کے خود میر عالم تک بھی، جو انگریزوں ہی کا بنایا ہوا تھا۔ لارڈ ولزلی سے اس کی شکایت کی۔

ایک دوسرے مورخ کے حوالے سے مورخ باسو لکھتا ہے :-

"میر عالم کا عہدہ وزارت انگریزوں کا رہین منت ہے عظیم الامراء کی وفات کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کا مفاد میر عالم کی ذات سے ہی وابستہ تھا۔"

اگرچہ نظام الملک کی یہ خواہش نہیں تھی کہ میر عالم اس عہدہ پر مامور ہو مگر دربار حیدرآباد کی حالت اس وقت اس قدر خراب تھی کہ صحیح معنوں میں وہاں کوئی مدبر سیاست دان نہیں تھا۔

وہی مورخ لکھتا ہے :-

"جو لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے بعد عثمانی سلطنت

انگریزوں کے ہاتھ آیا تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ عصمان کے
ہاتھ سے بھی گر جانے والا تھا۔ ایسے وقت میں ایسٹ انڈیا کمپنی
کو سہارا دینے والا بھی مسلمان ہی تھا۔ اور وہ حیدرآباد تھا۔"

اگرچہ نظام الملک اول سلطنت مغلیہ کے زوال کا باعث ہوا تو اس کا جانشین میر نظام علیخان انگریزوں کی طاقت کو ہندوستان میں مستحکم بنانے کا سبب بنا۔ تاریخ دان اچھی طرح جانتے ہیں کہ لارڈ ولزلی اپنے ساتھ ایک اسکیم لایا تھا اور وہ اسکیم یہ تھی کہ ہندوستان میں دیسی حکمران اپنی فوج برطرف کرکے انگریزی فوج اپنی حفاظت کے لئے رکھیں۔ اس طریقہ کو تاریخ میں

"سب سیڈیاری سسٹم"

کہا جاتا ہے جو ہندوستانی حکمرانوں کی آزادی سلب کرنے کے لئے ایک آلہ تھا۔ نظام حیدرآباد سے براہ راست اس طریقہ کو اختیار کرنے کی تحریک ولزلی کے نزدیک خلاف مصلحت تھی۔ میر نظام علیخان کی پالیسی خواہ کچھ ہو وہ خود دار تھا۔ اس لئے لارڈ ولزلی نے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ کیپٹن کرک پیاٹرک کو لکھا گیا کہ عظیم الامراء ارسطو جاہ کو اپنے ساتھ ملا کر اس کو آمادہ کیا جائے کہ حیدرآباد کو تباہی سے بچانے کے لئے

"سب سیڈیاری سسٹم"

قبول کرے۔ اور یہ کارروائی اس طریق سے ہو کہ خود حیدرآباد ایسٹ انڈیا کمپنی سے اس کے لئے درخواست کرے۔ ارسطو جاہ کرک پیاٹرک کی چال میں پھنس گیا۔

"تاریخ اپنا سبق دہراتی ہے" زمانہ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جس طرح نظام الملک اول بحیثیت وزیر سلطنت مغلیہ اپنے آقا سے غداری کرکے اپنی سلطنت قائم کی اسی طرح خود

اس کی سلطنت کا وزیر یہی سلوک اپنے آقا سے کرتا ہے۔ لیکن نظام الملک کی خودداری نے اس مشورہ کو ٹھکرا دیا۔ مگر اتفاق سے اسی موقع پر خاص حیدرآباد کی فرانسیسی فوجوں میں شورش پیدا ہو گئی۔ اس شورش میں کس کا ہاتھ تھا؟ تاریخ اس کے جواب میں خاموش ہے۔ دوسری طرف انگریزی افواج علاقہ گنٹور میں خفیہ طور پر پہلے ہی سے اس مقصد کے لئے تیار رکھی گئی تھیں کہ وقت ضرورت حیدرآباد کی طرف بڑھیں۔ چنانچہ ان افواج نے حیدرآباد کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ جب انگریزی فوج حیدرآباد پہنچ گئی تو ارسطو جاہ پر حیرت طاری ہو گئی۔ رزیڈنٹ نے فوراً فرانسیسیوں کو برخاست کرنے کا حکم دیدیا۔ لیکن ارسطو جاہ فرانسیسیوں کو برخاست کرنا نہ چاہتا تھا۔ مگر اب انگریزی فوج کی موجودگی کی وجہ سے مجبوری تھی۔ لہذا یکم نومبر ۱۷۹۸ء میں ایک عہد نامہ ہوا۔ جس پر نظام الملک نے نزاکت وقت کا احساس کرتے ہوئے بہ مجبوری دستخط کر دیئے۔ جس کی رو سے یہ قرار پایا۔

(۱) نظام الملک چھ ہزار سپاہی مع توپ خانہ رکھے۔ اس فوج کے افسر انگریز ہونگے۔

(۲) اس فوج کے اخراجات حیدرآباد برداشت کرے گا۔

(۳) تمام فرانسیسیوں کو ملازمت سے برخاست کر دیا جائے۔ اور آئندہ حیدرآباد میں سوائے انگریزوں کے کوئی یورپین ملازمت میں نہ رہے۔

کلکتہ کی چیمبر آف کونسل میں ولزلی کی تصویر ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ ولزلی کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے۔ جس پر سبسیڈیری صلح حیدرآباد ۱۷۹۸ء لکھا ہوا ہے۔ اس صلح نامہ پر دستخط ہوتے ہی حیدرآباد کی آزادی اور خود مختاری کا خاتمہ ہو گیا۔

سلطنت خداداد کے مٹانے کی تمہید میں لارڈ ولزلی کا یہ پہلا کارنامہ تھا۔ جو ہندوستان میں آکر اس نے کیا۔

جو کچھ اوپر تحریر کیا گیا ہے۔ وہ تمام انگریزی تاریخوں سے اخذ ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حیدرآباد کی تاریخ کہاں تک حیدرآباد کے اس معاہدہ کو حق بجانب ثابت کرتی ہے۔ (کتاب نظام علی خان مطبوعہ حیدرآباد کے مصنف اپنی کتاب میں لکھتے ہیں ۔)

جنگ میسور
۱۷۹۹ء
۱۲۱۴ھ

اسباب جنگ ٹیپو سلطان کے لڑکے جو ۱۷۹۳ء (رمضان ۱۲۰۶ھ) کے صلحنامہ کے تحت بطور یرغمال کمپنی کے زیر نگرانی تھے۔ اوائل ۱۷۹۴ء (رمضان ۱۲۰۸ھ) میں بہ اعزاز واکرام واپس کر دیئے گئے۔ اس کے بعد سے نواب ٹیپو سلطان اپنی سلطنت کی وسعت کے خیال میں دور دور کے منصوبے قائم کرنے لگے۔ چنانچہ وہ اپنے قلعہ جات کی ترمیم و تعمیر کی طرف توجہ کرنے کے علاوہ دور دور کی خود مختار سلطنتوں سے مراسلت کرنے لگے۔ ایران کے ایک شاہزادے ان کے پاس آئے۔ شاہ افغانستان سے کوئی مفاہمت ہوئی۔ اور ایک سفیر کو خلیفۃ المسلمین سلطان ترکی کے پاس روانہ کیا۔ شاہ فرانس (نپولین اعظم) سے بھی ریشہ دوانی کی۔ یہ اعمال اس قابل نہیں تھے کہ وہ جماعت (یا کمپنی) ان کو صرف نظر کر جاتی جو طلب منفعت اور ملک گیری کی خاطر اپنا وطن (انگلستان) چھوڑ ہندوستان میں قسمت آزمائی کے لئے آئی ہو۔ انگریزی کمپنی کے عہدہ داروں نے اس کو نظر تعمق سے دیکھ کر قرار دیا کہ ٹیپو سلطان

انگریزوں ہی کے خلاف کسی جارحانہ کارروائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اور
اسی خیال سے انکے منصوبوں کے دفع دخل کی تیاریاں کرتے تھے۔
کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرس نے خاص اسی غرض سے لارڈ مارننگٹن
(المعروف مارکوئیس ویلزلی) کو ہندوستان کا گورنر جنرل بنایا۔ انہوں نے مسائل
ہندوستان پر غور کرتے ہوئے مرہٹوں کے مقابلے میں نظام کی حیثیت کو طاقت دینے
پر اپنے مراسلہ مورخہ ۲۲ فروری ۱۷۹۸ء مرسومہ پریذیڈنٹ بورڈ آف کنٹرول
میں ایسے الفاظ اظہار خیال کیا ہے:-

"یہ کوئی دوراندیشانہ پالیسی نہیں ہے کہ نظام اور مرہٹے آپس
میں لڑکر کمزور ہو جائیں۔ ورنہ آخر الامر ٹیپو سلطان آرام سے بیٹھے گا"

اس سے ظاہر ہے کہ انکے مطمح نظر صرف ٹیپو سلطان تھے۔ گورنر جنرل موصوف
نے اس امر پر بھی توجہ کی کہ مرہٹوں اور نظام علیخاں کو معاہدوں کے
ذریعہ اپنے قابو میں لایا جائے تاکہ وہ ٹیپو سلطان سے متفق ہوکر انکی
قوت میں اضافہ کرنے کا باعث نہ ہو جائیں۔

مارکوئیس ویلزلی بہ حیثیت گورنر جنرل ۱۷ مئی ۱۷۹۸ء (م یکم ذی الحجہ
۱۲۱۲ھ) کو کلکتہ پہونچے۔ یہاں آنے کے تین ہی ہفتے بعد انکو یہ اطلاع
ملی کہ ٹیپو سلطان کے دو ایلچی فرانس پہونچے۔ جن کے ذریعے انہوں
نے حکومت فرانس سے اتحاد قائم کرنے کی تحریک اور اپنی سلطنت میں
کچھ فرانسیسی عہدہ داروں کو بھی طلب کیا جس پر ۹ ملاح ستر سپاہی
دو سو سپاہی معہ عہدہ دار ٹیپو سلطان کے پاس روانہ کئے گئے جو
منگلور کی بندرگاہ پر ۲۶ اپریل ۱۷۹۸ء (م ۱۰ ذی قعدہ ۱۲۱۲ھ) کو پہونچے۔
انگریز مورخ اس فرانسیسی فوج کے آنے کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ

ٹیپو سلطان انگریزوں سے سابقہ جنگ کا انتقام یکر اپنے کھوئے ہوئے علاقہ کو واپس حاصل کرنا چاہتے تھے، لیکن ہم کو اس کے تسلیم کرنے میں اس وجہ سے تامل ہے کہ سپاہیوں کی اس قلیل تعداد سے اس مورخین کی گنجائش پیدا ہوتی ہے کہ یا تو انگریزی کمپنی کو نیچا دکھانے کے لئے صرف انہی دو سو سپاہیوں کی کمی تھی یا یہ کہ ٹیپو سلطان کو صرف انہیں دو سو سپاہیوں کی امداد کی ضرورت تھی۔ یہ ضرور ہے کہ ٹیپو سلطان انگریزوں کے موافق نہیں تھے، اور عجیب نہیں کہ وہ یہ بھی چاہتے ہوں کہ نہ صرف اپنے مفتوحہ حصہ ملک کو انگریزوں سے واپس حاصل کرلیں۔ بلکہ ان کو ہندوستان سے بھی نکال باہر کردیں۔ لیکن اس نوبت پر انکے اس اقدام پر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاہ کابل و شاہ ایران سے جو مراسلت ہوئی تھی۔ وہ مرہٹہ ریاست کے مقابلے کے لئے تھی۔ شاہ ترکی سے جو مراسلت ہوئی اس کا امکان محض قومیت کے اعتبار سے تھا یا اس لئے کہ خلیفۃ المسلمین کے پاس سے اپنی شاہی کے لئے سند طلب کریں جس کے بعد سے وہ مستند طور پر اپنی ریاست کے خود مختار بادشاہ کہلائے جا سکیں کیونکہ جو اعتراض کہ مخالفین ٹیپو سلطان ان کو برا ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے تھے۔ ان میں ایک یہ بھی تھا کہ وہ لقب خود بادشاہ یا سلطان کا لقب اختیار کئے ہوئے تھے۔ شاہ فرانس سے جو مراسلت انہوں نے کی اس لئے ہوسکتی تھی کہ اپنی فوج کو زیادہ باقاعدہ بنانے اور اس کو یوروپی اصول پر فوجی اور حربی تعلیم دلانے کے سامان مہیا کریں اور اس مخالف انگریز قوم سے اس قسم کی مدد حاصل کرنے میں سہولت اسی صورت میں تھی کہ اس قوم کو یہ جتائیں کہ وہ خود بھی انگریزی قوم کے افراد سے جوش

نہیں ہیں۔ بہرحال ٹیپو سلطان کے ان اعمال کو انگریزی کمپنی نے سخت ترین بدگمانی سے دیکھا اور یہ تصفیہ کر لیا کہ جتنا جلد ہو سکے ان کے منصوبوں پر پانی پھیر کر انکی روز افزوں قوت کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا جائے۔ سب سے پہلے لارڈ صاحب نے مدراس گورنمنٹ کی فوج کو سواحل ملیبار و کورومنڈل پر اتر آنے کے احکام دیئے اور اپنے اس خیال کی تائید و تکمیل میں جو بورڈ آف کنٹرول کے پریزیڈنٹ کے موسومہ خط میں ظاہر کیا تھا۔ ٹیپو سلطان سے مقابلہ کرنے کی غرض سے نظام علی خاں اور مرہٹہ راجگان و پیشوا کے ساتھ ایک مزید معاہدہ کرنے کی کوشش کی تاکہ اس پیش پا افتادہ مہم میں ان دیسی ریاستوں کی فوجی قوت کمپنی کے زیر اثر آجائے۔ اور انکے خود مختارانہ تعلقات کمپنی کے صواب دید پر منحصر ہو جائیں" (صفحات ۲۰۱ تا ۲۰۴)

لارڈ ولزلی کا دوسرا کارنامہ

چند سال سے دربار پونا آپس کے اختلافات اور سازشوں کا جولانگاہ بنا ہوا تھا۔ اور جس وقت لارڈ ولزلی ساحل ہندوستان پر اترا۔ اس وقت نانا فرنویس دولت راؤ سندھیا کی قید میں تھا اور مسند پیشوائی پر باجی راؤ متمکن تھا۔ دولت راؤ سندھیا اس وقت تمام مرہٹہ سرداروں میں سب سے زیادہ طاقتور حکمران تھا۔ باجی راؤ پیشوا کا محافظ و نگران تھا۔ اس لئے لارڈ ولزلی نے دولت راؤ سندھیا کو پونا سے ہٹا دینا چاہا۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے پونا کے انگریزی سفیر کو لکھا گیا کہ نانا فرنویس کی رہائی کے لئے اس شرط پر کوشش کرے کہ وہ انگریزوں کا شکر گذار رہے۔ ابھی انگریزی سفیر کو یہ خط ملا بھی نہیں تھا کہ مرہٹوں نے خود آپس میں سمجھوتہ کر لیا اور نانا فرنویس کو رہائی مل گئی۔ جب مرہٹوں میں نفاق ڈالنے کی یہ کوشش ناکامیاب رہی تو اب ضروری سمجھا گیا کہ دولت راؤ سندھیا کو پونا سے کسی طرح ہٹا دیا جائے

لارڈ ولزلی، کرنل پالمر کو جو بطور سفیر پونا میں تھا۔ ۸ رجون ۱۷۹۸ء میں لکھتا ہے :-

"سندھیا کی طاقت اور فوج کا پونا میں رہنا ہی ہمارے مقاصد کے لئے (جو ٹیپو سلطان کے خلاف ہیں) خطرناک ہے۔ اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ سندھیا اور ٹیپو سلطان میں کوئی معاہدہ ہوا ہے یا نہیں۔"

مرہٹوں میں دولت راؤ سندھیا کی طاقت ہی ایک ایسی طاقت تھی جو میدان جنگ میں کارگر ہوسکتی تھی۔ ورنہ پونا میں پیشوا کی طاقت تو بالکل محدود تھی۔ لہٰذا دولت راؤ سندھیا کو پونہ سے ہٹانے کے لئے یہ خبر پھیلائی گئی کہ احمد شاہ ابدالی کا جانشین زماں شاہ والیٔ افغانستان ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔
کیپٹن گرانٹ ڈف اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"مرہٹوں کو احمد شاہ ابدالی کے نام سے ہی خوف آتا تھا۔ خبریں پھیلائی گئیں کہ زماں شاہ جو احمد شاہ کا پوتا ہے، ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس سے انگریزوں کا مقصد یہ تھا کہ سندھیا پونہ چھوڑ کر اپنے شمالی ہندوستان کے مقبوضات بچانے کے لئے چلا جائے۔"

مورخ مل لکھتا ہے :-

"قندھار میں بغاوت ہوئی تو زماں شاہ والیٔ کابل بغاوت فرو کرنے کے لئے کابل سے نکلا۔ اس سے نتیجہ نکالا گیا کہ وہ ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ یہ افواہ ہی افواہ تھی۔ مگر طرفہ یہ کہ ۱۰ اکتوبر ۱۷۹۸ء کی تاریخ بھی مقرر کی گئی کہ اس دن زماں شاہ ہندوستان پر حملہ کرے گا۔ انگریزوں میں اضطراب پھیل گیا کہ زماں شاہ شمال میں اور جنوب میں ٹیپو سلطان انکے مقاصد کے سد راہ ہو جائیں گے۔

لہٰذا بطور حفظِ ما تقدم دولت راؤ سندھیا کو اپنے مقبوضات کو شمالی کے بچانے کے لئے شمالی ہند جانے کا مشورہ دیا گیا۔"

مگر دولت راؤ سندھیا نے زمان شاہ کے مفروضہ حملہ کو کچھ بھی وقعت نہیں دی اور برابر پونا میں مقیم رہا۔

اس وقت دوسری تدابیر اختیار کی گئیں۔ دولت راؤ سندھیا پونا میں مقیم تھا کہ لارڈ ولزلی نے کرنل کالنس کو سفیر بنا کر دولت راؤ کے پایہ تخت گوالیار کو روانہ کیا۔ یہاں کرنل کالنس نے جو کچھ کیا اس پر تاریخ روشنی نہیں ڈالتی۔ مگر اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ سندھیا کے وزراء و امراء میں نفاق پھیل گیا۔ دوسری طرف حیدرآباد کے عظیم الامراء ارسطو جاہ کو یقین دلایا گیا کہ سندھیا تاوان جنگ کے لئے حیدرآباد پر حملہ کرنے والا ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ مسٹر کولبروک کو سفیر بنا کر برار کے راجہ کے پاس بھیج دیا گیا۔

لارڈ ولزلی اپنے خط میں حیدرآباد کے رزیڈنٹ کپتان کرک پیاٹرک کو لکھتا ہے:-

"آپ کو معلوم ہوگا کہ راجہ برار کے پاس ہماری ایک سفارت جا رہی ہے۔ ناگپور کو اپنی جانب ملانا ہمارے مقاصد کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس کے لئے مناسب طریقہ یہ ہے کہ حیدرآباد کے ذریعہ اس دوستی کو مستحکم کیا جائے۔ اور ہمارے درمیان ایک ایسا عہدنامہ ہو جس کے ذریعہ سندھیا یا ٹیپو کے خلاف ہم کام لے سکیں اس لئے تم اپنی کوشش سے ناگپور کے راجہ کے عادات و اطوار اور اس کے خیالات دریافت کرو۔ ناگپور کو بہ حیثیت دولت راؤ سندھیا کے سرحد پار ہونے کے نہایت ہی اہمیت حاصل ہے۔"

ناگپور کے راجہ اور انگریزوں میں معاہدہ

دوسری طرف سلطنت اودھ وارن ہیسٹنگز کے زمانہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تابع ہو چکی تھی۔ لہٰذا اودھ کے اندر سندھیا کے سرحد پر ایک بہت بڑی انگریزی فوج مقیم ہو گئی۔ اور خبر یہ پھیلائی گئی کہ اودھ کا نواب وزیر علی بنارس سے مفرور ہے اور گمان ہے کہ وہ زماں شاہ کے پاس گیا ہوگا۔ لہٰذا یہ فوج صرف کمپنی کے مقبوضات کے تحفظ کے لئے رکھی گئی ہے کہ زماں شاہ حملہ کرنے ہر دولت راؤ سندھیا کو جب یہ خبریں پہنچیں تو اس کو معلوم ہو گیا کہ انگریز اس کی سلطنت پر حملہ کرنے والے ہیں۔ وہ پونا سے نکل کر گوالیار چلا گیا۔ اس طرح وہ سب سے بڑا خطرہ جو لارڈ ولزلی کو تھا دور ہو گیا۔ اس کے بعد دربار پونا میں نانا فرنویس اور پیشوا کے آگے "سب سی ڈیاری سسٹم" پیش کیا گیا۔

گرانٹ ڈف اپنی تاریخ کے صفحہ ۵۴۲ پر لکھتا ہے:-

"اس سسٹم کو قبول کرنے کے عوض انہوں نے یقین دلایا کہ باہمی دوستی کے جو پہلے معاہدے ہیں۔ ان پر وہ قائم رہیں گے اور اگر ٹیپو سلطان و ایسٹ انڈیا کمپنی میں جنگ ہو تو ایسٹ انڈیا کمپنی کو تائید دی جائے گی اور اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک فوج بھی تیار کر لی۔"

سب سی ڈیاری سسٹم قبول کرنے کے لئے مصلحت وقت کے لحاظ سے پونا پر اور زیادہ زور نہیں دیا گیا۔ لارڈ ولزلی کا مقصد تو یہ تھا کہ مرہٹے غیر جانبدار رہیں اور یہ مقصد حاصل ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے آخری وقت میں پونا کی اس امداد کو مسترد کر دیا اور اس کا سبب یہ بتلایا گیا کہ ٹیپو سلطان کے سفیر جو دربار پونا میں آئے ہوئے تھے۔ ان سے نانا فرنویس کے معلوم ہوئے

بغیر پیشوا نے ۳۲ لاکھ روپیہ حاصل کیا ہے۔ یہ ایک چال تھی جو وہاں کے انگریزی سفیر نے چلی۔ مقصد یہ تھا کہ اخیر وقت میں نانا فرنویس اور پیشوا میں اَن بن ہو جائے اور اس طرح اس معاملہ کے سلجھنے تک۔ بغیر مرہٹوں کی امداد کے میسور پر قبضہ کر لیا جائے۔ حقیقت میں یہ ایک ایسی چال تھی جو کامیاب ہو گئی۔

یہ تمام تدابیر اس لئے اختیار کئے گئے کہ سلطنت خداداد کا خاتمہ ابھی نہیں ہوا تھا۔ خود ولزلی کو معلوم نہیں تھا کہ آئندہ واقعات کیا پلٹا کھائیں گے۔ اس لئے اس نے پیش بینی سے یہ کارروائی کی کہ مرہٹے جنگ سے علیحدہ بھی رہیں اور بوقت ضرورت ان کی امداد بھی حاصل کی جائے۔

زماں شاہ

نظام الملک اور مرہٹوں سے معاہدہ کر لینے کے بعد ولزلی نے افغانستان پر توجہ کی۔ اس کو معلوم تھا کہ سلطان کے ایلچی افغانستان گئے ہوئے ہیں۔ اس نے سمجھا کہ اگر سچ مچ زماں شاہ ہندوستان پر حملہ کر دے تو شمال میں افغان اور جنوب میں ٹیپو سلطان انگریزوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اس لئے اس نے زماں شاہ کے حملے کو روکنے کے لئے ایک ایسی گہری سازش کی۔ جو بالکل کارگر ہو کر رہی۔ ولزلی نے مراد آباد کے ایک شیعہ مسلمان کو ایران بھیجا۔ اس شخص نے وہاں جاکر عباس شاہ صفوی کے گوش گذار کیا کہ افغانستان میں شیعوں پر حد درجہ ظلم و ستم ہو رہا ہے۔ انکے جان اور مال محفوظ نہیں ہیں۔ انکے عقاید پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ اور سینکڑوں شیعہ ہر روز تہ تیغ کئے جا رہے ہیں۔

یہ سن کر عباس صفوی نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ ایرانیوں کے اس حملہ کی خبر سن کر زماں شاہ جو اس وقت سرحد ہندوستان پر تھا کابل کو واپس ہو گیا۔

سلطنت خداداد سے انگریزوں کی چوتھی جنگ کے اسباب

حیدر آباد کی آزادی سلب کر لی گئی تھی پونا انگریزی جال میں پھنس گیا تھا۔ دولت راؤ سندھیا کا خطرہ دور ہو چکا تھا اور زمان شاہ کے خلاف ایران کو مشتعل کر دینے کے بعد ولزلی کو یقین ہو گیا۔ کہ اب ٹیپو سلطان کو کہیں سے تائید حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اب سلطان پر حملہ کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈے جانے لگے۔ لارڈ ولزلی کو کارنوالس اور جنرل میڈوز نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ سلطان کے امراء و وزراء کس قماش کے ہیں اور کون کون لوگ انگریزوں کے مددگار و معاون ہو سکتے ہیں۔ اور سرنگا پٹم پر قبضہ کرنے کے آسان طریقے اور راہیں کیا ہیں۔

کیپٹن لٹل کی یادداشتوں میں اسے یوں لکھتا ہے:

"میسور کی تیسری جنگ میں جب سلطان سرنگا پٹم میں محصور تھا۔ اور تمام ملک انگریزی قبضہ میں تھا تو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر رعایا کو سلطان سے بدظن کرنے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ سلطان شکست خوردہ تھا۔ اس لئے اس کی رعایا کو اس سے انحراف کرانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ سازشوں کا ایک وسیع جال بچھا دیا گیا۔ کہ آئندہ وقت پڑنے پر لوگ انگریزوں کے طرفدار بن جائیں۔ ہم نے اس وقت جو کچھ کیا اور آئندہ جو کچھ کرنے والے ہیں۔ اس کا اندازہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ٹیپو کی سلطنت پنپنے والی نہیں ہے۔"

لارڈ کارنوالس نے جو بیج بوئے تھے۔ ان سے ولزلی پورا فائدہ اٹھانا (چاہتا تھا) اور ان نمک حراموں کی ملک میں کمی نہیں تھی جو ملک میں سازشیں کر رہے تھے۔ اور اغیار کے اشاروں پر رقصاں تھے۔

۱۷۹۸ء میں سلطان کا سفیر فرانسیسیوں کے پاس جزائر مراشس کو جا کر واپس آیا۔ دونوں طرفین میں معاہدہ ہوا تھا کہ ایک دوسرے کو بوقت ضرورت تائید دیں گے۔ سلطنت خداداد ایک آزاد سلطنت تھی۔ اس کو اختیار تھا کہ جس کسی سے چاہے۔ اس قسم کے معاہدے کرے۔ آج بھی تمام سلطنتیں اپنے تحفظ کے لئے ایسا کرتی ہیں۔ لیکن اس سے جنگ کے شعلے نہیں لپک اٹھتے۔ مگر ولزلی کے نزدیک سلطان کا یہ ایک جرم تھا۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا کہ سلطان فرانس سے تعلقات پیدا کرے یا ہندوستان میں ایک فرانسیسی بھی رہے۔ گو اس وقت جب ولزلی سلطان سے جنگ کی چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔ تو اس وقت فرانسیسی بیڑے کو ابوقیر میں شکست ہو چکی تھی اور نپولین مصر سے فرانس کو واپس ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ خطرہ بھی نہیں تھا کہ فرانس ہندوستان پر حملہ کرے گا۔ لیکن ولزلی شروع ہی سے یہ خیال لئے آیا تھا کہ جب تک ٹیپو سلطان ہندوستان میں ہے یہ ملک انگریزوں کا ہو نہیں سکتا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ سلطان اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے تعلقات اس وقت کیسے تھے۔ عین اس وقت جبکہ لارڈ ولزلی کلکتہ آ رہا تھا تو سلطان کا خط سر جان شور کے نام ۲۹ اپریل ۱۷۹۸ء میں پہونچا۔

" آپ کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ انگلستان جا رہے ہیں اور لارڈ مارننگٹن گورنر جنرل ہو کر آ رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ لارڈ مارننگٹن پر ہماری اس باہمی دوستی اور خلوص کا اظہار ضرور کریں گے۔ جو سلطنت خداداد اور کمپنی کے درمیان ہے اور انہیں ہمیشہ اپنی خیریت کے خطوط لکھنے کے لئے کہیں گے۔ میری خلوص نیت اور دوستی پر اعتماد کرتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ آپ وطن جا کر بھی ہمیشہ اپنی خیریت سے مطلع کرتے رہیں گے۔"

پھر ۱۰ رجولائی ۱۷۹۸ء کو سلطان کا جو خط لارڈ ولزلی کے نام آیا۔ اس میں سلطان نے لکھا تھا:-

"آپ کا خط جس میں آپ کے آنے کی اطلاع دی گئی ہے۔ باعث مسرت ہوا۔ آپ کی خیریت کی خبر سن کر دل کو جو خوشی ہوئی وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے امید ہے کہ دونوں سلطنتوں میں جو رشتۂ اتحاد قائم ہے۔ وہ آپ کی موجودگی سے اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا۔ معاہدے کی پابندی اور دوستی کا نباہنا میرا [illegible] مدوجہد ہے۔ آپ بھی جو دوستی و مروت کے اہل ہیں خواہاں ہیں۔ یقین ہے کہ اسی طرح اتحاد و یگانگت کو قائم رکھیں گے۔"

پچھلی جنگ میں (جو لارڈ کارنوالس کے زمانہ میں ہوئی تھی) ملک وائناڈ کے کچھ حصہ پہ انگریز قابض ہو چکے تھے۔ حد بندی کی رو سے یہ علاقہ سلطنت خداداد کی ملکیت میں تھا۔ اور سلطان بار بار سر جان شور کو دوستانہ طور پر اس کی واپسی کے لئے لکھ رہا تھا لارڈ ولزلی نے ان مراسلات کو دیکھتے ہوئے ان سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ فوراً اس نے ایک کمیشن مقرر کر دیا کہ حد بندی کا تصفیہ کرے وائناڈ کا علاقہ سلطان کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ ولزلی نے ۶ رجون ۱۷۹۸ء کو سلطان کو ایک خط لکھا کہ وہ صلح اور دوستی کا خواہاں ہے۔ اس خط میں وائناڈ کے معاملہ میں کمیشن کے تقرر کی اطلاع دی گئی۔ مگر یہ ایک سخت دھوکا تھا جو دیا گیا کہ سلطان کو دوستی کا یقین آجائے اور اس پر لارڈ ولزلی کے عزم و ارادے ظاہر نہ ہوں۔ اس خط کے صرف تین دن بعد لارڈ ولزلی مدراس کے گورنر جنرل ہارس کو لکھتا ہے:-

"مراشس میں فرانسیسیوں نے ہمارے خلاف جو اعلان کیا۔ اس سے آپ واقف

ہوں گے۔ تاہم میں اس کی ایک نقل روانہ کرتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ یہ اعلان ہمارے اور سلطان کے درمیان شدید بحث کا دروازہ کھول دیگا۔ نہیں معلوم کہ اس بحث کا نتیجہ کیا نکلے۔ اور شاید جنگ بھی ہو۔ اس لئے آپ فوجوں کی تیاری کی طرف خیال رکھیں۔ اور سرحد سلطنت خداداد کے مناسب مقامات پر ابھی سے فوج بھیجدی جائے"۔

مدراس کی گورنمنٹ واقف تھی کہ سلطان کی نیت انگریزوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی نہیں ہے۔ چنانچہ ۱۸ جولائی ۱۷۹۸ء کو مدراس گورنمنٹ کا سکرٹری مسٹر جوسیلوب لکھتا ہے:۔

"ٹیپو سلطان کے سفیر کا ماریشس کو جانا خواہ کوئی مقصد رکھتا ہو یا یورپ میں حالات کچھ بھی ہوں۔ یہ مصدقہ اطلاع مل چکی ہے۔ کہ ماریشس سے فرانسیسی سپاہی یورپ چلے گئے ہیں۔ بحری فوج توڑ دی گئی ہے۔ اس لئے قریب میں سلطان اور فرانسیسیوں کا اتحاد ناممکن ہے لہذا ہمیں کوئی ایسی کارروائی نہیں کرنا چاہئے۔ جس سے ہم پر یہ الزام آئے کہ پیش قدمی ہماری جانب سے ہوئی ہے"۔

جوسیلوب کی تحریر کے علاوہ کرنل ولزلی جو لارڈ ولزلی کا بھائی تھا اس نے بھی ایک خط اپنے بھائی کو لکھا۔ اس میں اس نے تحریر کیا تھا کہ:۔

"یہ ایک غلط خیال ہے کہ ٹیپو سلطان کے پاس ایک ایسی فوج ہے جو جنگ کرنے کے لئے بے تاب ہے۔ میں نے جہاں تک تحقیق کی ہے۔ یہ خبر بالکل بے بنیاد ہے"۔

(ماڈرن میسیور)

مگر ولزلی پر ان تحریروں کا اثر کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ زنت کی تلاش میں تھا۔ اس

کی سازشیں جن کا ذکر اگلے صفحات میں ہو چکا ہے۔ ابھی پوری نہیں ہوئی تھیں۔
ادھر تو لارڈ ولزلی سلطنت خداداد کو فنا کرنے کے لیے دن رات جوڑ توڑ کر رہا تھا اور ادھر سادہ دل سلطان کو ولزلی پر اعتماد و اعتبار تھا۔ چنانچہ ۲۰ ستمبر ۱۷۹۸ء کو سلطان کا جو خط ولزلی کو پہنچا۔ اس میں تحریر تھا۔

"مفسد لوگ ہمیشہ اس دھن میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح دونوں سلطنتوں میں نفاق و عداوت کا بیج بو دیا جائے۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے مجھے امید ہے کہ دوستی و محبت کا یہ چشمۂ صفائی ہرگز آلودہ نہ ہو گا۔"

سلطان کا یہ خط گو لارڈ ولزلی کو ستمبر میں مل گیا تھا۔ لیکن اس نے نومبر تک جواب نہیں دیا۔ اس کی ذہنیت کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو اس نے سلطان کا خط ملنے کے بعد بمبئی کمپنی کے ڈائرکٹروں کو لکھا۔

"مجھے یقین ہے کہ سلطان بغیر فرانس والوں کی استعداد کے کچھ نہیں کر سکتا۔ تاہم میں محسوس کر رہا ہوں کہ بہت جلد ہم کو جنگ کرنے کی ضرورت ہے۔" (۴ نومبر ۱۷۹۸ء)

لیکن دوسری طرف اسی تاریخ یعنے ۴ نومبر کو سلطان کے خط کے جواب میں لکھتا ہے کہ:۔

"آپ کو اس خبر کے سننے سے خوشی ہوگی کہ جنگ طولوں میں فرانس والوں کو سخت شکست ہو رہی ہے۔"

اس خط کے بعد ۱۸ نومبر کو ایک اور خط لکھا جاتا ہے۔ ولزلی کی تجاویز پوری ہو چکی تھیں۔ اس لیے اب اس کو اور زیادہ اپنے ارادوں کو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس ۱۸ نومبر کے خط میں لکھتا ہے:۔

"یہ ناممکن ہے کہ آپ یہ خیال کریں کہ مجھے اس خبر کی اطلاع نہیں ہے کہ آپ

کے اور فرانس والوں (جو کمپنی کے دشمن ہیں) کے درمیان کس قسم کی خط و کتابت ہوئی ہے۔ تحقیق حالات کے لئے میجر ڈوٹن کو روانہ کیا جا رہا ہے۔ اس کو یہ بھی ہدایت کر دی گئی ہے کہ کمپنی کے تحفظ کے لئے سلطان سے جو علاقہ چاہے اس کا مطالبہ کرے۔"

اس خط میں یہ بھی اشارۃً لکھا گیا تھا کہ سلطنت خداداد کا تمام ساحلی علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے۔

ابھی اس خط کا جواب نہیں دیا گیا تھا کہ لارڈ ولزلی کمپنی کی تمام بحری اور بری فوجوں کو تیاری کا حکم بھیج دیتا ہے۔ اور خود ۱۲ر دسمبر ۱۷۹۸ء میں مدراس پہنچ جاتا ہے۔ لارڈ ولزلی کو سلطان کا جواب مدراس میں ملتا ہے۔ جس میں سلطان نے لکھا تھا۔

"سلطنت خداداد میں ایک ایسی قوم بھی آباد ہے جو بحری تجارت کرتی ہے۔ اس ملک سے چاول لیکر ان کا ایک جہاز ماریشس پہونچا اور واپسی میں ماریشس کے چالیس باشندے ملازمت کے خیال سے اس سلطنت میں آئے۔ ان میں سے دس بارہ کو ملازمت دیدی گئی۔ اور باقی لوگ ہنرور نہ ہونے کی وجہ سے واپس ہو گئے۔

" یہ میرا دلی مقصد ہے کہ ہمارے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے اس کو پورا اور دوستی و اتفاق کو اور زیادہ مستحکم کروں۔ میں اس وقت یا تو محل میں تنہائی کی زندگی بسر کر رہا ہوں یا سیر و شکار میرا شغلہ رہ گیا ہے۔ ان حالات میں آپ کا یہ لکھنا کہ اتحادی اپنا تحفظ چاہتے ہیں اور بصورت دیگر جنگ کا اشارہ کرنا مجھے متحیر کر رہا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے یہ امید ہے کہ آپ درمیان میں کوئی ایسی بات آنے نہ دیں گے جس سے طرفین کے تعلقات خراب ہوں۔"

یہ خط پہنچنے کے ۹ دن بعد تک ولزلی اس پر غور کرتا رہا۔ جس کے بعد وہ ایک اور خط لکھتا ہے جس میں شرائط پیش کی جاتی ہیں اور سلطان کو جواب کے لئے چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد لارڈ ولزلی اور ایک خط تحریر کرتا ہوا سلطان کو سلطان ترکی کا وہ فرمان بھی بھیجتا ہے جس میں فرانسیسیوں کے خلاف (ترکوں کی طرف سے) اعلان جہاد تھا۔

مگر سلطان کی حمیت نے ان شرائط کا قبول کرنا گوارا نہ کیا اور نہ ان خطوط کا کوئی جواب دیا۔

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں:۔

"نمک حرام میر صادق ان خطوط کو سلطان تک پہنچنے ہی نہیں دیتا تھا"

بہرطور لارڈ ولزلی نے ۳ تاریخ کو فوج کو میدان پر بڑھنے کا حکم دیدیا۔ سلطان کو جب اس فوج کشی کی خبر ہوئی تو ۱۳ فروری کو میجر ڈوٹن کو بھیجنے کے لئے خط لکھا۔ مگر ولزلی نے اس کا کچھ جواب نہیں دیا۔ اس کا مقصد حاصل ہو چکا تھا۔

۲۲ فروری کو سلطان کے خلاف اعلان جنگ کیا گیا مگر اس سے ایک مہینہ پیشتر ہی لارڈ ولزلی نے سلطنت خداداد کی تباہی کے لئے سازشوں کا پورا سامان تیار کر چکا تھا۔ ولزلی اپنے ایک خط میں جنرل ہارس کو لکھتا ہے:۔

"مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ سلطان کے امراء و وزراء اور باجگذار سلطان کے خلاف اور ہمارے سایہ میں آنے کے خواہاں ہیں۔ اس موقع پر ہم کو جبکہ خود سلطان کی وجہ سے جنگ اختیار کرنا پڑا ہے تو ہمارے لئے یہ عین انصاف ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ان سے فائدہ اٹھائیں۔"

آگے چل کر لکھا جاتا ہے :-

"آپ کے ذمہ نہایت اہم فرائض ہیں۔ آپ اس کارروائی میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتے۔ اس لئے میں اس کام کے سرانجام دینے کے لئے کرنل کلوز، کرنل ولزلی، لفٹیننٹ کرنل کلوز، لفٹیننٹ کرنل آگنیو، کیپٹن مالکم اور کیپٹن مکالے کو تجویز کرتا ہوں۔"

ان تحریروں سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ریشہ دوانیاں اور سازشیں کرنے کے لئے کس قدر اہتمام کیا گیا۔ جنگ میں انگریزوں کی کامیابی ہتھیاروں اور فوجوں کی رہین منت نہیں بلکہ سلطان کے امراء و وزراء کی غداری کی بدولت تھی۔

مورخ پاسوا اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

"گذشتہ جنگ میں کارنوالس کی کامیابی بھی اسی سازش اور غداری کی رہین منت تھی اور اس دوسری جنگ میں بھی اس کا کھلا ثبوت اس خط سے ملتا ہے۔ جو گورنر مدراس نے ۹ ؍ نومبر ۱۷۹۸ء کو لارڈ ولزلی کو لکھا تھا۔ میں آپ کی توجہ کے لئے ایک تحریر روانہ کر رہا ہوں۔ جس کی صداقت پر مجھے کامل اعتماد ہے۔ یہ تحریر اس شخص کی ہے جو میسور کے سابق حکمران خاندان کا نہایت گہرا دوست تھا۔ اور جس کی اطلاعات گذشتہ جنگ میں نہایت اہم اور صحیح تھیں۔ ترمل راؤ کے تعلقات میسور کی عمر رسیدہ رانی سے (جو ٹیپو سلطان کی حراست میں ہے) نہایت دوستانہ ہیں۔ اور جس کی تمام امیدیں جنگ سے وابستہ ہیں۔ اس بدقسمت عورت کے خیالات اور ارادوں سے میں عنقریب آپ کو اطلاع دوں گا۔ اور وہ تحریر آپ کے غور و فکر کے قابل ہوگی۔ ترمل راؤ کے تعلقات ان لوگوں سے بھی ہیں۔ جو سلطان کے مقرب گاہ ہیں۔"

مدراس کے گورنر نے میسور کی رانی کی جس تحریر کا حوالہ اپنے مذکورہ بالا خط میں دیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ وہی خط ہو جو رانی نے اپنے ایجنٹ ترمل راؤ کو لکھا تھا۔ اس خط کا اقتباس کتاب "پروہانس آف میسور" کے صفحہ ۲۵، ۲۶ و ۴۱ سے ذیل میں دیا جاتا ہے :-

"ہم نے اپنی کھوئی ہوئی حکومت کے حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے ۱۷۶۰ء میں نواب محمد علی والا جاہ کے توسط سے ایک ایلچی کو روانہ کیا تھا۔ اس کے بعد بھی خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ ۱۷۸۲ء میں لارڈ میکارٹنی (مدراس) کا گورنر نے پورے طور پر یقین دلایا کہ ہماری ریاست ہم کو بحال کر دی جائے گی۔ اس کے لئے یہاں سازش کی گئی۔ لیکن عین وقت پر ٹیپو کو اس کا علم ہو گیا۔ اور ہم ناکامیاب رہے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ لارڈ کارنوالس کے زمانہ میں کیا گذری۔ اب سنا جاتا ہے کہ آپ اس ارادہ سے یہاں تشریف لائے ہیں کہ ہماری حکومت ہمیں واپس دلادی جائے۔ اس کے لئے اگر آپ کوشش کریں تو اخراجات جنگ کے طور پر ایک کروڑ پگوڈے (ایک پگوڈا ساڑھے تین روپے) آپ کی نذر کئے جائیں گے۔ ترمل راؤ سے آپ کو تفصیلات معلوم ہونگی۔"

اس خط میں رانی نے ترمل راؤ کو لکھا تھا :-

"گورنر اور انگریزوں سے کہو کہ وہ اگر ہماری پرواہ نہ کرتے ہوں تو نہ کریں لیکن خاص اپنی حفاظت اور سلامتی کے لئے فرانس والوں کے اس ملک میں پہونچنے سے پیشتر ضروری ہے کہ سلطان سے نمٹ لیا جائے۔"

اس خط کے ساتھ رانی نے اس معاہدہ کی نقل بھی ملفوف کی تھی جو سلطان اور فرانس والوں کے درمیان ہوا تھا۔" (کتاب پروہانس آف میسور صفحہ ۳۵)

نوٹ :۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ اس معاہدہ کی نقل رانی کو کہاں اور کس ذریعہ سے دستیاب ہوئی؟ سوائے پورنیا کے اور کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جو اس معاہدہ کی نقل رانی کو دیا ہو۔ (محمود)

کتاب ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷۲ پر ایک اور خط دیتا ہے جو میسور کی رانی کی طرف سے لارڈ ولزلی کو فروری میں ملا۔

"ابھی حال میں معلوم ہوا کہ خدا نے آپ کو اعلیٰ مرتبہ بخش کر اس ملک کو بھیجا ہے۔ یہ بھی سنا گیا ہے کہ آپ ارادوں کے نیک اور رحمدل ہیں۔ اس لیئے ہم آپ کی حفاظت میں آنا چاہتے ہیں۔ اگلے عہد ناموں کے مطابق ہمارا ملک ہم کو دے کر دیجئے۔"

اس خط کا جواب ۱۶ اپریل کو سکریٹری جرنیل ہیرس نے اس طرح دیا:۔

"آپ کا پردھان نرمل راؤ ایک عرصے سے ہمیں آپ کے متعلق اطلاعات پہونچاتا رہا ہے۔ لارڈ صاحب صدق دل سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کی تائید کرنے ہوئے آپ کی ریاست آپ کو واپس لے کر دی جائے گی۔"

بہر طور انگریزی فوجیں جو دو ماہ پیشتر ہی سے سرحد پر موجود تھیں نہایت سرعت کے ساتھ ۲۲ فروری کو سلطنت خداداد کی طرف بڑھیں۔ ان کے ساتھ میر عالم کی سرکردگی میں حیدرآباد کی فوجیں بھی تھیں۔ یہ فوجیں خفیہ طور پر بڑھ کر (خاص حدودِ سلطنت کے اندر) رائی کوٹہ پر قابض ہوگئیں۔ اور انگریزی فوج کے جاسوس اور سپاہی مختلف مقامات میں بھیس بدل کر ان غداروں کے مکانوں میں جو اس سازش میں شریک تھے۔ مقیم ہو گئے۔ اور یہ قریب قریب تمام مسلمان ہی تھے۔ یہ تو ابھی تک زبان زدِ خاص و عام ہے کہ شہر جابور وغیرہ میں بہت سے ایسے مسلمان تھے جو انگریزوں کو اپنے

مکانوں میں چھپائے ہوئے رکھے تھے۔ انگریزی فوج خفیہ طور پر آگے بڑھ رہی تھی۔ مگر میر صادق اور پورنیا وغیرہ سلطان کو دھوکہ دے رہے تھے کہ انگریزوں کی کیا مجال ہے۔ جو ملک کے اندر قدم رکھ سکیں۔ اگر ایک طرف مدراس کی جانب سے جنرل ہارس کے ماتحت انگریزی فوج بڑھ رہی تھی تو دوسری طرف ملیبار اور کورگ کے راستہ سے امدا ایک انگریزی فوج جنرل اسٹوارٹ کے ماتحت پایۂ تخت پر آ رہی تھی۔ سلطان کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس کو حیرت ہوئی کہ اسکے ۱۳ ؍فروری کے خط کا جواب دینے کے عوض فوج کشی کی گئی ہے۔ لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ وہ انگریزی فوج کے مقابلہ کے لئے نکلا۔

سنکلیر اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"سداسیر کے مقام پر انگریزی و سلطانی فوجوں کا مقابلہ ہوگا۔"

لوئیس رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۲۱۱ پر لکھتا ہے :۔

"۵ ؍مارچ کی صبح تھی سلطان تین دن کے اندر پریاپٹن پہونچ گیا پریاپٹن کا میدان خیموں اور ڈیروں سے بھرا ہوا تھا جس میں سبز خیمہ نہایت نمایاں طور پر نظر آ رہا تھا۔ سداسیر کی پہاڑی سے یہ منظر دیکھ کر کورگ کا راجہ نہایت سرعت کے ساتھ یہ خبر انگریزی لشکر میں پہنچا دیا۔"

انگریزی فوج کو گمان تک نہیں تھا کہ سلطان اس قدر جلد نقل و حرکت کر سکے گا اور خصوصاً کورگ کے جنگلوں میں۔ رئیس لکھتا ہے :۔

"دوسری صبح اس گھنے جنگل میں جب تمام سطح سخت کہر میں گھرا ہوا تھا۔ سلطان آگے بڑھا۔ اور انگریزی فوج کے ایک

حصّہ سے اس کا مقابلہ ہوگیا۔ انگریزی فوج کو سخت
نقصان اٹھانا پڑا۔"

راجہ کی اطلاع دہی سے انگریزی فوج کا دوسرا حصّہ جو پیچھے آرہا تھا۔ خبردار ہوگیا۔ سلطان اب اس پر متوجہ ہوا۔ چونکہ انگریزی فوج نے بڑے حصّہ کو شکست مل چکی تھی۔ سلطان نے میر قمر الدین کو دوسرے حصّہ کی سرکوبی پر مامور کرکے آپ مشرقی محاذ میں آکر چن پٹن کے قریب کیامپ کیا۔

اس عرصہ میں حیدرآبادی وانگریزی فوجیں رائے کوٹ سے شکل راستہ پر قبضہ کرتی ہوئی چن پٹن کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ مگر جب انہیں سلطان کی موجودگی کی اطلاع ملی تو جنرل ہارس اس راستہ کو کاٹ کر خان خانہلی پر جا پہنچا۔ یہ دیکھ کر سلطان نے ملولی لیمنے گلشن آباد کی سرحد پر جنگ کا سامان کیا۔ یہاں سلطانی فوج نے دل کھول کر داد مردانگی دی۔ قریب تھا کہ انگریزی مورچہ فتح ہوجائے۔ لیکن میر معین الدین اور پورنیا نے سلطانی سپاہ کو انگریزی توپ خانہ کی زد میں لگا دیا۔ جس کی وجہ سے انگریزی توپوں نے سب کا ڈھیر کردیا۔ تب سلطان نے ساری فوج جمع کرکے حملہ کا حکم دیا۔ حکم پاتے ہی سید غفار نواب حسین علیخاں اور نواب محمد رضا خاں سپہ سالاران افواج سلطانی ایک ایک طرف سے ٹوٹ پڑے۔ عین اس وقت جب پے در پے حملے ہو رہے تھے تو نواب محمد رضا خاں کو گولی لگی اور وہ جاں بحق ہوگئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

سلطان نے نواب کی لاش پالکی میں ڈال کر سرنگاپٹم روانہ کردیا۔ اور خود دشمن کے مقابلہ پر آیا۔

سرنگاپٹم کا محاصرہ اور حملہ

سلطان کا نیّر اقبال ڈوب چکا تھا۔ اور اتحادیوں کی چال کامیاب ہو گئی تھی۔ کیا میدان جنگ اور کیا دار السلطنت ہر جگہ نمک حرام افسران کی انگلیوں پر رقصاں تھے۔ میدان جنگ میں سلطان کو خبر پہونچی کہ سرنگاپٹم پر حملہ کی تیاری ہو رہی ہے۔ میر قمر الدین نے غداری کر کے انگریزی فوج کا کوئی مقابلہ نہیں کیا۔ جس کی وجہ جنرل اسٹوارٹ بغیر کسی رکاوٹ کے پایۂ تخت تک پہونچ گیا۔

ہسٹری آف میسور کا مصنف لکھتا ہے :-

"میر قمر الدین انگریزی فوج کے پیچھے پیچھے اس طرح آیا کہ گویا وہ بھی بار برداروں میں شامل ہے۔"

اس غیر متوقع خبر کے ساتھ ہی سلطان دار السلطنت کو مراجعت فرما ہوا۔ سلطان کے پہلے ہی انگریزی فوج بغیر کسی مدافعت کے سرنگاپٹم پر بڑھی۔ اور جنرل اسٹوارٹ کی فوج سے مل گئی۔ اور ان مورچوں پر قبضہ ہو گیا جو سلطان نے قلعہ کے سامنے شمال میں تعمیر کئے تھے۔ یہاں بھی سازش کی وجہ سے مدافعت بالکل نہیں ہوئی۔ انگریزی فوج کا وہ حصہ جو جنرل ہارس کے ماتحت تھا جو پہلی کے پاس دریا عبور کر کے قلعہ کے عین مقابل جنوب مغرب میں ایک گنجان باغ

---

۱ مصنف کتاب نے اس مقام کو دیکھا ہے یہاں کے باغات اب بھی اسی طرح گنجان ہیں یہاں چھپی ہوئی فوج فصیل سے نظر نہیں آتی۔ اس باغ سے فصیل قلعہ تک درمیان میں صرف دریائے کاویری اور خندق ہے۔ دریا کی چوڑائی اس جگہ بالکل کم رہ گئی ہے۔ درمیان میں مختلف مقامات پر ایسی پتھریلی زمین ہے جو بالکل خشک رہتی ہے اس لئے بجز اس موسم کے جبکہ دریا میں طغیانی آئی ہو۔ اس مقام کو آسانی کے ساتھ عبور کیا جا سکتا ہے اور فصیل قلعہ بھی یہاں کچھ ایسی اونچی نہیں۔ (محمود)

کے اندر جو فصیل قلعہ اور دریا سے بالکل نزدیک تھا، مورچہ لگا کر بیٹھ گیا۔

جنرل میڈونسا اپنی کتاب ٹیپو سلطان میں لکھتا ہے:۔

"انگریز بھلا فوجوں کو جو سہل کے محفوظ راستے سے لا کر قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ کے عین مقابل پر، ٹھہراتے ہوئے قلعہ کے اس سب سے کمزور پہلو کو بتلانے والا میر قاسم علی بن پٹیل سید نورالدین تھا۔"

غرض جب انگریزی فوجوں نے سرنگاپٹم کے اطراف میں اچھی طرح ضروری اور مضبوط مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اور وہاں سے قلعہ پر گولہ باری ہونے لگی تو اس وقت ٹیپو سلطان نے اپنے افسروں اور معتمدوں کے طرز عمل سے معلوم کر لیا کہ

"یہ نمک حرام گندم نما جو فروش"

میرے دشمنوں سے ملے ہوئے ہیں۔ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ / ۱۷۹۹ء کو ٹیپو سلطان نے موسیو سیپر اور دوسرے افسران فرانسیس کو یاد فرما کر ان پر ظاہر کیا کہ:۔

"حالت موجودہ کو تم دیکھ رہے ہو جس پر کوئی اطمینان نہیں ہو سکتا۔ جن لوگوں کو میں اپنا معتمد اور یار غار جانتا تھا۔ ان کی مکاری اور دغابازی کو حیرت سے دیکھ رہا ہوں۔ اور غنیم کا زور روز بروز بساعت ہر جگہ بڑھتا جا رہا ہے اب کیا کرنا چاہیے۔"

فرانسیسی سرداروں نے جواب دیا:۔

"ہم نے حضرت کا نمک کھایا ہے اور حضرت نے ہمیشہ ہم پر بھروسہ کیا ہے ہم حضرت کے پسینے پر اپنا خون گرانے کے لئے تیار ہیں۔ اب صلاح وقت یہ ہے کہ حضرت جواہرات کی پیٹیاں اور اشرفیاں اور توشک خانہ کا قیمتی سامان لیکر مع خواتین حرم سرا کے

آدھی رات کے بعد خاموشی کے ساتھ قلعۂ معلّٰے سے باہر تشریف لے جائیں۔ باہر نکل کر دس ہزار سوار جرار اور پانچ ہزار فوج باقاعدہ پیادہ کار بردست بدرقہ میں مع ضرب توپ کے ساتھ لیں۔ اور بہ سبیل یلغار صوبۂ سرا و قلعۂ چتیلدرگ پر جا پہنچیں اور نہایت معتمد افسروں اور جاں نثاروں کو مختلف کاموں پر مامور فرمادیں اور یہ قلعہ فدوی اور موسیو لالی سپہ سالار کے تفویض کر جائیں۔ جبتک ہم میں سے ایک بھی باقی رہے گا۔ حضرت کے ادائے نمک میں قصور نہ ہوگا۔ اور اگر یہ بات منظور خاطر نہ ہو تو حضرت ہم سب فرانسیسیوں کو پکڑ کر انگریزوں کے سپرد کر دیں۔ وہ ہمارے نکل جانے سے حضرت کے ساتھ مصالحت کی گفتگو کرنے لگیں گے کیونکہ ان کو زیادہ تر ہمارے ہی ساتھ کینہ و پرخاش ہے۔"

ٹیپو سلطان نے موسیو سیپہ سردار فرانسیس کا یہ جواب سن کر قوم فرانسیس کی نمک حلالی، وفاداری اور بہادری کی تعریف کی اور جواب دیا:

"دوستو! تم غریب الوطن میری طلب پر آئے ہو۔ اور تم نے کبھی میری رفاقت اور وفاداری میں قصور نہیں کیا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تم جیسے شریف، بہادر، نمک حلال اور وفادار دوستوں کو دشمن کے حوالے کر دوں؟ اگر میری تمام سلطنت تلف اور تاراج ہو جائے تو اس پر راضی ہوں۔ لیکن تم کو ہرگز دشمنوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔"

پھر سلطان نے اپنے نمک حرام دیوان میر صادق اور پورنیا سے اس مشورہ کا ذکر کر کے ان کی رائے دریافت کی۔ دغا بازوں نے سخن سازی کی تمہید بیان کر کے نہایت ہمدردانہ اور خیر خواہانہ لہجہ میں عرض کیا کہ:

"جہاں پناہ! اس قوم نے کس کے ساتھ وفا کی ہے جو آپ کے ساتھ کرے گی۔ فرانسیسی اور انگریز دونوں ایک ہیں۔

"سگ زرد برادر شغال"

حضرت! یقین فرمالیں کہ جیسے ہی حضرت نے قلعہ ان کے سپرد کیا، یہ انگریزوں کے تفویض کر دیں گے۔" (نشان حیدری)

سلطان نے چاہا کہ انگریزوں سے صلح کرے، مگر وہاں سے ایسی ذلیل شرائط آئیں کہ بجز جنگ کے چارہ ہی نہ رہا، اور ان میں فرانسیسیوں کی برطرفی، ساحل بحر کے تمام علاقہ کی حوالگی اور خراجگذاری کا مسئلہ بھی تھا، مگر غیور دل سلطان نے اپنے وفادار فرانسیسیوں کو حوالے کرنا، اور خود دوسروں کا مطیع ہو کر رہنا گوارا نہیں کیا۔ لہٰذا سلطان نے ان شرائط کو قبول نہیں کیا، اور خود انگریز معترف ہیں کہ سلطان کو شرائط ماننے کے لئے صرف چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی گئی۔ وزیر جنرل ہارس کو خفیہ ہدایات بھی تھیں کہ سرنگا پٹم فتح ہونے تک صلح کے متعلق کسی طرح کی کوئی گفت و شنید نہ کی جائے۔ لہٰذا انگریزی توپ خانہ سے قلعہ پر برابر گولہ باری ہوتی رہی اور اس بات کا ثبوت بھی موجود ہے کہ قلعہ سے جو گولے انگریزی فوج پر آرہے تھے:

"ان میں سن اور مٹی بھری ہوئی تھی۔" (نشان حیدری)

پھر سلطان نے چاہا کہ تمام جواہرات و خزانہ اور توشکخانہ کا اعلیٰ سامان مع زنانہ قلعۂ جنیلد رگ کو روانہ کر دیا جائے۔ اور وہ سامان حسب الحکم صندوقوں میں رکھا گیا تاکہ ہاتھیوں اور اونٹوں پر بار کیا جائے۔ اور زنانہ سواریوں کے لئے تیز رفتار بیلوں اور کہاروں کا انتظام ہو گیا۔ اور اس کے متعلق دوسرے انتظامات بھی کئے گئے۔ اور ہمراہی کے لئے نہایت معتمد دربار نشان

افسر تجویز کیے گئے۔ اس انتظام سے فارغ ہو کر سلطان نے اپنے امرائے خاص کو یاد کر کے اس تجویز کو ظاہر کیا۔ یہ سُن کر دوسرے امرا نے خاموشی اختیار کی لیکن بدرالزماں خاں نائطہ نے عرض کیا کہ :۔

"قبلۂ عالم! جیسے ہی حضرت کا مع خواتین و خزانہ و شہزادگان کے قلعہ چھوڑ کر باہر تشریف لیجانا معلوم ہوگا سب جاں نثاروں کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی اور شیرازۂ جمعیت قایم نہ رہے گا۔ لہٰذا اس وقت یہ عمل ہرگز شایانِ ہمتِ شاہانہ نہیں ہو سکتا" (نشانِ حیدری)

(نوٹ: ان غدار امراء دو نمک حراموں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر سلطان قلعہ سے باہر نکل گیا تو پھر انکی سازش کامیاب نہ ہو سکے گی۔)

ٹیپو سلطان نے بدرالزماں خاں کا یہ جواب سُنکر ایک حیرت زدہ نگاہ ان امرا کی شرم آگین صورتوں پر ڈالی اور بدرالزماں خاں کے چہرے کو متعجبانہ طور سے دیکھ کر ایک نہایت گہری اور ٹھنڈی سانس بھری۔ اور آسمان کی طرف دیکھ کر یہ الفاظ زبان سے نکالے :۔

"رضائے مولیٰ بر ہمہ اولیٰ"

اور خدائے قادر کی رضا پر راضی ہو کر عزم فسخ کر دیا لیکن وہ تمام صندوق اور گھڑیاں ویسی ہی بند ھی ہوئی توشک خانہ میں رکھوا دی گئیں۔

(نشانِ حیدری)

سلطان حیران تھا کہ میرے سردار جابجا متعین ہیں۔ مگر ان سے کچھ نہیں ہو سکتا یہ بغیر سازش کے ممکن نہیں۔ ان حالات کا یقین کر کے اس نے حرم سرا کی چاروں طرف ایک خندق کھدوا کر بارود بچھوا دی۔ کہ انگریز اندر آجائیں تو حفظ ناموس کیلئے حرم سرا

کو اڑا دیا جائے۔ سرداروں کو مع فوج سوار و پیادہ اور توپ خانہ کے ضروری مقاموں پر متعین کیا اور ایک دستہ فوج انگریزوں کا سامان رسد روکنے کے لئے روانہ کیا۔ لیکن یہاں تو سب ملی بھگت کے سردار تھے۔ سلطان کے کسی حکم کی صحیح تعمیل نہیں ہوئی بلکہ یہاں تک غداری ہوئی کہ کرنل ولکس اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

"۳۰ اپریل اور ۲ مئی کی شب میں لفٹننٹ ہل اور لفٹننٹ لارنس خندق پار ہو کر قلعہ میں ہو آئے تھے۔"

تسخیر سرنگاپٹم اور سلطان کی شہادت

۴ مئی کی صبح میں دس بجے نجومیوں نے آکر عرض کیا کہ آج کا دن حضور کے لئے نہایت منحوس ہے۔ کچھ صدقہ دینا ضرور ہے۔ چنانچہ سلطان نے غسل فرما کر ایک ہاتھی کالے مخمل کی جھول سمیت جس کی جھالر میں کئی سیر موتی اور جواہر ٹکے ہوئے تھے۔ فقراء اور درویشوں کو مرحمت فرمایا۔ اور اس جگہ آیا جہاں قلعہ کی شمالی فصیل ٹوٹی ہوئی تھی۔ فصیل کے معائنہ کے بعد دوپہر میں سلطان نے اسی جگہ جہاں سایہ دار آم کے درخت ہیں۔ بیٹھ کر خاصہ طلب فرمایا۔ ابھی ایک لقمہ تناول فرمایا تھا اور دوسرا لقمہ اٹھایا چاہتا تھا کہ لوگ واویلا کرتے ہوئے دوڑے آئے کہ سید غفار وفادار نے اپنی جان کو شہ پر نثار کیا۔ سلطان نے اس لقمہ کو ویسا ہی چھوڑ کر دسترخوان سے ہاتھ اٹھایا۔ عام طور پر مشہور رہے کہ اس وقت سلطان نے ان امراء وزراء پر جو وہاں حاضر تھے نظر ڈالتے ہوئے کہا کہ :۔

"اس غداری کا نتیجہ تمہیں اس وقت معلوم ہوگا جب تم اور تمہاری آئندہ نسلیں اس ملک میں محتاج اور ذلیل ہو کر ایک ایک دانہ چاول اور پیاز کی ایک

ایک گھنٹی کو ترسے گی۔

یہ کہہ کر سلطان نے تلوار پرتلے میں ڈالی۔ اور اپنی دونال بندوق ملازم کے ہاتھ میں لی اور چھوٹے دروازے سے باہر نکلا۔ اس وقت سلطان کیسر رنگ کپڑے کی قبا پہنے ہوئے تھا۔

جس وقت سیّد غفار کو گولہ لگا، دوپہر کا وقت تھا۔ مگر سپاہ برابر مستعدی کے ساتھ اپنے کام پر لگی ہوئی تھی۔ پورنیا نے حکم بھیجا کہ تنخواہ تقسیم ہو رہی ہے سپاہی آکر اپنی تنخواہ لے جائیں اور در پردہ سازش یہ تھی کہ جب سپاہ یہاں سے ہٹ جائے تو انگریزی سپاہ کو چڑھ آنے کے لئے اشارہ کیا جائے۔ حسب الحکم سپاہی اپنی تنخواہ لینے کے لئے مسجد اعلیٰ کے پاس چلے گئے اور ادھر انگریزی فوج کو سفید نشان اٹھا کر (جس کا پہلے ہی سے سمجھوتہ تھا) خبر دیدی گئی کہ میدان خالی ہے۔ آجائیں۔ تمام انگریزی فوج نہایت آسانی کے ساتھ (ماہ مئی اور گرمی کے دن ہونے کی وجہ سے دریا پایاب تھا) فصیل پر چڑھ کر قلعہ میں داخل ہو گئی۔ جنرل میڈوز اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

"دوپہر کا وقت تھا۔ جب حملہ کی سب تیاریاں مکمل ہو چکیں تو جنرل بیرڈ انگریزی فوجوں کو خندقوں سے لیکر نکلا۔ اور دریا پار ہو کر فصیل قلعہ پر چڑھا۔ انگریزی فوج میں جو شخص سب سے اول تھا۔ وہ جنرل بیرڈ تھا۔ مگر اس کی راہنمائی کے لئے ایک اور شخص اس سے آگے تھا۔ اور وہ "میر قاسم علی" تھا جو فصیل قلعہ پر بیرڈ سے بھی آگے چڑھا۔"

سلطان ڈڈی دروازے سے باہر نکل کر اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ علم بُرج کی طرف بڑھا۔ یہ خبر اسکے نمک حرام وزراء نے فوراً انگریزی فوج میں پہنچادی (اس واقعہ کی طرف دریا دولت کی ایک تصویر میں صاف طور پر اشارہ ہے کہ سلطان کے سامنے میر صادق

کھڑا ہوا آداب بجا لا رہا ہے۔ اور پیچھے مڑ کر انگریزی فوج کو اشارہ بھی دے رہا ہے) سلطان علم ہیری کی طرف بڑھا۔ دہلی دروازے کے قریب کا اس انگریزی فوج کے ساتھ مقابلہ ہو گیا جو قلعہ کی اس فصیل پر آ رہی تھی۔ سلطان اور اسکے باڈی گارڈ نے انگریزی فوج کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا۔ یہاں نہ صرف بندوقوں سے لڑائی ہو رہی تھی۔ بلکہ تلواریں بھی استعمال ہو رہی تھیں (اگر جنوبی فصیل پر سے پورنیا فوج کو نہ ہٹا لیتا تو جنوبی فصیل پر بھی انگریزی فوج کو روک دیا جاتا) تقریباً تین گھنٹے تک سلطان انگریزی فوج کو بڑھنے سے باز رکھا۔ لیکن اب وہ انگریزی فوج جو پورنیا و میر معین الدین کی غداری سے جنوبی فصیل اور مشرقی کنارے پر قابض ہو چکی تھی۔ شہر کی اندرونی فصیل پر قابض ہو کر جنوب طرف سے گولیاں چلانے لگی۔ جس سے مجبور ہو کر سلطان نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ جب ڈڈی دروازے پر پہنچا تو اس کو بند پایا۔ (کیونکہ سلطان کے نکلتے ہی نمک حرام میر صادق نے اس کو بند کر دیا تھا) سلطان اور آگے بڑھا۔ انگریزی فوج اندرونی فصیل پر سے برابر گولیاں برساتی رہی۔ لیکن سلطان قدم قدم پر مدافعت کرتے ہوئے ہٹ رہا تھا۔ اور عین اس وقت جب وہ شہر کے بڑے دروازہ کے قریب پہنچا تو اس وقت پیچھے یعنی جنوب مشرق سے بھی آنیوالی انگریزی فوج سے مقابلہ ہو گیا جس کی وجہ سے سلطان مع اپنے جاں نثاروں کے تین طرف سے محصور ہو گیا۔

اس موقع پر سلطان کے ایک افسر نے کہا کہ حضرت اپنے آپ کو انگریزوں پر ظاہر کر دیں۔ سلطان نے پلٹ کر غصہ سے جواب دیا: ۔

"گیدڑ کی صد سالہ
زندگی سے شیر کی ایک دن کی
زندگی اچھی ہے۔"

اس مختصر سی جگہ پر جو دروازے کے سامنے تھی لڑائی ہونے لگی۔ جوانمردوں نے دل کھول کر داد شجاعت دی۔ خوب گھمسان کی جنگ ہوئی۔ ناگاہ ایک گولی سلطان کے گھوڑے کو لگی جس سے وہ وہیں گر گیا۔ لہٰذا سلطان پیادہ ہو کر لڑنے لگا۔ اس موقع پر اس بلا کی خونریزی ہوئی کہ چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ سلطانی جاں نثار انجیر دونک نمک حلالی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے شیر دل آقا پر نثار ہونے لگے۔ غداروں سے یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ سلطان بذاتِ خود اس لڑائی میں شریک ہے، تمام انگریزی فوج کی پوری طاقت اس جگہ مصروف کارزار تھی۔ اس دست بدست لڑائی میں جس میں سلطان داد شجاعت دے رہا تھا سلطان کے دل کے قریب ایک گولی لگی جس سے وہ زخمی ہو کر گر گیا، گویا دوپہر کے ڈیڑھ بجے سے شام کے سات بجے تک دست بدست جنگ کے بعد سلطان اور اس کے جاں نثار شہید ہو گئے زخمیوں اور مارے جانے والوں کی تعداد اس قدر تھی کہ یہ معلوم بھی نہ ہو سکا کہ سلطان کس جگہ ہے اور اس پر کیا گذری۔ بارہ ہزار جاں نثار اپنی اس شمع آرزو کے گرد مثل پروانوں کے فدا ہو چکے تھے اور یہ بھی نہیں معلوم کہ اس شہید ملت سلطان کی روح کب اپنے قفس عنصری سے جدا ہو کر اعلیٰ علیین میں پہونچی۔ مگر قرین قیاس ہے کہ وقت مغرب کا تھا۔ سلطان کی عمر اس وقت سنہ ہجری کے حساب سے پچاس سال اور عیسوی سنہ کے حساب سے ۴۸ سال کے قریب تھی۔

(نوٹ :۔ انگریزی حساب سے اس جنگ میں کل پانچ ہزار آدمی مارے گئے۔ لیکن کتاب الاعراس میں ۱۲ ہزار کی تعداد بتلائی گئی ہے۔ کتاب الاعراس کے مضمون کی نقل کسی اور جگہ دی گئی ہے)

یہ تعجب سے دیکھا جائیگا کہ ان جاں نثاران وطن میں جو سلطان کیساتھ شہید ہوئے

تھے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی تھیں۔
کانسٹنس پارسنس اپنی کتاب سرنگاپٹم صفحہ ۸۶ میں لکھتی ہے:
"ٹیپو سلطان کی لاش کے نزدیک بے شمار عورتوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں جن کے لباس، وضع اور قطع سے معلوم ہوتا تھا کہ غالباً حرم سلطانی ہیں"
انیسن جان کنگ جو لاشوں کے اٹھانے پر مامور تھا۔ لکھتا ہے:-
"عورتوں کی ان لاشوں میں ایک خوبصورت برہمن لڑکی کی بھی لاش ملی"
کرنل کرک پیاٹرک لکھتا ہے:-
"معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی فوج میں شامل کیا تھا"
ایک اور انگریز افسر لکھتا ہے:
"لاشوں میں کئی ایک عورتوں کی بھی لاشیں تھیں جن کے قیمتی کپڑوں سے معلوم ہوتا تھا کہ حرم سلطانی سے تعلق رکھتی ہیں" (سرنگاپٹم از پارسنس صفحہ ۸۶)
مقامی روایت ہے کہ:-
"حرم سلطانی کے پردہ نشینان عفاف اس آخری وقت میں آبروئے وطن و ملت کی خاطر اپنی جان دینے کیلئے آمادہ ہو کر میدان جنگ میں آگئی تھیں"
جنرل ہارس کے حکم سے سلطان کی لاش پالکی میں ڈال کر محل میں بھیجدی گئی اور محل پر انگریزی فوج کا پہرہ ڈالدیا گیا

قلعہ پر حملہ کے متعلق سازش

یوں تو قلعہ کی مدافعت کیلئے ہر جگہ سپاہ متعین اور ان کی کمان مختلف سپہ دارول،

نے تھی تھی مگر قلعہ کے دو پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہیں جہاں سے انگریزی فوج کا حملہ ممکن تھا ایک پہلو تو وہ ہے جو شمالی فصیل قلعہ پر محل کے بالکل قریب تھا اور یہاں سلطان بذات خود نگرانی کیا کرتا تھا بظاہر انگریزی فوج کی زیادہ تر گولہ باری اسی پہلو پر ہوئی جس کے نشان دیوار قلعہ پر اب بھی نظر آتے ہیں، کہ سلطان کی توجہ دوسری طرف منتقل نہ ہو قلعہ کا دوسرا پہلو علم تبری ہے جو قلعہ کا جنوب مغربی گوشہ ہے اور اس کے عین مقابل انگریزی فوج باغ میں پڑی ہوئی تھی یہ لکھا جا چکا ہے کہ انگریزی فوج اس پہلو سے چڑھ کر آئی اور یہیں شگاف پڑا ہوا تھا شگاف کی حقیقت سے وہ ہم ظاہر کر چکے ہیں اور اب واضح طور پر دکھایا جاتا ہے کہ قلعہ پر انگریزی فوج کا حملہ کیوں اسی پہلو سے ہوا یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ قلعہ کا یہ پہلو سب سے کمزور تھا۔ کرنل میڈوز لکھتا ہے کہ۔

"یہ پہلو کمزور تھا میر قاسم علی اسی لئے انگریزی فوج کو اس کے مقابل لا کر ٹھہرایا۔۔"

حقیقت میں یہ پہلو کمزور تھا یا نہیں، اس کی صحت و عدم صحت اس وقت ناممکن ہے مگر واقعات تبلاتے ہیں کہ انگریزی فوج نے قلعہ پر حملہ کرنے کیلئے مخصوص طور پر اس جگہ کا انتخاب اپنی جانب سے نہیں کیا تھا بلکہ سلطان کے غدار امراء و وزراء نے کیا تھا اس کا ثبوت کرنل ولکس کی مندرجہ ذیل تحریر سے ملتا ہے۔

"قلعہ کی مدافعت کے لئے جن مختلف ناکوں پر سلطانی سپاہ متعین تھی اس میں قلعہ کا اس جنوب مغربی پہلو پر میر معین الدین متعین تھا اور سپہ دار سید غفار میر معین الدین کے ماتحت تھا۔"

میر معین الدین کی غداری محتاج ثبوت نہیں۔ انگریزی فوج جس وقت قلعہ پر چڑھ کر آئی تو خندق جس حالت میں تھی اس کے متعلق میجر ڈکسن لکھتا ہے:۔

"خاص اس جگہ جہاں فصیل قلعہ میں شگاف پڑا ہوا تھا خندق میں
پانی صرف گھٹنوں برابر تھا گو دوسری جگہ گہرائی زیادہ تھی۔"

اس سے پایا جاتا ہے کہ میر معین الدین نے عمداً خندق کو خالی رکھا یا کوئی ایسی ترکیب کی گئی کہ اس جگہ پانی زیادہ بھرنے نہ پائے۔

سید غفار کے ہوتے ہوئے انگریزی فوج کا قلعہ پر چڑھ آنا ممکن نہیں تھا سید غفار کو پہلے یہاں سے ہٹا دیا گیا کہ جا کر سلطان کو اطلاع دے آئے کہ شاید حملہ آج ہی ہو اس عرصہ میں انگریزی فوج کو اطلاع دیدی گئی کہ تیار ہو جائے سید غفار جب فصیل قلعہ پر واپس آئے تو انہیں نشانہ بنایا گیا اور ایک توپ کے ایک گولہ سے شہید ہو گئے اور دراصل یہی اطلاع تھی جو ان کی غیر حاضری میں انگریزی فوج کو دی گئی کہ انہیں نشانہ بنا لیا جائے۔

(نوٹ:۔ عام طور پر مقامی روایت جو میسور سرنگا پٹم اور بنگلور دیہات میں مشہور ہے وہ یہ ہے جب سید غفار سلطان کو انگریزی حملے کی خبر دے کر واپس آئے تو انگریزی فوج کو بتانے کیلئے ان پر سبز چھتری پکڑی گئی۔ کہ یہی سید غفار ہیں)

سید غفار کے شہید ہوتے ہی فوج کو وہاں سے ہٹا لیا گیا کہ انگریزی فوج کے آنے کے لئے راستہ صاف رہے پورنیا نے حکم بھیجا کہ فوج آ کر اپنی تنخواہ لیجائے در اصل یہ دونوں غدار پورنیا اور میر معین اس کا بندوبست کر رکھے تھے فوج کے

سپاہی تنخواہ لینے چلے گئے میدان خالی تھا۔ جھنڈیوں کے ذریعہ میر معین الدین نے انگریزی فوج کو اطلاع دیدی۔ کہ آجائے۔

اگر اس طرح غداری نہ ہوتی تو ممکن نہیں تھا کہ عین دن کے وقت انگریزی فوج اس قدر کم تعداد سے قلعہ پر حملہ کرے جب یہ معلوم تھا کہ قلعہ میں سلطان کی بے شمار فوج موجود ہے

انگریزی فوج کے حملہ کے متعلق میجر بلٹن لکھتا ہے

"ڈیڑھ بجے جنرل بیرڈ حملہ کرنے کیلئے نکلا حملہ آور پارٹی دو کالموں میں منقسم تھی ہر ایک کالم میں ایک افسر اور بارہ سپاہی تھے اور ان کے پیچھے ایک اور کالم تھا فوج کا ایک بڑا حصہ پیچھے تیار رکھا گیا کہ فصیل پر قبضہ ہو جانے کے بعد بڑھے۔"

سلطانی سپاہ یہاں سے ہٹ چکی تھی انگریز اسی لئے اس قدر کم فوج سے اتنی جرأت کے ساتھ بڑھ آئے اگر میر معین الدین نمک حرام نہ ہوتا تو سب سے پہلے حملہ آور انگریزی فوج کا نشانہ وہی بنتا مگر اس کے خلاف وہ اس جگہ کی فوج کو ہٹا کر آپ خود وہاں سے چلا گیا میجر بلٹن لکھتا ہے۔

"قلعہ کی جنوبی فصیل شگاف سے تین سو گز دوری پر ہم کو تین آدمی نظر آئے جو نظاہر مر گئے تھے غور سے پر معلوم ہوا کہ ان میں ایک سید صاحب (میر معین الدین) دوسرے دو آدمی اس پر گرے ہوئے تھے جب اس کو اٹھایا تو اس کو تھوڑے وقت بعد ہوش آیا اور اس نے میجر ڈالس کے پیر پکڑ لئے۔"

(نوٹ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اتفاقاً کوئی چوٹ لگ گئی تھی)۔

سلطان کو انگریزی فوج کے چڑھ آنے کی اطلاع عین اسی وقت نہیں دی گئی جب سید غفار شہید ہوے بلکہ انگریزی فوج کے داخل ہو چکنے کے کافی عرصہ بعد اطلاع دی گئی جسکا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ میجر بلٹسن نے میر معین الدین کو دیکھ کر جب اس سے دریافت کیا کہ سلطان کہاں ہے تو اس نے جواب دیا کہ۔

"محل میں ہے"

میجر بلٹسن اور آلن کے بیان سے معلوم ہو گا کہ تمام انگریزی فوج قلعہ میں آجانے کے بعد سب سے آخیر میں یہ دو افسر آئے اس سے ظاہر ہے کہ سلطان کو اطلاع اس وقت دی گئی جب غداروں کی تمام کارروائی مکمل ہو چکی تھی غرض یہ وہ سازش تھی جس کے سبب انگریزی فوج کا قلعہ پر قبضہ ہو گیا۔ سلطان کی شہادت چونکہ مغرب کے وقت ہوئی اس لئے یہ قرین قیاس ہے کہ سلطان کو ڈیڑھ بجے اطلاع دی گئی تھی۔

یہ آگے لکھا جا چکا ہے کہ میر قمرالدین سپہ سالار افواج سلطانی تھا اس کو سلطان نے کورگ میں فوج دے کر اس لئے روانہ کیا تھا کہ انگریزی فوج کو پیش قدمی سے روکے مگر انگریزی فوج بغیر مزاحمت بڑھتی آئی یہاں تک کہ اس نے آکر قلعہ کا محاصرہ کر لیا کسی تاریخ میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ میر قمرالدین نے جو قلعہ سے باہر فوج لئے ہوے تھا کیا کارروائی کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کہیں ادھر ادھر جا کر بیٹھ رہا جب فوج اس کے پاس تھی تو اسے چاہیے تھا کہ وہ مدافعت کرتا کہ انگریزی فوج قلعہ کا محاصرہ نہ کرنے پائے یا اگر محاصرہ ہو چکا تھا تو اس کے لئے نہایت آسان تھا کہ پشت پر سے انگریزوں پر حملہ آور ہوتا اس کی غداری کا ثبوت اس سے ملتا ہے

کہ وہ انگریزی فوج کے قریب ہی کہیں پڑا تھا۔ کیونکہ سلطان کی شہادت کے بعد ہی وہ قلعہ میں آگیا۔ - رئیس لکھتا ہے۔

"قلعہ میں دوسرے دن جن افسروں نے ہتھیار رکھ دیے ان میں میر قمرالدین بھی تھا میر صادق کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے کہ اس غدار نے کیا کارروائی کی۔

قلعہ پر حملہ اور سلطان کی شہادت کے متعلق مختلف بیانات

کرنل بیٹسن جو اس جنگ میں شریک تھا اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

"محاصرہ کے آخری چودہ دن سلطان نے کلائی ڈڈی کے پاس بسر کیے یہ ڈڈی قلعہ کے اندرونی فصیل میں محل کے شمال و مغرب میں ہے اور یہ پانی کے لئے استعمال کی جاتی تھی اس ڈڈی کے قریب سلطان ایک چھوٹی پتھر کی بنی ہوئی چولتری میں رہتا تھا جو دروازہ میں تھی اس چولتری کے قریب چار چھوٹے ٹینٹ ملازمین کیلئے تھے۔

مئی کی ۴ تاریخ کی صبح کو مسلمان اور برہمن نجومیوں نے سلطان سے آکر کہا کہ آج کا دن ذات سلطانی کیلئے نامبارک ہے دس بجے قریب سلطان نے چن پٹن کے سنیاسی کو ایک ہاتھی ایک تھیلا تل اور دو سو روپے دیے اور دوسرے برہمنوں کو ایک ایک سیاہ بیل ایک ایک گائے بھینس ایک ایک بکری کپڑے تیل اور نوے نوے روپے دے۔ اس کے بعد وہ محل پر گیا مگر زنانہ میں داخل نہیں ہوا یہاں سلطان کو معلوم ہوا کہ آج کی شب قلعہ پر چڑھائی ہوگی

سید غفار نے آکر اطلاع دی کہ حملہ دن میں ہوگا لیکن سلطان نے کہا کہ دن کے وقت حملہ نہ ہوگا۔

قریب ایک بجے کے سلطان کلالی ڈوڈی پر پہنچا اور یہاں کھانے پر بیٹھا ابھی کھانا ختم نہیں ہوا تھا کہ یکدم شور ہونے لگا سلطان فوراً ہاتھ دھو کر اٹھ کھڑا ہوا ہتھیار باندھنے لگا اسی وقت معلوم ہوا کہ سید غفار سپہ دار شہید ہو گئے۔ سلطان نے کہا:

مجاہد موت سے نہیں ڈرتے سید غفار کبھی موت سے نہیں ڈرا سید قاسم کو حکم بھیجا کہ سید غفار شہید کی جگہ متعین رہے۔

یہاں سے سلطان قلعہ کی فصیل پر چڑھ کر اس جگہ گیا جہاں کہا ہوا تھا لاموستح حملات حیدری اور نشان حیدری نکلتے ہیں سلطان نے طاؤس نامی گھوڑے کو طلب کیا اور اس پر سوار ہوکر نکلا۔ محمود جب سلطان قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ انگریزی فوج قلعہ پر آچکی ہے اور سامنے راستہ نہیں یہاں سلطان اپنی بندوق سے انگریزی سپاہ پر فائر کرنا شروع کیا جس سے چار پانچ انگریز نشانہ اجل ہوے جب ہجوم زیادہ ہونے لگا تو سلطان واپس لوٹا پانی کے دروازہ پر پہنچکر سلطان نے چاہا کہ اندر چلا جائے مگر ہجوم اسقدر تھا کہ راستہ نہ ملا سلطان کو ایک گولی سیدھے بازو میں لگی سلطان تین چار قدم اور آگے بڑھا کہ ایک گولی وہیں سیدھے بازو میں لگی گھوڑی زخمی ہو کر بیٹھ گئی یہاں سلطان نے راجہ خاں سے کہا کہ وہ زخمی ہو گیا ہے راجہ خاں نے کہا حضرت اپنے آپ کو انگریزوں پر ظاہر کر دیں سلطان نے کہا:۔

کیا تم دیوانے ہو گئے ہو۔ خاموش رہو۔

راجہ خاں نے سلطان کو گھوڑے پر سے اتارا اور اتارتے وقت وزن سہہ نہ سکا سلطان اور وہ دونوں ملکر گرے سلطان کو فوراً ملازمین نے اٹھا کر پالکی میں لٹا دیا اور پالکی دروازہ میں رکھ دی گئی سلطان پالکی ہی میں تھا کہ ایک انگریز سپاہی کا گزر ادہر سے ہوا جسنے سلطان کی پیٹی اور شمشیر لینی چاہی جب اس نے ہاتھ دراز کیا تو سلطان نے تلوار سے اس کے پاؤں پر ضرب لگائی جس پر اس نے بھری ہوئی بندوق سلطان پر خالی کر دی جس سے سلطان شہید ہو گیا۔ راجہ خان کہتا ہے کہ وہ تمام دوپہر سلطان کے ساتھ رہا سلطان کو تمام وقت حرم سرا کی فکر رہی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ناموس حرم بچانے کیلئے محل میں پہنچکر اس کو اڑا دینے کا خیال تھا۔

اس کے برخلاف دوسرے انگریزی مورخین لکھتے ہیں:-

"سلطان دست بدست جنگ کرتا رہا اور اس کو گولیاں لگیں"

میڈوز ٹیلر لکھتا ہے:-

"سلطان دست بدست جنگ کرتا رہا آخر وقت تک داد شجاعت دی ایسے وقت میں اس کو سخت پیاس لگ رہی تھی اور وہ پانی مانگ رہا تھا سلطان کہہ رہا تھا "خدا کیلئے پانی کا ایک قطرہ دو" سلطان کو تین گولیاں لگیں اور وہ تشنہ لب ہی شہید ہو گیا"

قلعہ پر حملہ اور سلطانی محل کا محاصرہ

میجر آلن کا بیان دبلٹن کی تاریخ سے:-

"قلعہ پر حملہ کرنے والی فوج کا افسر جنرل بیرڈ تھا اور یہ وہی افسر تھا جو سرنگاپٹم میں تین برس تک مقید تھا وہ میسور کی جنگ میں کرنل بیلی کی شکست کے معرکہ میں گرفتار ہوا تھا اور جوش انتقام بھرا ہوا تھا اس نے خندق سے نکلکر تلوار میان سے کھینچی اور باآواز بلند کہا کہ :-

"اے مردان دلاور میرے پیچھے چلے آؤ اور آج انگریزی سپاہیوں کی آبرو رکھ لو۔"

جنرل بیرڈ نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا ترتیب یہ تھی کہ شگاف پر چڑھنے کے بعد ایک حصہ جنوبی دیوار پر قابض ہو کر اسی دروازے پر آکر مل جائے دریا پایاب تھا اور خندق میں خاص اس جگہ گھٹنوں برابر پانی تھا فوج کے یہ دو حصے لفٹننٹ لارنس کے زیر کمان دے گئے (ہم یہ پہلے لکھ چکے ہیں کہ دونوں افسر نمک حرام وزرا کی سازش سے ۳۰ اپریل اور ۲ مئی کو قلعہ میں ہو آئے تھے۔

خندقوں سے نکلکر شگاف قلعہ تک پہونچنے تک چھ لحظے امید و بیم میں گذرے اب انگریزی فوج نے شگاف پر چڑھ کر اپنا جھنڈا بلند کر دیا اور چند منٹ کے بعد ہی تمام فوج فصیل قلعہ پر تھی فوج دو حصوں میں ہو کر آگے بڑھی جنوبی فصیل پر جو فوج متعین تھی وہ بغیر کسی مقابلہ کے نکل گئی،

دروازے تک پہونچ گئی مگر شمالی فصیل پر جو فوج متعین تھی اس کا سلطان سے مقابلہ ہو گیا جو حملہ کی خبر سن کر آ گیا تھا جنوبی فوج نے آسانی سے ہر مقام پر قبضہ کر لیا قلعہ کی اندرونی دیوار پر محافظت کیلئے کوئی نہیں تھا اس سے سہولت یہ ہوئی کہ انگریزی فوج کا قبضہ اندرونی فصیل پر بھی ہو گیا۔ اور اس طرح اس فوج پر جو سلطان کے ساتھ تھی ہر طرف سے گولیاں پڑنا شروع ہوئیں شمالی فصیل پر جو ڈویژن تھی وہ سامنے سے حملہ کرتی تھی اندرونی فصیل پر جو فوج قابض تھی وہ بائیں جانب سے گولیاں برساتی رہی اور شمال کی جانب سے گولے برس رہے تھے اور جنوب میں پانی کے دروازے تک جنوبی فوج فصیل پر قابض ہو کر گولیاں چلا رہی تھی۔"

میجر ڈالس اور میجر آلن کہتے ہیں۔ کہ ہم شگاف پر کھڑے ہوئے شہر اور لڑائی کا نظارہ کر رہے تھے کہ قریب سو فیٹ دوری پر سامنے تین آدمی پڑے ہوئے پلنگ لبظاہر وہ مر چکے تھے ہم ان کو جب دیکھنے کیلئے اٹھایا تو ان میں ایک جاں بلب تھا اور دو مر چکے تھے جب تھوڑا وقت گذرا تو یہ شخص اٹھا۔ اور ہمارے چہرے حیرت سے دیکھنے لگا میجر ڈالس نے اس کو پہچانتے ہوئے پکارا۔ سید صاحب!

(میر معین الدین)؟

"ہاں میں وہی ہوں"

اس نے جواب دیتے ہوئے میجر ڈالس کے پیر پکڑ لیئے جب میں نے (میجر آلن) دریافت کیا تو میجر ڈالس نے کہا یہ کسی وقت کمپنی کی فوج میں ملازم تھا سید صاحب کیلئے پالکی منگوائی گئی اس عرصہ میں ہم نے سلطان

کے متعلق دریافت کیا تو اس نے یقین دلایا کہ سلطان محل میں ہے ہم دو سپاہیوں کو سید صاحب کی حفاظت پر متعین کر کے جنرل بیرڈ کو سلطان کی محل میں موجودگی کی خبر دینے کیلئے گئے بعد میں معلوم ہوا کہ سید صاحب اُٹھ کھڑا ہوا مگر اس کے پیر لڑکھڑا گئے بلورد گر کر مر گیا۔“

سلطانی محل کا محاصرہ

میجر آلن لکھتا ہے:۔

”جب ہم بنگلوری دروازے پر پہنچے تو جنرل بیرڈ نے مجھے حکم دیا کہ فوج کا ایک دستہ لیکر سلطانی محل میں جا کر یہ اطلاع دوں کہ اگر وہ بغیر کسی مقابلہ کے اپنے آپ کو حوالہ کر دیں تو ان سے جان کی حفاظت کیجائیگی ورنہ محل کے ہر شخص کیلئے نتیجہ برا ہوگا۔ میں ایک سفید جھنڈا لیئے ہوئے محل کے دروازہ پر پہنچا یہاں قلعہ دار سے کہا کہ فوراً اس اعلان کی اطلاع دی جائے اور اس کیلئے میں خود آیا ہوا ہوں قلعہ دار پہلے تو راضی نہ ہوا مگر دھمکانے پر مجھے اور افسروں کو اندر لے گیا محل کے صحن میں چند آدمی ہتھیار باندھے کھڑے تھے میں نے ان کو سفید جھنڈا بتلایا اور کہا کہ یہ امن کا جھنڈا ہے اور اطمینان دلانے کیلئے میں نے اپنی تلوار نکالی اور ان کے ہاتھ میں دیدی قلعہ دار اندر چلا گیا جب واپسی میں دیری ہوئی تو پھر میں نے دوبارہ کہلا بھیجا کہ دیر کرنا انکے لئے خطرناک ہے اس پر قلعہ دار نے آکر مجھے اندر لے گیا یہاں فرش پر سلطان کے دو شہزادے بیٹھے ہوئے تھے ان میں ایک شہزادہ معزالدین تھا جو میسور کی تیسری جنگ میں بطور یرغمال انگریزوں کے پاس ٹھہرا ہوا تھا شاہزادے سہمے ہوئے تھے میں نے

ان کو تسکین دیتے ہوئے معزالدین سے کہا کہ سلطان کہاں ہے ہمیں اطلاع دیدو کیونکہ ان کا بچکر جانا محال ہے۔ معزالدین نے تھوڑے وقفہ کے بعد کہا کہ بادشاہ محل میں نہیں ہے اس پر میں نے کہا کہ محل کے دروازے کھول دے جائیں کہ اندر تلاش کر کے اطمینان کرلیا جائے شاہزادے اس پر راضی نہ ہوئے کہ بغیر حکم سلطانی وہ اس طرح نہیں کر سکتے میں نے ان کو ہرطرح اطمینان دلایا کہ کوئی بھی بغیر میری اجازت کے اندر نہ آئیگا آخر دروازہ کھول دیا گیا یہاں جنرل بیرڈ اپنے سپاہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا اس وقت جنرل بیرڈ سخت غصّہ میں بھرا ہوا تھا اس کو یہ غلط خبر ملی تھی کہ انگریزی قیدیوں کو قتل کر دیا گیا ہے مگر جب شاہزادے روبرو آئے تو وہ ان سے خندہ پیشانی سے ملا یہاں شہزادوں کو لفٹننٹ کرنل آگینو اور کیپٹن میاریٹ کی حراست میں دیدیا گیا کہ ان کو انگریزی کیامپ میں پہنچا دیا جائے۔

فوج کو ہدایت کی گئی کہ ان کی تعظیم بجالائے۔

جنرل بیرڈ سلطان کے لئے تمام محل کی تلاشی لینے پر تلا ہوا تھا صحن میں سپاہیوں کا پہرہ کھڑا کر کے ہم اندر بڑھے۔ قلعدار نے نہایت متانت و سنجیدگی سے سمجھایا کہ سلطان محل میں نہیں ہے بلکہ خبر ہے کہ قلعہ کی اندرونی فصیل کے دروازے کے پاس زخمی ہوا پڑا ہے قلعہ دار کو ساتھ لے لیا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اگر اس کی اطلاع غلط نکلی تو اس کا نتیجہ برا ہوگا۔

ہم دروازہ پر پہونچے۔ تاریکی بڑھتی جارہی تھی بے شمار لاشیں پڑی ہوئی تھیں تمیز کرنا مشکل تھا لاشوں کو کھینچ کر نکالا گیا مگر یہ ختم نہ ہوتے تھے تاریکی زیادہ بڑھ گئی تو مشعلیں منگوائی گئیں اسی تلاش میں ہم کو یہاں راجہ خاں ملا جو

مجروح ہوکر پڑا تھا دریافت پر اسنے وہ جگہ بتلائی جہاں سلطان گھوڑے پر
گرا تھا یہاں تلاش کرنے پر سلطان کی لاش مل گئی قلعدار نے سلطان
کو شناخت کرلیا پالکی منگوا کر لاش محل میں لائی گئی۔

جس وقت سلطان کی لاش ملی اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں
جسم اس قدر گرم تھا کہ مجھے اور کرنل ولزلی کو دھوکا ہوگیا کہ سلطان
ابھی زندہ ہے نبض دیکھی گئی تو ساکت تھی سلطان کو گولی کے چار زخم
آئے تھے تین جسم پر اور ایک سیدھے کان میں سلطان سفید کپڑے کی
قمیض اور پھولدار چھینٹ کا ڈھیلا پاجامہ پہنے ہوئے تھا اور ایک سرخ
ریشم کا کپڑا کمر پر باندھے ہوئے تھا ایک قیمتی پیٹی کمر میں تھی عمامہ اس ہنگامے
میں کہیں گر گیا تھا سیدھے بازو پر ایک تعویز تھی جس کو کھولا گیا ریشم کے کپڑے کے
اندر چاندی جیسی ایک دھات پر عربی و فارسی میں کچھ لکھا ہوا تھا
سلطان کا قد ۵ فیٹ ۸ انچ تھا شانے ابھرے ہوئے گردن کوتاہ
اور موٹی تھی ہاتھ اور پیر قابل الذکر طور پر چھوٹے اور نازک تھے رنگ گندمی
آنکھیں بڑی بڑی اور نمایاں تھیں ابرو کمان دار اور ناک خمیدہ تھی
چہرہ پر رعب تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ عام آدمیوں سے انکی ذات
بالا و برتر ہے۔

سلطان کی تدفین

جنرل ہارس کے حکم سے صبح کے وقت سلطان کا دیدار سب شاہزادوں زخمیوں وغیرہ کو دکھلا کر تجہیز و تکفین کا حکم دیا گیا جنازہ نہایت ہی احترام و احتشام کے ساتھ ۸ مہر ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ کو بوقت ظہر قلعہ سے روانہ ہوا۔ تمام شاہزادے، سردار اور عہدے دار شریک تھے گورہ فوج کی چار کمپنیاں پیچھے پیچھے ساتھ تھیں راستہ میں جس گلی کوچہ سے سلطان کا جنازہ نکلتا۔ وہاں بلا تفریق مذہب و ملت مرد و زن کی صدائے نوحہ و ماتم سے ایک قیامت برپا معلوم ہوتی تھی آگے بڑھ کر نواب حیدر علی خاں کے مقبرہ پر جس کو گنبد کہتے ہیں جنازہ ٹھہرایا گیا قاضی شہر نے نماز جنازہ پڑھائی بارہ ہزار روپے فقرا کو دیے گئے اور اس پیکر جلال کو اس کے باپ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا اور یہ ایک مدت تک بڑے بوڑھوں کی زبان پر تھا کہ جنرل ہارس کو سلطان کی شہادت کی خبر پہنچی اور وہ لاش پر آیا تو فرط خوشی سے پکار اٹھا کہ :-

آج ہندوستان ہمارا ہے

سلطان ٹیپو کی موت درحقیقت اسلامی جاہ و جلال اور اسلامی شان و شوکت کی موت تھی ہندوستان کی آزادی کی موت تھی ہندوستان کی غیرت و خودداری کی موت تھی کہ اس حالتِ زار پر آسمان کو بھی بغیر آنسو بہائے نہ رہا گیا دفعتاً ایک طوفان اٹھا بادل کی مہیب گرج اور بجلی کی خوفناک کڑک نے زمین کو ہلا دیا بہ تدفین کے وقت اکثر مقامات پر بجلی گری خصوصاً سلطان کے دیوان خانہ اور محل سرا اور مسجد اعلیٰ پر دیائے کاویری جو پایاب تھی یکایک پوری

طغیانی پر آگئی ایک ایسا ہیبت ناک وعبرت انگیز سماں چھا گیا اگویا اہل زمین پر ایک بہت ہی بڑی مصیبت آگئی تھی جس پر آسمان بھی غم کر رہا ہے اور برق و باد اسکے شریک غم ہیں

گو اس زمانہ میں اس قسم کے واقعات پر یا تو یقین نہیں کیا جاتا یا ان سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے مگر اس کو کیا جاوے کہ تاریخیں اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہیں اور اس کا بین ثبوت دیتی ہیں یہاں تک کہ وہ لوگ بھی مافوق الفطرت واقعات کے منکر ہیں خود معترف ہو گئے ہیں ہم نے اوپر جو کچھ لکھا ہے وہ نہ صرف اسلامی تاریخوں میں ہی نہیں بلکہ انگریزی تاریخیں بھی اس کا ثبوت دے رہی ہیں :

لوئیس رئیس اپنی تاریخ اور بورنگ حیات ٹیپو میں لکھتا ہے ۔

" اس وقت ایک طرف تو قلعہ سے ماتمی توپیں سر ہو رہی تھیں اور دوسری طرف بجلی کی چمک اور بادل کی نہایت خوفناک گرج سے اس عبرت ناک واقعہ کی سنجیدگی اور بھی دوبالا ہو گئی تھی) ۔

سرنگاپٹم کے بڑے بوڑھوں کی زبان پر عرصہ تک یہ بات تھی کہ انکی مدت العمر میں اس قسم کا خوفناک طوفان کبھی نہیں آیا تھا جیسا کہ سلطان کی تدفین کے دن آیا اتنی بجلیاں گریں کہ جنکا حساب نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ شہر پر کوئی خوفناک مصیبت آگئی ہے در و دیوار لرزہ براندام تھے اور دریا کی طغیانی اس جوش و خروش پر تھی کہ ہیبت طاری ہو جاتی تھی اور انہیں حسرت تھی کہ دریا کیوں ایک دن پہلے نہیں آیا کہ حملہ ہو ہی نہیں سکتا تھا ۔

جنرل میڈوز ٹیلر اپنی کتاب ٹیپو سلطان کے صفحہ ۳۴۴ پر لکھتا ہے ۔

رات ختم ہو گئی صبح ہوئی رات بھر شہر میں خوف و ہراس چھایا رہا ۔

ہر جگہ بندوقوں کی آواز اور مجروحوں کے چیخوں اور ستم رسیدوں کی
آہ و فغاں کی آوازیں آتی رہیں۔ رات بھر شہر میں لوٹ مار قتل و غارتگری
ہوتی رہی سلطان کی لاش زخمیوں اور مردوں کے ڈھیر میں شب ہی
کو مل گئی تھی غسل دیکر اس کو خاص مکہ کے بنے ہوئے کپڑوں کا کفن دیا گیا
قریب چار بجے کے جنازہ اٹھایا گیا انگریزی فوج جو کل تک سلطان کے خلاف
صف آرا تھی آج شہر کے راستوں پر جہاں سے جنازہ گذرنے والا تھا
دو رویہ صف لبتہ تعظیم کیلئے کھڑی تھی جنازہ کے آگے چار بڑی کمپنیاں
تھیں جنازہ کے ہمراہ سلطنت کے اعیان، وامرا اور جنازہ کے پیچھے شہزادہ
عبدالخالق سلطان کا دوسرا شہزادہ برہنہ سر گھوڑے پر سوار تھا۔
جنازہ آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ راستے میں ہزارہا لوگ انتہائے غم سے نالاں
وگریاں تھے ان میں مسلمان بھی تھے اور ہندو بھی سینکڑوں آدمی جنازہ
کے آگے آکر لیٹ جاتے تھے بلا تفریق مذہب ہندو اور مسلمان عورتیں
سروں پر مٹی ڈال ڈال کر ماتم کرتیں تھیں اس طرح جنازہ قلعہ سے
نکلکر شہر میں ہوتا ہوا مقبرہ تک پہنچا اور ہر ہر قدم پر آدمیوں کا ہجوم بڑھتا گیا
آج کا دن خصوصاً حد درجہ گرم تھا ہوا بند رہی ایک پتہ تک کہیں ہلتا
نہ تھا آسمان پر سیاہ اور ڈراونی بادل چھائے ہوئے تھے اور تھوڑی
تھوڑی دیر کے بعد ان میں سے ایک قسم کی گہری اور مہیب آواز آتی
تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آسمان پر بھی کچھ ہو رہا ہے لوگ اس
گرمی کو سختی سے محسوس کر رہے تھے فضا کی بھیانک پن سے دلوں پر ایک عجب چھایا

ہوا تھا۔ کبھی کبھی کوئی آدمی سر اٹھاتا تو جلدی ہی خوف سے سر نیچے کر لیتا

اسی حالت میں جنازہ لال باغ تک پہنچا۔ ہجوم اسقدر بڑھ گیا تھا کہ لوگوں کی گریہ وزاری کی آواز تمام فضا میں گونج رہی تھی۔ قلعہ سے ماتمی توپیں چھوٹ رہی تھیں۔ مگر ان کی آواز لوگوں کی گریہ وزاری میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔

اس ہنگامۂ غم والم میں اگر کبھی ایک لمحہ کیلئے وقفہ ہوتا تو معلوم ہوتا کہ آسمان پر بھی کچھ ہو رہا ہے۔ تمام آسمان پر بجلیاں ایک گوشہ سے نکل کر دوسرے گوشہ کی طرف پیہم جا رہی تھیں۔

جنازہ عین مقبرے کے روبرو پہونچا۔ بیانڈ کا بجنا تھم گیا جنازہ کے آگے چار کمپنیاں جو جلوس میں تھیں۔ دو رویہ صف باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔ کہ جنازہ ان کے درمیان سے مقبرہ میں لے جایا جائے۔ جنازہ آہستہ آہستہ لا کر اتارا گیا۔ اور خطیب اور دوسرے لوگ قطاریں باندھ کر نماز کے لئے صف بستہ کھڑے ہو گئے۔

خطیب کی آواز نہایت زوردار تھی اور جیسا ہی اس کی زبان سے تکبیر کہنے کے لئے لفظ "اللہ" نکلا تو یہ معلوم ہوا کہ آسمان ٹوٹ کر زمین پر گر رہا ہے ایک ہیبت ناک کڑاکے کے ساتھ بجلی چمکی۔ اور ایک نور کی روشنی سے سب کی آنکھیں بند ہو گئیں اور ایک زبردست گرج کی آواز نے دلوں کو ہلا دیا اور یہ معلوم بھی ہوا نہیں کہ خطیب کی زبان سے اللہ کے بعد کوئی لفظ نکلا بھی یا نہیں۔

اس کے بعد ایک عرصہ تک خاموشی طاری رہی۔ نماز ختم ہوئی۔ لاش کو اس

کی آخری آرام گاہ میں رکھا گیا۔ اور جونہی لاش رکھ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا گیا۔ پھر ایک بجلی چمکی۔ ایک کڑک ہوئی۔ لوگوں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور کیا ہو رہا ہے۔ اس کے بعد بجلی اور گرج کا ایک مہیب سلسلہ شروع ہو گیا۔ ابھی تک بارش کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں اترا تھا کالی گھٹا سے معلوم ہوتا تھا کہ زمین پر اترنے والی ہے۔ بجلی کی چمک سے زمین و آسمان ایک ہو رہے تھے۔ اور لوگوں کی نظریں خوف و ہراس سے ادھر ادھر اٹھتی تھیں۔ اس وقت ظاہر ہو رہا تھا کہ قدرت کے آگے انسانی طاقت کتنی حقیر ہے۔ درحقیقت آفرینندۂ خلق کی آواز اس وقت سنائی دے رہی تھی۔

فوج کو حکم دیا گیا کہ آخری سلامی اتارے۔ ادھر بندوقیں چھوٹیں۔ اور ادھر آسمان سے ہزار بانیں چھوٹنا شروع ہو گئیں جن کی آوازیں بندوقوں کی آواز بالکل دب کر رہ گئی۔ اور یہ معلوم بھی نہیں ہوا کہ فیر کے بعد جو بینڈ بجایا گیا وہ کس قسم کا تھا گویا بینڈ کی آواز حقیقت میں آسمانی آوازوں کا منہ چڑا رہی تھی۔"

میجر بیٹسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

" سرنگاپٹم کے سر قاضی کو سلطان کی تجہیز و تکفین کا انتظام سپرد کیا گیا۔ شاہی پالکی کو جنازہ کے لئے تیار کیا گیا۔ محل کے تمام لوگ جنازے کے ہمراہ شریک تھے چار انگریزی کمپنیاں آگے آگے تھیں۔ اور شہزادہ عبدالخالق پیچھے گھوڑے پر سوار تھا۔ قاضی آیات قرانی پڑھتا تھا۔ اور لوگ دھراتے تھے۔ جنازہ شہر کی گلیوں

میں سے گذرا ہزار ہا لوگ راستے میں کھڑے زور و شور سے آہ و زاری کرتے تھے۔ اور بعض جنازہ کے آگے آ کر لیٹ جاتے تھے۔

میجر ایلم مع چند حیدر آبادی افسروں کے مقبرے کے پاس آ کر ٹلا جب نماز جنازہ ختم ہوگئی تو لاش کو مقبرہ میں نواب حیدر علی کے بازو دفن کر دیا گیا پانچ ہزار روپیہ فقراء میں تقسیم کئے گئے۔ اس سانحہ کو دو بالا کرنے کے لئے ایک سخت اور مہیب طوفان آیا۔ بارش۔ گرج اور بجلی غضب ڈھا رہی تھی۔ انگریزی کیمپ پر بجلی گری۔ جس سے دو افسر اور چند سپاہی ہلاک اور بہت سے زخمی ہو گئے۔!!

شہادت کے بعد

سلطان کی شہادت کے بعد ایک قہر الٰہی تھا جو اسی وقت سرنگا پٹم پر ٹوٹ پڑا۔ قریبًا بارہ ہزار شہیدان وطن اپنی جانیں سلطان پر نثار کر چکے تھے۔ ادھر سلطان کی لاش محل میں لائی گئی۔ ادھر شہر میں ہر جگہ لوٹ مار، قتل و غارتگری کا بازار گرم ہوگیا قمری ماہ کی آخری رات تھی۔ گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس اندھیرے کو جلتے ہوئے مکانات کے شعلے، زخمیوں کی چیخ و پکار بے بس اور مظلوم عورتوں کے نالہ و فریاد۔ اور بھیانک بنا رہی ہوئی تھی۔ شعلوں کی روشنی میں جو کچھ نظر آ رہا تھا اس سے انسانیت کی روح بھی کانپ جاتی تھی۔ گھروں کی تباہی۔ مال و زر کی لوٹ۔ عورتوں کی بے حرمتی۔ مردوں اور بچوں کا قتل ایسے نظارے تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ تمام ارضی و سماوی بلیات اس مختصر سے خطۂ زمین پر ٹوٹ پڑے ہیں۔

میجر آلن جو اس جنگ میں شریک اور اس شب سرنگاپٹم میں موجود تھا۔ اپنی یاد داشتوں میں لکھتا ہے :۔

"جنرل بیرڈ جو دن بھر کا تھکا ہوا تھا۔ آرام لینے کے لئے محل کے برآمدے میں لیٹ گیا ابھی اسکی آنکھ بھی نہیں لگی تھی کہ اس کو لوگوں نے جگا دیا اور کہا کہ شہر میں مختلف مقامات پر آگ لگ گئی ہے۔ اور ہر جگہ عام طور پر لوٹ ہو رہی ہے ایکدم جگہ اس کو روکنا چاہا مگر کامیابی نہیں ہوئی قلعے کی فتح کے بعد سپاہی اپنے پلٹنوں کو واپس نہیں گئے اور باربرداری کے لئے جو لوگ باہر کیمپ میں تھے۔ وہ بھی شہر کے اندر آگئے تھے۔ اور سب کے سب لوٹ میں مشغول تھے کئی ایک لوگوں کو پیٹا جا رہا تھا۔ کہ اپنی چھپی ہوئی دولت کا پتہ بتائیں۔ عورتیں مکانات چھوڑ کر گلیوں اور کوچوں میں کھڑی تھیں کہ اپنی عصمت کو بچا سکیں چند ہی گھنٹوں کے اندر اندر سونے اور جواہرات کے ڈھیر لٹیروں کے ہاتھ میں تھے بڑے بڑے سرداروں اور شرافوں کے گھر لوٹ کر بالکل خالی اور تباہ کر دیئے گئے۔ اگرچہ سلطانی خزانہ پر جہاں بے حساب دولت رکھی ہوئی تھی۔ پہرہ ڈال دیا گیا تھا۔ لیکن کئی ایک سپاہی ایک خفیہ راستے سے دروازے توڑ کر خزانہ میں داخل ہوگئے تھے اور عجیب تر بات یہ تھی کہ لوگ مال لوٹ لوٹ کر اپنی جیبیں تو بھر رہے تھے مگر ایک دوسرے کو چیخ چیخ کر لوٹ سے منع کرتے تھے۔"

(ماڈرن میسور صفحہ ۲۱۶)

اس انگریزی چشم دید واقعات کے بعد اگر مقامی روایات کو لیا جائے تو قلم میں اتنی طاقت نہیں کہ ان واقعات کو لکھ سکے۔ کہا جاتا ہے کہ غداروں نے جو غداری کی تھی۔ اس کا

نتیجہ وہ سلطان کی شہادت کے چند گھنٹے ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ایک خدائی انتقام تھا جو فوراً اسی وقت قدرت کی طرف سے لیا گیا۔ انکا مال و زر ان کی عزت و وقار بلکہ انکی عورتوں کی ناموس تک غداری کی بھینٹ چڑھ چکی تھی۔ اسلئے

"صبح ہوتے ہی جب ان واقعات کی خبر جنرل ہارس کو پہونچی تو اس نے جنرل بیرڈ کے عوض کرنل ولزلی کو انتظام پر مامور کرتے ہوئے بڑے بڑے سرداروں کے گھروں پر فوجی پہرہ ڈال دیا" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

لیکن شہر میں قتل و غارتگری کا بازار پھر بھی کم نہ ہوا۔ چار دن تک لوٹ ہوتی رہی کوئی گھر اور کوئی خاندان اس سے محفوظ نہیں رہا۔ آخر تنگ آکر کرنل ولزلی نے جنرل ہارس کو لکھا۔

ملس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:-

"سرنگاپٹم کے زوال کے بعد وہاں کی رعایا پر اس قدر ظلم و ستم کیا گیا کہ اس کے آگے سلطان ٹیپو کے مفروضہ مظالم کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ یہ ظلم و ستم کرنیوالے سپاہی انگریز تھے۔ یہاں تک کہ کرنل ولزلی نے جنرل ہارس کو تحریر کیا کہ انگریزی حاکم شہر (کوتوال) کو میرے پاس بھیجدیں کہ میرے حکم کے تابع رہے جب چند لوٹنے والے کو پھانسی نہ دیجائے گی اس وقت تک لوٹ کو روکنا محال ہے اس وقت ہماری رجمنٹوں کے سپاہی اور جنرل اسٹوارٹ شہر میں ہے اس کی وجہ سے اور زیادہ خوف و دہشت پھیل رہی ہے جب تک ہم موثر ذرائع اختیار نہ کریں گے۔ لوگ اپنے اپنے مکانات کو واپس نہ آئیں گے"

کرنل ولزلی نے انہیں واقعات کی خبر اپنے بھائی مسٹر لارڈ ولزلی گورنر جنرل کو بھی دی۔ وہ لکھتا ہے:۔

"ہمارے کی شب میں سرنگاپٹم پر جو مصیبت آئی۔ اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ شہر میں مشکل سے کوئی مکان ہوگا جو لوٹ سے بچا ہوا ہو۔ ہماری کیمپ کے بازار میں ہمارے سپاہی بیش قیمت جواہرات سونے کی سلاخیں اور دوسری قیمتی اشیا بالکل کم قیمت پر فروخت کر رہے ہیں یا انھیں دوسری چیزوں کے عوض دے رہے ہیں۔ ایک ایک بیش قیمت موتی ایک شیشہ شراب کے عوض دیا جا رہا ہے ایک فوجی ڈاکٹر نے ایک سپاہی سے دو بازو بند خرید کیا ہے۔ جسمیں ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ ان دونوں بازو بند میں ایک جو بہ نسبت دوسرے کے کم قیمت کا بتلایا جاتا ہے اسکو حیدرآباد کے ایک جوہری نے تینتیس ہزار پونڈ کا بتلایا ہے دوسرے بازوبند کے متعلق جوہری نے کہا کہ وہ اس قدر قیمتی ہے کہ اس کی قیمت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اسقدر مال و دولت حاصل کرنے کے باوجود بھی ہمارے افسر اور سپاہی اس تمام املاک اور خزانے کو بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں جو محل سے دستیاب ہوا ہے۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

کرنل ولزلی نے اپنے بھائی کو یہ بھی لکھا کہ:۔

"فوج کا ہر شخص بلکہ جنرل ہارس تک اس کے لئے مضطرب ہے کہ مال غنیمت جلد از جلد تقسیم ہو جائے۔ فتح مند فوج جسکو اور کوئی کام نہیں ہے۔ بالکل قابو سے باہر ہو رہی ہے۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۰)

مال غنیمت کی تقسیم کے متعلق کرنل ولزلی اپنے بھائی کو لکھتا ہے:۔

" مال غنیمت کی تقسیم کے لئے جو ایجنٹ مقرر کئے گئے ہیں وہ جونکوں سے زیادہ خونخوار ہیں۔ انہوں نے سلطان کے محل کے دروازے اور سلطان کے لباس اور کپڑوں تک فروخت کر دیا اور ابھی انکے پاس کے ملبوسات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے یہ وہ کپڑے ہیں جو سلطان کے استعمال میں تھے۔ اور وہ بنا کر رکھا تھا اگر ان کے فروخت کی فوراً ممانعت نہ کی گئی تو مجھے خوف ہے کہ اس جگہ کے وہ مسلمان جو ہمارے قبضہ سے بیزار ہیں ان کپڑوں کو بطور نشانی و تبرک خرید کر لیں گے۔ یہ ہمارے لئے ایک شرمناک بات ہوگی۔ اس لئے میری رائے ہے کہ گورنمنٹ خود ان ملبوسات کو خرید کرلے اور انھیں شاہزادوں کے حوالے کر دے یا جسطرح مناسب ہو عمل میں لائے۔ (ماڈرن میسور صفحہ ۱۵۰)

پرائز کمیٹی یا ان لوگوں نے جو مال غنیمت تقسیم کرنے پر مامور تھے یہاں تک دیدہ دلیری سے کام لیا کہ محل کے زنانہ حصہ کی بھی تلاشی لی کہ کہیں مال و زر یہاں بھی چھپا کر نہ رکھا گیا ہو لارڈ ولزلی کو جب معلوم ہوا تو اسنے اس کے متعلق پرائز کمیٹی والوں پر اعتراض کیا اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ:۔

" زنانہ حصہ میں جو عورتیں تھیں۔ انہیں تلاشی سے پہلے ہی محل کے ایکدوسرے حصہ میں منتقل کر دیا گیا تھا " (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۱)

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۲ پر لکھتا ہے:۔

" مال غنیمت کو تقسیم کرنے پر جو جماعت مامور تھی وہ محل کی دولت دیکھ کر حیران و ششدر ہو گئی۔ لاکھوں جواہرات کے علاوہ سونا اور چاندی کا سلاخیں زیورات اور نہایت قیمتی و نایاب چیزیں محل کے اندر رکھی ہوئی تھیں۔ زنانہ

حصہ کے سوا محل کی تمام عمارت اور دربار کا کمرہ ان چیزوں کو رکھنے کے لئے استعمال لایا گیا۔

جواہرات مقفل صندوقوں میں تھے جو محل کے اندر تاریک کمروں میں رکھے ہوئے پائے گئے۔ یہ جواہرات جن صندوقوں میں تھے ان پر حیدر علی اور سلطان کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اسطرح سونے کے اسلحہ اور زیورات جن کی خوبصورتی بیان [illegible] نہیں آسکتی۔ ایک دوسری جگہ سربمہر صندوقوں میں رکھے ہوئے ملے زیورات [illegible] بازو بند، انگوٹھیاں، گلوبند اور سر کی آرائش کی بے شمار چیزیں تھیں اوپر [illegible] کے کمرے میں چاندی کی سلاخیں اور اس سے بنی ہوئی چیزوں کے ذخیرے تھے ایک بنگلہ دو ہودے تھے جو پورے کے پورے چاندی کی طرح بنے ہوئے تھے بہت سے چاندی کے بڑے بڑے طبق تھے جنمیں ہیرے اور دوسرے جواہر لگے ہوئے تھے۔ ہتھیار ایک کمرے میں تھے اس میں کئی بندوق اور تلواریں تھیں جن میں سونا اور جواہرات لگے ہوئے تھے ہاتھی دانت کے [illegible] اور دوسرے کئی بڑے بڑے قیمتی اشیا بھی محل کے اندر پائی گئیں۔ ان تمام چیزوں کے علاوہ نہایت قیمتی فرنیچر اور بے شمار بیش قیمت قالین بھی تھے۔

نہایت عمدہ ململ، ساٹن، ریشم، شال اور دوسرے قیمتی کپڑوں کی گٹھریاں بندھے بندھائے رکھے تھے جن کا اندازہ کیا گیا کہ پانچسو اونٹ انکے اٹھانے کیلئے درکار ہوں گے۔ مال غنیمت میں دوربینیں اور دوسرے شیشے ہر آنکھ کیلئے موزوں اور مختلف قد و قامت کے آئینے اور بے شمار تصاویر تھیں اور اس قدر کانچ اور

چینی کے ظروف تھے۔ کہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڑی سی بڑی دوکان ہے
ایک بڑا کتب خانہ بھی تھا۔ جس میں نہایت قرینہ سے کتابیں رکھی گئی تھیں
بعض کتابوں کی جلدیں ہیرے جواہرات سے مرصع تھیں۔ ایک اور
کمرے میں ایک نہایت ہی قیمتی ہودا اور تخت رکھا ہوا تھا۔

محل سے ملحق بیس انا ج کے مخزن اور سات گودام تھے جن میں
دھان راگی، گرم مصالحہ وغیرہ بھرا ہوا تھا۔ ایک گودام میں گیارہ سال
آگے کے دھان رکھے تھے۔ جو نہایت عمدہ حالت میں محفوظ تھے قلعہ میں
ایکہزار توپ، پانچ لاکھ گولیاں بارہ ہزار گولے اور ساٹھ ہزار بندوق رکھے
ہوئے تھے۔ ان توپوں میں ایک اوّل توپ انگریزی ساخت کی تھیں
باقی سلطانی کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں ان کے متعلق جب تجربہ کیا گیا
تو معلوم ہوا کہ ساخت کے لحاظ سے بالکل اعلےٰ درجے کی ہیں۔

اس تمام مال غنیمت میں سے ٹیپو سلطان کی ایک تلوار تو جنرل بیرڈ
کو بطور انعام دی گئی۔ اور دوسری لارڈ ولزلی کو، اسکے علاوہ لارڈ ولزلی
کو ایک ہیروں کا جھومر اور تھوڑے زیورات تحفتہً بھیجے گئے مال غنیمت میں جنرل
ہارس کے حصہ میں ایک لاکھ بیالیس ہزار نو سو دو (۱۴۲۹۰۲) اشرفی آئے
جن کی قیمت موجودہ شرح تبادلہ سے ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ ہوتی ہے۔

آج مفلوک الحال ہندوستان کا کوئی دشت باشندہ اس کا تصور بھی نہیں
کر سکتا کہ اس عروس البلاد دکن یعنی سرنگا پٹم میں کس قدر دولت
جمع تھی۔ صرف سلطانی املاک جو تقسیم کی گئیں۔ ان میں سے صرف

جنرل ہارس کو اگر ساڑھے بارہ لاکھ روپیہ مل سکتے ہیں تو اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ دولت کس قدر کثیر ہو گی جو دوسرے افسروں اور عام سپاہیوں میں تقسیم ہوئی اور اس کے ساتھ اور کثیر دولت کا بھی تصور کیا جائے جو تقسیم سے پہلے ہی سلطانی محل کے علاوہ امراء، وزراء، علماء اور عام باشندگانِ شہر کے گھروں سے سپاہیوں نے ظلم و ستم کر کے لوٹ لیا تھا اوپر کرنل ولزلی کا بیان دیا گیا ہے اب ذیل میں مسٹر گرے کی تاریخ ہند سے میجر پرائس کا بیان دیا جاتا ہے جو اس لوٹ میں شامل تھا۔ میجر پرائس لکھتا ہے :-

"ٹیپو سلطان کے محلات کو کیونکر لوٹا گیا؟

طلسمی دولت

سرنگاپٹم کے مشہور قلعہ کو فتح کرنے کے بعد کمپنی نے فیصلہ کیا کہ جواہرات وغیرہ اور سامان (جس کی مجموعی قیمت پچیس لاکھ پونڈ تھی) کو موقع پر ہی تقسیم کر لیا جائے جس افسر نے جسقدر خدمت کی ہے اسی کا لحاظ اور اندازہ لگا کر اسے مالِ غنیمت میں سے حصہ دیا جائے۔ اس تقسیم کے لئے ایجنٹ مقرر کر دیئے گئے۔ میجر پرائس لکھتا ہے۔ کہ میں بھی اس میں تھا قلعہ کی دولت دیکھ کر آنکھیں پھر گئیں دیکھا نہیں جاتا تھا کہ ناقابلِ یقین دولت اور لاتعداد زر و جواہر قلعہ میں کہاں سے آ گئے! مختلف قسم کے پارچہ جات اور طرح طرح کی قیمتی اور نادر اشیاء، سونے چاندی کے ظروف اور جواہرات قیمتی کے بے مثل و لاجواب ذخیرے

سامنے کھلے پڑے تھے ہماری عقل حیران تھی فرد حساب بھی تیار نہ کر سکتے تھے۔ معلوم ہوا کہ بیرونی دروازوں سے سپاہی اور توپ خانوں کے لوگ گھس آئے تھے اور کافی مال لیکر چمپت بن گئے تھے۔

شہر میں بھی ہر شخص نے (خواہ وہ ہندوستانی افسر تھا یا یورپین) خوب لوٹ مار کی۔ بیسیوں گھروں میں جاکر روپیہ چھین لیا۔ ڈاکٹر ٹن کو ۷۴ نمبر کی رجمنٹ کے ایک سپاہی نے نہایت معمولی رقم میں پردہ اور کپڑے بیچے جس میں اسقدر قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے کہ ان کی مجموعی قیمت کا اندازہ ایک ہندوستانی جوہری نے ۴۰ ہزار پونڈ لگایا تھا بعض اور زیوروں کی قیمت کا اندازہ لگانے سے جوہری بھی قاصر تھے۔ اس سپاہی نے یہ کپڑے ایک گھر سے چرائے تھے اور اپنی رجمنٹ کے ڈاکٹر کے ہاتھ نہایت معمولی رقم پر فروخت کر دیئے تھے۔

تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ تمام جواہرات اور زیورات کو میز پر پھیلا دیا گیا تھا اور ڈھیریاں بنا دی گئی تھیں پھر ہر ڈھیری کی قیمت ایک جوہری کے ذریعہ سے تخمینہ کرائی گئی جس کے بعد یہ چیزیں افسروں کو تقسیم کر دی گئیں۔ سوائے لارڈ ہیرس کے جو کہ کمانڈر انچیف تھا۔ باقی سب افسر میزوں کے گرد بے تابی کے ساتھ جمع ہو گئے لارڈ صاحب اپنی بڑی پوزیشن کی وجہ سے نہیں آئے مگر ان کا حصہ خیمہ میں بھجوا دیا گیا۔

لارڈ ہیرس کے ڈھیر میں ایک وہ ہار بھی تھا جسکی قیمت (۱۳۵۰۰) پونڈ بتائی جاتی ہے۔ یہ ہار ایک مندر کی مورتی کے پیٹ میں سے نکلا تھا یہ مورتی ٹیپو سلطان نے ایک بدھ مندر سے اٹھوا کر محل میں رکھوا دی تھی۔

سر ڈیوڈ بیرڈ کو اس کے حصہ میں ایک انگشتری ملی۔ جسکی قیمت پچاس

ہزار تھی۔ مگر اس نے اسوقت غصہ میں آکر اسے پھینک دیا کہ یہ توڑنگا ہوا شیشہ ہے۔ ایک سپاہی نے اٹھاکر پانچ ہزار میں فروخت کیا۔

میجروں کو جواہرات تقسیم کرنے کے بعد باقی جواہرات اور قیمتی اشیاء دیگر افسروں اور سپاہیوں میں تقسیم کردی گئیں۔

ٹیپو سلطان نے ایک تخت بے مثل ساخت کا بنوایا تھا جو خالص سونے کی چادروں کا تھا۔ اس کے پشتہ پر ایک ہما کی تصویر تھی جو سونے اور جواہرات کی بنی ہوئی تھی تخت چار سونے کے شیروں کی پشت پر قائم تھا۔ اس تخت کے ٹکڑے کر کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔ ۱۸۰۰ پونڈ ہر شخص کے حصہ میں آئے۔ تخت کی چھت جنرل گانٹ کے ہاتھ ۲۵۰۰ پونڈ میں فروخت کردی گئی جو اس نے بعد میں اُسے ستہ گنا زیادہ قیمت پر علیحدہ ٹکڑوں کی صورت میں فروخت کردیا۔

اس تخت کے سامنے کے دو شیر جو ٹھوس اور خالص سونے کے تھے بادشاہ کو ولایت بھیجد یئے گئے اس کے ساتھ کچھ اور ہیرے جواہرات اور قیمتی ہتھیار بھی روانہ کئے گئے۔

یہ تو افسر اور حاکموں کو ملا ہر سپاہی کو جسے "پرائیویٹ" کہا جاتا ہے۔ تقریباً چھ چھ پونڈ ضرور مل گئے لیکن انہوں نے پرائیویٹ طور پر کافی روپیہ پیدا کر لیا کیونکہ میجر پرائس لکھتا ہے کہ بہت سے یورپین سپاہیوں نے کئی کئی ہزار کے جواہرات بھیجے اور پھر اپنی نوکری چھوڑ کر اپنے گھروں کو چلے گئے بعض سپاہیوں کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے ایک

شراب کی بوتلوں کی خاطر کئی کئی سو روپیہ کی مالیت کے جواہرات کوڑیوں کے دام بیچ ڈالے"۔

ان تفصیلات سے جو سرکاری کاغذات کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں سمجھا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کے دوسرے حصص مثلاً بنگال کے محلات اودھ کے شاہی خاندانوں دہلی کے بادشاہ اور پنجاب کے علاقوں اور سندھ کے امیروں راجپوتانہ کی ریاستوں اور دیسی راجدھانیوں سے انگریزی افسروں فوجی حاکموں گماشتوں کارندوں اور حتیٰ کے معمولی سپاہیوں نے جائز اور ناجائز طریقہ سے کس قدر روپیہ اینٹھا ہوگا"۔ (تاریخ ہند از گریسے)

مال غنیمت کی تقسیم اور ٹیپو سلطان کا ہار

سلطانی محل اور شہر میں جسقدر دولت تھی سب کی سب تقسیم کر لی گئی لیکن انگریزوں کو حیرت تھی کہ سلطان کے گلے میں موتیوں کا جو بیش قیمت ہار ہمیشہ رہتا تھا وہ کیا ہوا؟ ۴ مئی یعنی شہادت کے دن سلطان کے گلے میں یہ ہار موجود تھا۔ اسلئے گمان ہونے لگا کہ کسی انگریز سپاہی نے اسکو سلطان کے گلے سے نکال لیا ہوگا لیکن سخت جستجو کے بعد بھی یہ ہار نہیں ملا آخر جب اسدن یعنی ۴ مئی کے واقعات کو جوڑ کر غور کیا گیا تو نتیجہ نکلا کہ یہ ہار سلطان کے نو مسلم مرید غلام رضا خان نے نکال لیا تھا لہذا اس ہار کے متعلق ۴ مئی کے واقعات سمجھ میں آنیکے لیے مختلف تاریخی کتب (ٹیپو سلطان از میلہ وز سٹیرا سرنگا پٹم از بارسنس محاصرہ سرنگا پٹم از مغاسن وغیرہ) سے حالات لیکر یکجا پیش کئے جاتے ہیں:۔

۴ مئی ۱۷۹۹ء کے واقعات

اس بات پر تمام مغربی و مشرقی مورخین متفق ہیں کہ سلطان کا نو مسلم مرہٹہ غلام راجہ خاں (جس کا مرہٹی نام راجہ راؤ تھا) آخری وقت تک سلطان کیساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھا اور جب سلطان کی تلاش میں جنرل بیرڈ اور دوسرے انگریزی افسر دروازے پر پہونچے تو اس وقت راجہ خاں لاشوں کے پیچھے چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ اور اس نے دریافت کرنے پر جنرل بیرڈ کو سلطان کی لاش بتلائی تھی

میڈوز ٹیلر لکھتا ہے :۔

" سلطان قریباً ایک بجے کے محل سے باہر نکلا اور شام کے ۷ بجے تک میدان جنگ میں دست بدست لڑتا ہوا شہید ہو گیا اس تمام عرصہ میں دھوپ کی شدت سے اس کا حال نہایت برا رہا ایکطرف تو ماہ مئی کی چلچلاتی ہوئی دھوپ اور دوسری طرف دشمنوں سے دست بدست جنگ اسکی تشنگی کو لحظہ بہ لحظہ بڑھاتی رہی اس نے بار بار اپنے غلام سے پانی طلب کیا۔ چھاگل موجود تھی لیکن ایک قطرہ پانی نہیں دیا گیا "

پھر آگے چل کر یہی منصف لکھتا ہے :۔

" چند منٹ گذرتے ہیں۔ پھر پیاس لگتی ہے سلطان پلٹ کر راجہ خاں سے کہتا ہے " خدا کیلئے ایک قطرہ پانی " لیکن پانی نہیں ملتا " (ٹیپو سلطان)

" سلطان کا باڈی گارڈ سلطان پر نثار ہو جاتا ہے کوئی باقی نہیں رہتا۔ سلطان یکہ و تنہا رہ جاتا ہے۔ ایسے وقت راجہ خاں بھی سلطان کو چھوڑ کر

کر زخمیوں کے انبار میں پناہ لیتا ہے۔ جس کے تھوڑی ہی دیر بعد سلطان کے سینے میں گولی لگتی ہے۔ سلطان غش کھا کر گرتا ہے۔ اس سے پہلے ہی ہنگامہ کی شدت میں شاہانہ پگڑی سر سے گر جاتی ہے۔ اس لئے انگریزی فوج کو یہ معلوم تک نہیں ہوتا کہ سب سے آخر میں گرنے والا کون تھا؟ جب مدافعت کرنیوالوں میں کوئی باقی نہیں رہتا تو انگریزی فوج یہاں سے ہٹ جاتی ہے ایسے وقت راجہ خاں سلطان کے قریب آکر اسکے گلے سے موتیوں کا قیمتی ہار اتار کر اپنے کپڑوں میں چھپا لیتا ہے۔"

(محاصرہ سرنگا پٹم)

"عرصہ تک انگریزی حکام کو حیرت رہی کہ سلطان کے گلے میں جو قیمتی ہار تھا وہ کیا ہو گیا؟ گمان تھا کہ کسی انگریزی سپاہی کے قبضہ میں ہوگا ڈیکرون رجمنٹ کے ایک سپاہی کر سچینو نامی پر شبہ ہوا اسلئے کہ سلطان کی شہادت کا باعث اسی سپاہی کو سمجھا جاتا تھا کر سچینوں اور اسکے خاندان پر عرصہ تک نگرانی بھی رہی لیکن اس خاندان میں کبھی شان امارت ظاہر نہیں ہوئی۔"

(سرنگا پٹم از کانسٹس پارسنس)

"ان موتیوں کا پتہ کسی صورت نہ چلا کہ سچینوں کے خاندان میں امارت کی شان کبھی بھی پیدا نہیں ہوئی جو ہار کے ملنے پر یقیناً ہو سکتی تھی۔ اسلئے اقرب قیاس یہی ہے کہ سلطان کے گرتے ہی راجہ خاں نے شہزادوں کو دینے کیلئے یہ ہار نکال لیا تھا۔"

(ڈبلیو، جے۔ کاٹن۔ ای۔ سی۔ ایس کتاب سرنگا پٹم)

لیکن کہیں یہ نہیں بتلایا گیا کہ یہ ہار شہزادوں کے حوالے کیا گیا۔ اگر کیا جاتا تو یقیناً انگریزی افسروں کو اس کی کچھ عرصہ تک شہ رہتی۔ عام طور پر میسور وغیرہ میں بھی یہی مشہور ہے کہ رابعہ خاں نے اس ہار کو نکال لیا تھا۔ واللہ اعلم!

(نوٹ:۔ کتاب "سرنگاپٹم" کی مصنفہ کا نسٹس لکھتی ہیں:۔

"رابعہ خاں کو موضع کیٹکولہ بطور جاگیر دی گئی۔ اس کی قبر میسور میں کولس گارڈن کے دروازے کے قریب ہے اور اسکے نام سے میسور میں ایک سڑک کو موسوم کیا گیا ہے۔")

مقامی طور پر یہ روایت بھی عام طور پر مشہور ہے کہ جب انگریزی فوج کی قلعے پر آنے کی خبر پہونچی تو محلات میں بہت سے جواہرات یا تو کنوؤں میں ڈالدیئے گئے یا پیس دیئے گئے۔

مالِ غنیمت میں حیدرآباد کا حصہ

مالِ غنیمت کی تقسیم میں میر عالم نے بھی حیدرآبادی فوج کیلئے حصہ طلب کیا لیکن اس کو جنرل ہارس نے جواب دیا کہ قلعہ انگریزی فوج نے فتح کیا تھا۔ اسلئے حیدرآبادی فوج کو حصہ نہیں دیا جا سکتا۔

نوٹ:۔ اسکے متعلق "تاریخ نظام علی خاں" میں لکھا ہے کہ وزیر اعظم ارسطو جاہ اور میر عالم نے لارڈ ولزلی سے اس سلوک کی شکایت کی۔ لیکن ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۳۴۰ پر لکھتا ہے۔

"جب انگریز تمام مالِ غنیمت باہم تقسیم کر چکے اور کچھ باقی نہ رہا تو انجام کار محل میں سلطان کے کثیر التعداد شیروں پر نظر پڑی جو زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ جنگ کی ہلاکت آفرینیوں کے سبب ان کی غور و پرداخت کے لئے اب ....

کوئی نہیں رہا تھا۔ اور وہ کئی دنوں کی بھوک سے بیتاب ہو کر نہایت وحشت ناک ہو رہے تھے۔ کرنل آرتھر ولزلی کو عجیب مشکل پیش آئی۔ کہ اس "مال غنیمت" کو کیا کیا جائے۔ میر عالم (سپہ سالار افواج حیدرآباد) سے کہا گیا کہ اگر وہ چاہے تو شیروں کو لے سکتا ہے۔ مگر میر عالم نے ان کو قبول کرنے سے معذرت ظاہر کی۔ آخر کار سلطان کے ان محبوب شیروں کو بندوق کا نشانہ بنا دیا گیا۔"

شہادت کے بعد دیگر واقعات

شاہزادہ فتح حیدر کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں۔ کرمانی لکھتا ہے کہ :۔

"سلطان کی شہادت کے دن شاہزادہ فتح حیدر فوج لئے ہوئے کری گٹہ کی پہاڑی کے اس پار تھا جب اس کو سلطان کی شہادت اور قلعہ پر انگریزی فوج کے قبضہ کی خبر معلوم ہوئی تو وہ پریا پٹم چلا گیا۔"

کرمانی یہ بھی لکھتا ہے :۔

"سلطان کے غدار امراء اور وزراء شاہزادہ تک جنگ کی صحیح خبریں پہنچنے نہیں دیتے تھے۔"

انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ :۔

"شاہزادہ فرینچ راکس میں مقیم تھا۔"

بہرطور شاہزادہ کو رام کرنے کے لئے قمر الدین اور پورنیا کو بھیجا گیا۔ انھوں نے شاہزادہ کو سمجھانا شروع کیا۔ کہ اگر وہ اظہار اطاعت سے کام لے تو ریاست اس کو دے دی جائے گی۔ شاہزادہ نے یہ سن کر ہتھیار ڈال دیئے۔ اور ۳ مئی کے دن سرنگاپٹم پہنچ کر اپنے آپ

کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اس وقت اس کے ساتھ ایک سو بیس فرانسیسی تھے (نوٹ مکمل سلطنت خداداد میں فرانسیسیوں کی تعداد بھی ایک سو بیس تھی۔ محمود) اگرچہ آخر وقت تک سپہ سالار ملک جہاں خاں اور میر میران ناصر علی شاہزادہ کو یہی کہتے رہے کہ قمرالدین، پورنیا اور انگریزوں کے وعدوں کا اعتبار نہ کرے۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ صرف ایک سرنگاپٹم کا قلعہ ہاتھ سے گیا ہے۔ ابھی تو سلطنت خداداد کا وسیع ملک اور مضبوط قلعے باقی ہیں اور ہم جیسے وفادار بھی ساتھ رہیں گے۔ فتح حیدر نے فوج اور دیگر عہدہ داروں کی حالت پر غور کیا اسکو معلوم ہوا کہ سوائے چند لوگوں کے باقی لوگ اس کی رفاقت نہیں کریں گے۔ اس لئے اس نے ارادہ کر لیا کہ سرنگاپٹم چلا جائے ملک جہاں خان کو شاہزادے کا یہ فیصلہ ناگوار گذرا اور تن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر شاہزادے کے کیمپ سے باہر نکل گیا۔

مورخ ملس لکھتا ہے :-

"کتاب تذکرۃ البلاد والاحکام کے دسویں باب میں ملک جہاں خان کے حالات اس طرح تحریر ہیں :-

ملک جہاں خان بلحاظ قومیت مرہٹہ تھا۔ اس کا پہلا نام ڈونڈیا واغ تھا۔ خان موصوف ایک نہایت شجاع و جری مرد میدان تھا سلطان کی ملازمت میں آنے سے پیشتر اسکے پاس تین چار سو سوار تھے اور ہمیشہ مرہٹوں، نظام اور سلطنت خداداد پر ادھر ادھر چھاپے مار کر لوٹ مار کرتا تھا۔ اور کبھی کسی کے ہاتھ نہیں آتا تھا سلطانی فوج بھی اسکی گرفتاری و سرکوبی سے عاجز آگئی تھی اسوقت سلطان نے ایک اقرار نامہ بھی بھیجا۔ کہ اگر وہ ملازمت سلطانی میں آجائے

تو اس کے جان و مال کی حفاظت کے علاوہ اس کے مراتب بڑھا دیئے جائینگے
سلطان کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے وہ دارالخلافہ آیا۔ یہاں سلطان نے اسکی
نہایت آؤ بھگت کی۔ اسکے اس مرتبہ سے نمک حرام میر صادق کو رشک پیدا ہوا
اور وہ موقع کی تلاش میں رہا ایکطرف تو رات دن اس کے خلاف سلطان سے
شکایت کرتا تھا اور دوسری طرف اس کی تباہی کی سازشیں کرتا رہا آخر ایک
دن اس کو موقع مل گیا۔ سلطان کے پاس اسقدر جھوٹ بیان کیا کہ خان موصوف
کی فوراً طلبی ہوئی۔ جب وہ محل کے دروازہ پر پہونچا تو اسکو گرفتار کر کے حراست
میں رکھا گیا اسکی فوج سلطانی فوج میں داخل کر لی گئی۔ مگر سلطان کے دل میں
اسکے لئے جگہ تھی باوجود اسکے سلطان نے اسکے اخراجات کے لئے دس فلم
سلطانی (موجودہ تین روپئے۔) روزانہ مقرر کئے چند دن کے بعد سلطان نے
ایک پلٹن خاص ملک جہاں خاں کے نام سے تیار کی اور خان موصوف کو رہائی
کا حکم دیا۔ مگر میر صادق نمک حرام نے کہا۔

"جہاں پناہ! ڈونڈیا سا مکار اور بدطینت شخص دنیا کے پردہ میں اور
کوئی نہ ہوگا۔ اس نے آزاد رہ کر سلطنت خداداد۔ حیدرآباد اور مرہٹوں کے
ملک پر تھوڑے سواروں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ ذات شاہانہ سے مخفی نہیں
اگر اس کو اس قدر بڑا عہدہ اور کثیر فوج دیدی جائے گی تو سلطنت کی خیر نہیں"

سلطان نے رہائی کا حکم موقوف کر دیا۔ ڈونڈیا واغ کو بھی خبر تھی
کہ سلطان کے دل میں اس کی کس قدر عزت ہے چند دن اسی طرح
بسر ہوئے۔ پھر آخر سلطان نے اس کو رہا کر دیا رہائی کے بعد ڈونڈیا

مسلمان ہوگیا۔ اور نام شیخ احمد رکھا گیا۔ مگر اس نے اپنے لئے ملک جہاں خاں کا نام پسند کیا۔ میر صادق سے بچنے کے لئے خان موصوف شاہزادہ فتح حیدر کی ملازمت میں آگیا۔

اس وقت شاہزادہ فتح حیدر پر اسکی نصیحت کارگر نہ ہوئی تو یہ مغرب کی طرف چلا گیا۔ اور بہت جلد اس کے پاس چند سوار جمع ہوگئے ادھر ادھر تاخت تاراج کرکے اس نے اسقدر طاقت پکڑ لی کہ اسکے پاس پچیس پچیس ہزار فوج جمع ہوگئی اور دوآبہ تنگ بھدرا و کرشنا میں اسکے نام سے دلوں پر ہیبت طاری ہوجاتی تھی۔ اس نے سلطان کے دشمنوں سے انتقام لینا شروع کیا مرہٹی سردار گوکھلے اور پرسرام ناظم مرچ جو کئی دفعہ سلطان کے مقابلہ میں آئے ہوئے تھے۔ مارے گئے ان کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر تشہیر کیا گیا۔

انگریزی فوج کے کئی دستے اسکے مقابلہ میں آئے اور ہر دفعہ انکو ناکامی ہوئی آخر کرنل سرآرتھر ولزلی ایک زبردست فوج کے ساتھ مقابلہ میں آیا اور خان موصوف کی فوج میں سازشوں کا دروازہ کھل گیا تاہم دو برس کی متواتر معرکات کی لڑائیوں کے بعد چونکہ اس کے قبضہ میں کوئی مضبوط قلعہ نہیں تھا۔ اس لئے وہ کڑپہ اور کرنول کے پٹھانوں کی غداری سے کوٹال بھنوار کے قریب شہید ہوگیا۔"

سلطان کے بعد یہ دوسرا محب وطن تھا جو اسطرح ناموری کیساتھ شہید ہوگیا۔
اس کے مقابل رئیس کی تحریر دیکھئے:۔

"ملک جہان خان مرہٹہ تھا۔ جو حیدر علی کے سواروں میں ۱۷۸۰ء میں داخل ہوا
۱۷۹۲ء میں جب لارڈ کارنوالس نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کیا تو یہ دھاڑ
وار ملکو غارت کر ادھر ادھر قزاقی کرتا پھر رہا تھا۔ ۱۷۹۲ء میں ٹیپو سلطان نے اسکو
طلب کیا اسکے ساتھ دو سو سوار تھے۔ جب وہ آیا تو سلطان نے اسکو اسلام
قبول کرنیکے لیئے کہا۔ انکار پر اسے قید کر دیا گیا جب ۱۷۹۹ء میں
انگریزوں نے سرنگاپٹم پر قبضہ کیا تو اسکو اس حالت میں پایا کہ ایک پیڑ سے
زنجیروں میں وحشی جانور کے مانند جکڑا ہوا ہے۔ اس کو رہا کیا گیا وہ یہاں سے فرار
ہو کر مرہٹی سرحد پر جاکر ایک بڑی فوج جمع کر کے میسور پر حملہ کرنے لگا
آخر کرنل ولزلی (ڈیوک آف ولنگٹن) کو اسکے مقابل بھیجا گیا جنہوں
کی مسلسل کوشش اور جنگوں کے بعد یکا یک ایک جگہ یہ اور اسکی فوج
انگریزوں کے نرغے میں پھنس گئی اور یہ اس معرکہ میں مارا گیا۔"

نوٹ:- سلطان کے بعد دوسرا نامور مجاہد جب انگریزوں کی محکومی سے متنفر ہو کر
استخلاص وطن کے راستے میں شہید ہوتا ہے تو کوئی تعجب نہیں کہ ریس
کے قلم سے ایسے الفاظ نکلیں جسے ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی مضحکہ
اڑائے بغیر نہیں رہ سکتا تحریر بدبر و ہے۔ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے
کہ اس میں کسی قدر سچائی ہے۔ عجب ہے کہ سلطان اس کو قید و
بند کی مصیبت دے اور وہ پھر بھی اس سے اور اس کے خاندان
سے وفاداری کرے اور انگریز محسن بنیں اور وہ انہیں پہ
تلوار اٹھائے۔ (محمود)

سلطنت خداداد کے حصے بخرے

جب شہزادہ فتح حیدر نے بھی پورنیا اور قمر الدین کے دام فریب میں آکر ہتھیار ڈال دیئے تو کسی قسم کا خوف باقی نہیں رہا اس لئے سلطنت خداداد کا آئندہ انتظام کرنے کے لیے جنرل ہارس کی صدارت میں ایک کمیشن (مجلس) مقرر ہوئی اس کمیشن کے ارکان کرنل ولزلی سر باری کلوز اور لفٹننٹ کرک پیاٹرک تھے ۔ نظام علی خاں کی منظوری لے لی گئی ۔ میر عالم اور سلطان شہیدؒ کے چند وزراء کو مشاورت کے لیے منتخب کرلیا گیا کمیشن کے روبرو ایک نہایت کام تھا سلطنت کے دو دعوے دار تھے ایک طرف تو سلطان کے صاحبزادے اور دوسری طرف میسور کا ہندو خاندان معاملات کی چھان بین کرنے کے بعد کمیشن کے آگے دونوں جانب سے مندرجہ ذیل دلائل موجود تھے

سلطان کے شہزادوں کے متعلق ۔

(۱) حیدر علی کو اگر غاصب سلطنت قرار بھی دیا جائے تو اب اسقدر عرصہ گذر چکا ہے کہ سلطنت پر ان کا حق مسلم ہو چکا ہے ۔

(۲) حیدر علی اگر غاصب سلطنت تھے تو ان کے فرزند ٹیپو سلطان اور اس کے بعد ان کے شہزادے اس الزام سے بالکل بری اور جائز وارث سلطنت ہے ۔

(۳) ٹیپو سلطان نے اپنے شہزادوں اور خصوصاً پہلے چار فرزندوں کی تعلیم و تربیت اصلاح کی ہے کہ وہ سلطنت کرنے کے اہل اور انکے دل امیدوں سے بھرے ہوئے ہیں ۔

(۴) سلطنت کا رقبہ اسقدر وسیع ہو چکا ہے ۔ کہ میسور کے قدیم خاندان نے کبھی اس

قدر وسعت نہیں دیکھی تھی۔

میسور کے قدیم ہندو خاندان کے متعلق :-

(۱) میسور کے قدیم خاندان نے کبھی اپنے حق سے دست برداری نہیں دی۔ اور ہمیشہ اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو حاصل کرنا چاہا۔

(۲) حیدر علی یا ٹیپو سلطان نے کبھی اعلانیہ طور پران کو اس حق سے محروم نہیں کیا۔

(۳) دسہرہ کا سالانہ تہوار اور دربار جو ایک سیاسی حیثیت رکھتا ہے۔ اسکی ممانعت حیدر علی و ٹیپو سلطان کی جانب سے کبھی نہیں ہوئی جسکی وجہ سے ہندو رعایا میں میسور کے قدیم خاندان کا وقار بجنسہٖ باقی ہے۔

مذکورۂ بالا دلائل پر غور کرنے کے بعد کمیشن نے ملک کی موجودہ سیاسی حالت پر نظر ڈالتے ہوئے حسب ذیل نتائج مرتب کیا۔

(۱) اگر سلطنت سلطان کے شاہزادوں کو تفویض کیجائے۔ تو ممکن ہے کہ ان کے دل میں انتقام لینے کا جذبہ موجود رہے گا۔

(۲) سلطان کے شہزادے دربار سلطانی کا جاہ و جلال اور سلطنت کی وسعت دیکھ چکے ہیں وہ اس کو فراموش نہ کرتے ہوئے اسکے حصول کی کوشش کریں گے۔

(۳) سلطان کے شاہزادوں کو معلوم ہے کہ کسطرح انکے والد نے فرانسیسیوں اور دیگر سلطنتوں سے انگریزوں کے خلاف معاہدے کئے تھے۔ اور ابھی جبکہ فرانسیسی خطرہ پوری طرح دور نہیں ہوا ہے اور ہندوستان میں دوسری طاقتیں بھی موجود ہیں تو ممکن ہے کہ شاہزادے پھر ساز باز شروع کر دیں۔

(۴) اگر بالفرض سلطان کے کسی شہزادے کو تخت نشین کیا جائے تو یقیناً وہ ان لوگوں کو

معاف نہیں کریگا۔ جو سلطنت کی تباہی اور خاندان کی موجودہ محکومانہ حالت کے ذمہ دار ہیں (نوٹ)۔ غداروں کی غداری کا ثبوت اور یہ انہیں کی طرف اشارہ ہے۔ محمود)

(۵) نظام علی خاں والیٔ حیدرآباد جو اس جنگ میں ہمارا حلیف ہے۔ سلطان کے شہزادوں کو تخت دینے کا مخالف ہے اس کے ثبوت میں کمیشن کے پاس حیدرآباد کے وزیر اعظم ارسطو جاہ کا خط تھا۔ اس خط میں ارسطو جاہ نے میر عالم کو لکھا تھا۔

" ٹیپو سلطان کے فرزندوں اور پسماندوں نے انگریزی کمپنی کے ذریعہ جو استدعا کی تھی کہ بجز پرورش نصف حصہ ملک اور نصف خزانہ ان کو ملے۔ کیوں نہیں کہتے کہ قلعہ ہم نے حملہ کر کے فتح کیا ہے اور وہ اسیران جنگ میں ہیں ان کے لئے قوت لایموت کے موافق تجویز کرنا چاہیئے" (سوانح میر عالم مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۸۸)

پھر اس خط میں کمیشن کو مخاطب بناتے ہوئے ارسطو جاہ نے لکھا تھا:۔

" ایں جانب (ارسطو جاہ) کو یقین ہے کہ ٹیپو سلطان کے لڑکوں اور پسماندوں کو منشا سرکار دولت مدار اور اظہار میر صاحب (میر عالم) کے موافق کیا جائے گا۔ اور نصف ملک ہرگز ان کو نہ دیا جائے گا" (سوانح میر عالم مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۸۹)

کمیشن نے اپنے دلائل خاص اور حیدرآباد کی رائے دریافت ہونے کے بعد کمیشن نے سلطان کے امراء وزراء سے بھی رائے لی۔ اسوقت لنگڑے غلام علی نے کہا:

" افعی کشتن و بچہ اش را نگہداشتن کار خردمنداں نیست "

اس کے بعد کمیشن کے آگے تخت نشینی کا مسئلہ بالکل صاف تھا اسلئے سلطان کے شہزادوں کو تخت سے محروم کرتے ہوئے کمیشن نے لارڈ ولزلی سے سفارش کی کہ:۔

" اگر سلطنت ہندو خاندان کے تفویض کر دی جائے تو یہ عین مصلحت وقت کے

سلامتی ہونے کے علاوہ ان تمام خدشات سے نجات مل جائیگی جو بصورت دیگر شاہزادوں کو تخت دینے کی وجہ سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ پالیسی انسانیت اور فیاضی کا بھی یہی تقاضہ ہے۔"

کمیشن کا یہ فیصلہ لارڈ ولزلی کے پاس بھیجدیا گیا۔ اس پر لارڈ ولزلی نے دریافت کیا کہ اگر ہم سلطنت ہندو خاندان کو تفویض کر دیں تو سلطان کی حکومت کے دوسرے افسروں کی رائے اور ان کا طرز عمل کیا ہوگا؟ اسکے جواب میں سر بیاری کلوز نے لکھا:۔

"ملک میں ہماری مخالفت کرنے والا ہی کون ہے۔ برہان الدین بگی نواب معین الدین۔ میر صادق تھا۔ اور سید غفار تو مارے گئے۔ پورنیا ہماری مرضی پر کام کرنے پر آمادہ ہے۔ اور قمر الدین ہماری فیاضی پر بھروسہ کئے ہوئے ہے۔"

اس خط کے پہونچنے کے بعد لارڈ ولزلی نے ملک کی تقسیم اسطرح کی:۔

(۱) کل اضلاع کنارا، کرنا ٹک دریا ئین گھاٹ و ساحلی علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ملے۔

(۲) ضلع اننت پور، کڑپہ، کرنول اور بلاری نظام حیدر آباد کو دئے جائیں۔

(۳) تنگ بھدرا سے شمال میں جتنا ملک ہے وہ مرہٹوں کے لئے اس شرط پر محفوظ رکھا جائے کہ وہ سب سی ڈیاری سسٹم قبول کریں۔

(۴) بقیہ ملک (جو اب موجودہ ریاست میسور پر مشتمل ہے) قدیم خاندان راجگان میسور کے حوالے کر دیا جائے۔

(۵) سرنگا پٹم کا جزیرہ انگریزوں کے قبضہ میں رہے۔

(۶) سالانہ خراج سات لاکھ پگوڈا ادا کئے جائیں۔

(۷) ریاست کے کاروبار کی نگرانی کے لئے رزیڈنٹ مقرر ہوگا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس عطیہ کو بیوہ رانیوں نے ۴ جون ۱۷۹۹ء کو تحریر ذیل لکھکر شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔

" آپ نے ہمارے بچے کے لئے میسور نگر کی حکومت مع متعلقات کے بحال کر دی ہے اور پورنیا کو دیوان مقرر کیا ہے اس سے ہم بے حد مسرور ہوئے ہیں ہماری سلطنت کو ہمارے ہاتھ سے نکلے ہوئے چالیس برس ہو گئے تھے اب آپنے اپنی مہربانی سے پھر ہمارا ملک ہمکو دیا، اور پورنیا کو ہمارا دیوان مقرر کیا ہے ہم جب تک مہ و خورشید تاباں ہیں کبھی آپ کی گورنمنٹ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں گے ہم ہمیشہ اپنے آپکو آپکے زیر سایہ اور آپکا تابع فرمان سمجھیں گے۔ آپنے ہمارا نام قائم کیا یہ بات ہمارے خاندان میں پشتہا پشت تک یادگار رہے گی۔ ہماری اولاد آپکی گورنمنٹ سے اظہار حسن و عقیدت کو کبھی فراموش نہ کرے گی۔ اسی کی امداد پر ہمارا بھروسہ ہے۔

شرح دستخط (۱) لچھمی امنی

(۲) دیوا جی امنی

اس مرحلے کو طے کرنے کے بعد نئے راجہ کی تخت نشینی کا مسئلہ پیش ہوا۔ مناسب سمجھا گیا کہ اس سے پیشتر سلطان کے شہزادوں کو ملک سے باہر بھیج دیا جائے اسکے متعلق ماڈرن میسور کا مصنف صفحہ ۲۵۰ پر لکھتا ہے :-

" جب یہ طے ہو گیا کہ ہندو راج قائم کیا جائے تو کرنل ولزلی نے شہزادہ فتح حیدر کو اطلاع دی کہ :-

" گورنر جنرل کے خیال میں انگریزوں اور اتحادیوں کے معاد کو مد نظر

رکھتے ہوئے یہ مناسب نہیں کہ تخت سلطان کے وارثوں کو دیا جائے۔
اس لئے سات لاکھ کی پنشن گزارہ کیلئے مخصوص کی گئی ہے۔ اس لئے اب
یہ طے شدہ ہے کہ نئی حکومت قائم ہونے سے پیشتر وہ (شہزادہ فتح حیدر)
اور سلطان کے اہل خاندان کو میسور کے حدود سے باہر بھیجدیا جائے،،
اس کاروائی کے لئے دوسرا دن مقرر کیا گیا۔
شہزادہ فتح حیدر نے اس عجلت اور حکم پر اظہار تعجب کیا اور کہا:۔
،،اس نے انگریزوں کے قول پر بھروسہ کرکے اپنے آپکو سپرد کر دیا تھا۔
اگر کمپنی تخت و تاج نہ بھی دے تو وہ اپنے باپ دادا کی مزاروں کو
چھوڑ کر نہیں جا سکتا،،
کرنل ولزلی نے اسکے جواب میں کہا کہ:۔
،،قول جو دیا گیا تھا۔ اسکے اور کوئی معنی نہیں لئے جا سکتے۔ یہ
یقین نہیں دلایا گیا تھا کہ تخت و تاج دیئے جائینگے اس کے علاوہ
یہ انگریزی قانون ہے کہ وہ اگر چاہے تو اپنی رعایا میں سے ہر شخص کو
اسکی جائے سکونت چھوڑ کر دوسری جگہ رہنے پر مجبور کرے۔ یہ سچ
ہےکہ انگریزی گورنمنٹ نے تخت و تاج کے معاملہ میں انصاف اور رحملی
سے غور کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن اب موجودہ وقت یہ اسکے مفاد کے
خلاف ہے۔ خصوصاً جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ ٹیپو سلطان اور اسکے
اہل خاندان کا رجحان فرانس والوں کی طرف زیادہ ہے جو
انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنا چاہتے ہیں،،

اس کے ساتھ ہی فتح حیدر کو دھمکی بھی دیگئی کہ اگر وہ گورنر جنرل کے حکم کی خلاف ورزی کرے گا تو اسکا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ یہی بات شہزادہ عبدالخالق۔ معزالدین اور محی الدین سے کہی گئی۔

لہٰذا یہ بدقسمت شہزادے ۱۸ جون کو ویلور بھیجدیے گئے۔

شہزادوں کے اخراجات کیلئے سالانہ دو لاکھ چوبیس ہزار پگوڈا متعلوم کئے گئے جو قریباً ۷ لاکھ بیس ہزار روپیوں کے ہوتے ہیں۔ اس قافلہ میں سلطان کے بارہ فرزند اور ایک دختر تھی۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:-

(۱) شہزادہ فتح حیدر سلطان	(۲) شہزادہ عبدالخالق سلطان
(۳) شہزادہ محی الدین سلطان	(۴) شہزادہ معزالدین سلطان
(۵) شہزادہ محمد یٰسین سلطان	(۶) شہزادہ محمد سبحان سلطان
(۷) شہزادہ شکراللہ سلطان	(۸) شہزادہ سرورالدین سلطان
(۹) شہزادہ جامع الدین سلطان	(۱۰) شہزادہ منیرالدین سلطان
(۱۱) شہزادہ غلام محمد سلطان	(۱۲) شہزادہ احمد سلطان

اور نواب حیدر حسین خاں داماد سلطان اور ان کے علاوہ سلطان کے چھوٹے بھائی نواب کریم شاہ معہ اپنے فرزندان غلام علی اور امام بخش بھی تھے۔

انکے علاوہ لوگ بھی جنھیں سلطان سے ذرہ بھر بھی خون کا رشتہ تھا شہزادوں کے ساتھ روانہ کر دیئے گئے۔ لہٰذا میسور میں حیدر علی و ٹیپو سلطان کے خاندان سے کوئی ایک بھی باقی نہ رہا۔

نوٹ:- اس خاندان کو ۱۸۰۶ء میں ویلور سے نکال کر کلکتہ بھیجدیا گیا۔ جہاں یہ نہایت عزت

واحترام کی زندگی اب تک بسر کر رہا ہے۔

ان تمام امور کو طے کرنے کیلئے ایک عہد نامہ لکھا گیا جس پر لارڈ ولزلی نے ۲۲ جون ۱۷۹۹ء اور نظام الملک نے ۱۳ جون ۱۷۹۹ء کو دستخط کیا۔

شاہزادوں کو رخصت کرنیکے بعد نئے راجہ کو ۳۰ جون ۱۷۹۹ء کو میسور میں تخت نشین کیا گیا۔ ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۷ پر لکھتا ہے:

"تخت نشینی کی رسم دوپہر میں منائی گئی۔ کمیشن (ایسٹ انڈیا کمپنی) کی جانب سے جنرل ہارس اور حیدر آباد کی جانب سے میر عالم راجہ کے دونوں بازو تھامے ہوئے تھے۔ تخت پر بٹھانے کے بعد جنرل ہارس نے دربار میں اعلان کیا کہ گورنر جنرل نے پورنیا کو اس نئی ریاست کا دیوان مقرر کیا ہے۔"

زوالِ سلطنت خداداد پر انگریزوں کی خوشیاں

یہ ہم لکھ چکے ہیں کہ جب لارڈ ہارس سلطان کی لاش پر آیا تو فرط خوشی سے پکار اٹھا:۔

"آج ہندوستان ہمارا ہے"

اس سلسلہ میں جو خوشیاں منائی گئیں اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطنت خداداد کا اثر سیاسیات ہندوستان پر کتنا زبردست تھا اور سلطان کی ذات کسقدر بلند مرتبہ تھی اسکی دور رس نظر اسکی تنظیم و تنسیق اسکے بلند ارادے ہندوستان میں کیا کرنا چاہتے تھے اسکی ایک جھلک اسکی خط و کتابت اور فوجوں کی آراستگی سے معلوم ہوتی ہے حقیقت میں یہ سلطان ہی کی ذات تھی۔ جو ہندوستان اور

انگریزی قبضہ کے درمیان حائل تھی۔ اسکے زوال پر جو کچھ بھی خوشیاں منائی جاتی تھیں وہ کم تھیں۔ لارڈ ولزلی اپنے ایک دوست کو خط میں لکھتا ہے :-

" میں ہندوستان میں اپنی فتوحات کا دائرہ اسقدر وسیع کروں گا کہ خود ڈائرکٹران کمپنی ہندوستان پر رحم کرنے کے لیے درخواست کریں " (تاریخ بامو)

اور ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک مراسلہ میں لکھتا ہے :-

" ٹیپو سلطان کی موت اور اس سلطنت کا خاتمہ ہندوستانی حکمرانوں کیلئے ایک ایسا سبق ہے کہ وہ آئندہ ہمارے خلاف کچھ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں گے " (ماڈرن میسور)

لارڈ ولزلی کو سر جان انیس تھر وڈرے ارمئی ۱۷۹۹ء کو لکھتا ہے :-

" ہماری تاریخ ہندوستان کا سب سے نمایاں سب سے شاندار اور سب سے بڑا کارنامہ اس طرح آپ کے ہاتھوں انجام پانے پر میں آپکو تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں "

۲ فروری ۱۸۰۰ء کو لارڈ ولزلی نے کلکتہ واپس پہونچکر ایک شاندار جلوس نکالا جسمیں لارڈ ولزلی چیف جسٹس اور کمانڈر انچیف (سر الفرڈ کلارک) ممبران کونسل اور دیگر سرکاری سیول و فوجی افسر پیادہ پا گرجا تک گئے۔ راستہ میں فوج دو رویہ صف بستہ کھڑی تھی۔ ہندوستان میں یہ پہلا وقت تھا کہ اسقدر شاندار جلوس انگریزوں کا نکلا ہو اس جلوس کو مذہبی رنگ دیا گیا تھا۔ اور گورنر جنرل نے اس کو شاندار بنانے میں اپنا پورا زور صرف کر دیا تھا۔

جب زوالِ سلطنتِ خداداد کی خبر انگلستان میں پہونچی تو وہاں کی خوشی کی کوئی

مدد نہ رہی۔ لارڈ ولزلی کو جو اب تک "ارل آف مارننگٹن" تھا "مارکوئیس" کا خطاب دیا گیا۔ جنرل ہارس کو جو ایک غریب پادری کا لڑکا تھا۔

"لارڈ ہارس آف سرنگاپٹم"

کا خطاب ملا۔ انگریزی فوج کے ہر سپاہی کو علاوہ انعامات کے تمغے دیئے گئے۔ اس قسم کا ایک تمغہ میری نظر سے بھی گذرا ہے اسمیں ایک جانب تو سرنگاپٹم ۱۷۹۹ء ثبت ہے اور دوسری جانب دریائے کاویری میں ایک شیر کو پچھاڑ کر سمنٹ جارج جو گھوڑے پر سوار ہے نیزہ مار رہا ہے گو کہنے کو تو یہ ایک معمولی تمغہ ہے مگر اس سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ سلطان واقعی شیر ہندوستان تھا۔ اور اس طرح انگریزوں نے بھی جو اسکے حریف تھے۔ اسکی "شجاعت اور بہادری" کا اعتراف کیا ہے۔

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب پر ابھی تک کسی تاریخ میں مفصل روشنی نہیں ڈالی گئی۔ عام طور پر جو مشہور ہے وہ یہی ہے کہ سلطان کے وزراء و امراء نے آخر وقت میں سلطان سے غداری کی تھی اور اسی وجہ سے سلطنت پر زوال آگیا۔ گو یہ ایک تاریخی حقیقت ہے اور تاریخ نشانِ حیدری و حملاتِ حیدری کے مصنفوں نے بھی یہی لکھا ہے لیکن یہ نہیں بتلایا گیا کہ ان افسروں نے غداری کس وجہ سے کی؟ انکی اس غداری کے متعلق جن وجوہات کو بتلایا گیا ہے وہ بالکل سطحی ہیں اس سلسلے ذیل میں ان تمام حالات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ جو اس غداری کی اصلی محرک تھیں اس سلسلہ میں ممکن ہے کہ بعض واقعات کہ جنکا ذکر آگے آچکا ہے۔ دہرانا پڑیگا لیکن دہرائے بغیر مطلب پورا نہیں ہو سکتا۔ (محمود)

نواب حیدر علی نے جس زمانے میں اپنی سلطنت کی داغ بیل ڈالی اس وقت جنوبی ہند میں انکے مقابل مندرجہ ذیل حریف موجود تھے۔

(۱) نواب محمد علی والاجاہ۔

تاریخ بین اصحاب واقف ہیں کہ والاجاہ محمد علی انگریزوں کی تائید سے ارکاٹ کا نواب بنا تھا اس کی آرزو تھی کہ حیدرآباد کا بھی حکمراں بنجائے اور اس مقصد کیلئے اپنے انگریزوں اور چند امرائے حیدرآباد کو اپنے ساتھ ملا لیکر حیدرآباد میں سازشیں کر رہا تھا لیکن عین اسی وقت میسور میں حیدر علی کے عروج نے اسکی توجہ کو حیدرآباد سے ہٹا کر



نواب میر نظام علیخاں نظام الملک آصفجاہ ثانی

والاجاہ محمد علی نواب کرناٹک



اپنی طرف کرلی۔ میسور صوبہ سرا کے ماتحت تھا۔ نظام الملک اوّل کے زمانہ سے سرا کا صوبہ بھی ارکاٹ میں ضم ہو چکا تھا۔ لیکن بسالت جنگ نے سرا کی صوبہ داری جب حیدر علی کو دیدی تو محمد علی والاجاہ جو اپنے آپ کو بلا شرکت غیرے تمام جنوبی ہند کا مالک سمجھتا تھا۔ حیدر علی کا مخالف بن گیا اور حیدر علی کے خلاف انگریزوں سے ساز باز کرنے لگا۔

(۲) نواب نظام علیخاں۔ نظام الملک دوم۔

نواب بسالت جنگ کو معزول کرنے کے بعد مسند نشین ہوا تھا۔ بہ حیثیت صوبہ دار دکن تمام جنوبی ہند (یعنی صوبہ ارکاٹ وصوبہ سرا اس کے ماتحت سمجھا جاتا تھا حیدر علی کا اس وجہ سے مخالف ہوا کہ حیدر علی نواب بسالت جنگ کا بنایا ہوا صوبہ دار تھا اور ساتھ ہی اس کو حیدر علی کی روز افزوں فتوحات سے یہ خوف بھی پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں تمام ہندوستان سلطنت خداداد کے قبضہ میں نہ آجائے اور اس طرح شہنشاہیت کا جو خواب وہ دیکھ رہا تھا پورا نہ ہو!

(۳) ایسٹ انڈیا کمپنی۔

ہوس ملک گیری میں ارکاٹ اور حیدر آباد میں اپنا دام تزویر عرصہ سے پھیلا رکھی تھی۔ والاجاہ محمد علی کی بدولت کورومنڈل کے بہت سے علاقوں پر حکمرانی بھی کر رہی تھی۔ اور محمد علی کے بقیہ علاقوں کی ایجنٹ بھی تھی۔ اس کو حیدر علی کا عروج اس کے مقاصد میں حارج نظر آرہا تھا اس نے پہچان لیا کہ اگر حیدر علی کی سلطنت قائم رہی تو ہندوستان میں اس کے قدم نہیں جم سکتے۔

(۴) مرہٹے ۔ انھیں ایک نئی اسلامی سلطنت کا وجود میں آنا ناگوار گذر رہا تھا۔

(۵) میسور کا قدیم ہندو خاندان ۔

یہ اپنے کھوئے ہوئے اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنا اور آزاد ہونا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے میسور کی رانیاں کوشش کرنے لگیں ۔

حالات نواب حیدر علی میں لکھا جا چکا ہے کہ جب وہ میسور کے راجہ کے سپہ سالار تھے تو ان کے خلاف راجہ اور کھنڈے سراؤ نے مرہٹوں کی امداد سے سازش کرتے ہوئے۔ ان کی جان لینی چاہی لیکن حیدر علی نے میدانِ جنگ میں ان حریفوں کو شکست دیکر سرنگاپٹم پر قبضہ کر لیا اور راجہ کو اس کا قدیم علاقہ تین لاکھ کی جاگیر دیتے ہوئے اس کو بھی سرنگاپٹم میں ہی رہنے کی اجازت دی راجہ کے اقتدار کو محدود کرتے ہوئے داخلی معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا شاہانہ کروفر بھی بحال رکھا، جس کی وجہ سے ہر سال دسہرہ کا دربار اگلی شان و شوکت کے ساتھ ہی منایا جاتا تھا۔ لیکن راجہ اور اس کا خاندان اس پر قانع نہیں ہوا انھوں نے حیدر علی کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

نواب حیدر علی نے یہ غلطی کی کہ انھوں نے اپنی سلطنت کا پایۂ تخت بھی سرنگاپٹم کو ہی بنایا ۔ ممکن ہے کہ نواب نے اسوقت یہ سمجھا ہو کہ اسطرح نگرانی بھی خوب رہے گی اور راجہ کا خاندان بھی قانع رہے گا لیکن یہ اصول طبیعت انسانی کے خلاف تھا ۔

سرنگاپٹم زمانۂ دراز سے راجہ کے خاندان کا پایۂ تخت تھا اور یہاں بلاشرکت غیرے اس کا اقتدار رہا اس لئے راجہ کے خاندان کو باوجود تمام مراعات حاصل رہنے کے بھی یہ امر حد درجہ شاق گذر رہا تھا۔ کہ اسی شہر میں جہاں کی رعایا اس کو مختار مطلق تسلیم کرتی تھی حیدر علی جو سابق میں اسی خاندان کے ملازم تھے ۔ اپنا

اقتدار بطور پیرمونٹ پاور (اعلیٰ طاقت) قائم کرے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ خاندان اس پالیسی میں اپنی سبکی محسوس کرنے لگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ تورانیوں نے سلطنت خداداد کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

پہلی سازش ۱۷۶۱ء

کتاب پروہانس آف میسور کے صفحہ ۴۸ پر تحریر ہے کہ :-

"حیدر علی نے جب زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی تو تورانیوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر کے پاس حیدر علی کے خلاف تائید حاصل کرنیکیلئے اپنے ایک معتمد رامی درگ سرینواس راؤ کو مدراس روانہ کیا۔ اس وقت لارڈ پیکاٹ گورنر تھا۔ اس نے تائید دینے کا وعدہ کر لیا۔"

دوسری سازش ۱۷۶۵ء

لیکن باوجود وعدہ کے جب انگریزوں کی جانب سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی تو تورانیوں نے اپنا ایک ایلچی ۱۷۶۵ء میں مرہٹوں کے پاس پونا روانہ کیا۔ اور درخواست کی کہ میسور کو حیدر علی کی سرپرستی سے نجات دلائی جائے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیشوا مادھو راؤ نے حیدر علی پر فوج کشی کر دی۔ لیکن پے در پے مشکلات نے اس کو مجبور کر دیا کہ حیدر علی سے صلح کر کے واپس ہو جائے۔

تیسری سازش ۱۷۶۸ء

نواب حیدر علی کے خلاف یہ سازش والاجاہ محمد علی (ارکاٹ) نظام علی خان (حیدرآباد) اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ہوتی ہے۔

یہ آگے بتلایا جا چکا ہے کہ والاجاہ محمد علی ارکاٹ کا خود مختار حکمران ہونا چاہتا تھا۔ اور انگریز اسی کے ایجنٹ تھے۔ صوبہ دار دکن کی ارکاٹ پر سیادت کا خاتمہ کرنے کے

لئے حیدرآباد میں سازشیں ہو رہی تھیں۔ حیدرآباد کا وزیر اعظم رکن الدولہ اور میر عالم ایسٹ انڈیا کمپنی کے جال میں پھنس چکے تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کمپنی نے حیدرآباد سے ایک معاہدہ کیا۔ یہ معاہدہ حیدرآباد میں ۲۲ فروری ۱۷۶۸ء میں ہوا۔ اس معاہدہ کی رو سے:-

(۱) والاجاہ محمد علی کو صوبہ ارکاٹ کا مستقل اور آزاد حکمران تسلیم کرتے ہوئے نذرانہ اور پیش کش سے بھی معافی دیدی گئی۔

(۲) نظام علی خاں دریائے کرشنا سے نیچے تمام ملک سے دست بردار ہو دیدی

(۳) ایسٹ انڈیا کمپنی کو والاجاہ محمد علی کا نمائندہ (ایجنٹ) تسلیم کرلیا گیا۔

(کتاب سندس انڈر ٹریٹیز جلد ۹ صفحہ ۲۸)

والاجاہ محمد علی یا صوبہ ارکاٹ کا معاملہ طے کرنیکے بعد کمپنی نے صوبہ سرا کا معاملہ بھی اسی معاہدہ میں طے کرلیا اس معاہدہ کی شرط (۱۰) کی رو سے نظام علیخاں نے صوبہ سرا کی دیوانی سات لاکھ روپے سالانہ پیش کش کے عوض کمپنی کو بخش دیا لیکن مشکل یہ تھی کہ صوبہ سرا پر نواب حیدر علی قابض ہو چکے تھے۔ اس لئے بحیثیت صوبہ دار دکن نظام علیخاں نے اس معاہدہ کی شرط ۹ سے انہیں غاصب قرار دیا۔

اس معاہدہ کے بعد یعنی اندرونی طور پر سازش کو مکمل کرلیکر ایسٹ انڈیا کمپنی والاجاہ محمد علی اور نظام علی خاں نے حیدر علی پر فوج کشی کردی۔ جو تاریخ میں میسور کی پہلی جنگ کے نام سے مشہور ہے اس سازش پر حیدرآباد کی مطبوعہ تاریخ اس طرح روشنی ڈالتی ہے :-

"حیدر علی خاں کی ہمسایہ ریاستوں میں ایک طرف مرہٹے اور دوسری طرف سرکار نظام، تیسری طرف نواب کرناٹک تھے۔ نواب کرناٹک پردے میں دراصل انگریز کرناٹک پر حکمران تھے جن کی نظر میں حیدر علی خاں کی روز افزوں طاقت کھٹک رہی تھی اور انہیں کوئی خطرہ تھا تو حیدر علی خاں ہی سے تھا اور حیدر علی بھی ان کا مطمح نظر بھی یہی تھا کہ اس اجنبی قوم کو علاقہ دکن سے نکال باہر کردیں۔ لیکن نواب کرناٹک کی سادہ مزاجی کی وجہ سے اس قوم کے تمام علاقہ کرناٹک میں مستحکم طور پر جم گئے تھے ایک حد تک انہیں کے ذریعہ اس قوم نے نظام علیخاں کے پاس اپنا رسوخ پیدا کرلیا۔"

(نظام علیخاں مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۴۰)

اس جنگ کا نتیجہ اتحادیوں کیلئے نہایت مایوس کن ثابت ہوا۔ جنگ کا خاتمہ ۱۷۶۹ء میں انگریزوں کی شکست اور معاہدہ مدراس پر ہوتا ہے۔

چوتھی سازش ۱۷۷۱ء

یہ معلوم نہ ہوسکا کہ تیسری سازش میں میسور کے قدیم خاندان نے کس قدر حصہ لیا تھا یا بالکل ہی نہیں لیا۔ لیکن جب انگریزوں کو اس میں شکست ہوگئی تو رانیوں نے ہمت نہیں ہاری اور اس دفعہ یعنی ۱۷۷۱ء میں انہوں نے اپنے پردھان ترمل راؤ کو پیشوا مادھو راؤ کے پاس پونہ روانہ کیا اس وقت رانیوں کی درخواست کے علاوہ مرہٹوں کے پیش نظر اور دو امور تھے۔

(۱) میسور کو اپنے قبضہ میں کرنا۔

(۲) اپنی شکستوں کا حیدر علی سے انتقام لینا۔

ان امور کو مد نظر رکھتے ہوئے مادھو راؤ اور اسکے سپہ سالار ترمل راؤ نے

۱۷۷۴ء میں پھر میسور پر فوج کشی کی۔ اس جنگ، سلسلہ چار سال تک رہا۔ لیکن نتیجہ کچھ نہیں نکلا۔ مرہٹے واپس ہوگئے۔ اور اس طرح اس دفعہ بھی ہندو راج قائم کرنیوالوں کے توقعات برنہ آئیں۔

نوٹ:۔ حیدر علی کو معلوم ہوگیا کہ اس سازش کا سرغنہ کرشن راؤ ہے۔ جو انہوں کا بردھان یعنی دیوان ہے حیدر علی نے اس کو گرفتار کرلیا۔ لیکن بعد میں عفو و ترحم سے کام لیکر اسکو رہا کرتے ہوئے کڑپہ میں عبدالحلیم خاں کے دربار میں اپنا وکیل مقرر کردیا۔ (محمود)

پانچویں سازش ۱۷۷۹ء

اوپر کی نوٹ میں بھی لکھا جا چکا ہے کہ حیدر علی نے کرشن راؤ کو کڑپہ میں اپنا وکیل مقرر کردیا تھا۔ یہاں ابھی اس کو ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ اسکو معلوم ہوا کہ مدراس میں لارڈ پیگاٹ کمپنی کا گورنر مقرر ہوکر آیا ہے۔ یہ وہی گورنر تھا جس نے ۱۷۷۱ء میں راجاؤں کو تاج دینے کا وعدہ کیا تھا یہاں کرشن راؤ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ لارڈ پیگاٹ ریاست تنجاور کے اندرونی معاملات میں دخل دے رہا ہے۔ اسلئے کرشن راؤ اور اسکا بھائی نارائن راؤ کڑپہ سے فرار ہوکر تنجاور پہنچے یہاں ان کی خوش قسمتی سے تنجاور کا رئیس اور ریزیڈنٹ جان سلیوان انکے ہمراز بن گئے لیکن مشکل یہ تھی کہ تمام کے تمام اسوقت میسور کی اندرونی حالات سے ناواقف تھے اسلئے مدراس کی حکومت نے سی۔ ٹی شوارٹز کو ایلچی بنا کر حیدر علی کے پاس بھیجا۔ یہ شخص ایک پادری تھا۔ بظاہر پادری شوارٹز نے مدراس کے گورنر کی جانب سے حیدر علی کے نام ایک خط لایا جسمیں لکھا گیا تھا کہ حکومت حیدر علی سے تلافی مافات کرنے اور بہت زیادہ دوستی کے خواہاں ہے۔ اسی خط میں گورنر نے حیدر علی سے یہ بھی درخواست کی تھی کہ شوارٹز کو پادری ہونے کی حیثیت سے مذہبی تبلیغ کی اجازت دی جائے ۲۵ اگست ۱۷۷۹ء کیدن پادری شوارٹز سرنگاپٹم پہنچا۔ نواب حیدر علی نے اس کو مذہبی راہنما سمجھ کر تبلیغ

کی اجازت دیدی۔ اس آزادی سے فائدہ اٹھاکر اس نے سرنگاپٹم میں میسور کی رانیوں سے ملا۔ اور کل حالات سے واقف ہوکر تنجاور کو واپس پہونچا۔ یہاں اس نے میسور کی رانی کی جانب سے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ایک معاہدہ کیا جس کی اہم شرائط کتاب سنڈس اینڈ ٹریٹیز جلد نہم کے صفحہ ۲۰۰ اور ۲۰۱ سے یہاں درج کی جاتی ہیں۔

میسور میں ہندو راج قائم کرنے کے لیے معاہدہ

مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۷۸۲ء

شرائط

ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے	رانی لکشمما کی جانب سے
	ایسٹ انڈیا کمپنی حیدر علی سے ہمارا تمام ملک ہم کو واپس لیکر دیدے تو:-
	(۱) انگریزی فوج جب حیدر علی کے خلاف نقل و حرکت شروع کریگی تو انگریزوں کو ایک لاکھ کنٹی رایا پگوڈا (رائج الوقت سکے) دیئے جائینگے۔
	(۲) جس وقت انگریزی فوج میدانی ملک چھوڑ کر بالاگھاٹ پر چڑھے گی اور ادرنبلی یا دیسی برم کے مقامات پر قبضہ کرے گی تو مزید ایک لاکھ پگوڈا دیئے جائیں گے۔
	(۳) جس وقت انگریزی فوج میسور پر قبضہ

کر کے اس ملک کو ہمارے قبضہ میں دیدیگی تو
پھر ایک لاکھ پگوڈا دیئے جائیں گے ۔

(۴) جس وقت سرنگاپٹم کو تسخیر کر لیا جائیگا تو مزید ۵ لاکھ پگوڈا دیئے جائیں گے ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی یہ چاروں شرائط منظور کرتی ہے ۔

(۵) سرنگاپٹم فتح کرنے کے بعد جس تاریخ سے رانی لکشما کا منظور کردہ راجہ تخت پر بیٹھے گا تو اس تاریخ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ۵ لاکھ پگوڈا بطور خراج دیئے جائیں گے ۔ اور اسکے لیے سرکار میسور میں ایک لاکھ کی جاگیر بھی کمپنی کو دیجائیگی ۔
اور کمپنی کو اپنی فوج کا ایک حصہ ہماری حفاظت کے لیے یہاں رکھنا ضروری ہوگا ۔

کمپنی اس بات کا ذمہ لیتی ہے کہ رانی کے منظور کردہ راجہ کو تخت نشین کرے۔ لیکن رقم کے متعلق اسوقت تعین نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم نہیں کہ ملک کی حفاظت کے لئے کسقدر فوج کی ضرورت ہوگی ۔

(۷) کمپنی کو ملک کے اندرونی نظم و نسق میں کوئی دخل نہ ہوگا ۔

کمپنی اندرونی معاملات میں دخل نہ دیگی لیکن وہ خراج جو مرہٹوں شہنشاہ مغلیہ کے صوبہ داروں کو میسور کی جانب سے دیا جاتا ہے اسکو کمپنی کے ذریعہ ادا کیا جائے۔ براہ راست خراج ادا کرنے کا میسور کو اختیار نہ ہوگا ۔

(۸) حیدر علی کی تمام املاک، مال و زر، ہاتھی اور گھوڑے اور قلعوں میں جسقدر سامان ہو وہ میسور کے حوالے کر دینا ہوگا ۔

یوروپی قاعدہ جنگ کے مطابق تمام مال غنیمت سپاہیوں کا حق ہو جاتا ہے اگر اس مال غنیمت کے عوض کوئی رقم مقرر کیجائے تو کمپنی

(۹) حیدر علی اور دوسرے تمام افسر جو میدان جنگ میں اسیر ہوں۔ میسور کے راجہ کے حوالے کر دیئے جائیں۔

دستخط (۱) سی۔ ٹی۔ شوارٹز
(۲) ترمل راؤ (برائے رانی میسور)

اپنے افسروں کو ہدایت کریگی کہ وہ رقم یا مال غنیمت چھوڑ دیں۔

کمپنی حیدر علی کے خلاف بطور حریف جنگ آزما ہو رہی ہے۔ اس لئے اس شرط کو منظور نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ میسور کی رانی کے فوائد مدنظر رکھے جائیں گے۔

دستخط جان سلیوان
ریزیڈنٹ تنجاور (برائے ایسٹ انڈیا کمپنی)

اسی سلسلہ میں کتاب پردباتس آف میسور کے صفحات ۲۷، ۲۸، ۲۲ اور ۲۹ پر علاوہ اس معاہدہ کے اور تین خطوط دیئے گئے ہیں ان خطوط میں ایک خط ترملا راؤ اور اس کے بھائی نارائن راؤ کا ہے۔ جس میں انہوں نے جان سلیوان اور تنجاور کے راجہ کا شکریہ ادا کیا ہے۔ کہ انکی وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے میسور کے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ دوسرا خط لارڈ مکارٹنی مدراس کے گورنر کا ہے۔ جو میسور کی رانی لکشما کے نام ہے اس خط میں لارڈ مکارٹنی نے رانی کو تائید دینے کا یقین دلایا ہے تیسرا خط بھی لارڈ مکارٹنی کا ہے جس میں اول الذکر معاہدہ کی تصدیق کی ہے۔ بہر طور پر جب مدراس اور تنجاور میں یہ سازشیں ہو رہی تھی تو اسی زمانہ میں پایۂ تخت سرنگاپٹم میں بھی سازشیں شروع کر دی گئیں یہ وہ وقت تھا کہ میسور کی دوسری جنگ حیدر علی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ہو رہی تھی سازش حیدر علی کے خلاف کی گئی تھی۔ لیکن اتفاقاً اسی زمانہ میں حیدر علی کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے یہی سازش اب ٹیپو سلطان کے خلاف استعمال ہوتی ہے

اس سازش کا مفصل بیان یسعیہ گزیٹیر جلد دوم کے حصہ سوم کے صفحات ۲۵۵۲ سے ۲۵۵۷ تک دیا گیا ہے اور اسی سے یہاں اقتباس لیا جاتا ہے ۔

اسلامی سلطنت کا خاتمہ کرنے کی کوشش

۱۷۸۲ء تا ۱۷۸۹ء

حیدر علی کی میدان جنگ میں وفات اور ٹیپو سلطان کی پایۂ تخت سے غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر اس جماعت نے جو اس سلطنت کا خاتمہ کرنے کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھی اپنا کام شروع کیا ۔ اس سازش کے سرغنے ادیچے شامیا ۔ رنگیا نرسنگ راؤ ۔ اور سنگیا تھے ادیچے شامیا کا پورا نام شاما اینگار تھا ۔ اس شخص کو حیدر علی نے ۱۷۷۹ء میں محکمۂ ڈاک کا افسر اعلیٰ بنایا تھا ۔ رنگیا جسکا پورا نام رنگا اینگار تھا ادیچے شامیا کا حقیقی بھائی تھا ۔ نرسنگ راؤ سرنگاپٹم میں بلدیۂ شہر کا صدر اور خزانہ کا افسر تھا ۔ سنگیا ضلع کوئمبتور کا اکاؤنٹنٹ تھا ۔ ان تمام سازشیوں کے درمیان طے ہوا کہ سرنگاپٹم پر قبضہ کر کے ہندو راج قائم کیا جائے ۔ اس سازش کو عمل میں لانے کے لئے مندرجہ ذیل دو تجاویز سوچی گئیں : ۔

(۱) موقع ملنے پر ٹیپو سلطان کو بھی میدان جنگ میں قتل کر دیا جائے ۔ یا انگریزوں سے مدد حاصل کر کے ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جن سے ٹیپو سلطان کی میسور کو واپسی ناممکن ہو جائے ۔

(۲) ایک مقررہ دن خاص پایۂ تخت میں علم بغاوت بلند کر کے قلعہ پر قبضہ اور تمام مسلمان افسروں کو قید کر لیا جائے ۔

پہلی تجویز کو عمل میں لانے کے لئے ترمل راؤ اور شوار تمز کے معاہدہ نے راستہ صاف کر دیا تھا۔ بمبئی سے انگریزی فوج کرنل ہمبرٹن کی ماتحتی میں ساحل ملیبار پر اتر چکی تھی۔ لیکن مشرقی محاذ میں سرآرکورنٹ نے اس تجویز سے نا اتفاقی ظاہر کی۔ اور کہا کہ بمبئی کی فوج بھی مشرقی محاذ کی فوج کے ساتھ مل کر پالگھاٹ (کوئمبتور) کے راستہ سے میسور پر چڑھائی کرے ابھی یہ تجاویز ہی ہو رہی تھیں کہ ٹیپو سلطان نے منگلور میں اس فوج کا محاصرہ کر لیا جو کرنل ہمبرٹن کے ماتحت تھی اس لئے اس تجویز کا پہلا حصہ ناکامیاب رہا۔ اغلب گمان ہے کہ اس کی خبر بروقت سرنگاپٹم میں نہیں پہونچی اور وہاں سازش کے دوسرے حصہ پر عمل شروع ہو گیا اس کے لئے یہ تجاویز کی گئی تھیں کہ :۔

(۱) تنخواہ کے دن جب فوج کے مسلمان سپاہی تنخواہ لینے آئیں تو انہیں ہندو سپاہیوں اور پہرہ داروں کے ذریعہ گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے یہ اسلئے ممکن سمجھا گیا کہ اس وقت فوجی سپاہی نہتے ہوتے ہیں ۔

(۲) رسالدار اسد خاں کو اسی وقت قتل کرتے ہوئے خزانہ کے علاوہ تمام فوجی میگزین یعنی گولہ بارود اور ہتھیار پر قبضہ کر لیا جائے ۔

(۳) اس تجاویز کو عمل میں لانے کے لئے فوج کے تلنگہ سپاہی اور پہرہ دار وغیرہ کو اپنے ساتھ ملا لیا جائے ۔

(۴) ضلع کوئمبتور کے آصف سنگیا کے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ انگریزی فوج کی نقل و حرکت میں مدد دے ۔

(۵) رنگیا برادر شامیا کے ذمہ یہ کام تھا کہ قلعہ میں جو انگریزی قیدی اسیر ہیں انہیں آزاد کر کے ان کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے (رنگیا اس مقصد

کے لیئے دس دن پیشتر تمام قیدیوں جن میں جنرل میاتھوز بھی تھا۔ ملاقات کی)

(۶) ان تجاویز کو عمل میں لانیکیلئے ۲۴ جولائی ۱۷۸۳ء کا دن مقرر کیا گیا"

اس کے ایکدن پہلے ہندو سپاہیوں، پہرہ داروں وغیرہ کو ہتھیار تقسیم کیے گئے۔ لیکن اسی شب یعنی ۲۳/۲۴ کی درمیانی شب جب قلعہ دار سید محمد خان اپنے دفتر سے مکان کو جا رہا تھا تو کسی نے آکر آہستہ سے کہا کہ وہ ایک اہم راز کا افشا کرنے والا ہے۔ قلعہ دار نے نہایت توجہ سے اس کی بات سنی۔ اور فوراً ہی وقت قلعہ کے دروازہ پر پہرہ مقرر کر دیا۔ اور اس ہرکارے کو بھی گرفتار کر لیا۔ جو انگریزی فوج کے تمام خطوط لے جا رہا تھا خط کے ملتے ہی سب سے پہلے نرسنگ راؤ کو گرفتار کر لیا گیا۔ جس نے تمام حال کہہ سنایا اور اس کے بعد ہی اس شب انچے شامیا اور رنگیا اور دوسرے سرغناؤں کو بھی گرفتار کر کے منگلور روانہ کر دیا گیا شتاب رائے جو سابق قلعہ دار تھا اسکو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن بعد میں جب معلوم ہوا کہ وہ بے گناہ ہے تو اسکو رہا کر دیا گیا۔ منگلور پہونچنے پر یہ تمام سرغنے قتل کر دیئے گئے۔

اسطرح یہ چوتھی لیکن راہبوں کی جانب سے تیسری سازش جو سلطنت خداداد کے خلاف تھی ناکام رہ گئی۔ اور انگریزوں نے بمبئی ۱۷۸۴ء میں سلطان سے معاہدہ کر لیا یہ عہدنامہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مجبوراً قبول کیا اس سے جنوبی ہند میں انگلستان کو سخت دھکا لگا ہے جنوبی ہند کے باشندوں اور ریاستوں میں ان کی ساکھ ختم ہو گئی انگلستان میں ایک کہرام مچ گیا۔ انسی منرو جو اسی جنگ میں شریک تھا لکھتا ہے۔

„مجھے یقین ہے کہ ٹیپو سے جو صلح نامہ ہوا ہے وہ عارضی ثابت ہوگا۔ کوئی انگریز ان ذلتوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ جو اس جنگ میں اٹھانی پڑیں"

(میسور گزیٹیر صفحہ ۲۵۶۸)

گویا اب اس معاہدہ کے بعد انگریز اپنا ذاتی انتقام بھی لینے پر آمادہ ہو گئے۔

چھٹویں سازش ۱۷۸۴ء میسور کی دوسری جنگ جو چار سال تک رہی اور جس کا خاتمہ ۱۷۸۴ء میں ہوا۔ حیدرآباد میں نظام علی خاں اور پونا میں مرہٹوں کے دلوں میں یہ امید پیدا کر دی تھی کہ اس جنگ میں سلطنتِ خداداد کا خاتمہ ہو جائیگا۔ لیکن خلاف امید جب سلطان مظفر و منصور نکلا تو پھر ان دونوں نے سلطان کے خلاف سازش کرتے ہوئے اپنی قوت آزمائی چاہی اور اس کیلئے انہوں نے باہم معاہدہ کر لیا۔ جو تاریخ میں معاہدۂ ایت گیر ۱۷۸۴ء کے نام سے مشہور ہے۔

(نوٹ:۔ یہ قابلِ ذکر بات ہے کہ یہ معاہدہ صلح نامۂ منگلور کے چند ہی دن بعد ہوتا ہے) شاید مرہٹوں اور نظام علی خاں کو یہ خیال تھا کہ مسلسل چار سالہ جنگ سے سلطنت خداداد کی فوجی طاقت گھٹ گئی ہو۔ اس معاہدہ پر مرہٹوں کی جانب سے نانا فرنویس اور حیدرآباد کی جانب سے خود نظام علی خاں نے دستخط کئے تھے۔ حیدرآباد کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاہدہ کی تحریک مرہٹوں کی جانب سے ہوئی۔

کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۳۸ پر تحریر ہے:۔

"جب پیشوا کو یہ علم ہوا کہ انگریز اور ٹیپو سلطان کے مابین صلح ہو رہی ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ انگریزی کمپنی معاہدۂ سابق کو فسخ کرنے پر آمادہ ہوگئی ہے جس پر انہوں نے ٹیپو سلطان کے پاس بغرض مصالحت وصول چوتھ اپنے ایلچی روانہ کئے۔ جس کے جواب میں ٹیپو سلطان نے کہلا بھیجا کہ انکے والد نے چند ضرب توپ اور بندوق کے سوا کوئی بھی اور چیز منزو کہ میں نہیں چھوڑی ہے جسکے ساتھ میں حاضر ہوں۔ اس جواب سے مرہٹوں نے خائف ہو کر دل

ہو کر یہ تجویز کی کہ نظام علی خاں کے ساتھ اتحاد قائم کر کے ٹیپو سلطان سے ان
علاقوں کو حاصل کریں۔ جن پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا"

ایت گیر کے معاہدہ کو خود نظام علی خاں کا مصنف حق بجانب نہیں سمجھتا۔ اس لئے
اپنی کتاب کے صفحہ ۳۱۸ پر اس طرح لکھتا ہے :-

"اس موقعہ پر ٹیپو سلطان کے خلاف عمل جارحانہ اختیار کرنے میں نظام علیخاں کو حق بجانب قرار دینے کیلئے صاحب توزک آصفیہ ٹیپو سلطان کی زیادتیوں کو بیان کرتا ہے اور اس کے بعد نظام علیخاں کی فہمائش چنانچہ وہ کہتا ہے کہ ۱۱۹۸ھ کے اوائل میں ٹیپو سلطان نے اپنا روپیہ (جو وزن میں دو تولہ اور جسمیں ان کے نام کے ساتھ سلطان کا لفظ شامل تھا) مسکوک کر کے میسور کے علاقہ میں جاری کرنے کے علاوہ ممالک محروسہ بندگان عالی میں بھی جاری کرا دیا چنانچہ ایسا بہت سا روپیہ حیدر آباد میں بھی پہونچکر کوچہ بکوچہ رائج ہو گیا اور خبر عام طور پر مشہور ہو گئی کہ وہ بندگان عالی کے مقابلہ میں خروج کر رہے ہیں ان کے مراسلات جو اسی زمانہ میں بندگان عالی کی خدمت میں وصول ہوئے اسکی تائید کرتے تھے کہ خلاف رسم قدیم اپنے باپ کے طرز عمل کے خلاف انہوں نے مراسلات میں عرضی کی مد نکال کر مساویانہ طریقے پر خطوط بھیجے۔ اور ان قلعہ جات پرگنوں کو جنہیں انکے باپ حیدر علی خان کھو بیٹھے تھے۔ لوٹ لاٹ کر ویران کر دیا"

یہ تو صحیح ہے کہ سلطان نے نئے سکے مسکوک کیے تھا اور ممکن ہے کہ تجارت کے سلسلہ میں انکا رواج حیدرآباد میں بھی ہوا ہو۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اسنے سلطان کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ کیونکہ تمام ہندوستان میں اسوقت اسکا ہم پلہ کوئی نہیں تھا لیکن صاحب توزک آصفیہ کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ ٹیپو سلطان نے حیدرآباد کے علاقہ لوٹ لاٹ کر ویران کر دیا کیونکہ معاہدہ ایت گیر کی تاریخ اپریل ۱۷۸۷ء ہے اور صلحنامہ منگلور کی تاریخ

۱۱ مارچ ۱۷۸۴ء ہے اور اس تاریخ تک سلطان انگریزوں سے جنگ میں مصروف تھا۔

بہر طور نظام اور مرہٹوں نے جنگ شروع کر دی۔ یہ جنگ مسلسل تین سال یعنی ۱۷۸۷ء تک جاری رہی آخریں نتیجہ یہ نکلا کہ نظام علیخاں اور مرہٹوں کو شکست ہوتی ہے۔ سلطنت خداداد کے حدود بڑھکر ادھر ہونی سے اس پار کپتی تک ادھر مرہٹی ملک میں بلگام تک کا علاقہ سلطان کے ہاتھ آجاتا ہے۔

ساتویں سازش ۱۷۸۸ء

اس تمام عرصہ میں یعنی ۱۷۸۴ء سے ۱۷۸۸ء تک تنجاور میں ترین راؤ سبورائیوں کا ایلچی تھا۔ مذکورہ بالا جنگ کے نتیجہ کا بے صبری سے انتظار کر رہا لیکن جب جنگ کا نتیجہ اسکے حسب مراد نہیں نکلا تو اس نے پھر انگریزوں سے سازشیں شروع کر دیں گو ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی اس عرصہ میں بظاہر خاموش تھی لیکن اندر ہی اندر سلطان کے خلاف ہندوستان اور انگلستان میں شدت سے پروپگنڈہ کر رہی تھی اسکو اپنی گذشتہ شکستوں کا انتقام لینا تھا تمام انگریزی مورخین متفق ہیں کہ اسوقت اپنی سابقہ شکست کا انگریز بدلہ لینے کیلئے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ اور انکا جذبۂ عناد وحشت اور جنون کی حد تک جا پہونچا تھا۔ چنانچہ کیپٹن لٹل اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے۔

"گذشتہ چند سالوں سے انگریزی زبان کے ان تمام الفاظ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا جا رہا ہے جن سے ٹیپو سلطان کو بدنام کیا جا سکے۔ بغاوت میں ذلیل سے ذلیل الفاظ سلطان کی مذمت کی غرض سے تلاش کر کے نکالے جا رہے ہیں باوجودیکہ بہت سے لوگوں کو رنج ہے۔ کہ زبان میں اسقدر وسعت نہیں کہ ٹیپو سلطان کو دل بھر کر گالیاں دی جائیں۔ اس لئے وہ نئے اصطلاحات وضع کرنے میں لگے ہوئے ہیں" (سیاحت نامۂ کیپٹن لٹل۔ از ایڈورڈ مور مطبوعہ لنڈن ۱۷۹۴ء)

انگلستان میں اس زمانہ میں مسٹر پٹ وزیر اعظم تھا۔ اسکو انگریزی مقبوضات وسیع کرنے کی دھن لگی ہوئی تھی۔ ہندوستان میں انگریزوں کی ناکامی دیکھکر اسنے گورنر جنرل کے

عہدے کے لئے لارڈ کارنوالس کو اور مدراس کی گورنری کیلئے جنرل میڈوز کو منتخب کیا دونوں ماہر جنگ تھے پٹ کو اس بات کا بھی خیال تھا کہ کارنوالس کو امریکہ میں جو داغ بدنامی لگ چکا ہے وہ اسکی تلافی ہندوستان میں کر سکے گا اور ادھر کارنوالس کو بھی اپنی عزت و شہرت کو قائم رکھنے کے لئے ضرورت تھی کہ ہندوستان میں آکر اپنی پوری طاقت سے کام لیکر ٹیپو سلطان کو نیچا دکھائے اور انہیں یہ خبر بھی مل چکی تھی کہ سلطان نے فرانس ترکی اور ایران میں اپنی سفارتیں روانہ کی تھیں ۔

غرض جنرل میڈوز مدراس پہونچکر فوراً ہی ترمل راؤ سے سازش کرنا شروع کر دیتا ہے ۔ جو میسور میں ہندو راج قائم رکھنا چاہتا تھا اور اپنی سپہ سالاری کے زعم میں بغیر کسی عذر کے سلطنت خداداد پر ۱۷۹۰ء میں حملہ کر دیتا ہے (یہ قابل الذکر امر ہے کہ یہ جنگ نظام اور مرہٹوں کے جنگ کے ایک سال بعد شروع ہوئی ہے) جنرل میڈوز کے اس حملہ کو کامیاب بنانے کے لئے ترمل راؤ نے اپنی قوت صرف کر دی ۔ ٹیپو سلطان کی تمام فوجی نقل و حرکت کا پتہ جنرل میڈوز کو دیا جانے لگا ۔

کتاب پردہانس آف میسور کے صفحہ ۹ پر تحریر ہے ۔

" اس موقعہ پر پردہانوں (ترمل راؤ اور نارائن راؤ) نے ایک سو سوار اور دو ہزار پیادہ سپاہی پیش کئے اور جنرل میڈوز کے ساتھ ہو گئے کہ انگریزی فوج کو رسد فراہم کی جائے ۔ "

اسی کتاب پردہانس آف میسور کے صفحہ ۱۰ پر اس جنگ کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے :-

" جب پردہانوں کو یہ معلوم ہوا کہ ٹیپو سلطان تین ہزار سوار اور چالیس ہزار

پیدل سپاہ کے ساتھ درۂ گجل ہٹی کو عبور کر کے ستی منگل پر حملہ کرنیوالا تھا تو انہوں نے کرنل فلائیڈ کو اسکی اطلاع دیدی جس کی وجہ سے انگریزی فوج شکست سے محفوظ ہو گئی۔"

باوجود اس کی جنگی فراست اور تدابیر و سازشوں کے جنرل میڈوز کو متواتر شکستیں ہوتی تھیں۔ جن سے جھنجھلا کر ۱۷۹۰ء میں وہ ترمل راؤ کے ذریعہ میسور کی رانی کو خط لکھتا ہے

"جنرل میڈوز گورنر سینٹ جارج (مدراس) کا سلام قبول ہو۔ آپکا خط آپکے ایجنٹ ترمل راؤ کے ذریعہ پہنچا اور مضمون سے آگاہی ہوئی خدا ہی جانتا ہے کہ ٹیپو کب مرے گا۔ اور ملک کو اس سے کب نجات ملیگی فتح خدا کے ہاتھ ہے اگر وہ ہمیں اتنی طاقت عطا کرے کہ ہم آپکا ملک آپکو واپس دیکر دیں تو اس سے بڑھ کر ہمیں اور کوئی خوشی نہیں ہو سکتی۔" دستخط ولیم میڈوز

(کتاب پروہانس آف میسور صفحہ ۳۰)

آٹھویں سازش ۱۷۹۰ء

لارڈ کارنوالس کو امید تھی کہ جنرل میڈوز کی جنگی قابلیت سلطان کو شکست دیدے گی لیکن خلاف توقع جب جنرل میڈوز کو پے در پے شکستیں نصیب ہوئیں تو اس نے اپنے مغزلی دماغ سے کام لیکر یہی مناسب سمجھا کہ ملک کی تمام طاقتوں کو یعنی نظام علیخاں (حیدرآباد) اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا لیکر سلطان کے خلاف جنگ کرے۔ ورنہ کوئی ایک طاقت بھی علیحدہ طور پر سلطان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتی تھی۔ اسلئے حیدرآباد اور پونا میں رزیڈنٹوں کے ذریعہ سازشوں کا دروازہ کھول دیا گیا اور سلطان کو ہر طرح سے بدنام کیا جانے لگا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ حیدرآباد اور مرہٹے انگریزوں کے ساتھ مل گئے۔

انگریزوں کی ان ریشہ دوانیوں کی خبر جب سلطان کو پہونچی تو اس نے بھی اپنے سفیر ومکہ پونا اور حیدرآباد روانہ کیا اور ملک کی آزادی اور سربلندی اسلام کا واسطہ دلاکر مرہٹوں اور حیدرآباد کو اپنے ساتھ ملالینا چاہا بلکہ اس نے اس معاملہ میں یہانتک ایثار سے کام لیا کہ مرہٹوں اور نظام کے تمام مقبوضہ علاقوں کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا اور نظام الملک سے رشتہ داری کی بھی تجویز کی (اگرچہ پہلے ایک وقت جب حیدر علی نے یہ تجویز پیش کی تھی تو نظام علی خاں نے مسترد کردی تھی) کہ کسی طرح ملک و ملت کی آزادی کے لئے مسلمان متحد ہو جائیں کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۱۵۸ پر اسکے مصنف نے لکھا ہے

"ٹیپو سلطان کے ایلچی محمد غیاث و قطب الدین خاں و علی رضا خاں ٹیپو سلطان کے خط اور تحائف لیکر آئے۔ اور باریاب حضور ہوئے نظام علیخاں چاہتے تھے کہ ٹیپو سلطان سے بھی اتحاد قائم کرلیں اور ٹیپو سلطان بھی اس تخیل سے متفق تھے لیکن اس خیال سے کہ باہمی تعلقات میں مزید استحکام ہو۔ انہوں نے نظام علیخاں کے ساتھ سمدھیانے کے رشتہ اتحاد کے قیام کی تحریک کی معلوم یہ ہوتا ہے کہ جس وقت برسر دربار سفیروں نے اس مسئلہ کو پیش کیا تو نظام علیخاں کے چہرے سے رضامندی کے آثار پیدا ہورہے تھے۔ جن کو ٹیپو سلطان کے ان ان مخالفین نے جو حاضر دربار تھے محسوس کرکے محل میں اسکی اطلاع کرلی اور ٹیپو سلطان کی بغیر واقعی برائیوں کو بھی گوش گذار کرادیا جس پر محل میں ایک بے چینی پیدا ہوگئی۔ اور قبل اس کے سفراء ٹیپو سلطان کو کوئی تشفی بخش جواب دیتے نظام علی خاں کو محل میں جانا پڑا۔ جہاں محلات میں ٹیپو سلطان کی سنی سنائی برائیوں کو دھراکر اس رشتہ سے ناراضی

ظاہر کردی۔ جس سے بندگانِ عالی سخت متاثر ہو گئے۔ اور باہر آ کر
اس پیغام کو اس امر کے اظہار کے ساتھ کہ وہ ایک ادنیٰ نائک
کے بچے کے ساتھ قرابت قائم نہیں کر سکتے مسترد کر دیا
اس کے ساتھ ہی نظام علیخاں نے اپنے ان ممالک کے قبض و تصرف
کا سوال پیدا کر دیا۔ جن پر ٹیپو سلطان متصرف تھے اس انکار سے
انگریزی کمپنی کو بڑا فائدہ ہوا۔ اس واسطے کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ دکن
ہی نہیں بلکہ ہندوستان کا کوئی رئیس اپنے نواحی رئیس سے متحد رہے
تاکہ ہر دو کی باہمی مخالفت سے فریق ثالث (انگریزی کمپنی) کو اس کا فائدہ حاصل ہو۔
بہرطور انگریزوں کی پالیسی کامیاب رہی اس زمانہ میں جب ٹیپو سلطان کے
سفیر حیدرآباد میں مقیم تھے ایسٹ انڈیا کمپنی کا وکیل جان کناوے بھی یہاں
موجود تھا۔ اس نے ٹیپو سلطان کے سفیروں کی کارروائیوں سے لارڈ کارنوالس کو اطلاع
دی اور اس نے سرگرمیاں اور بڑھا دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ٹیپو سلطان کے خلاف نظام علیخاں
ایسٹ انڈیا کمپنی سے مل گیا چنانچہ کتاب نظام علیخاں کے صفحہ ۱۶۲ پر تحریر ہے:

"ٹیپو سلطان کے سفیروں کے حیدرآباد آنے کے بعد غالباً انگریزی کمپنی کے
ہواخواہوں کی سرگرمیاں اور بڑھ گئیں جن کی تائید سے انگریزی کمپنی کو کامیابی
ہو گئی۔"

اسی طرح پونا میں مسٹر مالٹ کے ذریعہ سازشیں جو کی گئیں ان میں بھی انگریزوں کو
کامیابی ہوئی اور وہاں سے بھی سلطان کے سفیر ناکامیاب واپس آئے۔ ورنہ سلطان
تو ہندوستان کی آزادی کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہو گیا تھا۔

سلطان کے سفیروں کو بے نیل و مرام واپس بھیجدینے کے بعد مرہٹے اور نظام علیخاں نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ کیا اس معاہدہ کی تاریخ سنہ ۱۷۹۰ء ہے۔ اس معاہدہ کی دوسری شرط اس طرح لکھی گئی :-

"ٹیپو باوجود ہر تین سرکاروں سے عہد کرنے کے بھی نقض عہد کیا ہے اس لئے تینوں سرکار متفق ہو کر اس کی تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ آئندہ اس میں بد عہدی کرنے کی کوئی طاقت نہ رہے اور ٹیپو کا جو ملک اور مال بطور غنیمت ملیگا۔ اسکو مساوی طور پر تقسیم کر لیا جائے گا۔"

نوٹ :- یہ پورا عہد نامہ کتاب سندس انڈسٹریس کے صفحہ ۸۰ پر درج ہے اور کتاب نظام علیخاں مطبوعہ حیدرآباد کے صفحہ ۱۶۳ پر بزبان فارسی دیا گیا ہے (محمود)

اس اتحاد ثلاثہ کے باوجود ایسٹ انڈیا کمپنی کو یقین نہیں تھا کہ جنگ میں اسکو کامیابی ہو سکے گی اسلئے اس نے سلطنت خداداد کے اندر بھی سازشیں کرنے کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا۔ کرنل ریڈ کو محکمۂ جاسوسی کا افسر اعلیٰ بنا کر اس کے ذمہ یہ کام کر دیا گیا کہ سلطان کے تمام امراء و وزراء کے علاوہ ان تمام پالیگاروں اور زمینداروں کو بھی اپنا بنا لیا جائے جو سلطنت خداداد کے ماتحت تھے۔ ان پالیگاروں و زمینداروں میں تو سب کے سب ہندو تھے۔ اور صرف دو اسلامی ریاستیں تھیں۔ جن کا نام شاہ نور اور بنگن پلی ہے۔ ان میں اول الذکر ہمیشہ مرہٹوں کی اور دوسری نظام حیدرآباد کی طرفدار رہی۔

میسور کی تیسری جنگ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ کہ یہ سازشیں کس وسیع پیمانے پر کی گئی تھیں۔ سیم و زر کی بارش اور مستقبل کے وعدوں نے سلطان کے بہت سے مسلمان اور ہندو امراء و وزراء کو انگریزوں کی جانب مائل کر دیا۔ اس سے پہلے سلطان کے تمام مسلمان و ہندو امراء

وزراء (سوائے چند ہندو افسروں کے جو میسور میں ہندو راج کے حامی تھے) سلطان کے نہایت وفادار تھے۔ ہندو امراء و وزراء میں پورنیا اور کرشنا راؤ قابلِ ذکر ہیں۔ اور مسلمانوں میں میر صادق وغیرہ۔ انھیں افسروں نے حیدر علی کی وفات پر ان کی موت کی خبر کو اس وقت تک چھپا رکھا تھا جب تک ٹیپو سلطان ملیبار سے نہیں آپہنچے تھے۔ لیکن کرنل ریڈ کا بے پناہ پراپیگنڈہ اور عیاریوں نے انھیں اپنی جانب بلا لیا۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہلِ نوائط، سادات اور مہدوی بھی انگریزوں کی جانب مائل ہو گئے۔ نوائط کا مقصد اپنی ذاتی توہین کا انتقام لینا تھا۔ جو ان کے خیال میں سلطان کے ہاتھوں انھیں اٹھانی پڑی تھی۔ (اس کا بیان بدر الزماں خاں کے حال میں دیا گیا ہے۔) سادات اور مہدیوں کی مخالفت کی وجہ سلطان کی مذہبی اصلاحات تھیں جو کسی اور جگہ بیان کئے گئے ہیں۔

بہرطور کرنل ریڈ کے پروپیگنڈہ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ جب جنگ شروع ہوتی ہے تو تمام سلطنتِ خداداد میں سلطان کے خلاف سازشوں کا ایک وسیع جال بچھا ہوا ہوتا ہے جس کی وجہ سے سلطان کی ہر نقل و حرکت کی اطلاع انگریزوں کو ملتی رہتی ہے۔ بلکہ شرجاپور، بالاپور، دیوانِ ہلی وغیرہ کے باشندے انگریزوں کو اپنے گھروں میں چھپا کر رکھتے تھے جس کا معاوضہ آج تک بھی چراغی کے نام سے بعض خاندانوں کو مل رہا ہے۔ ان سازشوں میں کرشنا راؤ کی سازش سب سے خطرناک سازش تھی۔ جس نے جنگ پر نہایت برا اثر ڈالا۔ اس سازش کا حال ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۱ پر لکھتا ہے۔

"اتفاقاً (میدان جنگ میں) کرنل ریڈ کا ایک جاسوس پکڑا گیا جس کے پاس

محمد عباس کے نام ایک کنتر طی خط تھا اس جاسوس نے اس خط کو ایک بانس میں جس کو وہ بطور عصا استعمال کرتا تھا چھپا رکھا تھا اس خط میں شیشاگری راؤ کا بھی نام تھا جو کرشن راؤ کا حقیقی بھائی تھا راز کے افشاں ہونے پر سلطان نے شیشاگری کو گرفتار کرنا چاہا لیکن وہ بچ کر سرنگاپٹم چلا گیا جہاں اسکے بھائی کرشنا راؤ نے قلعہ پر قبضہ کر لینے کی سازش کی ہوئی تھی اس سازش کا راز سرنگاپٹم میں سلطان کی والدہ کو معلوم ہو چکا تھا انہوں نے سلطان کو اسکی اطلاع دیدی۔ یہ اطلاع سلطان کو ایسے وقت ملی جب میدان جنگ میں وہ انگریزی فوج پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا سلطان نے سپہ دار سید صاحب کو سرنگاپٹم بھیجا جہاں اس نے کرشنا راؤ وغیرہ کو گرفتار کر کے قتل کر دیا کرشنا راؤ نے مرتے دم یہ بالکل سچ کہا کہ :-

”میں نے جو آگ لگائی ہے وہ سلطان کو بجھائے نہ بجھ سکے گی :“

غرض ان سازشوں کی وجہ سے سلطان کو ہر جگہ شکست ہوئی اور وہ پایہ تخت میں محصور ہو جاتا ہے لیکن انگریزی پروپاگنڈا بہیں نہیں ختم ہوتا سلطان کی اس محصوری سے فائدہ اٹھا کر اسکے خلاف رعایا میں اس سے بددلی پھیلائی جاتی ہے ایمپائر ان ایشیا کا مصنف لکھتا ہے کہ :-

”سلطان کے وقار کو خاک میں ملانے کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی :“

اس کے علاوہ لارڈ کارنوالس نے اس وقت جس حربہ سے کام لیا اس کا اندازہ اس سے نظر آسکتا ہے کہ :-

”ایام محرم میں اس نے سلطان کی تمام مملکت میں منادی کر دی کہ ہر شخص کو مذہبی آزادی ہے اس لئے جو مسلمان محرم منانا اور شبیر تعزیہ وغیرہ کا سوانگ بھرنا

چاہیں خوشی سے بھریں۔ بلکہ اس نے یہاں تک کیا کہ ان سوانگ بھرنے والوں
کو انعامات دیتا اور کھڑے ہو کر علموں کی تعظیم کرتا تھا جس کی وجہ سے عوام
یہ سمجھنے لگے کہ انگریزی قوم اعتقاد میں مسلمان بادشاہوں سے بھی اچھی ہے "
(تاریخ حمید خانی)

نوٹ:۔ سلطان نے اپنی سلطنت میں مذہبی اصلاحات کے سلسلہ میں محرم کی ان بدعات کو جو جنوبی ہند میں شیعی سلطنتوں یعنے احمد نگر اور بیجاپور کے زمانہ سے رائج تھیں بند کر دیے تھے اس کا مفصل بیان سلطان کے مذہبی اصلاحات میں دیا گیا ہے)

غرض یہ تھا وہ پروپاگنڈا جس سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے سلطان کے خلاف کام لیا اور اسکی وجہ سے سلطان کو شکست ہوئی اور سرنگاپٹم کا معاہدہ لکھا گیا۔

نوٹ:۔ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ آج بھی یورپین اقوام اسی پروپاگنڈہ سے کام لے رہی ہیں اور اس میں انگلستان کو جو ید طولی حاصل ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔
انگریزوں کے پروپاگنڈا سے نپولین اعظم ایسے شہنشاہ نے پناہ مانگی تھی ۱۹۱۴ء کے جنگ عظیم میں قیصر جرمنی اس کی تاب نہ لا سکا ترکان احرار، حجاز و عراق چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ غازی امان اللہ خاں کو افغانستان کے تاج و تخت سے دست بردار ہونا پڑا لہٰذا اگر اقتدار سلطانی کو بھی لارڈ کارنوالس کے بے پناہ پروپاگنڈا سے صدمہ پہونچا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟
ہندوستان کے سادہ لوح باشندوں کو ایک ایسی اجنبی قوم سے سابقہ پڑا تھا کہ جنگی چالوں کی گہرائیوں تک پہونچنا ان کے لئے سخت مشکل تھا اس وقت ایک سلطان ہی تھا جس کی نظروں میں اس قوم کی سیاست پورے طور پر بے نقاب ہو چکی تھی۔ مگر افسوس! اس وقت سلطان کی شخصیت کا سمجھنے والا ہی کون تھا اغیار تو اغیار ہی تھے۔ اپنے پرایوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے (مجموعہ)

اس تیسری جنگ کے بعد سلطان کو بھی پتہ لگ گیا کہ اسکی شکست اسکے غدار امراء و وزراء کی رہین منت ہے لیکن وہ ایک بہادر سپاہی تھا۔ اس نے غصہ و ترحم سے کام لے کر تمام کو معاف کرتے ہوئے ملک کی آزادی کیلئے ہر ایک سے مسجد اعلیٰ میں قسم لی۔ لیکن جس طرح کرمانی لکھتا ہے کہ:-

" ان نمک حراموں کے دل بدل چکے تھے۔ انہوں نے اپنی سازشوں کو نہ چھوڑا اور جب میسور کی چوتھی جنگ چھڑ گئی تو انہوں نے نہایت فراخ دلی سے دشمنوں کا ساتھ دیا اگر مقامی روایت پر اعتبار کیا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب انگریزی فوج قلعہ کا محاصرہ کی ہوئی تھی تو اہل نوائط کے گھروں سے انگریزی افسروں کو پلاؤ اور مٹھائی پکا کر بطور تحفہ بھیجے جاتے تھے۔

میسور کی تیسری جنگ کے خاتمہ پر تمام امراء و وزراء اور افسروں سے قسم لینے کے بعد سلطان مطمئن ہو گیا۔ اس نے پارلیمنٹ کی بنیاد رکھی کہ ملک کا انتظام رعایا خود اپنے ہاتھ میں لیلے اور آپ نئے سرے سے بری اور بحری فوج تنظیم اور ملک کی صنعت و تجارت کو ترقی دینے کے وسائل سوچنے میں منہمک ہو گیا اور اسی سلسلہ میں اس نے پھر ایک بار کوشش کی کہ سربلندئ اسلام کیلئے تمام مسلمانوں کو متحد کرے اور ادھر ہندوستان کی آزادی کیلئے تمام ہندوستانی رئیسوں کو متفق کر لے۔

نویں سازش ۱۷۹۶ء

سرنگاپٹم کو فتح کئے بغیر کارنوالس کی واپسی سے اس جماعت کو جو میسور میں ہندو راج قائم کرنا چاہتی تھی۔ مایوسی ہو گئی۔ اس کا اظہار رانی نے اپنے خط میں اس طرح کیا ہے۔

" گورنر اور انگریزوں سے عرض کیجئے کہ اگر وہ ہماری پرواہ نہ کرتے ہوں تو

نہ کریں۔ لیکن خاص اپنی حفاظت اور سلامتی کیلئے فرانس والوں کو پہونچنے سے
پیشتر سلطان سے جنگ لیں انگریزی فوج جس راستے سے بھی بڑھے گی۔
اس کو سامان رسد اور پانی افراط سے ملیگا اور ہم اپنی جانب سے ایک کروڑ روپیہ
بطور اخراجات جنگ ادا کریں گے (اقتباس از کتاب پردہائس آف میسور صفحہ ۱۸۸)
رانی نے یہ خط ترمل راؤ کو ۱۷۹۶ء میں لکھا تھا اس وقت کمپنی کا گورنر جنرل سرجان
شور تھا اس نے اس خط پر کمپنی کے ڈائرکٹروں کو افسوس کے ساتھ لکھا۔
"مجھے افسوس ہے کہ میں نے ٹیپو کی روز افزوں طاقت کو توڑ نہ سکا" (تاریخ ٹیپو)
سرجان شور کے مذکورۂ بالا جملہ میں الفاظ "روز افزوں طاقت" بے وجہ استعمال
نہیں ہوئے تھے بات یہ تھی کہ تیسری جنگ کے بعد سلطان کے دل میں بھی انگریزوں سے
انتقام لینے کی آرزو پیدا ہو گئی تھی اور وہ بحری اور بری طاقت کو ترقی دینے میں حد درجہ
مصروف ہو گیا تھا اور اسی سلسلہ میں اس نے نئے سر سے پھر آزادی ہند اور اتحادِ
بین المسلمین کی کوشش کرنے لگا۔
ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اس سے غافل نہیں تھی اور اس کی خوش قسمتی سے سرجان
شور کے عوض لارڈ ولزلی گورنر جنرل بنکر آیا تھا جو انگلستان ہی سے سلطان اور فرانس
والوں کے خلاف جذبات لیکر آیا ہندوستان پہونچتے ہی اس نے ایک طرف تو میسور
کی رانیوں کے ایجنٹ ترمل راؤ سے خط و کتابت شروع کر دی تو دوسری طرف
مرہٹوں اور نظام علی خاں کو اپنی جانب ملا لینے کی کوشش شروع کر دی لارڈ ولزلی
کو اس وقت بہت زیادہ خوف نپولین سے تھا جو اس وقت مصر آچکا تھا۔
بہر طور لارڈ ولزلی کی کوششیں کامیاب ہوئیں نظام علیخاں ٹیپو سلطان کے خلاف

فوج کشی پر آمادہ ہو گیا۔ اس معاہدہ پر حیدر آباد کے وزیر اعظم ارسطو جاہ نے دستخط کیا۔
سلطان کو جب ولزلی کی اس جدوجہد کا پتہ چلا تو اس نے بھی اپنی جانب سے نظام علیخاں اور مرہٹوں کو اپنی جانب ملا لینا چاہا۔

ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے کہ :۔

"اس سلسلہ میں ہندوستان کی کوئی چھوٹی یا بڑی ایسی ریاست باقی نہیں رہی جہاں ٹیپو سلطان کے ایلچی اور خطوط نہ پہونچے ہوں۔ نیپال، کشمیر، جے پور، اور جودھپور کی چھوٹی ریاستوں میں تک سلطان کے خطوط پائے گئے"

ان خطوط میں اس نے ہندوستان کے تمام رئیسوں کو ہندوستان کی آزادی کا واسطہ دیکر انہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف صف آرا کرنا چاہا لیکن ملک کی قسمت بدل چکی تھی کسی نے اس پر توجہ نہیں کی بلکہ اس کے برخلاف حیدر آباد نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو فوجوں سے مدد کی کتاب نظام علی خاں مطبوعہ حیدر آباد کے صفحہ ۱۴۲ پر اس کے مصنف نے لکھا ہے :۔

"یہ ضروری ہے کہ ٹیپو سلطان انگریزوں کے موافق نہیں تھے اور عجب نہیں کہ وہ یہ بھی چاہتے ہوں کہ صرف اپنے منتزعہ حصہ ملک کو انگریزوں سے واپس لیں بلکہ ان کو ہندوستان سے بھی نکال باہر کریں۔

بہرحال ٹیپو سلطان کے ان اعمال کو انگریزی کمپنی نے سخت ترین بدگمانی سے دیکھا اور یہ تصفیہ کر لیا کہ جتنا جلد ہو سکے ان کے منصوبوں پر پانی پھیر کر ان کی روز افزوں قوت کو ہمیشہ کیلئے توڑ دیا جائے سب سے پہلے لارڈ صاحب نے مدراس گورنمنٹ کی فوج کو سواحل ملیبار و کورومنڈل پر اترآنے کے احکام دے۔

اور اپنے اس خیال کی تائید و تکمیل میں جو بورڈ آف کنٹرول کے پریسیڈنٹ کے موسومہ خط میں ظاہر کیا تھا ٹیپو سلطان سے مقابلہ کرنے کی غرض سے نظام علیخاں اور مرہٹہ راجگان و پیشوا کے ساتھ ایک مزید معاہدہ کرنے کی کوشش کی ؛؛

ایک طرف لارڈ ولزلی حیدرآباد سے معاہدہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اسی وقت دوسری طرف سلطان کے خلاف سازشوں کا وسیع جال پھر ایک بار بچھایا جاتا ہے چنانچہ اپنے ایک خط میں اس نے مدراس کے گورنر جنرل ہارس کو لکھتا ہے :۔

"چونکہ آپ کے ذمہ نہایت اہم فرائض ہیں آپ اس کارروائی میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتے۔ اس لئے میں اس کام کے سرانجام کیلئے کرنل کلوز، کرنل ولزلی، لفٹننٹ کرنل آگینو، کیپٹن مالکم، اور کیپٹن مکالے کو تجویز کرتا ہوں ؛؛

ان افسروں نے سازشوں کا جو وسیع جال پھیلایا اور جو بے پناہ پروپاگنڈہ کیا اس میں پھر سلطان کے ہندو مسلمان افسر بھی کر دیئے گئے ۱۷۹۲ء کی جنگ نے میدان صاف کر رکھا تھا زیادہ جد و جہد کرنے کی ضرورت نہ پڑی نظام سے معاہدہ اور سازشوں کے انتظام سے فارغ ہونیکے بعد انگریزی اور حیدرآبادی فوجیں سرحد سلطنت خداداد پر بڑھتی ہیں ان سازشوں کا اثر جو کچھ ہوا اس کے متعلق خاص حیدرآباد کی تاریخ "نظام علیخاں" کے صفحہ ۲۱۶ پر اس طرح لکھا گیا ہے :۔

" واقعات اس امر کے شاہد ہیں کہ ٹیپو سلطان کے نمک حرام عہدہ دار یہ چاہتے تھے کہ ٹیپو سلطان سے متنزع ہو جائے اور وہ اس جنگ میں کام آجائیں چنانچہ قلعہ سرنگاپٹم پر قبضہ ہونے تک بھی انکو صحیح خبریں نہیں پہونچائی جاتی رہیں اور مقابلہ سے پہلو کرتے رہے ؛؛

کیا ان حالات کے ہوتے ہوئے سلطنت خداداد کا زوال کوئی تعجب انگیز ہے؟

آخر میں مورخ اس حقیقت کو ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نظام علیخاں، مرہٹے، والا جاہ محمد علی اور میسور کی رانیوں کی چاہے اس وقت کچھ بھی خیال ہو۔ لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کا خیال صرف اپنی ہوس ملک گیری کو پورا کرنا تھا اس کو کسی سے ہمدردی نہیں تھی یہ لارڈ ولزلی کی ایک پالیسی تھی کہ سلطان کی شہادت کے بعد اپنے سیاسی اغراض کو مد نظر رکھتے ہوئے میسور میں ہندو راج قائم کیا گیا تھا اگر لارڈ ولزلی کے شرائط کو تسلیم کرتے ہوئے سلطان باجگذار بنجاتا تو ہندو راج کبھی قائم نہ ہو سکتا۔

اب ذیل میں سلطان کے امراء و وزراء کے ذاتی حالات دئے جاتے ہیں جو سازشوں میں آلۂ کار بنکر سلطنت خداداد کی تباہی کا باعث ہوئے۔

میر صادق پہلے سرا میں مقیم تھا۔ بعد میں ارکاٹ چلا گیا جب نواب حیدر علی نے ارکاٹ فتح کر لیا تو سلطنت حیدری میں ملازم ہو گیا ارکاٹ کا ناظم مقرر ہوا۔ عہد سلطانی میں آصف کے درجہ پر ترقی پائی بعد اسکے سلطان کا چیف سکرٹری اور وزیر بنا۔ میسور میں عام طور پر مشہور ہے کہ حیدر آباد کے میر عالم کا بھائی تھا۔ مذہباً شیعہ اور عجمی النسل سید تھا (نوٹ: ۔ لغت میں لکھا ہے کہ میر فارسی لفظ ہے معلوم ہوتا ہے کہ سادات عجم نے عرب اور عجم میں امتیاز رکھنے کیلئے بجائے سید کے جو عربی لفظ ہے میر کا خطاب اختیار کر لیا۔)

دشمنی کی وجہ یہ بتلائی جاتی ہے کہ سلطان نے ایکدفعہ اس کو معزول کر دیا تھا لیکن بعد میں پھر بحال کر دیا لیکن یہ میر زادہ اپنی توہین کا دیریدہ انتقام لینے پر تلا ہوا تھا۔

ولکس اور بورنگ لکھتے ہیں کہ:۔

"میسور کی تیسری جنگ کے بعد اس نے رعایا پر تشدد کرنا شروع کر دیا تھا مطلب یہ تھا کہ رعایا کو سلطان سے بددل بنا دیا جائے۔"

یہ کہیں لکھا جا چکا ہے کہ میسور کی تیسری جنگ کے بعد سلطان نے جو اصلاحات جاری کیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ اس نے ملک میں مجلس شورا (پارلیمینٹ) قائم کرتے ہوئے رعایا کو ذمہ دار حکومت دیا تھا۔ سلطان نے اس مجلس کا نام "زمرۂ غم نباشد" رکھا تھا اس سے مطلب یہ تھا کہ جب رعایا سلطنت کی ذمہ داری اپنے سر لے لیگی تو ملک میں سازشیں نہ ہونگی اور رعایا حکومت کو اپنی سمجھ کر اس کی حفاظت و ترقی میں ساعی ہوگی

صاحب نشانِ حیدری لکھتے ہیں کہ:۔

"میر صادق نے اپنے رسوخ سے اس پارلیمنٹ کو بے کار بنا دیا تھا۔"

اور اسی کتاب میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ:۔

"یہ میرزادہ جب کبھی سلطان کے روبرو ہوتا تو بات بات پر قرآن کی قسم کھاتا تھا۔ اس لئے سلطان کو اس پر حد درجہ اعتماد تھا۔"

میسور گزیٹیر کا مصنف بجالا کرمانی لکھتا ہے کہ:۔

"میر صادق سلطان تک کوئی خبر ہو پہنچنے نہیں دیتا تھا۔"

اسی لئے میسور کی تیسری اور چوتھی جنگ میں سلطان کو شکستیں اٹھانی پڑیں سرنگاپٹم کے محاصرہ کے آخری دن یعنی ۴ مئی کو انگریزوں کے آنے کی خبر سن کر جب سلطان ڈڈی دروازہ سے باہر نکلا تو اس نے دروازہ کو اندر سے بند کر لو یا اس غدار کو خوف تھا کہ کہیں سلطان واپس آکر انگریزوں سے صلح نہ کر لے دروازہ بند کر دینے کے بعد اسی غدار نے

قلعہ فصیل پر سلطان کی موجودگی سے انگریزی فوج کو اطلاع دیدی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام انگریزی فوج سمٹ کر تین طرف سے فصیل قلعہ پر گولیاں برسانا شروع کردی۔ اور سلطان شہید ہو گیا۔ میر صادق کی اس سازش کا ثبوت اس تصویر سے بھی ملتا ہے۔ جو دریا دولت باغ کی مغربی دیوار پر بائیں جانب ہے اس میں دکھایا گیا ہے کہ سلطان کے آگے میر صادق گھوڑے پر ہاتھ جوڑے تسلیم کرتا ہوا منہ پھیر کر انگریزی فوج کو اشارہ کر رہا ہے کہ "سلطان یہی ہے" اس تصویر میں اور غداروں کو بھی بتلایا گیا ہے جو داہنے اور بائیں سے انگریزی فوج کو اشارہ کرتے ہوئے بتلا رہے ہیں کہ سلطان یہی ہے یہ تصویر ٹیپو سلطان کے حکم سے کھینچی گئی تھی۔

نوٹ :- میر صادق کی غداری کی جو وجہ دی گئی ہے وہ بالکل سطحی ہے اس کی اس قدر گہری غداری کی اصلی وجہ ابھی تک ایک سربستہ راز ہے۔ معلوم تو ایسا ہوتا ہے کہ اس نے بنگالہ کے میر جعفر کی طرح انگریزوں سے کوئی معاہدہ کیا تھا چونکہ یہ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کا دن ہی مارا گیا اس لئے یہ راز اسی طرح چھپا ہوا رہ گیا۔ محمود

میر غلام علی (لنگڑا)

جب نواب حیدر علی کے ہاتھوں ارکاٹ پر تباہی آئی تو میر صادق کا یہ دست بازو میر غلام علی بھی نواب کی سلک ملازمت میں داخل ہو گیا۔ مذہباً شیعہ اور عجمی النسل سید تھا عہد سلطانی میں تلعجات اور افواج کا ناظر اعلیٰ (انسپکٹر جنرل) تھا بعد میں میر یم (لارڈ آف دی ایڈمیرلٹی) اور وزیر بنا۔ میر غلام حد درجہ ہوشیار اور چالاک و تیز فہم تھا۔ اس کی یہی تیز فہمی تھی جس کے سبب سے اس کو سفیر بنا کر سلطان ترکی کے دربار میں اور دیگر مقامات پر بھیجا گیا حاضر جوابی میں شہرہ آفاق تھا۔ چنانچہ ایک وقت جب یہ قسطنطنیہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا تو بارش

آگئی۔ بارش سے پناہ لینے کیلئے یہ بھاگنے لگا ۔ ساتھ والے ترکی افسر نے کہا کہ:۔

"بارش رحمتِ الٰہی ہے۔ اس سے کیوں بھاگے جا رہے ہو"

اس کی حاضر جوابی ملاحظہ فرمایئے۔ جواب دیتا ہے:۔

"واقعی بارش رحمتِ الٰہی ہے۔ مگر میرا بھاگنا اس سے یہ مقصد رکھتا ہے کہ کہیں رحمتِ الٰہی قدموں تلے نہ آجائے۔ اور یہ اس کی بے حرمتی کا باعث ہو"

غلام علی کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ جب وہ قسطنطنیہ سے براہ مصر و عرب واپس ہو رہا تھا تو شریف مکہ نے کاروانِ سلطانی کا جاہ و تجمل دیکھ کر غلام علی سے یہ تجویز کی کہ سفارت کے خزانے میں جو روپیہ ہے وہ بطور قرض دیا جائے غلام علی نے سمجھ لیا کہ شریف اس کو کسی نہ کسی طرح حاصل کر کے رہیگا اس لئے اس نے ایک جعلی خط تیار کر چند آدمیوں کو باہر بھیج دیا۔ یہ لوگ اس جعلی خط کو جو غلام علی کے نام تھا لیکر مکہ پہنچے یہاں حسب توقع شریف مکہ نے ان نو واردوں کی تلاشی لی اور یہ خط برآمد ہو گیا خط بظاہر سلطان کی جانب سے تھا۔ اس میں اس نے اطلاع دی تھی کہ خدا کے فضل و کرم سے تمام ہندوستان فتح ہو گیا ہے اور ایک زبردست فوج سے عنقریب ساحل عرب پر حملہ کیا جائیگا تاکہ اماکن مقدسہ پر سلطنت خداداد کا قبضہ رہے۔ اس خط کو دیکھ کر شریف مکہ کے عزم وارادے ٹھنڈے ہو گئے۔ بلکہ اس نے غلام علی کی حد درجہ تواضع کرنا شروع کر دی

اس کے لنگڑے ہونیکا سبب یوں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ حد درجہ متکبر اور خود دار تھا کبھی کسی کے آگے جھکنا اس کو گوارا نہیں ہوا اس خیال سے اس نے کوئی دوا استعمال کر کے پیر خشک کر لیا جب کبھی دربار میں آتا تو چوکی میں بیٹھکر آتا اس لئے انگریزوں میں اس کا نام "غلام آف دی سلور چیر" (نقری چوکی کا غلام) مشہور تھا۔

نواب حیدر علی کے زمانہ کی طرز معاشرت کچھ اور تھی اور سلطانی دربار کا جاہ و جلال کچھ اور ہی تھا اور یہی وجہ اسکے پیر خشک کر لینے کی تھی کہ دربار میں تعظیم بجا لانے سے اس کو معذور سمجھا جائے۔ لارڈ کارنوالس سے شرائط طے کرنے کیلئے میر غلام علی ہی کو منتخب کیا گیا تھا جب یہ انگریزی کیمپ میں آیا تو طلائی چوکی پر آیا خیمہ میں جہاں لارڈ کارنوالس، مرہٹہ سردار اور میر نظام علی خاں تھے چوکی سے اتر کر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ بہانہ یہ تھا کہ لنگڑا ہے۔

قسطنطنیہ سے جس وقت واپس آیا تو اسکے خلاف شکایت ہوئی کہ بہت سا سامان تحائف جو سلطان ترکی نے سلطان کو بھیجا تھا چھپا رکھا ہے سلطانی حکم سے خانہ تلاشی ہوئی اور اسباب بھی مل گیا جس پر غلام علی کو نظر بند کر دیا گیا لیکن عام طور پر مشہور ہے کہ غلام علی جب قسطنطنیہ گیا ہوا تھا تو اس نے سلطان کے منصوبوں سے وہاں کے انگریزی سفیر کو اطلاع دیدی تھی۔

چند دن کی نظر بندی کے بعد سلطان نے عفو حلم سے کام لیکر معافی دیدی اور اس کو وزیر بحر بنا لیا۔ کتاب سرنگاپٹم کی مصنفہ پارسنس لکھتی ہے کہ :-

"سلطان کو اس پر اس قدر اعتماد تھا کہ سلطنت کے تمام اہم امور میں اسی سے مشورہ لیا کرتا تھا"

لیکن باوجود نوازش ہائے سلطانی کے میر غلام علی اپنی نظر بندی کیلئے سلطان سے انتقام لینے پر تلا ہوا تھا اور اسکی دشمنی یہاں تک ترقی کر گئی کہ شہادت کے بعد جب سلطنت کی تقسیم ہونے لگی اور سلطان شہید کے کسی شہزادے کو تخت نشین کرنے کی تجویز زیر غور ہوئی تو کمیشن کے روبرو یہی غلام علی تھا جس نے :-

"افعی کشتن و بچہ اش را نگہداشتن کار خردمنداں نیست"

کہکر سلطان کے شہزادوں کو تخت سے محروم کر دیا ۔

نوٹ :۔ اس جملہ سے اسکے خبث باطنی کا پتہ لگتا ہے۔ اپنے آقا کو سانپ سے تشبیہ دیتے ہوئے اسکے بچوں کو بھی اس نے نہیں چھوڑا ۔ ان غداروں کو خوف تھا کہ اگر سلطنت سلطان کے شہزادوں کو دی گئی تو اس غداری کا انتقام ضرور لیا جائے گا ۔ (محمود)

اس کی قبر اسی کے بنائے ہوئے مقبرے میں موجود ہے۔ مقبرہ بالکل سادہ اور ویران پڑا ہوا ہے۔ گنبد میں دو قبریں ہیں ۔ ایک چھوٹی اور ایک بڑی۔ بڑی قبر غلام علی کی ہے کہا جاتا ہے کہ لوگوں کے ڈر سے یہ بڑی قبر ایک زمانہ تک زنانہ وضع پر بنی ہوئی تھی کتاب سرنگاپٹم کی مصنفہ مس کانٹلس ای پارسنس نے بھی ۱۹۳۱ء میں لکھا ہے کہ یہاں صرف زنانہ قبریں ہیں ۔ اسلئے اس نے نتیجہ نکالا ہے کہ اس کی قبر دہلور یا حیدرآباد میں ہوگی جہاں اسکے عزیز و اقرباء ابھی موجود ہیں لیکن اب حال میں جب مصنف نے ۱۹۳۹ء میں یہاں جاکر دیکھا تو بڑی قبر مردانہ وضع پر بنی ہوئی ہے ۔ اس سے دس سال پہلے یہ قبر زنانہ طرز کی تھی ۔

غلام علی غالباً انتزاع سلطنت کے دس بارہ سال تک بھی زندہ رہا ۔ کرنل کرک پیاٹرک لکھتا ہے کہ اس نے ۱۸۰۰ء میں اسکو سرنگاپٹم میں دیکھا تھا ۔ اس وقت اسکو تین ہزار طلائی پگوڈا پنشن ملتے تھے ۔

بدر الزماں خاں نائطہ

کرنل ولکس لکھتا ہے :۔

" اہل نوائطہ ارکاٹ فتح کرنے کے بعد سرنگاپٹم آئے۔ اور حیدر علی کی ملازمت قبول کر لی۔ سب سے پہلے حیدر علی کے افسر دیوان ہوئے

ہی بد دلی پھیلائی فضل اللہ خاں ہیبت جنگ کی معزولی انہیں کی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ اہلِ نوائط میں آداب نشست و برخاست و آداب گفتگو وغیرہ کا بے حد خیال رکھا جاتا ہے۔ انہوں نے حیدر علی کے زمانہ ہی میں درباری آداب وغیرہ میں انقلابات پیدا کر دیئے۔ اس سے پہلے حیدر علی کو ان باتوں کی پرواہ نہیں تھی اہلِ نوائط کو اپنے ذاتی حسب و نسب پر بہت بڑا فخر ہے ؎

بدر الزماں بن مراد خاں (؟) اہلِ نوائط سے تھا حیدر نگر کا گورنر مقرر ہوا بعد میں سلطان کا وزیر بن گیا۔ بدرالزماں اور دوسرے اہلِ نوائط سلطان سے اسلئے ناراض ہو گئے کہ سلطان نے بدرالزماں کی بیٹی کا نکاح اپنے نسبتی برادر برہان الدین سے کرنا چاہا۔ اسکو اہلِ نوائط نے اپنی توہین سمجھی۔ کہا جاتا ہے کہ نکاح کے بعد ہی اس شبلڑکی نے کنوئیں میں گر کر خود کشی کر لی تھی۔ یہ وہ واقعہ تھا جس نے تمام اہلِ نوائط کو سلطان کا دشمن بنا دیا۔ وہ جوشِ انتقام میں تڑپتے رہتے تھے۔ اپنی عام الجنسی کے آگے ایک اسلامی سلطنت کی ہستی بھی کچھ چیز نہ سمجھی گئی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ میر صادق نے سلطان سے اسکی شکایت کرتے ہوئے اسکو چند روز تک نظر بند کرا دیا تھا لیکن سلطان نے پھر معافی دیکر اسکو وزیر بنا لیا۔

کرمانی لکھتا ہے کہ اسی جذبۂ انتقام کی وجہ سے میسور کی تیسری جنگ میں جب انگریزوں نے سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا تو مہدی علی نائطہ نے عیدگاہ کا مورچہ غداری کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ اور میسور کی چوتھی جنگ میں جب سلطان چتلدرگ جانا چاہا تو بدرالزماں نے اسکو جانے سے روک دیا۔ اسلئے میسور کے مسلمان اس سلطنت کی تباہی کے ذمہ دار تمامتر اہلِ نوائط کو گردانتے ہیں۔

زوال سلطنت کے بعد بدیع الزماں خاں ایک عرصہ تک مفرور رہا۔ ولکس نے اپنی تاریخ مرتب کرنے میں اس سے بہت مدد لی ہے لیکن ساتھ ہی ایک جگہ لکھا ہے کہ اس کی باتوں میں سچائی کم نہیں ہوتی تھی۔

میر معین الدین — تمام انگریزی تاریخوں میں اس کا نام صرف سید صاحب لکھا گیا ہے اور اسی نام سے مشہور بھی تھا۔ نواب حیدر علی کی ملازمت میں آنے سے پیشتر کرناٹک کی انگریزی فوج میں ایک معمولی عہدہ پر مامور تھا۔ میسور کی پہلی جنگ کے بعد سلطنت خداداد میں ملازم ہوا۔

مؤرخ رئیس لکھتا ہے :-

"نواب حیدر علی کے وقت اس (میر معین الدین) نے غداری کر کے مرہٹوں سے مل گیا تھا۔ اور اس کے عوض گرم کنڈہ کی جاگیر اپنے نام لکھوالی تھی۔ مرہٹوں کے جانے کے بعد حیدر علی نے اس کو معاف کر دیا۔"

نوٹ : - گرم کنڈہ - گرم کنڈہ نواب حیدر علی کی جاگیر تھی۔ نواب صلابت جنگ جب سرا کی صوبہ داری حیدر علی کو دلوا دی تو یہ جاگیر بھی حیدر علی کے نام لکھ دی تھی لیکن ولکس لکھتا ہے کہ گرم کنڈہ کی جاگیر سلطنت مغلیہ کے زمانے سے میر علی رضا کے خاندان میں چلی آتی تھی میر علی رضا نواب حیدر علی کے نسبتی برادر تھے یعنی حیدر علی نے میر علی رضا کی حقیقی بہن سے شادی کی تھی جب میر علی رضا کی محمود بندر میں شہادت ہو گئی تو اس جاگیر کو سلطنت خداداد میں شامل کر لیا گیا۔

گرم کنڈہ ایک نہایت مضبوط قلعہ تھا جنگی نقطۂ نظر اور اسکے جائے وقوع کے لحاظ سے یہ قلعہ میسور و پائین گھاٹ کی کنجی سمجھا جاتا تھا۔ دنیا جو طاقت بھی اس پر قبضہ رکھتی تھی۔ اس کے لئے آسان تھا کہ میسور و کرناٹک پر اپنا اثر ڈالے میر معین الدین اس قلعہ کی جنگی اہمیت سے واقف

اور اپنی ایک علیحدہ حکومت قائم کرنا چاہتا تھا ۔ اسی لئے اس نے مرہٹوں سے سازش کی تھی میسور کی چوتھی جنگ میں بھی یہی ہوا ۔ یعنی اس جاگیر کی ہوس میں اس نے سلطان سے غداری کی۔

یہ لکھا جا چکا ہے کہ نواب حیدر علی نے اسکو معاف کرتے ہوئے پھر اسکا سابقہ عہدہ پر بحال کر دیا تھا میسور کی تیسری جنگ میں یہ نہایت وفادار رہا ۔ اسکی یہی وفاداری کی وجہ تھی کہ سلطان نے اسکو سپہ سالاری کے عہدہ پر ترقی دی ۱۷۹۵ء میں سلطان نے اسکی دختر خدیجہ زمانی بیگم سے نکاح کیا ۔ اس بیگم سے ۱۷۹۶ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا لیکن چند ہی دن بعد زچہ اور بچہ کا انتقال ہو گیا ۔

میسور کی تیسری جنگ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ سلطان کے وفادار کون اور غدار کون ہیں میسور کی چوتھی جنگ میں انگریزوں نے ان تمام وفاداروں پر ڈورے ڈالنے شروع کئے ۔ انگریزوں کو پہلے ہی معلوم تھا کہ میر معین الدین اور میر قمر الدین گرم کنڈہ کی جاگیر کے خواہاں ہیں اسلئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس جاگیر کے وعدے پر اس کو اپنا بنا لیا ۔ اور اس نے پورنیا سے ملکر وہ غداری کی جو اگلے صفحات میں بیان کی جا چکی ہیں یعنی ۴ مئی ۱۷۹۹ء کی دوپہر میں پورنیا کا شریک ہو کر فوج کو فصیل قلعہ پر سے ہٹا دیا جس کی وجہ سے انگریزی فوج بغیر کسی مقابلہ کے قلعہ پر قابض ہو گئی ۔

میر قمر الدین

میر علی رضا (گرم کنڈہ) کی ایک حرم کے بطن سے تھا اور اس لحاظ سے گویا سلطان کا سوتیلا ممیرا بھائی تھا ۔ گرم کنڈہ کی جاگیر پر شروع ہی سے اسکی نظر تھی ۔ بلکہ اس کے حوصلے یہاں تک بڑھے ہوئے تھے کہ وہ خود سلطنت خداداد کا حکمران ہونا چاہتا تھا ۔ جسکے لئے اس نے کوششیں بھی کیں ۔ اسی ہوس میں میر معین الدین کی طرح میسور کی چوتھی جنگ میں یہ بھی انگریزوں سے

مل گیا۔ اور گرم کنڈہ کی جاگیر اپنے نام لکھوا لی۔

نوٹ :- یہاں یہ کہا جائیگا کہ جب میر معین الدین اور میر قمر الدین دونوں گرم کنڈہ کی جاگیر کے خواہاں تھے تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے دونوں سے ایک ہی جاگیر کے متعلق کس طرح معاہدہ کیا ہوگا لیکن مغربی سیاست اور ریت کا جنہوں نے مطالعہ کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان وعدوں کی معنی کیا ہوتے ہیں۔ اگر موجودہ زمانے میں فلسطین کے معاملہ کو ہی لیا جائے۔ تو یہ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ انگلستان کی حکومت نے اس ملک کا ایک ہی وقت میں یہودیوں سے بھی وعدہ کیا تھا۔ اور عربوں سے بھی۔ اسکو اگر مد نظر رکھا جائے تو معین الدین اور قمر الدین سے ایک ہی وقت میں گرم کنڈہ کا وعدہ کرنا کوئی تعجب خیز نہیں رہتا یہ بھی ممکن ہے کہ معین الدین سے کوئی اور وعدہ کیا گیا ہو لیکن اسکی اس وقت موت نے اس راز کو یونہی سربستہ رکھدیا ہے۔ اور قمر الدین نے گرم کنڈہ کی جاگیر حاصل کرلی۔ (محمود)

میر قمر الدین کی غداری کی وجہ کرمانی یوں لکھتا ہے :-

"میر قمر الدین کی غداری کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ وہ سلطان کی دختر کا خواستگار تھا لیکن سلطان نے اس رشتہ کو منظور نہیں کیا۔ ان وجوہات کی بنا پر اس غدار کے دل میں سلطان کے خلاف غبار پیدا ہوگیا۔ اور اس نے سلطان کیخلاف سازشیں شروع کردیں"

قمر الدین کے متعلق لکھا جا چکا ہے کہ فتح ترکنڈہ کے وقت حیدر آباد سے خط وکتابت کررہا تھا جسکی رپورٹ سپہ سالار برہان الدین نے حضور سلطانی میں کی تھی۔ اور سلطان نے چند دن کیلئے اسکو نظر بند کردیا۔ (کرمانی) لیکن کرنل ولکس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۰۲ پر ایک اور واقعہ لکھتا ہے۔ وہ یہ ہے :-

"جس وقت سلطان ادہونی پر حملہ کر رہا تھا۔ تو سراج الدین محمود خاں مفتی ارکاٹ کا انتقال ہوگیا۔ اور ان کا جنازہ تزک واحتشام سے سرنگاپٹم روانہ کیا گیا تمام ملک

جن میں یہ خبر پھیلی تھی کہ خود سلطان کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ خبر ہندوستان بھر میں اس سرعت سے شہرت پذیر ہوئی کہ مسٹر ملکفرسن جو عارضی گورنر جنرل تھا میسور کو ایک سفیر بھیجا کہ سلطان کے جانشین کو مبارکباد دے۔ جب اس وقت سلطان کے انتقال کی خبر مشتہر ہوئی تو اسوقت میر قمر الدین جو کسی اور جگہ تھا۔ فوج کے ایک حصہ کو اپنی جانب ملالیکر خود تخت نشین ہونے کیلئے سرنگا پٹم آیا۔ سلطان نے تحقیقات میں یہ بات نزدیک پائی اس موقعہ پر سلطان نے قمر الدین کو دو سال تک نظر بند کر دیا۔

میر قمر الدین کو یہ بھی حسد تھا کہ سلطان کے پاس برہان الدین کی (جو سلطان کا نسبتی برادر تھا) بہت زیادہ قدر و منزلت تھی۔ سلطان نے برہان الدین کا درجہ بڑھا کر اس کو بھی سپہ سالار اور قمر الدین کا ہم رتبہ بنا دیا تھا۔

برہان الدین سے اس کو اس لئے بھی عداوت تھی کہ اس نے فتح سرکشنہ کے وقت اسکی سازش سے سلطان کو آگاہ کر دیا تھا۔

یہ ہیں وہ وجوہات جن کی بنا پر اس نے میسور کی چوتھی جنگ میں اس غداری سے کام لیا۔ جس کا ذکر اگلے صفحات میں آچکا ہے یعنی میسور کی چوتھی جنگ میں اس نے بجائے سے آنیوالی انگریزی فوج سے جنگ کرنے کے عوض اس فوج کو قلعہ سرنگا پٹم پر آجانے دیا۔ اور سلطان کی شہادت تک بھی باوجود قلعہ سے باہر رہنے کے کچھ کارروائی نہیں کی۔

نوٹ:۔ میر صادق کے بیان میں لکھا جا چکا ہے کہ دریا دولت باغ کی مغربی دیوار پر کرنل ولزلی نے آخری سازش کی جو تصویر اپنے حکم سے کھنچوائی تھی۔ اس میں جہاں میر صادق کو سلطان کے روبرو بتلایا گیا ہے۔ اسی طرح اسی تصویر میں سلطان کی بائیں جانب میر قمر الدین کو سبز لباس میں کھڑے ہوئے بتلایا گیا ہے۔ اسکو توہین سے بچانے کیلئے عام طور پر یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ سلطان کے

پیر کی تصویر ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ نہ کوئی نام بتلایا جاتا ہے۔ اور نہ کوئی ثبوت دیا جاتا ہے۔ میدان جنگ اور سازش میں سلطان کے پیر کو سلطان کے ساتھ بتلانے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔ میر قمرالدین کو توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کردیا گیا ہے۔ یہ تصویر حقیقت میں میر قمرالدین کی ہے۔ میر قمرالدین ایک نہایت قوی اور گراں ڈیل جوان تھا۔ اس کا ثبوت اس تصویر سے ملتا ہے۔ نیز آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی کتاب (سرنگاپٹم) میں بھی اس تصویر کو میر قمرالدین کی تصویر ہی بتلایا گیا ہے۔

میر قاسم علی بن جمیل میر نورالدین

اس کی تمام عمر ملازمت سلطان میں بسر ہوئی۔ اسکا وطن ریاست حیدرآباد کی سرحد پر تھا۔ اور یہ بھی میر صادق و میر غلام علی کی طرح عجمی الاصل اور مذہباً شیعہ تھا۔

ایک دفعہ میر قاسم علی سلطان سے رخصت لیکر اپنے وطن جاتا ہے۔ اسکے جانے کے بعد میر صادق اور پورنیا نے سلطان سے شکایت کی کہ وہ بہت سا سرکاری مال اپنے ساتھ لے جارہا ہے جس پر احکام جاری ہوئے کہ اس کو پکڑ کر واپس لایا جائے۔ اسکو واپس لایا گیا تلاشی پر اسکے پاس کوئی مال نہ نکلا۔ لہذا اس کو چھوڑ دیا گیا کہ وطن جاکر آئے۔ مگر اس کے دل میں سلطان کے خلاف عناد بیٹھ گیا۔ اور وہ انتقام کیلئے موقع کا منتظر تھا۔ واپس آنے کے بعد اس کو سرنگاپٹم کی قلعہ داری پر مامور کیا گیا۔

چند سال بعد یعنے اپریل ۱۷۹۵ء میں قاسم علی نے سلطان سے اجازت چاہی کہ وطن جاکر اپنے آخری ایام وہیں بسر کرے۔ اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے سلطان نے ایک دن دربار عام میں میر قاسم علی کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

"تم نے اپنے بادشاہ سے نمک حلالی کی ہے تمہارا سلطان تمہاری وفاداری سے

خوش ہے۔ اور اجازت دیتا ہے کہ تم اپنے وطن جاکر آرام کی زندگی بسر کرو جو لوگ کہ نمک حلالی اور وفاداری سے ملازمت کرتے ہیں انکی قدردانی لازمی ہے اس لئے سلطان کے دل میں تمہاری قدر و منزلت ہے۔ کہ آئندہ یہ نہ کہا جائے کہ سلطان کے نزدیک تمہاری قدر نہیں تھی ۔ (میڈوز ٹیلر)

اس خطاب کے بعد سلطان نے اپنے دست خاص سے میر قاسم علی کو دو زریں شال، ایک ڈوپٹہ، ایک مرصع زیور، ایک گھوڑا (خاص سلطانی اصطبل کا) ایک مرصع تلوار اور ایک ڈھال عنایت کرتے ہوئے فرمایا :۔

"تمہارا سلطان وفاداروں کی قدردانی کرتا اور انعام بھی دیتا ہے۔"

میر قاسم علی آداب بجا لاکر رخصت ہوا ۔

نوٹ : عجب نہیں کہ میر قاسم علی کا اسوقت وطن جانے کی درخواست کرنا پورنیا صادق و دوسرے غداروں کے ایماء سے ہو۔ (محمود)

یہ وہ وقت تھا کہ انگریزی سازشوں کا جال ہر طرف پھیل رہا تھا میر قاسم کو موقع ملا کہ سابقہ توہین کا بدلہ لے سلطان کے ان الطاف شاہانہ و قدردانی کا بدلہ جس طرح اس نمک حلال میر زادے نے دیا۔ وہ میڈوز کی اس تحریر سے ظاہر ہے :۔

"میر قاسم علی بجائے حیدرآباد جانے کے انگریزوں سے جاکر ملتا ہے اور انکی فوج کو ہوسہلی کے محفوظ راستے سے لاکر قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ کے عین مقابل اس گنجان باغ میں ٹھہراتا ہے جہاں سے انگریزی فوج نے کو حملہ آور ہونی قلعہ کا یہ پہلو سب سے کمزور تھا۔ انگریزی سپہ سالار کو جس شخص نے قلعہ کے اس کمزور پہلو سے مطلع کیا۔ وہ یہی میر قاسم علی تھا۔"

بوجہل و بولہب کے اس ذریات کی کارروائی اسی پر منتہی نہیں ہوتی۔

میڈوز ٹیلر لکھتا ہے:۔

"دوپہر کا وقت تھا۔ جب حملہ کی تیاریاں مکمل ہو چکیں تو جنرل بیرڈ فوج کو خندقوں سے لیکر نکلا اور دریا پار ہو کر فصیل قلعہ پر چڑھا۔ انگریزی فوج میں جو شخص سب سے آگے تھا وہ جنرل بیرڈ تھا۔ اور اسکی رہنمائی کیلئے ایک شخص اس سے بھی آگے آگے تھا اور وہ شخص میر قاسم علی تھا جو فصیل قلعہ پر بیرڈ سے بھی آگے چڑھا تھا"

غرض اس تمام سازش کا ثبوت اس طرح بھی ملتا ہے کہ لارڈ ولزلی کو ان نمکحراموں کی کارروائی پر اعتماد کلی تھا۔ کہ وہ سلطان کو ضرور دھوکہ دینگے۔ اس لئے اس نے جنرل ہارس کو قطعی حکم دیا تھا کہ :۔

"جبتک سرنگاپٹم پر قبضہ نہ ہوجائے صلح کی گفتگو نہ کرے"

اپنے اس خط میں لارڈ ولزلی لکھتا ہے :۔

"اس شہر کے ہمارے قبضہ میں آجانے سے ہندوستان کی قسمت کی دروازہ ہمارے لئے کھل جائے گا"

جنرل ہارس نے سلطان کو جو شرائط بھیجے وہ کامل اطاعت کے تھے۔

اگر مندرجہ بالا سطور پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جنگ سے پیشتر ہی لارڈ ولزلی کو اس سازش کی کامیابی کا کس درجہ یقین تھا۔

پورنیا | نواب حیدر علی کے زمانہ میں سلک ملازمت میں داخل ہوا۔ کمسریٹ (ٹرانسپورٹ) کا افسر اعلیٰ بنایا گیا۔ اسکے بعد وزیر مالیات اور دیوان مقرر ہوا۔ بہ حیثیت دیوان اور وزیر مالیات سلطنت کے کل محکموں پر اسکو دسترس حاصل تھی

اس لئے اکثر غدّار اس کے اشارۂ ابرو پر رقصاں تھے۔ سلطان کے محکمہ جاسوسی کو بیکار کرنے اور اخیر حملے کے وقت تنخواہ تقسیم کرنے کی غرض سے فوج کو علم جیری سے عین وقت پر ہٹا کر جو غداری اس نے کی اس کا حال آگے آچکا ہے ۔

پورنیا کے حال میں ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے :۔

"پورنیا ۱۷۴۶ء میں ضلع ترچناپلی میں موضع تروکمبور میں پیدا ہوا تھا۔ اسکے باپ کا نام کرشنا چاری ہے اور ماں کا نام لکشمی اما۔ پورنیا جب گیارہ سال کا ہوا تو اسوقت اس کا باپ فوت ہوگیا خاندان بالکل غریب تھا۔ اسلئے گذر اوقات کے لئے اسکی ماں دوسرے لوگوں کے گھروں میں کام کرتی تھی۔ پورنیا کا ایک بڑا بھائی بھی تھا جسکا نام ونکٹا راؤ تھا۔ ۱۷۶۰ء میں یہ خاندان تروکمبور چھوڑ کر ستی منگل میں آکر مقیم ہوا۔ یہاں پورنیا نے ایک بنئے (ونگیا) کی ملازمت کرلی۔ اس بنئے کے تعلقات سرنگاپٹم کے ایک اور بنئے سے تھے۔ جو محلاتِ شاہی سے تجارتی تعلقات رکھتا تھا۔ ان تعلقات کی وجہ سے پورنیا اکثر سرنگاپٹم آیا جایا کرتا تھا۔ اور بعد میں اسی بنئے ہنداسٹی کے پاس ملازم ہوگیا۔ اب اسکی آمدورفت محلاتِ شاہی میں ہونے لگی یہاں داروغہ محلاتِ شاہی کرشنا راؤ سے اسکی شناسائی ہوگئی جسنے نواب حیدر علی سے سفارش کرکے اسکو سرکاری ملازمت دلوادی۔ یہاں سے اسکی ترقی کا زمانہ شروع ہوا۔ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی نوازشوں سے اسنے اس قدر ترقی کی کہ اسکو نوبت، نقارہ، پالکی و عماری کے علاوہ طلائی چتر پکڑنے کی بھی اجازت تھی"

بجا طور پر یہ گمان ہوتا ہے کہ جب اسکے حال پر سلطان کی اسقدر نوازش تھی تو

اسلئے غداری کس وجہ سے کی ماڈرن میسور کا مصنف صفحہ ۱۴۳ پر لکھتا ہے :-

"میسور کی رانی لکشمماں نے اس سے درخواست کی کہ میسور میں دوبارہ ہندو راج قائم کرنے میں وہ (پورنیا) اسکی مدد کرے تو وہ اس تجویز کا مخالف نہیں تھا۔ لیکن اس نے کھنڈے راؤ جیسی کھلی بغاوت بھی نہیں کی۔ اسکی اس پالیسی کیوجہ سے انگریزوں نے اسکو میسور کا دیوان منتخب کیا۔ اور رانی نے بھی قبول کر لیا"

اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ پورنیا کی غداری کس قدر گہری تھی۔ اخیر وقت تک بھی سلطان کو اسکے خیالات کا پتہ نہ چل سکا۔ میسور میں عام طور پر مشہور ہے۔ کہ نواب حیدر علی نے اپنے اخیر وقت میں سلطان کے نام ایک خط لکھا تھا جس میں سلطان کو تاکید کی تھی کہ پورنیا اور میر صادق کو قتل کر دیا جائے لیکن افسوس ہے کہ سلطان نے اس پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ ان پر اور نوازشیں کرنی شروع کر دیں جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ ان نمک حرام غداروں کی وجہ سے اس کی سلطنت تباہ ہو گئی۔

ماڈرن میسور کی اس تحریر سے جسکا حوالہ اوپر دیا گیا ہے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ پورنیا کے دل میں ہندو راج قائم کرنے کا شروع ہی سے ارادہ تھا۔ یہ لکھا جا چکا ہے کہ ملازمت کے لئے اسکی سفارش کرشن راؤ نے کی تھی۔ اور جب کرشن راؤ کے آخری جملہ پر (میں) نے جو آگ لگائی ہے وہ سلطان کے بجھائے بجھ نہ سکی" پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کرشن راؤ کو پورنیا پر کامل اعتماد تھا کہ اسکے بعد پورنیا ضرور سازش کو کامیاب کر کے رہے گا۔ یہ تمام سازشیں سری رنگا کے مندر میں ہوتی تھیں۔ ایک مصنف نے بالکل سچ لکھا ہے" اگر اس بت کی زبان ہوتی تو وہ کہہ سکتا کہ کس قدر راز اسکے سینے میں محفوظ ہیں"۔ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر پورنیا جیسا غدار نہ ہوتا تو یہ ناممکن تھا کہ میسور کی رانی کو اس

عہدنامہ (جو فرانس اور سلطان کے درمیان ہوا تھا) کی نقل ملجاتی - اور جس کو رانی نے مدراس کے گورنر کو ترمل راؤ کے ذریعہ بھیجا تھا -

پورنیا کی غداری آخر وقت تک بے نقاب نہیں ہوتی جب سب کچھ ہو چکتا ہے اور یہ یقین ہو جاتا ہے تو یہ اب اپنے آپ کو بالکل محفوظ سمجھ کر علانیہ نمک حرامی کرتا ہے - یعنے خندقان اور جنوبی فصیل کی متعینہ فوج کو تنخواہ کے بہانے سے مسجد اعلیٰ کے پاس بلا کر انگریزی فوج کو قلعہ پر چڑھ آنے کی سہولت دی جاتی ہے - اور اس طرح اپنے شامیا اور کرشن راؤ نے جو تجویز کی تھی - اس کو اب پورنیا عملی جامہ پہناتا ہے -

بہر طور پورنیا کی گہری پالیسی کامیاب ہوئی سلطنت خداداد کا خاتمہ ہو گیا اور اسکے صلہ میں میسور کی نئی حکومت کیلئے پورنیا کو دیوان مقرر کیا گیا - مورخ باسو اپنی تاریخ کے صفحہ ۳۳۳ پر لکھتا ہے :-

"یہ اسی سازش کا صلہ تھا جو پورنیا کو میسور کا دیوان بنایا گیا "

رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۴۱۸ پر لکھتا ہے :-

"جب سلطنت خداداد کا خاتمہ ہو گیا تو پورنیا کو نئی ریاست کا دیوان مقرر کیا گیا اگرچہ ترمل راؤ کو رانی کی سفارش حاصل تھی مگر مسٹر وب نے رانی کو ایک خط لکھکر سمجھا دیا یہ خط مرہٹی زبان میں تھا - اور اس پر مسٹر وب کے دستخط تھے "

پورنیا کے متعلق مورخ باسو لکھتا ہے :-

"پورنیا نواب حیدر علی اور سلطان ٹیپو دونوں کی ملازمت میں رہ چکا تھا لیکن وہ بغیر کسی حسرت و افسوس کے اب اپنے نئے ہندو آقا کی ملازمت میں اسطرح منسلک ہو گیا جیسا کہ ملک میں کوئی انقلاب ہی رونما نہیں ہوا "

نمک حرامی اور غداری چاہے مسلمانوں میں ہو یا ہندوؤں میں بدترین گناہ ہے
اسی لئے مسلمانوں میں جس طرح میر صادق کا نام بطور منافق و نمک حرام مشہور ہے۔ یہی
طرح ہندوؤں میں پورنیا کا نام مشہور ہے۔ یہاں تک کہ ایک کنڑی زبان کے شاعر نے
اس کی اور میر صادق کی غداری کے حالات نظم میں لکھے ہیں۔ اور یہ نظم ہر جگہ گراموفون
پر گائی جاتی ہے ۔

جہاں تک معلومات نے اجازت دی غداروں کے ذاتی حالات اور انکی دشمنی کے
وجوہات لکھدی گئی ہیں۔ اگر مسلمان امراء و وزراء کی غداری پر غور کیا جائے تو وجوہات
دی گئی ہیں۔ وہ بالکل سطحی و معمولی ہیں۔ آج بھی ہر جگہ یہی ہوتا اور ہو رہا ہے لیکن اس
سے سلطنتوں میں انقلاب نہیں آتا۔ تاوقتیکہ ایک دوسری طاقت انکی پشت و پناہ بنکر
انہیں غداری پر آمادہ نہ کرے۔ حیدر آباد، ایسٹ انڈیا کمپنی اور مرہٹوں کا طرز عمل
اس سلطنت کے ساتھ کیا رہا ہے۔ اسکی تشریح پہلے ہی کی جا چکی ہے۔ اب رہا سلطان کے
ہندو امراء و وزراء، انکے مدنظر ایک خاص مقصد تھا۔ جسکے حصول کیلئے انہوں
نے غداری کی ۔

اِصلاحاتِ سُلطانی

زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب کے عنوان کے تحت کہیں لکھا جا چکا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے پرو پاگنڈہ سے متاثر ہو کر بہت سے پالیگار (جاگیردار) اور زمیندار، سلطان کے وزراء و امراء، سادات اور اہلِ نوائط بھی انگریزوں سے مل چکے تھے۔ اسکی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ سلطان نے ملک میں چند ایسی اصلاحات جاری کیں جو ان لوگوں کو ناگوار گذریں یہ اصلاحات دو قسم کی تھیں۔ ایک ملکی اور دوسری مذہبی۔

(۱) ملکی اِصلاحات

تمام ملک میسور بلکہ جنوبی ہند میں زمانۂ قدیم سے فیوڈل طرز کی حکومت چلی آتی تھی یعنی ہر جگہ چھوٹے چھوٹے جاگیردار جنہیں پالیگار کہا جاتا تھا۔ اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار چلے آتے تھے۔ اسکے عوض وہ سلطنت کو ایک مقررہ رقم دینے کے علاوہ ضرورت کے وقت سپاہ سے کمک دیتے تھے۔ یہ پالیگار اندرونی طور پر بالکل خود مختار رہتے۔ کسانوں سے بطور خود لگان وصول کرتے اور اپنے علاقہ کی درآمد برآمد پر محصول لگاتے تھے۔ اور اسکے علاوہ قسم قسم کی ٹیکس وصول کیجاتی تھیں۔ اس قسم کی زمینداریاں ملک میں اس کثرت سے تھیں کہ بعض بعض مقامات پر بقول کرنل ولکس بیس میل کے اندر اندر دو تین پالیگار رہتے تھے۔ اور ایک مسافر کو جو ملک میں سفر کرنا چاہتا تھا۔ دورانِ سفر میں ہر پانچ دس میل پر محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ اسکے علاوہ یہ پالیگار ہمیشہ ایک دوسرے سے

لڑتے رہتے تھے۔ وجیانگر کی عظیم الشان ہندو سلطنت جو قریباً تین سو سال تک حکومت کرتی رہی اس نے بھی اسی طرز حکومت کو قائم رکھا تھا۔ اسکے بعد بیجا پور والوں نے بھی اس کو بحال رکھا۔ بیجاپور کے بعد مغلیہ سلطنت بھی اسی اصول پر کاربند رہی۔ لیکن طاقتور پالیگاروں کا زور توڑنے کیلئے عالمگیر نے یہ کام کیا کہ انکی قدیم جاگیرات سے کر انہیں دوسرے غیر آباد علاقے دیئے گئے۔ عالمگیر کی اس پالیسی کا مقصد یہ تھا کہ غیر آباد علاقے بھی آباد ہو جائیں۔ لیکن مغلیہ سلطنت کا اقتدار بالکل کم عرصہ تک رہا۔ عالمگیر کی وفات کے بعد جو افراتفری اور طوائف الملوکی پھیلی، اس کی وجہ سے پالیگاروں میں اور اضافہ ہو گیا۔

ملک کی یہ حالت نواب حیدر علی کے زمانے تک بھی چلی آتی تھی۔ گو حیدر علی نے چند بڑے بڑے پالیگاروں کا خاتمہ کر دیا لیکن چھوٹے پالیگاروں یا زمینداروں کا جال ملک میں بدستور پھیلا ہوا تھا۔ سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی جاگیرداری کا ایک لخت خاتمہ کر دیا۔ زمین سرکار کی ملکیت قرار پائی۔ کسان براہِ راست سرکار کو لگان دینے لگے اور یہ قانون نافذ ہو گیا کہ جب تک کسان زمین کو آباد رکھے۔ اسکو زمین سے بے دخل نہ کیا جائے۔ اور زمین کو دوامًا اسی کی ملکیت سمجھی جائے۔

اس اصطلاح کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسان جو زمانہ ہائے دراز سے ہر قسم کی مصیبتوں اور تکالیف میں مبتلا تھے۔ آزاد اور فارغ البال ہو گئے۔ زمین کی تقسیم از سر نو ہونے سے مزدور بھی کاشتکار اور خوشحال بن گئے۔ سلطان کا یہ بھی فرمان تھا۔ کہ جو شخص بھی زمین آباد کرنے کیلئے درخواست دے۔ اس کو زمین مفت دی جائے۔ اور اس وقت تک اس سے لگان نہ لی جائے۔ جبتک زمین میں پیداوار نہ ہو۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"یہ ایک تسلیم شدہ امر تھا کہ جبتک کاشتکار اور اس کے ورثا زمین کو آباد رکھیں اور مقررشدہ لگان ادا کریں۔ زمین انکی ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ اور جب زمین کو آباد کرنا ترک کر دیں اور مقررہ لگان ادا نہ کریں تو اس وقت حکومت زمین کو دوسرے کاشتکار کے حوالے کر دیتی تھی۔ زمین گو سرکار کی ملکیت تھی لیکن جبتک کاشتکار لگان ادا کرتا تھا زمین اسی کی سمجھی جاتی تھی" (صفحہ ۱۰۲)

"لگان کے تعین کرنے میں زمین کی وسعت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا بلکہ یہ دیکھا جاتا تھا کہ پیداوار کس قدر ہوئی ہے۔ لگان ہر جگہ زرنقد کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا۔ یہ رقم اسوقت اناج کی قیمت کے لحاظ سے مقرر کیجاتی تھی۔ اور جب کبھی کاشتکار اور عاملان حکومت میں رقم کے تعین کرنے میں اختلاف ہوتا تھا تو عاملان حکومت کو حکم تھا کہ اناج لیلیا جائے" (صفحہ ۲۹۸)

"وہ زمینات جن کیلئے انہار یا تالابوں سے آبپاشی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کاشتکاروں کو اس شرط پر دی جاتی تھیں کہ ان میں اگر پیداوار ہو تو لگان ادا کیا جائے اور یہ لگان پیداوار کا آٹھ فی صدی حصہ ہوتا تھا" (صفحہ ۲۹۸)

"وہ زمینیات جو عرصہ دراز سے غیر آباد پڑے تھے۔ اور جنہیں کوئی آباد کرنے راضی نہ ہوتا تھا۔ کاشتکاروں کو کرایہ پر دی جاتی تھیں۔ اس طریقہ کو شرباء کہا جاتا تھا۔ کرایہ پہلے سال بالکل معاف تھا۔ دوسرے سال سے پانچویں سال تک پیداوار کا چوتھائی حصہ اور پانچویں سال کے بعد پورا کرایہ لیا جاتا تھا (صفحہ ۳۰۰)

"ترقی زراعت کے کاشتکاروں کو خشک زمینیات بغیر لگان دی جاتی تھیں" (صفحہ ۲۹۹)

سلطان کے ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کا چپہ چپہ آباد اور ہر جگہ زراعت ہونے لگی۔ اور جاگیرداری و زمینداریوں کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی لئے آج بھی کل میسور علاقے میں کہیں زمینداری یا جاگیرداری نہیں ہے۔

کیپٹن لٹل جو میسور کی تیسری جنگ میں ایک نمایاں حصہ لیا تھا اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:۔

"ٹیپو کے متعلق بہت سی افواہیں سنی جاتی تھیں کہ وہ ایک جابر و ظالم حکمران ہے جسکی وجہ سے اسکی تمام رعایا اس سے بیزار ہے لیکن جب ہم اسکے ملک میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ صنعت و حرفت کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے نئے نئے شہر آباد ہوئے اور ہوتے جا رہے ہیں۔ رعایا اپنے اپنے کاموں میں مصروف و منہمک ہے۔ زمین کا کوئی حصہ بھی بنجر نظر نہیں آیا۔ قابل کاشت زمین جسقدر بھی مل سکتی ہے۔ ان پر کھیتیاں لہرا رہی ہیں۔ ایک انچ زمین بھی بیکار نہیں۔ رعایا اور فوج کے دلمیں بادشاہ کا احترام اور محبت اہم درجہ موجود ہے۔ فوج کی تنظیم اور اسکے ہتھیاروں کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ یورپ کی کسی مہذب ملک کی فوج سے کسی حالت میں بھی پیچھے نہیں ہے۔"

نوٹ:۔ کیپٹن لٹل بمبئی کی اس انگریزی فوج کے ساتھ آیا تھا جس کو حکم تھا کہ بمبئی سے نکلکر دھاڑواڑ کے راستے سے ہوتے ہوئے سرنگاپٹم تک پہنچے۔ اس کی یادداشتیں ایک کتاب کی صورت میں ۱۷۹۴ء میں لندن میں طبع ہوئی تھیں۔ اور اس کا مرتب اے۔ مور ہے۔

مورخ منٹگمری اپنی تاریخ ہند میں لکھتا ہے:۔

"جسوقت انگریزی فوجیں ٹیپو کے ملک میں داخل ہوئیں تو دیکھا گیا کہ تمام رعیت ہندو اور مسلمان نہایت خوشحال ہے تمام ملک سرسبز ہے زراعت خوب ہوتی ہے

کل رعیت سلطان کے نام پر فدا ہے جس وقت انگریزی فوج سرنگا پٹم میں داخل ہوئی۔ تو ان لوگوں نے اپنی دولت انگریزوں کے سامنے لا کر رکھدی۔ کہ ذرہ سلطنت کو ٹیپو کے خاندان میں چھوڑ کر چلے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہی ہر دلعزیز تھا۔"

مسٹر ڈبلیو ٹارنس ممبر پارلیمنٹ اپنی کتاب "ایمپائران ایشیا" میں لکھتا ہے:-

"ٹیپو کے زیر حکمرانی میسور تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز اور اسکے باشندے سب سے زیادہ خوشحال تھے۔ اسکے خلاف انگریزی اور انکے باجگذار مقبوضات کرناٹک اور اودھ وغیرہ بلکہ بنگال بھی صفحہ دنیا پر ایک بدنما دھبہ تھا۔ اندرونیا قانونی شکنجے میں کسے ہوئی بالکل پریشان حال تھی۔"

ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ سرمایادار یعنی وہ لوگ جو پالیگار اور جاگیردار تھے۔ سلطان کے خلاف ہو گئے۔ اور ان میں بہت سے ملک چھوڑ کر کرناٹک میں جا کر آباد ہوئے اور موقع کے منتظر تھے میسور کی تیسری جنگ کے آغاز میں کرنل ریڈ نے انہیں پالیگاروں سے فائدہ اٹھایا۔ اور انہیں سبز باغ دکھا کر ملک میں جاسوسی کرنے اور انگریزی فوج کو رسد اور چارہ فراہم کرنے پر متعین کیا میسور کی تیسری جنگ کے بیان میں بہت سے ان پالیگاروں کے نام دیئے گئے ہیں۔ جو انگریزوں سے مل گئے تھے۔

نواب حیدر علی سے پیشتر ملک میں یہ رواج جاری تھا۔ کہ ضلعوں کے بڑے افسروں کو تمام محکموں پر اختیارات حاصل تھے۔ اور ان تمام افسروں کو تنخواہ کے عوض جاگیرات دی جاتی تھیں۔ سلطان نے اس رواج کو موقوف کرتے ہوئے فوجی اور سیول محکمے علیحدہ کر دیئے۔ اور ہر افسر کی تنخواہ مقرر کر دی گئی جسکی وجہ سے وہ تمام افسر

جو اس رواج کی وجہ سے جاگیردار بنے ہوئے تھے۔ دل ہی دل میں سلطان کے خلاف ہو گئے میر معین الدین، قمر الدین، میر آصف، شیر خاں وغیرہ کی غداری کا یہ بھی ایک بڑا سبب ہے اسکے ثبوت میں کرنل بیاری کلوز کے خط کا اقتباس یہاں دیا جاتا ہے۔ سرنگاپٹم کے زوال کے بعد لارڈ ولزلی نے سلطنت کی تقسیم سے پہلے سلطان کے افسروں کے رجحان کو دریافت کرنا چاہا۔ اس خط کے جواب میں کرنل بیاری کلوز نے لکھا تھا۔

"ٹیپو کا طرزِ حکمرانی اس طرح کا تھا کہ اس نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے تھے۔ جس کی وجہ سے کسی کو موروثی یا مستقل عہدے نہیں تھے کہ وہ حکومت مسلطہ کے خلاف کچھ کر سکیں۔ سوائے سلطان کے افسروں دیگر عہدہ داروں سے خوف کرنے کیلئے وجوہات نہیں ہیں" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۵۷)

(۲) مذہبی اصلاحات

مسلمانوں کی اُس وقت کی حالت

عالمگیر اورنگ زیب نے ۱۶۸۶ء میں بیجاپور فتح کیا تھا۔ اسکے بعد ہی مغلیہ فوجیں جنوب کی طرف بڑھیں۔ اور انکے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی کثیر آبادی دکن کی اسلامی سلطنتوں سے نکل نکل کر جنوب میں آ باد ہونے لگی۔ اسوقت جب نواب حیدر علی کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں کو یہاں آئے ہوئے نصف صدی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ یہ مسلمان اپنے ساتھ دکن کے تمام رسم و رواج اور روایات کو لیکر آئے تھے۔ دکن کی چارسو سالہ رہائش اور مرہٹے ہندوؤں کے ساتھ میل جول تھے۔ مسلمانوں کی معاشرت پر نہایت گہرا اثر ڈالا تھا جسکی وجہ سے بہت سے مرہٹی و ہندی رسوم انکی شادی بیاہ وغیرہ میں رائج ہو چکے تھے۔

فرشتہ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ :-

"جب عادل شاہ کے لڑکوں کی ختنہ ہوئی تو دکنی رسم و رواج کے مطابق لڑکوں کو سرخ لباس پہنائے گئے۔ انکے گلے میں پھولونکے ہار اور سر پر سہرا تھا۔ باجے کے ساتھ شب گشت نکالا گیا تھا۔ تمام راستے میں آتش بازی ہو رہی تھی۔ اور طوائف ناچ رہے تھے۔"

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دکن میں مسلمانوں کی معاشرت کس قدر بدل چکی تھی۔ لوگ عیش و آرام کے خوگر اور ہر قسم کی عیش و عشرت کے دلدادہ بن چکے تھے۔ اور اس پر طرہ یہ ہوا کہ دکن کے اسلامی سلاطین اپنی سلطنتوں کو عالمگیر اورنگ زیب کے حملوں سے بچانے کیلئے مرہٹوں سے بہت زیادہ مل چکے تھے۔ اور اپنے آپکو ملکی کہتے ہوئے مغلوں کو غیر ملکی کے نام سے منسوب کرنے لگے۔ گویہ ایک سیاسی چال تھی اور اس سے ان کا مطلب ہندوؤں اور مرہٹوں کی تائید حاصل کرنا تھا لیکن اس کا اثر یہ پڑا کہ معاشرت کے لحاظ سے جو فرق ہندوؤں اور مسلمانوں میں باقی تھا۔ وہ بھی مٹنا شروع ہو گیا۔

دکن کی اسلامی سلطنتیں جیسے احمد آباد، گولکنڈہ اور بیجاپور بلحاظ عقیدہ شیعہ سلطنتیں تھیں۔ اُنھوں نے محرم کو بہت زیادہ رواج دیا۔ علموں اور تعزیوں کے لئے عاشور خانے بنائے۔ اور انہیں جاگیرات دی گئیں۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آج بھی اننت پور، بلاری، کڈپہ، میسور، گدک اور ہوبلی وغیرہ ضلعوں میں ہر جگہ گاؤں اور دیہات میں مسجد تو نہ ہو گی لیکن عاشور خانے ضرور ملیں گے۔ جن کے لئے جاگیریں وقف ہیں۔ حکومتِ وقت کی تقلید میں مرہٹے اور ہندو بھی محرم کی رسومات میں شامل ہونے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہولی اور دسہرہ کی بہت سی رسوم محرم میں

شامل ہو گئے۔

غرض یہ تھی وہ معاشرت اور رسم و رواج جو کچھ مسلمان جنوب میں اپنے ساتھ لائے اگر عالمگیر کے بعد سلطنت مغلیہ کو استقلال نصیب ہوتا تو ممکن تھا کہ بہت کچھ اصلاح ہو جاتی لیکن دہلی میں بادشاہوں کے عزل و نصب اور صوبہ داروں کی غداریوں نے مسلمانوں میں حد درجہ افتراق پیدا کر دیا اور ایک مضبوط مرکز کی نگرانی نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان دھابدن مذہب سے دور ہوتے چلے گئے۔

اسی افتراق کے زمانہ میں نواب حیدر علی کا آغاز ہوا۔ اور اس جانباز سپاہی نے سلطنت خداداد کی بنیاد ڈالی لیکن اس کی ۲۲ سالہ مدتِ حکومت ہمیشہ جنگ و جدال میں گذری بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ سلطنت خداداد کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں۔ اور سلطان تخت نشین ہوا۔ اس نے مسلمانوں کی اس کمزور حالت کا احساس کرتے ہوئے:-

(۱) منشیات کا استعمال ممنوع قرار دیا۔ یہ حکم بلا امتیاز مذہب ہر شخص کیلئے تھا۔

(۲) ہر شہر اور گاؤں میں قاضی مقرر کئے۔ جنکے ذمہ مسلمانوں کی مذہبی نگرانی تھی۔

(۳) مسلمانوں کو مذہب شناس بنانے کیلئے کتاب فتح المجاہدین کے پہلے باب کی ہزارہا نقلیں ملک میں تقسیم کیں۔

نوٹ:- اس کتاب کا پہلا باب مسائل عقاید و نماز و جہاد و ترکہ وغیرہ پر مشتمل تھا۔ اسکے ساتھ ساتھ نماز جمعہ میں پڑھنے کیلئے نئے خطبات تدوین کئے گئے جنمیں زیادہ تر جہاد پر توجہ دلائی گئی۔ ان میں ایک خطبہ اسی کتاب میں کسی اور جگہ دیا گیا ہے۔

(۴) ان لوگوں پر جو صرف پیری مریدی کو اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھے۔ پابندیاں عاید کر دیں۔

(۵) محرم کی ان رسومات کو جو دکن کی اسلامی شیعہ سلطنتوں کے زمانے سے چلی آتی تھیں ممنوع قرار دیا گیا۔ (یعنی شیر، ریچھ، بندر وغیرہ کے سوانگ اور گروہ بنانا)

ان اصلاحات کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ طبقہ جو پیری مریدی اور مروجہ محرم کی رسومات سے روزی پیدا کر رہا تھا سلطان کے خلاف ہو گیا۔ میسور کی تیسری جنگ کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ لارڈ کارنوالس نے مسلمانوں کی اسی ذہنیت سے فائدہ اٹھا کر مذہبی آزادی کا اعلان کرتے ہوئے خاص طور پر محرم منانے کی اجازت دی اور خود بھی تعزیہ داروں اور علموں کی تعظیم کی جس پر جاہل ملاؤں نے یہ مشہور کر دیا کہ اعتقاد کے لحاظ سے مسلمان بادشاہوں سے فرنگی بہت اچھے ہیں پیری مریدی پر پابندیاں اہل سادات کو نہایت گراں گذریں ان حضرات نے دکن کی اسلامی سلطنتوں میں اور بعد میں ارکاٹ اور سرا میں اپنی تعظیم و توقیر دیکھی ہوئی تھی۔ کہ کس طرح انکے سید ہونے کے لحاظ سے انہیں جاگیریں اور وظائف ملتے تھے سلطان نے ان جاگیروں اور وظائف کو بند کرتے ہوئے انہیں تجارت اور ملازمت کرنے کی ترغیب دی اور اس میں اس نے نہایت فراخدلی دکھائی۔ اسکی سول لسٹ اگر دیکھی جائے تو اس میں کثرت سے سادات کے نام ملیں گے اور شبہ ہوتا ہے کہ کہیں سلطان سید پرست تو نہیں تھا؟

مسلمانوں میں حسب و نسب کا غرور اور نخوت کا امتیاز حد درجہ ترقی کر گیا تھا سلطان مساوات کا دلدادہ تھا۔ اس نے اس برائی کی اصلاح کرنی چاہی۔ اسکیلئے اس نے ذاتی قربانیوں سے کام لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے نسبتی برادر برہان الدین کی شادی بدرالزماں نائطہ کی لڑکی سے کی۔ اسی لئے اہل نوائط جنہیں اپنے حسب و نسب پر بہت زیادہ فخر تھا سلطان کے خلاف ہو گئے۔

ان ملکی و مذہبی اصلاحات کو دیکھتے ہوئے پروفیسر جائے سرکی یہ رائے بالکل صحیح ہوگی:-
"ٹیپو اپنے زمانہ سے بہت پہلے پیدا ہوچکا تھا"

میسور گزیٹیر کی جلد دوم کے صفحہ ۲۶۸۴ پر تحریر ہے:-
"ابھی تک ملک میں اس ٹیپو سلطان کے اصلاحات پر نظر نہیں ڈالی گئی جسکی وہ مستحق ہے یقیناً اسکے یہ اصلاحات حد درجہ قابل تعریف و توصیف ہیں۔ یہ ایک بد قسمتی ہے کہ ٹیپو کی زندگی کا صرف تاریک پہلو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ اور اسکے روشن پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کردیا گیا ہے جسکی وجہ سے ٹیپو کی اصلی شخصیت ابھی تک دنیا پر ظاہر نہیں ہوئی"

زوالِ سلطنت کا ایک اور سبب

زوالِ سلطنت خداداد کے اسباب میں اندرونی و بیرونی سازشوں کے ساتھ ساتھ سلطان کے امراء و وزراء کی غداریوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ یہاں فرانس اور سلطان کے تعلقات کو واضح کیا جاتا ہے یہی وہ تعلقات تھے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو مضطر بنا کر لارڈ ولزلی کو فوری کارروائی کرنے پر آمادہ کردیئے تھے جسکا نتیجہ میسور کی چوتھی جنگ اور زوالِ سلطنت میں نکلا۔

آزادیٔ وطن کیلئے سلطان کی جد و جہد

فرانس اور ٹیپو سلطان کے تعلقات

گذشتہ اوراق میں بتلایا جاچکا ہے کہ جب

۱۷۸۴ء میں میسور کی دوسری جنگ ختم ہوئی اور انگریزوں اور ٹیپو سلطان کے درمیان منگلور کے عہدنامے پر دستخط ہو چکے۔ تو مرہٹوں اور نظام نے سلطان کے خلاف معاہدۂ دستگیری کرتے ہوئے سلطنت خداداد پر چڑھائی کی تھی سلطان کو اس وقت یقین ہو گیا کہ اہل وطن میں مرہٹوں کو اپنے وطن کے تحفظ کی فکر ہے اور نہ نظام الملک نظام علی خاں کو ۱۷۶۱ء سے وہ دیکھ رہا تھا کہ کس طرح نظام اور مرہٹے بار بار سلطنت خداداد پر چڑھائی کرتے رہے ہیں اور حیدر علی کے ان ارادوں میں مزاحم ہوتے رہے جو انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ہندوستان سے نکالنے کیلئے کر رہے تھے۔ یہ تو کھلی ہوئی بات تھی کہ ہندوستان میں اس کا کوئی حلیف نہیں تھا سب کے سب ایسٹ انڈیا کمپنی کی جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ اور اس سے بے خبر تھے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عزائم ارادے کیا ہیں۔ تنہا ایک سلطان ہی تھا جس نے اس راز کو جان لیا تھا۔ اور بار بار مرہٹوں اور نظام سے اتحاد کی کوشش کی لیکن ہر دفعہ ناکامیابی ہوئی۔ اگر حالات یہیں تک محدود رہتے تو اور بات تھی لیکن یہ طاقتیں انگریزوں سے ملکر اسلامی سلطنت کو مٹانا چاہتی تھیں۔ اسلئے اب بجز اسکے کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنے لئے حلیفوں کی تلاش کرے۔ اسکی نظریں بیرون ہندوستان ترکی، ایران، افغانستان اور فرانس پر پڑیں۔ ان میں فرانسیسی پہلے ہی سے ہندوستان میں موجود تھے۔

فرانسیسیوں کے متعلق اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ سوائے تجارت کے ہندوستان میں ان کا اور کوئی مقصود نہیں ہے۔ گو انہوں نے جنوبی ہند میں ارکاٹ کے معاملہ میں دخل دیا تھا۔ لیکن تاریخ دان جانتے ہیں کہ انہوں نے مجبوری ایسا کیا تھا فرانسیسیوں اور انگریزوں میں تجارتی رقابت تھی۔ اور اسی لیئے دونوں قوموں میں جنگیں برپا ہوئیں۔ اور ان جنگوں میں والاجاہ محمد علی نے انگلستان کو مدد دینی شروع کی فرانسیسی گورنر مسٹر ڈوپلے نے

محمد علی کو تنبیہ بھی کی کہ ان معاملات میں دخل نہ دے۔ لیکن اس نے نہیں مانی جس کی وجہ سے فرانسیسی مجبور ہو گئے کہ اس کے خلاف کارروائی کریں۔ (اس کا مفصل بیان کتاب کے شروع میں آچکا ہے۔ (محمود)

اس کے بعد فرانسیسی گورنمنٹ نے اپنے گورنر ڈوپلے کو واپس بلا کر ہندوستانی معاملات سے ایک حد تک کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے صرف تجارت پر قانع ہو گئی لیکن اہل فرانس کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف جذبات باقی رہے۔

سلطان فرانسیسیوں کے ان جذبات سے واقف تھا۔ اس نے جہاں ایران، افغانستان اور ترکی کو سفارتیں روانہ کیں فرانس کو بھی ایک سفارت روانہ کی اس سفارت کو سلطان نے اختیارات دیئے تھے کہ شاہ اوی سے مندرجہ ذیل شرائط پر معاہدہ کرے۔

قلم اوّل: — اس معاہدہ کی مدت دس سال ہوگی۔ یہ معاہدہ انگریزوں سے جنگ کرنے کیلئے کیا جاتا ہے۔ قلعہ چینا پٹن (مدراس) تا ملک کرناٹک اور دیگر بندرگاہیں یعنی بمبئی اور بنگالہ پر قبضہ ہونے تک انگریزوں سے صلح نہ کی جائے۔

قلم دوم: — اس معاہدہ کی تحت فرانس کو چاہیئے کہ دس ہزار سواران کلاہ پوش کو ہندوستان روانہ کرے۔ یہ فوج جب پھلچری (پانڈیچری) یا کلیکٹ یا سلطنت خداداد کی جس بندرگاہ پر بھی آئیگی۔ اسوقت سے انکی رہائش، خوراک، تنخواہ وغیرہ کا انتظام سلطنت خداداد کے ذمہ ہوگا۔ اور تمام جنگی سامان بارود اور گولہ سرکار خداداد فراہم کرے گی۔

قلم سوم: — تمام فرانسیسی سردار و سپاہی جنگی معاملات میں سرکار خداداد کے حکم کی اطاعت کریں گے۔ اور اگر کسی سے تقصیر ہو جائے تو انصاف کے مطابق انہیں سزا

دی جائیگی۔ اور اس میں فرانسیسی سرداروں سے مشورہ لیا جائے گا۔
قلم چہارم: ۔تمام ملک کرناٹک اور قلعہ چینا پٹن پر قبضہ کرنے کے بعد قدیم الایام سے جن بندرگاہوں پر تجارت ہوتی ہے۔ اور انکی متعلقہ زمین اور ملک کنارا کی بندرگاہیں سرداران فرانس کے حوالے کی جائیں گے۔ اور قلعہ ترچناپلی تنجاور اور ملک کرناٹک جو قدیم الایام سے اہل اسلام کی ملکیت ہے۔ سرکار خداداد کے مقبوضات متصور ہونگے۔
قلم پنجم: ۔بندرگاہ بمبئی اور کلکتہ کی تسخیر کے بعد تمام بندرگاہیں اور ان کی متعلقہ زمین فرانس والوں کے حوالے کی جائے گی۔ اور دوسرے علاقہ جات جن پر انگریز قابض ہیں سرکار خداداد کی ملکیت متصور ہوں گے۔

(ان ہدایات کو سلطان کی ایک قلمی بیاض سے لیا گیا ہے۔ اور انکی تصدیق اس اعلان سے بھی ہوتی ہے۔ جو فرانسیسی گورنر ملارتی نے ماریشس میں کیا تھا)

فرانس کے بادشاہ لوئی شانزدہم نے اس سفارت کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور اس خوشی میں خاص تمغے دیئے گئے۔ جن کی عبارت حسب ذیل ہے:۔

"ایلچیان ٹیپو سلطان غازی محمد درویش خاں و اکبر علی خاں و محمد عثمان خاں
باھمیں بادشاہ فرانسیس ملاقات کردند نوشتم ماہ ذی قعدہ ۱۲۰۲ھ ایلچیاں
بندر الفرنسا شرفی در ملکہ پیرس تشریف کردند بتاریخ ہفتم ماہ ذی الحجہ ۱۲۰۱ھ ۱۷۸۷ء
(از صفحہ ۲۸۷ سیاحت نامہ کیپٹن سٹل مطبوعہ لندن)

فرانس کے لوئی کے وزراء ٹیپو سلطان کی ان شرائط کو دیکھکر اسکی دریا دلی اور جود وکرم سے بہت خوش ہوئے۔ انہیں ٹیپو کی آزادانہ ذہنیت نے متحیر کردیا۔ اور وہ فرانسیسی سپاہیوں کو بھیجنے پر آمادہ ہوگئے لیکن وزیر اس سے اتفاق نہیں کیا۔ آپ نے

صرف دوستانہ تعلقات رکھنا کافی سمجھا۔ اس لئے کہ اس کو اپنے ملک میں انقلاب کا ڈر لگا ہوا تھا۔

فرانسیسی مورخ بجا طور پر لوئی کو الزام دیتے ہیں کہ اس نے اس زریں موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔"

بہر طور سفارت بے نیل و مرام واپس ہوئی۔ اس ناکامیابی سے سلطان مایوس نہیں ہوا۔ دوسری مرتبہ سلطان نے پھر ایک اور سفارت بھیجی۔ اس دفعہ سمندر کی موجیں اسکی کامیابی کی راہ میں حائل ہو گئیں۔ اور جہاز خراب ہو کر منگلور واپس ہو گیا۔

اس عرصہ میں میسور کی تیسری جنگ چھڑ گئی۔ مرہٹے، نظام اور انگریزوں نے مل کر سلطنتِ خداداد پر چڑھائی کی سلطان کو شکست ہوئی۔ اور معاہدہ سرنگاپٹم کی رو سے اتحادیوں نے سلطان کا نصف ملک لیلیا۔ اس جنگ کے حالات میں بتایا جاچکا ہے کہ کس طرح سلطان نے نظام اور مرہٹوں سے اتحاد کی کوشش کی کس طرح اسنے ان کو وہ ملک جس پر سلطنتِ خداداد کا قبضہ ہو چکا تھا انہیں واپس کرنے پر آمادہ ہو چکا تھا اور کس طرح اس نے اس اتحاد کو دیرپا بنانے کیلئے نظام سے رشتہ داری کی تجویز کی لیکن اسکو مایوس ہونا پڑا۔ جنگ میں شکست کے بعد اسکی زندگی صرف انتقام لینے کیلئے رہ گئی لیکن مرہٹوں اور نظام سے انتقام لینا نہیں چاہتا تھا۔ اسکو تو یہ دھن تھی کہ انگریزوں کو ملک سے نکال دیا جائے۔ اس لئے اس نے پھر نظام اور مرہٹوں سے اتحاد کرنا چاہا۔ اور اسی سلسلہ میں ایک اور سفارت فرانس کو روانہ کی گئی۔ اس سفارت میں حسین علی اور شیخ ابراہیم تھے۔ ۱۰ جولائی ۱۷۹۸ء کو جہاز پورٹ لوئی ماریشس میں لنگر انداز ہوا۔

جب جنرل ملارتی کو معلوم ہوا کہ یہ ٹیپو سلطان کے سفیر ہیں تو انکا اعزاز میں ۱۵ توپوں

کی سلامی دی گئی۔ رعایا نے انکے ساتھ اظہار عقیدت کیا اور ان پر جو عزت سے پھول برسائے گئے۔ سلطان کے خطوط کا پاس رکھتے ہوئے جنرل ملارٹک نے معاہدہ کیا لیکن ماریشس کی گورنمنٹ نے اس معاہدہ کو مسترد کر دیا۔

جنرل ملارٹک اپنے معزز مہمانوں کو مایوس ہوتے دیکھ نہ سکتا تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ "وہ ہندوستان کو فرانسیسی فوج روانہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کریگا۔ اور برطانیہ کو نکال باہر کرنے میں سلطان کا ساتھ دیگا۔ اور ایک جنگی جہاز معہ سلطان کے خطوط کے پیرس روانہ کرکے فوری امداد کا مطالبہ کریگا"۔ سفراء کی روز افزوں مایوسی سے اسے تکلیف ہونے لگی اس نے شہر میں اعلان کرا دیا کہ جو کوئی سلطان ٹیپو کی امداد کیلئے ہندوستان جانا چاہے اسے بخوشی روانہ کیا جاتا ہے۔ اعلان کی عبارت ذیل میں درج ہے:۔

"آزادی۔ اور ...مساوات! جمہوریہ فرانس یہی چاہتی ہے۔

اعلان۔ منجانب جنرل ہولٹ ملارٹک انچیف و گورنر جنرل جمہوریہ فرانس حکومت متحدہ دو نو آبادیات وراسرا میہ۔

شہریو! ہم نے ہمیشہ سے تم میں جوش اور ملک قوم کی خدمات کا جذبہ پایا ہے اس جذبہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم تمہارا ٹیپو سلطان سے تعارف کرانا چاہتے ہیں ہم تمہیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے ایک دوست کی امداد کیلئے اس نے کیا کیا شرائط قبول کیے ہیں۔ اس نے کئی خطوط نو آبادیاتی حکام کو لکھے ہیں۔ اور یہ چاہتا ہے کہ ہم اسکی مدد کریں۔ وہ چاہتا ہے کہ فرانسیسی اسکے ساتھ خلط ملط ہو جائیں اور اسکے منشا کے موافق کام کریں۔ اس نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ ہم جبتک ہندوستان میں ٹھہرینگے۔ وہ ہمارے اخراجات کیا مالی، کیا معاشی اور کیا جانی برداشت کریگا

جتنے بھی اسلحہ ہم پہونچا سکیں اور خصوصاً فرانسیسیوں کیلئے ضروری ہیں۔ ٹیپو نے مہیا کرنے کا مکمل وعدہ کیا ہے لیکن شراب و کباب یقیناً یہ چیزیں وہ ہمارے لئے مہیا نہ کر سکے گا۔ کیونکہ ہندوستان میں اس کا بالکل رواج نہیں۔ اور نہ اسے یہ مشروبات کہیں مل سکتی ہیں۔ اس نے ہمیں خط میں لکھا ہے کہ ہمارا استقبال کا اس نے بڑی گرمجوشی سے انتظام کیا ہے۔ اور یہ کہ وہاں پہنچنے کے بعد فرانسیسی عہدہ دار اپنی ضروریات کی وہ تمام چیزیں تیار پائیں گے جو ایک یوروپی کو بوقت جنگ کتنی ضروری ہیں۔ بہرحال وہ صرف اس گھڑی کا منتظر ہے جبکہ فرانسیسی اسکی امداد کیلئے پہنچیں۔ اور برطانیہ کی جڑ اکھیڑنے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ یہ اس کی دلی تمنا ہے کہ ہندوستان میں انگریزی راج نہ رہے۔ بلکہ خود ہندوستانی اپنے ملک سے مستفید ہوں۔ ۱۵۰ ویں رجمنٹ بندرگاہ فرائیزنائٹ پر متعین ہے۔ اسلئے ان کا بھیجا جانا تقریباً ناممکن ہے۔ اس لئے شہریو ہماری تم سے التجا ہے کہ ٹیپو کی آزمائیوں اپنے دلکی بھڑاس نکال لیں۔ سلطان ٹیپو نہ صرف افواج شاہی کا استقبال کریگا بلکہ ہمارا ہر وہ شہری جو میسور جائے گا۔ مہر و عنایت کے دروازے اسکے لئے کھولدیئے جائیں گے۔

ہمیں یقین کامل ہے کہ جو شخص چاہے وہ فوجی ہو یا معمولی شہری میسور جائیگا ٹیپو اسے اس فوری امداد کے صلہ میں ایک بڑی رقم دیگا۔ اسکے سفر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسکا مطلب بر آنے پر ان تمام فرانسیسیوں کو واپس کر دیا جائیگا جو اپنے وطن کو واپس ہونا چاہتے ہیں۔"

بندرگاہ ناریۃ وسٹ ۲۰ جولائی ۱۷۹۸ء "ملارتک"

اس اعلان کے بعد جنرل ملارتی نے حسبِ عادہ مرکزی گورنمنٹ (پیرس) کو متوقع فوائد کے زیرِ نظر توجہ دلائی اور سلطان کے خطوط پیرس روانہ کئے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی جاسوسوں نے جو اس سفارت کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اس کی اطلاع انگریزوں کو دیدی۔ راستے میں ایک انگریزی جہاز نے اس فرانسیسی جہاز پر حملہ کر دیا۔ جو سلطان کے خطوط پیرس لیجا رہا تھا۔ فرانسیسی جہاز تباہ ہو گیا۔ اور اس طرح فرانس کی نظارتِ عاملہ کو ٹیپو سلطان کے یہ خطوط نہ پہنچ سکے۔

لیکن سلطان پھر بھی پست ہمت نہ ہوا۔ اس نے پھر ایک سفارت روانہ کی۔ اب فرانس میں نپولین کا دور دورہ تھا۔ اس سفارت میں دو میسوری سفیر اور ایک فرانسیسی امیر آلبحر ڈیوبک تھا۔ فرانس کی نظارتِ عاملہ نے اس سفارت کا شاندار استقبال کرتے ہوئے نپولین کے آگے ٹیپو سے معاہدہ کرنے کی گذارش پیش کی۔ نپولین نے اس گذارش کے جواب میں ٹیپو سلطان کے نام مصر سے ایک خط لکھا:۔

"آزادی! مساوات!! بونا پارٹ!!!

ممبر آف دی نیشنل کنونشن۔ جنرل ان چیف

صدر مقام۔ قاہرہ

۷ تاریخ

سالِ ہفتم۔ جمہوریت

میرے سب سے زیادہ عظیم الشان سلطان میرے سب سے عزیز دوست ٹیپو سلطان کی خدمت میں!

آپ کو یہ اطلاع تو غالباً پہنچ گئی ہو گی۔ کہ ہماری فوج ظفر موج نے آج کل

بحر قلزم کے سواحل پر اپنا ڈیرہ ڈال رکھا ہے میری اور میری فوج کی دلی خواہش اور تمنا ہے کہ کسی طرح آپ کو برطانیہ کے آہنی پنجہ سے چھٹکارا دلایا جائے۔ میرا خیال ہے کہ مسقط اور موخا کے راستے آپ تک پہنچوں لیکن اس سے قبل آپ کے ملک کی سیاسی حالت کا بنظر غائر مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ اسلئے آپ اپنے ایک سربرآوردہ اور دیانتدار عہدہ دار کو جس پر آپ پورا اعتقاد اور اعتماد رکھتے ہیں سویز یا قاہرہ کے راستے روانہ کریں جس کے ساتھ میں گفتگو کرسکوں۔"

"نپولین"

ابھی یہ خط سلطان کو پہنچا بھی نہیں تھا کہ مصر میں (انگریزی) بیڑے نے اگست ۱۷۹۸ء میں اس فرانسیسی بیڑے پر اچانک طور پر حملہ کر دیا۔ جو خلیج ابوقیر میں لنگر انداز تھا۔ (اس جنگ کا نام جنگ نیل ہے) نتیجہ یہ نکلا کہ فرانسیسی بیڑا تباہ ہو گیا۔ نپولین یہ دیکھ کر شام کی جانب بڑھا۔ جہاں ترکوں نے اس پر حملہ کر دیا اور بندرگاہ عکہ میں محصور ہو گیا۔

اس طرح سلطان کی ان تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔ جو اس نے انگریزوں کو ملک سے نکالنے کیلئے کی تھیں۔

نوٹ:۔ ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ اس قسم کا کوئی خط جو نپولین کی جانب سے منسوب کیا جاتا ہے سلطان کے کاغذات میں نہیں ملا۔ اگر اس خط کی کوئی حقیقت ہوتی تو میجر اسٹوارٹ (جو داروغہ کتب خانہ تھا) ضرور اپنی یادداشتوں میں اس کا تذکرہ کرتا۔

نپولین کا یہ خط جعلی ہو یا اصلی لیکن حقیقت یہ تھی کہ انگلستان اسوقت ہندوستان میں ٹیپو سلطان اور یورپ میں نپولین سے سخت خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ انگلستان کی فضا میں نپولین کے یہ الفاظ گونج رہے تھے جو اس نے فرانس کی پارلیمنٹ میں کہے تھے:۔

"یورپ اور ہندوستان کے درمیان آمد و رفت کا راستہ مصر ہے۔ اس پر قابض

ہو کر ہم انگلستان کو تباہ کر سکتے ہیں۔ اس قبضہ سے بحیرہ روم ہمارے قبضہ میں آجائیگا اور وہ گویا فرانسیسی جھیل بن جائیگا۔ مصر پر قابض ہو جانے سے دو باتیں ہمارے اختیار میں ہو جائیں گی۔ خواہ مصر کو ذریعہ نوآبادی اور میدان زمین بنالیں اور خواہ یہ کام لیں کہ انگلستان کے ایشیائی مقبوضات کو فتح کرنے کیلئے بحیرہ قلزم میں زبردست بیڑا بنائیں۔ ہندوستان کی تجارت راس امید کے راستے زیادہ عرصہ نہیں ہوتی رہے گی۔ اور وہ ضرور مصر کی طرف عود کریگی۔ شام، عرب اور کل افریقہ کی تجارت کی منڈی تو اسوقت بھی قاہرہ ہی ہے ان سب کی تجارت ہمارے ہاتھ میں آجائے گی۔ مصر بہت زرخیز ملک ہے۔ اور ہر قسم کا اناج وہاں بافراط پیدا ہوتا ہے۔ اسلئے اس کا قبضہ امریکہ کی نوآبادیوں کے چھن جانیکا خاصہ معاوضہ ہو جائیگا"

(تاریخ خاندان عثمانیہ جلد دوم صفحہ ۲۵۶)

یہ تھے وہ الفاظ جو لارڈ ولزلی کو سلطنت خداداد کا جلد از جلد خاتمہ کرنے پر آمادہ کر دیئے تھے۔ اس نے بھانپ لیا تھا کہ اگر ایک طرف نپولین اور دوسری طرف ٹیپو سلطان اشتراک کر لیں تو پھر ایسٹ انڈیا کمپنی کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہے۔

بعض مورخوں نے سلطان کو الزام دیا ہے کہ اس نے فرانسیسیوں سے کیوں خط و کتابت کی تھی۔ اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اسکی سلطنت تباہ ہو گئی۔ سلطان ایک آزاد حکمران تھا۔ اسکو اختیار تھا کہ جس سے چاہے دوستانہ تعلقات بڑھائے۔

آج کل بھی دنیا کی تمام سلطنتیں یہی کرتی ہیں۔ اور اپنی حفاظت کیلئے دوسروں سے معاہدے کیے جاتے ہیں۔ اگر سلطان نے بھی یہی کیا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ اور نہ کسی معاہدے

سے اس کو پابند کیا گیا تھا کہ کسی سے تعلقات نہ بڑھائے۔ فرانس سے اگر اس نے تعلقات بڑھائے تو وہ اس میں بالکل حق بجانب تھا۔ نظام، مرہٹے اور انگریز بار بار بغیر کسی وجہ کے اسکے ملک پر حملے کرتے رہے ہیں۔ نظام نے انگریزوں سے دوستی حاصل کرنے کیلئے اسکا ملک ۱۷۶۸ء میں ایک سند کی رُو سے انگریزوں کو دے چکا تھا جنرل میڈوز نے بلا وجہ اور بغیر اعلان جنگ فوج کشی کر دی تھی۔ لارڈ کارنوالس نے بھی یہی کیا۔ ان حالات میں سلطان کیلئے ایک حلیف کی ضرورت تھی۔ اس لئے نہیں کہ وہ دوسروں کا ملک اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ خالص اپنی حفاظت کیلئے۔ اس نے فرانس کو یہ نہیں لکھا کہ حیدرآباد اور مرہٹوں کا ملک انہیں دیا جائے گا۔ اس کی شان آزادی کی جھلک اس سے معلوم ہوتی ہے کہ اس نے انگریزوں کو ملک سے بدر کرنے کے بعد فرانسیسیوں کو اختیار دیدیا تھا کہ اپنے ملک کو واپس چلے جائیں وہ ہندوستان کی ایک انچ زمین بھی سوائے ان تجارتی کوٹھیوں کے جہاں انگریزوں کا قبضہ تھا۔ فرانس کو نہیں دینا چاہتا تھا۔ فرانس اس وقت آزادی، جمہوریت کا دلدادہ تھا۔ نپولین نے سلطان کو مدد دینا چاہا تو نہ صرف انگریز بلکہ ترک بھی اسکے سد راہ ہو گئے قسطنطنیہ اور مصر میں انگریزی رسوخ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ سلطان کی سفارت ناکام رہ گئی اور مملوکوں اور ترکوں نے انگریزوں سے ملکر نپولین کے راستے میں حائل ہو گئے جس کی وجہ سے سلطان کی توقعات آزادی ہند کے متعلق بر نہ آئیں۔

نپولین کی جس تقریر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اسکو واضح کرنے کیلئے اس صفحہ کی پشت پر ایک نقشہ دیا گیا ہے۔ یہ نقشہ سلطان کی ان تجاویز کو بھی سمجھنے میں مدد دیگا۔ جو اس نے ایران و ترکی کے آگے اسلامی ممالک ہندوستان کی حفاظت کے لئے پیش کیا تھا۔



نقشہ جس میں یورپ سے ہندوستان کا راستہ براہ راس امید دکھایا ہے۔ موجودہ راستہ براہ جبرالٹر سویز و عدن ہے۔ ٹیپو سلطان نے ہندوستان سے براہ عمان بصرہ و استنبول تجویز کیا تھا۔

انتظامِ سلطنتِ خداداد

انتظامِ سلطنتِ خداداد

سلطان نے جن اصول پر سلطنتِ خداداد کا انتظام کیا تھا۔ اسکی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔

سلطان بحیثیت بادشاہ ہونے کے حاکم اعلےٰ تھا۔ اور ہر فرمان پر سلطان کے دستخط ہوتے تھے۔

انتظامِ سلطنت کیلئے سب سے بڑا محکمہ صدر الصدور تھا جس کا صدر دیوان اور اسکے بعد دوسرے وزراء تھے جنکے ماتحت مختلف محکمے تھے۔ سلطنتِ خداداد سے پیشتر ہندو راج میں یہ محکمے اٹھارہ کچہری کہلاتے تھے۔ اور ان اٹھارہ کچہریوں کو بلحاظ انکی نوعیت کے علیحدہ علیحدہ نام دیئے گئے تھے۔ حیدر علی اور سلطان نے ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی بلکہ ان میں اور محکموں کا اضافہ کردیا۔ گو بڑے محکمے اٹھارہ ہی تھے۔ دراصل یہ محکمے بابِ حکومت تھے جسکو آجکل سکریٹریٹ کہا جاتا ہے۔ اور ہر محکمے کیلئے ایک میر آصف مقرر تھا جو اپنی رپورٹ وزراء کو دیتا تھا۔ تاریخ نشانِ حیدری میں ان محکموں کی تعداد ۹۹ بتائی گئی ہے اور وجہ یہ لکھی جاتی ہے کہ ننانوے اسمائے الٰہی کے صفات کے لحاظ سے جو نظام قدرت کے قیام کیلئے قادر مطلق نے خود قائم کیا ہے سلطان نے بھی ۹۹ محکمے قائم کئے۔ اور ان ہی محکموں سے تمام عاملانِ حکومت کے نام احکام جاری کئے جاتے تھے۔ جن پر صدر محکمہ کے دستخط کے بعد وزیر یا دیوان اور سب سے آخیر میں سلطان کے دستخط ہوتے تھے۔

ان محکموں سے جو فرمان جاری ہوتے وہ تین زبانوں میں لکھے جاتے تھے۔ فارسی، کنڑی،

اور مرہٹی۔ بعض مقامات کیلئے مرہٹی کے عوض دکھنی زبان کا رواج تھا۔ہر فرمان آصف ضلع کے پاس روانہ کیا جاتا۔ اور وہ اس کی نقل اپنے دستخط سے عاملان تعلق کو بھیج دیا تھا جہاں سے وہ ظرفداروں (شیخداروں) میں تقسیم ہوتے تھے۔

زمانۂ قدیم سے میسور میں قصبوں اور دیہات کا انتظام پٹیل اور شانبھوگ کرتے آئے ہیں۔ سلطنت خداداد کے وقت ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور آج بھی یہی طریقہ جاری ہے۔

(نوٹ:۔ ہندوستان میں شانبھوگ اور پٹیل کو پٹواری اور ذیلدار کہا جاتا ہے۔)

سلطنتِ خداداد میں سلطان نے علاوہ معمولی کاموں کے یہ کام بھی انکے ذمہ کر رکھا تھا۔ کہ اپنے علاقوں میں جو شاہراہیں اور دوسرے اہم راستے ہوں انکی دیکھ بھال کریں اور سایہ کیلئے دو طرفہ درخت لگاتے رہیں۔ راستوں کی مرمت اور دیہاتوں کی حفاظت کیلئے جو دیواریں یا جھاڑیاں ہوں ان کو اچھی حالت میں رکھیں۔

انتظام ضلع و تعلقہ نواب حیدر علی کے بعد جب سلطان تخت نشین ہوا تو اس نے تمام ملک کو پانچ ایمنٹ کے تعلقوں پر تقسیم کر دیا۔ اور انتظام کیلئے مندرجہ ذیل عملہ رکھا گیا:۔

ہر تعلقہ کیلئے:۔ ایک عامل۔ ایک سررشتہ دار، تین محرر۔ چار ظرفدار (شیخدار) چھ اتھاونی[ف] چپراسی

ماہانہ تنخواہ:۔	۱۰ ہن	۵ ہن	۳ ہن	۲ ہن	۶ فلم
	ایک ٹکمہ[ف]	ایک صراف	ایک فارسی منشی	ایک چپراسیوں کا نائیک (ڈہلایت)	
	۸ فلم	۸ فلم	۲ ہن	۸ فلم	

ف اتھاونی:۔ وجیانگر کے زمانہ میں میسور میں مالگذاری کے چپراسیوں کو اتھاونی اور فوجی سپاہیوں کو کنداچار کہا جاتا تھا

ف ٹکمہ: جسکے ذمہ روپیہ کھنا اور مہر ڈالنے کا کام تھا۔ آج بھی میسور کے تعلقوں اور قریوں میں خازن کو ٹکمہ یا گولی ہی کہا جاتا ہے تعلقوں اور شہروں میں جو قاضی مقرر تھے انکی تنخواہ ۲ ہن سے ۸ ہن تک ماہانہ تھی۔ انکے علاوہ جہاں دخائر وغیرہ رہتے تھے وہاں روزنہ بھی مقرر تھے (محمود)

وسعت اور آبادی کے لحاظ سے ہر بیس سے تیس تعلقوں پر ایک آصف مقرر ہوتا تھا جس کا دفتر ضلع کے صدر مقام میں رہتا تھا۔ اور اسکے تحت میں مندرجۂ ذیل عملہ تھا۔

ہر ضلع کیلئے:۔	آصف اول، آصف دوم۔	دو سررشتہ دار	دس محرر	چالیس چپراسی	ایک صراف
ماہانہ تنخواہ:۔	۵۰ سے ۴۰ ہن تک	۲۵ سے ۳۰ ہن	۶ سے ۷ ہن	۶ سے ۸ فلم	۲ ہن
	ایک منشی	ایک مشعلچی	ایک فارسی دان سررشتہ دار	ایک فارسی دان محرر	ایک گلہ (خازن)،
	۸ ہن	۴ سے ۸ فلم	۲۵ سے ۳۰ ہن تک	۸ ہن	۲۰ ہن

سول لسٹ | سلطنت خداداد میں تمام سرکاری ملازمین کی ایک فہرست یا سول لسٹ رکھی جاتی تھی۔ یہ فہرستیں ضلع وار تیار ہوتی تھیں۔ انکی ایک نقل محکمۂ صدر انصدور میں اور ایک نقل ضلع کے میر آصف کے دفتر میں ہوتی تھی۔ اس قسم کی ایک سول لسٹ جو ضلع جعفر آباد سے متعلق تھی مصنف کی نظر سے بھی گذر چکی ہے۔ اور اس سے یہاں اقتباس دیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کس قدر جامع اور وقت ضرورت مطلوبہ شخص کے حالات کا پتہ لگانے میں کس قدر ممد و معاون ہو سکتی ہے۔

کچہری جعفر آباد

(۱) عامل اتی بیادہ باسم سید محمد ولد سید جلال الدین ابن سید سلطان مذہب حنفیہ قوم سادات حسینی پیدائش فرحیاب حصار و پیدائش والد ایشان شاہ نور و پیدائش جد ایشان بیجاپور۔

اقارب	واقف کار
(۱) میر بحر سید سلطان برادر حقیقی	(۱) منشی حبیب اللہ در حضور

(۲) سید امام
برادر حقیقی
عملدار ہوسدرگ

(۲) سید غلام محی الدین
میر میراں

نسب ایشاں درخانۂ شیخ محی الدین باشندۂ دورگ ونسبت الدایشان درخانۂ شیخ ندیم باشندۂ بیجاپور ونسبت جد ایشاں درخانۂ علاؤ الدین باشندۂ بیجاپور۔
پنجاہ وپنج سالہ

(۲) عامل عاملداری باسم سید امام ولد سید حسین ابن سید ابو دین قوم سادات حسینی مذہب حنفیہ پیدائش پنگنڈہ وپیدائش والدہم وپیدائش جدہم پنگنڈہ

اقارب	واقف
(۱) سید رسول عامل درجہ دوم گلشن آباد برادر حقیقی	(۱) سید رسول عملدار بلے ہنور - کچہری نگر
(۲) شیخ محمد عامل تعلقہ مصطفی آباد برادر نسبتی	(۲) عملدار برکے باسم سید احمد

نسبت ایشان درخانۂ سید حسین باشندۂ پٹن نسبت والدایشان درخانۂ سید مصطفی باشندۂ پٹن نسبت جد ایشان درخانۂ سید منجن باشندۂ کولار۔ سی سالہ

(اقتباس از کتاب دریافت حسب نسب عمالان میر آصف کچہری
روبروی سید محمد میر آصف و میر فخرالدین میر میران وشیخ اسمٰعیل میر خازن)

محکمۂ پولیس

نواب حیدر علی خاں کے زمانہ میں محکمہ پولیس اعلیٰ درجہ پر تھا۔ اس پولس کے ساتھ خفیہ پولیس بھی تھی۔ جو مشتبہ لوگوں کی نقل و حرکت پر نگرانی رکھتی تھی اور یہ اکثر سرحدوں پر متعین تھی۔ نواب حیدر علی ان سے اکثر یہ کام بھی لیتے تھے کہ اپنے امراء و وزراء کے خیالات سے آگاہ ہوں سلطان کے زمانہ میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ پولس اپنے کام میں اس قدر مستعد رہتی تھی کہ ایک مرتبہ ایک خونی مجرم سرنگاپٹم سے فرار ہوا۔ اور تین دن کے اندر اندر اسکو دوبارہ ماگڑی کے جنگلوں میں گرفتار کرلیا گیا۔ پولس کے ذمہ خصوصاً رعایا کے امن و امان کا کام تھا۔ رعایا کے امن و آسائش کا سلطان کو اس قدر خیال تھا کہ اس نے پولیس کو رعایا کے جان و مال کی سلامتی کا ذمہ دار بنا دیا تھا۔ یہانتک کہ اگر کہیں چوری ہوجائے تو افسران پولیس اس کے ذمہ دار گردانے جاتے تھے۔ اور جو نقصان رعایا کو ہوتا تھا۔ اس کی تلافی اِن افسرانِ پولیس کی تنخواہ سے کی جاتی تھی۔ جو اس جگہ مامور ہوتے تھے۔

اور جس جگہ قزاقوں اور ڈاکوؤں کا خوف رہتا تھا۔ وہاں رعایا کو بھی ہتھیار رکھنے کیلئے لائسنس دیئے جاتے تھے۔

پولیس کو ماہ بماہ تنخواہ تقسیم کی جاتی تھی اور نئے ملازموں کو پیشگی رقم دے کر ان سے ہر ماہ تھوڑی تھوڑی رقم وصول کر لی جاتی تھی۔

تمام محکموں میں ملازموں کو سہ سالہ ترقی دی جاتی تھی اور ہر تین سال کے خاتمہ پر یکمشت رقم بھی بطور انعام دی جاتی تھی۔ اور اس مبلغ سے وہ رقم جو بطور پیشگی دی جاتی تھی وضع کر لی جاتی تھی۔

مذکورۂ بالا بیان کے ثبوت میں سلطان کے اس فرمان کی نقل دیجاتی ہے جو اسنے محکمۂ پولس کے

ام جاری کیا تھا:-

تصدیق باسم
عامل کولار

سواری بقیمت چہار صد روپیہ بداده و یکه کشی باید کرد و اگر ندارد
منجمله تحریر کرده در صدر سطور راست اطلاعے نخواهد شد تاریخ داشتند
اسپ در دفاتر متصدیان باید نویسانید

موازی یک صد و پنجاه نفر را مبلغ یک صد و شصت و نه راحتی در ماه مقرر فرموده شد باید که بعد انقضاء ایام مذکور قسم زر موافق نرخ یازده حب طلب و تحریر بموجب تفصیل صدر تقسیم باید نمود منجمله مردمان قدیم کسانیکه مشاح حضور و کچهری شده منشور در قلم کچهری آورده باشند آنها را من ابتدائے غرهٔ ماه احمدی سال ساحر ۱۲۲۱ محمدی موافق تفصیل طلب بدهند و آئنده کسانیکه از حضور پرنور و کچهری مشل شده رقم و منشور لامع النور بیارند۔ از روز داخل شدن تعلقه و حاضر بودن بکار سرکار خداداد موافق نوشتهٔ صدر طلب باید داد و در تعلقه مذکور مردم قدیم مثل عامل را از تاریخ مذکور مذکور الست ۱۲۲ طلب نداده و نو ملازم را از تاریخ نو ملازمی وجه در ماه دست بدست تقسیم نمایند و عوض زر تقسیم شده را ماه بماه قبض الوصول می گرفته باشند و وجه در ماه ماه زاید که بعد سه سال یکدفعه می آید داده در کار نیست و از بنیاد های متعینه قلعه نوشته صدر و تحصیلے اگر هنگامهٔ دزدان و پالیگاران غیره سود و جمعیت آنها از بیست دو چند باشد از بنیاد هائے مذکوره رعایائیکه برائے داشتن تفنگ با آنها حکم فرموده شد تنبیه نمود باید

نمود. بدیں موجب اگر بندوبست نه نمود، تغافلے کرد بآرام خواهند نشست نصیحت
که به دزداں مقرر است بشما خواهد شد و طلب مردمان صدر از ابتدائے نوملازمی از شما
گرفته خواهد شد. ایں معنے یقین دانسته بندوبست باید نمود. سوائے آں اگر هنگامه دزداں
ازیں افزوده شود تحقیق کرده بدستخط و مهر شما که فلانے بجمعیت ایں قدر آمده است
بحضور عرض داشت نوشته بفرستید بندوبست آں از حضور نموده خواهد شد
و مرمت قلعه بروقت از رعایائے تعلقه بعمل آورده درست دارند. چوکی و پهره قلعه
از پیادها متعینه بعمل آورده باشند. منجمله پیادهائے کنڈاچار هر قدر که بعلاقه
قلعه مقرر گشته و هر قدر که باقی باشند آنهارا معمور کار زراعت سازند

تحریر فی التاریخ

بست و پنجم ماه احمدی سال ساحر سنه ۱۲۲۱ محمدی مطابق سنه ۔۔۔ مهری

(ربی مالک)

الواثق باعطاف السلطان المهیمن
السید محمد صادق آصف حضور پرنور

الواثق باعطاف السلطان المهیمن
السید محمد آصف حضور پرنور

سال ساحر فصل بهاری

۱۲۲۱ محرم

محمد اسماعیل علاقه

آصف جاهی

حضور

۱۲۲۱ محرم

سال ساحر ماه بهاری

ثبت

ایضاً

(نوٹ:- جہاں کہیں فرمان میں الفاظ مٹ گئے تھے۔ انہیں چھوڑ دیا گیا ہے۔ محمود)

محکمۂ ڈاک رسل و رسائل کیلئے محکمۂ ڈاک قایم تھا۔ اس زمانہ میں ایک شہر کو دوسرے شہر سے سواروں اور پیادوں کے ذریعہ ڈاک بھیجی جاتی تھی ڈاک کو جلد از جلد پہنچانے کیلئے سلطان نے محکمۂ ڈاک کے ملازموں کو تین گروہ پر تقسیم کیا۔ جن میں سب سے تیز رو قاصدوں کو بجلی اور ڈاک تقسیم کرنے والوں کو تنجے کا نام دیا تیسرا گروہ وہ تھا جو ڈاک کا انتظام کرتا تھا۔

نوٹ:۔ آج بھی ریاست میسور، ملیبار و ٹراونکور کے دیہات میں چھٹی رسانوں کو انجل ہی کہا جاتا ہے اور بہت سے خاندان بجلی کے نام سے موسوم ہوگئے ہیں۔ (محمود)

مالگذاری منشیات حیدرعلی کے زمانہ میں منشیات جیسے شراب، تاڑی، افیون وغیرہ پر حسب معمول اور قدیم طریقہ پر محصول لیا جاتا تھا۔ جب سلطان تخت نشین ہوا تو نشہ کی چیزیں فروخت کرنے کیلئے لائسنس (سرکار سے منظوری) حاصل کرنیکا فرمان جاری کردیا۔ اور بغیر لائسنس کوئی شخص انکی خرید و فروخت نہیں کرسکتا تھا۔ خلاف ورزی کرنیوالے کیلئے سخت سزا مقرر تھی۔ اسی طرح منشیات پر جب پابندیاں عائد ہوگئیں تو چند سال کے بعد ہی سلطان نے تمام سلطنت میں منشیات کا استعمال بالکل ممنوع قرار دیدیا۔ اس سلسلہ میں سن اور خشخاش کی کاشت کرنا بند کردی گئی۔ اور اس پر اس سختی سے عمل کیا کہ لوگوں کو اپنے خاص باغوں میں بھی انکے بونے کی اجازت نہیں تھی۔ صندولے کے درخت جن سے تاڑی نکلتی ہے۔ تمام سلطنت میں کٹوا دیئے گئے اور احکام جاری ہوئے کہ آئندہ کوئی درخت نہ بویا جائے۔ منشیات کی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دینے سے اگرچہ سلطنت کی آمدنی میں کافی کمی واقع ہوگئی لیکن سلطان کو رعایا کی اخلاقی ترقی اور مفاد اس درجہ عزیز تھا کہ اس نے اس خسارہ کی کوئی پرواہ نہیں

کی۔ بوزنگ لکھتا ہے :۔

"ٹیپو نے منشیات کو ممنوع قرار دیکر ایک عاقل ریفارمر کا کام کیا تھا"۔

رئیس لکھتا ہے کہ :۔

"منشیات کو ممنوع قرار دینے سے سلطنت کی آمدنی میں جو کمی ہوئی۔ اسکو سلطان نے دوسرے طریقوں سے پورا کیا"۔

لگان کی وصولی

زمین کی تقسیم اور مالگزاری کے متعلق سلطان کے ملکی اصلاحات کے زیر عنوان مفصل لکھا گیا ہے۔ اس لئے یہاں صرف مورخ رئیس کی کتاب سے یہ اضافہ کیا جاتا ہے کہ ہر علاقہ میں سلطنت کی جانب سے دو برہمن ہرکارے خفیہ اطلاعات بھیجنے کیلئے مامور تھے۔ انکے ذمہ یہ کام تھا کہ کاشتکار کو اگر وہ کسی ضلع یا تعلقہ سے کوئی شکایت ہو تو اس کی اطلاع صدر دفتر میں دی جائے اور ہر سال تمام بنجر زمینوں کی بھی اطلاع دیں۔ حیدر علی ہو یا ٹیپو سلطان انہیں خوف تھا کہ عمال حکومت کاشتکار سے بنجر زمین کا لگان بھی وصول نہ کریں۔ یہ ہرکارے حاکم ضلع یا تعلقہ کے ماتحت نہیں ہوتے تھے اسلئے ان کی تمام اطلاعات براہ راست صدر دفتر میں موصول ہوتی تھیں۔ اسکی وجہ سے عمال حکومت کو رعایا کو ستانے کا موقع نہیں ملتا تھا۔

تقسیم تنخواہ

نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے زمانہ میں ہر ملازم کو ماہانہ تنخواہ وقت مقررہ پر ملتی تھی۔ اسکی پابندی کا سلطان کو حد درجہ خیال تھا۔ کہ ملازمین کو تکلیف نہ پہنچے۔ اس کا ثبوت لارڈ ولزلی کے خطوط سے بھی ملتا ہے۔ جو آپ نے تسخیر سرنگاپٹم کے بعد جنرل ہارس کے نام لکھا تھا :۔

"آپ فوراً تمام قلعداروں ورامسیوں کی تنخواہ تقسیم کرنے کی طرف توجہ کریں اور

جہاں تک ہو سکے۔ اپریل و مے کی تنخواہیں بے باق کر دیں۔"

نوٹ:- اپریل میں سرنگاپٹم کا محاصرہ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کے ذمہ صرف اپریل کی تنخواہ تھی۔ اوائل مے میں سلطنت کا خاتمہ ہوتا ہے۔

رشوت کا سدِ باب

میتھک سوسائٹی جرنل مورخہ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں لکھا ہے:-

" سلطان کو رشوت سے اسقدر نفرت تھی کہ ۵ رجون ۱۷۹۴ء میں سلطان نے اپنے تمام ۳۷ آصفوں اور انکے عملے کو دارالسلطنت میں طلب فرمایا۔ اور یہاں اٹھارہ کچہری (سکریٹیٹ) کے عملے کیساتھ انہیں محل میں مدعو کر کے ان سے اقرار لیا کہ وہ کسی سے رشوت نہ لیں گے۔ مسلمان قرآن پر، برہمن اپنی شاستروں پر اور بعض دوسرے دودھ اور چاول پر قسم کھائے۔"

اسی جرنل میں لکھا ہے کہ:-

"باوجود حلف اٹھانے کے بھی بہت سے افسروں نے اس پر عمل نہیں کیا۔"

لیکن جب کبھی سلطان کو معلوم ہو جاتا تھا کہ کسی افسر نے رشوت لی ہے تو وہ بالکل سخت سزا دیتا تھا۔

بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:-

"میر صادق ایسے واقعات کو سلطان تک پہنچنے نہیں دیتا تھا۔ اسلئے کہ وہ خود ہی لوگوں پر ظلم کرتا تھا۔"

عاملانِ حکومت کی مجلسِ مشاورت

ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:-

" ٹیپو سلطان نے اپنے افسرانِ ضلع کو حکم دے رکھا تھا کہ ہر سال وہ پایہ تخت میں جمع ہو کر انتظامی معاملات میں

مشورہ کریں ۔

آج انگریزی حکومت میں بھی یہی ہو رہا ہے ۔ چند سال سے ہر صوبہ کے کلکٹروں کی ایک کانفرنس صوبہ کے کسی ایک مقام میں منعقد ہوتی ہے جس میں تبادلۂ خیالات کے علاوہ انتظامی معاملات پر بحث و مباحثہ بھی ہوتا ہے ۔

عدالت و انصاف

ہر شہر اور ہر قریہ میں ایک پنچایت مقرر تھی ۔ قدیم دستور کے مطابق ہر گاؤں میں پٹیل معمولی تنازعات کا پنچایت کی رائے سے فیصلہ کر دیتا تھا ۔ تعلقوں اور ضلعوں میں عامل و رآصف فیصلہ کرتے تھے ۔ اگر فریقین مقدمہ کو اس فیصلہ سے تشفی نہ ہوتی تو مقدمہ صدر عدالت تک اور اسکے بعد سلطان تک پہنچایا جاتا تھا ۔ صدر عدالت میں دو حاکم رہتے تھے ۔ ایک مسلمان اور ایک ہندو ۔

مسلمانوں کے شرعی مقدمات کیلئے ہر شہر میں قاضی مقرر تھے ۔ اور یہ بھی پنچایت کے ذریعہ ہی فیصلہ کرتے تھے ۔ شرعی مقدمات بھی صدر عدالت تک پہنچائے جاتے تھے خاص ہندوؤں کے مقدمات شاستروں کی رُو سے پنڈت فیصلہ کرتے تھے ۔ قاضیوں کے ذمہ علاوہ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے مندرجۂ ذیل کام بھی تھے ۔

کرنل ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

" قاضیوں کا یہ کام بھی تھا کہ خصوصاً جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کی حاضری دیکھیں اور مسلمانوں کو منشیات سے دور رکھیں (یعنے فرائض محتسب بھی ادا کریں) اس زمانہ میں مقدمات شاذ و نادر ہی فیصلہ کیلئے آتے تھے کیونکہ چوروں اور مجرموں کو سخت اور عبرتناک سزائیں دی جاتی تھیں جن سے دوسروں کو

ارتکاب جرم کی جرأت نہیں ہوتی تھی "
چوری کے متعلق رئیس لکھتا ہے:۔

"چور کا پتہ چلانے سے پیشتر چوری گیا ہوا اسباب تلاش کیا جاتا تھا۔ ورنہ یہ خوف تھا کہ کہیں اس نقصان کی تلافی عاملانِ حکومت کی تنخواہ سے پوری نہ کی جائے"
مقدمات کے متعلق یہی مصنف لکھتا ہے:۔

"اس زمانہ میں تنازعات بالکل شاذونادر ہوتے تھے جب مقدمہ پیش ہوتا تو مدعی و مدعا علیہ دونوں عدالت میں حاضر ہو کر اپنے بیانات دیتے۔ اور تائید میں سند آپیش کرتے۔ گواہوں کا بیان لیا جاتا، مگر ان سے قسم نہ لی جاتی تھی تمام مقدمہ سنکر پنچایت کے لوگ اسکی تحقیق کرتے۔ اور جج کو اپنا بیان دیتے۔ ہر ایک کارروائی زبانی ہوتی تھی۔ فریقین سے مچلکہ یا ضمانت لیلی جاتی تھی۔ کہ پنچایت کے فیصلہ پر وہ راضی ہیں "

مذکورۂ بالا سطور سے ظاہر ہے کہ مقدمات پر فریقین کی ایک پائی بھی خرچ نہیں ہوتی تھی۔ اور مقدمے عدالت میں جس دن داخل ہوتے تھے فیصل ہو جاتے تھے۔ آجکل کی طرح اُن زمانے میں اشٹامپ کورٹ فیس وغیرہ کے مصارف ہرگز نہیں ہوا کرتے تھے۔

انتظام سلطنت کیلئے سلطان کا سب سے بڑا کارنامہ

مجلس وطنی بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں کہ سلطان نے اپنی سلطنت کے انتظام میں رعایا کو حصّہ دینے کیلئے پارلیمنٹ یا مجلس وطنی بھی قائم کی تھی، اس مجلس کا نام "زمرۂ غم نیا خند" تھا۔ اس سے سلطان کی مراد یہ تھی کہ شخصی اقتدار کا خاتمہ

کرتے ہوئے ملک کی زمام حکومت رعایا کے ہاتھ میں دیدی جائے۔ اور بادشاہ ایک کانسٹیٹیوشنل (آئینی) حکمران رہے۔ اس مجلس کو "زمرۂ غم نہ باشد" کا نام دینے سے اسکی مراد یہ تھی۔ کہ پھر سلطنت کو کسی طرح کا اندرونی خطرہ باقی نہ رہیگا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ملک اسوقت اس قدر ترقی یافتہ نہیں تھا کہ اس سے فائدہ اٹھا سکے مگر اس مجلس کے قیام سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ سلطان کے دل میں جمہوریت اور مساوات کا کس قدر احساس تھا۔ اس سلسلہ میں کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے:۔

"جمہوریت جس کی اس وقت فرانس میں دھوم تھی وہاں ٹیپو کے پاس کوئی نئی یا تعجب خیز بات نہیں تھی۔ اس نے ہر شخص کو مساوات دے رکھی تھی"

لیکن جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اس زمانے میں ملک اس مجلس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس میں ایسے لوگ منتخب ہوئے جو حکومت کے نااہل تھے۔ مورخ کرمانی نے یہ بالکل سچ لکھا ہے کہ:۔

"یہ لوگ میر صادق کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن کر رہ گئے"

اور اس طرح یہ جماعت نہ ہونے کے برابر تھی۔

نوٹ:۔ اسلامی مورخین نے جو زوال سلطنت کے بعد ہی تاریخیں لکھی ہیں۔ انہوں نے خود بھی یہ سمجھا ہی نہیں، کہ یہ مجلس یا پارلیمنٹ کیا ہوتی ہے۔ اس لئے انہوں نے گو اس کا ذکر تو کیا ہے لیکن قسم قسم کی تاویلات سے کام لیا ہے۔ کسی نے لکھا ہے کہ یہ ایک فوجی دستہ تھا۔ اور کسی نے اور کچھ لکھا ہے۔ کرمانی بھی اسکی تہ کو نہیں پہنچا۔ ورنہ وہ ضرور اسکی اہمیت کو نمایاں کر دکھاتا۔ اس نے صرف اسقدر لکھا ہے کہ غم نباشد کے حروف تہجی سے مراد مندرجہ ذیل قومیں لی گئی تھیں:۔

غ = غیر وطنی۔ م = مغل اور مرہٹے۔ ن = نوائط۔ ب = برہمن اور ہندو۔ ا = افغان، بش، شیعہ، سنی [illegible]

فوجی انتظام

(فوجی انتظام کے متعلق اردو و فارسی تاریخوں میں کچھ مواد نہیں ہے۔ اس لئے
تمام مضمون انگریزی تاریخوں سے لیا گیا ہے)

بری فوج | جس طرح ملکی انتظام کیلئے مختلف محکمے قائم کئے گئے اسی طرح فوجی انتظام کے لئے بھی علیحدہ محکمہ قائم ہوا۔ اور اسکے ماتحت دوسرے محکمے تھے یہ تمام محکمے گیارہ سپہ سالاروں کے ماتحت تھے جن کا صدر مقام سرنگا پٹم تھا۔

فوجی محکمے

(۱) پیادہ فوج (۲) تعمیر قلعہ جات (۳) سوار فوج (۴) توپ خانہ (۵) کمسریٹ۔ (۶) چراگاہیں (۷) تنخواہ (۸) بحری فوج (۹) تعمیر جہازات (۱۰) تیاری سامان حرب وغیرہ (۱۱) محکمہ نظارت (انسپکٹر)

سلطنت کے کل رقبہ کو ۲۲ فوجی اضلاع میں تقسیم کیا تھا۔ اور ہر رقبہ ایک شیوہ سالار کے ماتحت تھا جسکے ماتحت ۲۰ سے ۳۰ سپہ سالار ہوتے تھے۔

بہ حیثیت بادشاہ ہونے کے سلطان، فوج کا سب سے بڑا افسر یا سپہ سالار اعلیٰ تھا۔ ولکس لکھتا ہے:۔

"میر غلام علی (لنگڑا) وزیر فوج اور انسپکٹر جنرل قلعہ جات اور میر یم بھی تھا"

سلطنت خداداد میں کل فوج کی تعداد تین لاکھ بیس ہزار تھی۔

سلطان کی بری فوج کے انتظام کے متعلق بورنگ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۲ پر لکھتا ہے:۔

سلطان نے ایک فرمان کی رو سے بری فوج کو جس کا نام پیادہ عسکر تھا۔ پانچ ڈویژنوں میں تقسیم کیا تھا۔ اور ہر ڈویژن میں ۴ قشون یا رجمنٹیں تھیں۔ اور ہر رجمنٹ میں ۱۳۹۲ سپاہی تھے جن میں ۱۰۵۶ سپاہیوں کے پاس بندوقیں ہوتی تھیں ہر رجمنٹ کیساتھ اسکے باربرداری کے جوان بھی تھے۔ ہر رجمنٹ میں دو توپیں اور گولنداز بھی رہتے تھے۔

سوار فوج کو سلطان نے تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔

باقاعدہ کیولری۔ سلحدار۔ کازک۔

ان میں اول الذکر کو سوار عسکر کہا جاتا تھا۔ اس عسکر کے تین ڈویژن تھے جنمیں ہر ایک میں چھ رجمنٹیں اور ہر رجمنٹ میں ۳۷۶ سوار متعین تھے۔ ان سواروں کو گھوڑے دیئے جاتے تھے لیکن سلحدار اور کازک جو تعداد میں چھ ہزار اور آٹھ ہزار تھے۔ اپنے خاص گھوڑے رکھتے تھے۔"

اس فوج میں نوسو ہاتھی۔ چھ سو اونٹ تینتیس ہزار گھوڑے اور چار لاکھ باربرداری کے بیل تھے۔

ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴۲ پر لکھتا ہے :۔

"ملک کی مدافعت کیلئے ایک لاکھ اسی ہزار کی بہترین منظم و باقاعدہ فوج تھی اس کے علاوہ ایک لاکھ باسٹھ ہزار پانچسو کی امدادی فوج تھی جو مختلف فوجی کاموں پر مامور تھی۔

(۱) مستقل سوار فوج

(۲) پنڈاروں کی سوار فوج

(۳) سلحدار جن کے اپنے خاص گھوڑے اور ہتھیار ہوتے تھے۔
(۴) صناع جیسے معمار وغیرہ
(۵) بار یعنی باقاعدہ پیادہ فوج
(۶) باڈی گارڈ یعنی محافظ فوج
(۷) مختلف شہروں اور قلعوں کی محافظ فوج
(۸) افریقی (حبشی) فوج
(۹) ہرکارے اور جاسوس
(۱۰) پائنیر یا سفرمینا
(۱۱) بہیر اور خیمہ و باربردار
(۱۲) لوہار و بڑھائی۔ جو اسلحہ سازی کے کارخانوں میں کام کرتے تھے۔"

اوپر جو مختلف مورخوں کی تحریروں سے اقتباسات دیئے گئے ہیں ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطنت کا فوجی محکمہ کس قدر بڑا اور باقاعدہ تھا یہی نہیں کہ سلطنتِ خداداد کی فوج اس زمانے میں نہایت ہی منظم تھی۔ بلکہ اس زمانے کے جدید سے جدید اسلحہ سے بھی مسلح تھی۔ اور یہ اسلحہ سلطنت خداداد میں اس قدر تیار ہوتے تھے کہ جنگی نقطۂ نظر سے فوج میدان جنگ کیلئے ہر وقت تیار رہتی تھی۔ ان اسلحہ کیلئے سلطنت خداداد یورپین یا دوسرے کسی ملک کی محتاج نہیں تھی بلکہ تمام کے تمام چھوٹے بڑے اسلحہ ملک کے اندر ہی تیار ہوتے تھے (نوٹ: یہاں ان کا بیان صنعت و حرفت کے باب میں دیا گیا ہے)۔

سلطان نے تمام فوجی انتظام یورپین طرز پر رکھا تھا۔ اس نے فوجی افسروں کی تربیت کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اور پایہ تخت میں ایک معمل (لیبارٹری) بنا رکھا تھا۔ فوج کیلئے ایک خاص وضع کی وردی تھی۔ گو مختلف رجمنٹوں کیلئے مختلف رنگ تھے۔

سلطان نے اپنی فوجی محکمے کیلئے اپنی زیر نگرانی ایک کتاب لکھوائی جس کا نام تحفۃ المج
تھا لیکن یہ کتاب فتح المجاہدین کے نام سے مشہور ہو گئی ہے مصنف تاریخ سلطنت خداد
نظر سے اس کتاب کی ایک نقل گزری ہے جس پر سلطان کی مہر تھی۔ اور ہر مضمون کے ا
میں سلطان کا دستخط بھی تھا۔ اس کتاب پر نام تحفۃ المجاہدین لکھا ہوا تھا۔) اس کتاب
فوجی قواعد و ضوابط کے علاوہ قلعہ کشائی، تعمیر قلعہ جات، سامان حرب کی تیاری۔ فوجی
اور سپاہیوں کی ضروریات تک درج ہیں۔ یہ کتاب آٹھ ابواب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل
ناظرین کی آگاہی کیلئے اس کتاب کے ابواب کے عنوانات ذیل میں دیئے جاتے ہیں

باب اوّل: مسائل عقائد و نماز، منع تمباکو، نمک حرامی، ترکہ و جہاد وغیرہ۔

باب دوم: ضابطہ نامہ ادنیٰ اعلیٰ، و اسمائے نو مقرری برائے تقسیم حساب و لفظ و ز
تعداد مقرر کردہ حساب گز شرعی۔

باب سوم: در بیان تدابیر حرب جس میں ایک سو اکیس[۱۲۱] عنوان ہیں جن میں جنگ کی
کرنا اور قلعہ سازی کے تمام اصول وغیرہ آگئے ہیں۔

باب چہارم: در بیان احکام بنام سر بخشی و متصدیان تعلق و کچہری حضور وغیرہ۔ ج
میں نو عنوان ہیں۔ ان میں دفتری کاموں کے تمام احکام ہیں۔

باب پنجم: در بیان ضابطۂ تفویض خدمات جس میں گیارہ عنوان ہیں۔

باب ششم: در بیان سام قواعد و لام داران حضور یعنے سیز برداران جہ عنوان
تمام سیزہ برداران وغیرہ کے قواعد ڈرل اور طریقے آگئے ہیں۔

باب ہفتم: در بیان قواعد سواران تعلقۂ عسکر چودہ[۱۴] عنوان ہیں۔

باب ہشتم: قواعد پیادہ تعلقۂ عسکر پندرہ[۱۵] عنوان۔

ضمیمہ :- ایسے نسخہ جات جو بوقت ضرورت فوج کے لئے کار آمد ہوں ۔

اسی کتاب سے وہ فوجی ترانے جو بیانڈ اور بگل کیلئے وضع کئے گئے تھے نقل کئے جاتے ہیں۔ اور وہ نسخے بھی جن کا ذکر ضمیمہ میں کیا گیا ہے۔ لکھے گئے ہیں ۔

در نغمۂ ابیض بیت وقت طلوع صبح

تا سفیدہ شد وماں گردید ظلمت منتشر — از عروج دین شدہ مجتزول کفار جہاں

بیت ۔ وقت دویم نہضت

وصفِ عزم لشکر شاہنشہ دارا غلام — می نماید سفحہ را چوں جہرہا باں راہوار

بیت ۔ وقت سوئم نہضت

ہر کجا گردد سیاست جلوہ گر اے شاہ دہر — نصرت و فتح و ظفر گردد زگردش آشکار

در نغمۂ اصفر بیت وقت چاشت تبدیل منقل

زراکب گشت فوج و لشکر شاہ جہاں آئیں — کند بر منقل سے او فلک فتح و ظفر تعیں

بیت وقتِ سرور و فرحت

دگر در مدد ورکف جابک برق ابر میگیرید — زہول شاہ زنیساں کافراں غرق اند ور شلتا

بیت وقت اجتماع

بحکم محکم شاہنشہ خورشید و مہ آسا — عجب بود کہ گردد اجتماع روز و شب یکجا

در نغمۂ احمر۔ بیت وقت جلد قدم

سپاہ شاہ باشد جلد زاں ساں — کہ زو شد شرمگیں برق درخشاں

بیت ۔ وقتِ تشہیر

بعدل شاہ گرد و فتنہ بیروں — نہ از عالم ز زیر چرخ گردوں

بیت - وقت ضرب سنانی

کند ضرب سناں فوج سلطاں
عدو را در زماں نابود و بے جاں

در نغمۂ زیر جارہ - بیت وقت آہستہ قدم

تانئے بہرکار بہتر بود
کہ از صبر ها آب گوہر شود

بیت روز عید

دلِ خلق لبریز شد از نشاط
کند دامِ گلشن از و انبساط

در نغمۂ ورد - بیت وقت شان

شانِ خورشید و فلک بیش تو اے شاہ جہاں
نیست زاں گونہ کہ در خاطرش آرند کساں

بیت وقت نشانی در درخشِ شام

ز نشاں گفتن و از توپ نشاں خصم بریخت
زانکہ ایں راز و بد خانہ او را برباد

در نغمۂ عباسی - بیت وقت درخشِ یکپاس شب

از توپ شاہ گرد دلِ خستہ کافراں را
سوزاں تر است از برق بر جانِ مشرکاں را

بیت وقت اول نہفت

ہر کہ قلم نویسد عزم سپاہِ سلطاں
سرعت کند از دوام خورشید و ماہ تاباں

اردو ترانے

وقتِ طلوعِ آفتاب

وصفِ حسنِ خلق تیرا گر لکھوں اے شہریار
بے گماں ہر بیت ہوئے مطلعِ صبحِ بہار

وقت یکپاس

جاہ تیرا دیکھے اے جمجاہ جب عرش حشم   تنگیٔ جا کے سبب ہفت آسماں ہو شرمسار

در وقت تری اول نہفت

ابر کے مانند یر بر روئے ہوا ہووے رواں   عزم تیرے کے صفت کہئے اگر اکوہسار

در وقت تری دویم یعنے زین بندی

جب ترے سیں (ستے) زیب پاوے خانۂ زین عجب   جلوہ کر کر مہر ہو بر ابلق لیل و نہار

در وقت تری سیوم یعنے سوار شدہ راہ رفتن

مہر و ماہ روپوش ہو جوں زنگ آلود آئینہ   جب ترا گلگوں گرد انگیز ہو در کارزار

وقت آب خوردن اسپہا

گرم جولاں ہووے جب وہ برق تگ ماہوں نوا   چشمۂ آئینہ سیں (ستے) سیراب ہووے مور و مار

در وقت شمشیر کشیدن

ازدہام تیغ تیری جب علم ہو در مصاف   برق جھانکے ابر کے پردہ سیں (ستے) پنہاں بار بار
جا کرے جس طرح وہ افعی روئیں در نیام   اژدہا اس دہج (وضع) ستی ہرگز نہ لاوے رو بغار

در وقت جنگ

برق جاں کوہِ گراں، پیکِ اجل دستِ قضا   تیغ و گرز و تیر و خنجر کے ترے ہیں نام چار

در وقت فتح

ہر ملک کوں (کو) ورد ہوا انا فتحنا دمبدم   جب تو ہوا در رکاب از بہر قصد کارزار

بجہتِ اجتماع مردم

حکم محکم سیں (ستے) ترے اے مہر تاباں کیا عجب   گر بنات النعش یکجا جمع ہو پروین وار (پروانہ)

وقت یکساعت روز باقیماندہ بجہت شان

کس طرح کہئے تجھے جہاں اے یکتائے دور ہے کہیں نہاں سے (رہتے) تیری شان کسریٰ آشکار

وقت یکپاس شب گذشتہ

حکم تیرا گر کرے امریٰ کہ داری بچیرخ ماہ ہو باختیں انجم در بہ تیرے پاسدار

وقت نہفت درسازنہ بر سالہ شتر عسکر بایدنواخت

بیائید وقت جہاداست ایں غنیمت شمارید وقت چنیں

وقت راہ رفتن درسازنہ بر سالہ شتر عسکر بایدنواخت

خدایا جہاں پادشاہی تراست زما خدمت آید خدائی تراست

وقت جنگ درسازنہ رسالہ شتر عسکر باید نواخت

بیائید اے زمرۂ مسلمیں کہ در درک اسفل ہمہ مشرکیں

فرسید و اجر عظیم از خدا بیابید بے شبہ روز جزا

نوٹ:۔

سلطنت خداداد کی تباہی کے بعد ۱۸۰۰ء میں تمام سرکاری دفاتر فارسی سے کنڑی اور انگریزی میں بدل دیئے گئے۔ مندرجۂ بالا ابیات سے اس زمانہ کی اردو کا پتہ چلتا ہے بیسویں میں فارسی تو بالکل مفقود ہو چکی ہے اور اب اردو کو مٹانے کی کوشش خود چند مسلمان ہی کر رہے ہیں۔ بہت سے گرایجویٹ بجائے اردو کے کنڑی زبان لے کر پاس ہو رہے ہیں۔ (محمود)

کتاب تحفۃ المجاہدین (فتح المجاہدین) کا ضمیمہ

نسخہ جات

علاج ۔ سانپ، بچھو، دیوانہ کتا اور کوے کے زہر کا

۱ ۔ جس شخص کو سانپ کاٹا ہو ۔ اس کو انکولے کی جڑ جس میں کانٹے نہ ہوں ایک ہون (وزن) پانی میں گھس کر پلائیں اور یہی جڑ پیس کر زخم پر لیپ کریں ۔

۲ ۔ شالی کی جڑ سوکھی ہو یا کچی دھو کر صاف کر کے کوٹ کر شیرہ نکال کر پلائیں ۔ اگر خشک ہو تو ٹھنڈے پانی میں کوٹ کر شیرہ نکالیں (نوٹ) یہ جڑ ایک کدہ سے زیادہ استعمال نہ کریں ۔ ایک کدہ سے زیادہ ہو تو زہر کی خاصیت پیدا کرتی ہے ۔ اور انسان مر جاتا ہے ۔

۳ ۔ چھچھوندر جس کا منہ لمبا ہوتا ہے ۔ پکڑ کر اس کا پوست نکال لیں ۔ پوست پر سے بال نکال کر خشک کریں ۔ سانپ کاٹے ہوئے کو ایک ہون (وزن) پانی میں گھس کر کھلائیں زہر دفع ہو جائے گا ۔

۴ ۔ سمندر پھل ۔ ایک ہون وزن ٹھنڈے پانی میں گھس کر مارگزیدہ کو کھلائیں ۔ اور جس جگہ سانپ کاٹا ہو وہاں گھس کر لگائیں ۔ یہی علاج بچھو کیلئے بھی کریں ۔ گھوڑے کو بھی اگر سانپ کاٹا ہو تو یہی علاج کریں ۔ مگر گھوڑے کیلئے مقدار دوائی کم ہوا ہے اسی کا سفوف بنا کر نسوار کی طرح گھوڑے کی ناک میں پھونکیں ۔

۵ ۔ اگر کسی کو چوہا یا گھونس کاٹے اور بدن گانٹھ دار ہو جائے ، تڑک جائے ۔ یا پیپ جاری ہو ۔ اس کو سانپ کا پوست ایک قلم یا دو قلم وزن پیس کر گڑ (قند سیاہ) میں ملا کر چار وقت کھلائیں ۔ شفا ہو گی ۔

۶۔ **علاج دیوانے کتے کے زہر کا** :۔ چھوٹا سیاہ بوٹی جسکی پھلی چار انگل کے مقدار کے برابر ہوتی ہے۔ اور پھول زرد رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ پھلی مع پوست و بیج گائے کے دہی میں پیس کر صبح کا وقت پانچ دن تک کھلائیں۔ غذا وہی کھانا کھائیں اور پیاس لگے تو دہی پئیں۔ پانی ہرگز نہ پیا کریں۔

اگر دیوانہ کتا یا کولا گھوڑے کو کاٹے تو ایک ایک پوری پھلی دہی میں پیس کر صبح کا وقت پانچ روز کھلائیں۔

۷۔ **علاج نارو** :۔ ایک قلم یا دو قلم وزن سانپ کا پوست باریک پیس کر پرانے گڑ (قند سیاہ) میں صبح کا وقت سات دن تک کھلائیں۔

۸۔ **علاج بچھو کاٹے کا** :۔ اگر کسی کو بچھو کاٹے تو تین پتے کسوندے کے کھلائیں اور تھوڑا اپنے ہاتھ سے ملکر زخم پر لگائیں۔ (از کتاب فتح المجاہدین)

کیا کتاب فتح المجاہدین دیکھکر بھی انکار کیا جا سکتا ہے کہ سلطنت کا انتظام کس درجہ ترقی یافتہ تھا۔ اور اس کے علاوہ تمام مملکت میں حکام کی آگاہی کیلئے مندرجہ ذیل کتابیں تقسیم ہوئی تھیں :۔

۱۔ منتخب ضوابط سلطانی (سول اور فوجی ضوابط)

۲۔ رسالہ کچہری (دفاتر کے نظم و نسق کیلئے احکام)

۳۔ ضابطۂ امثال راہ رفتن سواری (سوار فوج کیلئے احکام)

۴۔ وقائع منازل۔

۵۔ حکم نامہ۔

اس کتاب میں خاص طور پر ایک باب میں تمباکو نوشی کے مضرات دکھلاتے ہوئے فوجی سپاہیوں اور رعایا کو تمباکو کے استعمال سے منع کیا گیا ہے۔ اور ایک دوسرے باب میں تاجرون اور دوکانداروں کو ناپ اور تول میں خیانت کرنے سے منع کرتے ہوئے مذہب کی رو سے بھی خیانت کو مذموم تبلایا گیا ہے۔

صحت اور صفائی کے متعلق جو احکام دیئے گئے ہیں۔ ان میں خاص طور پر افسران ضلع کو ہدایت دی گئی ہے۔ کہ شہروں اور دیہاتوں میں ایسے درخت لگائے جائیں جو غلیظ ہوا کو جذب کریں۔ دھوبیوں اور اسی قسم کے پیشہ وروں کو جنکی طرف سے گندگی پھیلنے کا احتمال ہو شہر سے باہر مکانات دیئے جائیں۔

بحری فوج کا انتظام

حالات نواب حیدر علی میں لکھا جا چکا ہے کہ اپنی سلطنت کی حفاظت کیلئے نواب حیدر علی نے بحری طاقت کی طرف توجہ کی اور جہازات بنانے کی ابتدا بھی کر دی تھی۔ نواب حیدر علی کی وفات کے وقت چند جہازات موجود تھے۔ سلطان نے تخت نشین ہوتے ہی اس جانب اپنی پوری توجہ کی۔ اس کا ارادہ تھا کہ ایک ایسا زبردست بحری بیڑا بنایا جائے جو ساحل ہند کی حفاظت کے علاوہ ان تمام بحری راستوں کی بھی نگرانی کرے جن سے ہو کر مغربی قومیں ہندوستان کو آرہی تھیں۔ اس مقصد کیلئے اس نے بندرگاہ بصرہ، بوشہر، عمان اور عدن کا انتخاب کیا۔ سلطان کی دُور بین نظر اس زمانے میں پہچان چکی تھی۔ کہ جب تک ان مقامات پر ہندوستان کا قبضہ نہ ہو۔ ہندوستان سلامت نہیں رہ سکتا۔ اسلئے ان بندرگاہوں کے حصول کی کوشش

کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی بحری طاقت کو بھی ترقی دینے کیلئے احکام جاری کئے ۔

رئیس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"بحری بیڑہ پہلے بورڈ آف ٹریڈ کے ماتحت رکھا گیا۔ اس سے یہ کام لیا جاتا تھا۔ کہ بحری قزاقوں سے ساحل کی حفاظت کرے۔ ان میں بار برداری کے جہاز بھی تھے اور یہ جہاز تجارتی سامان لیکر ایران و عرب کی بندرگاہوں تک جاتے تھے ۱۷۹۲ء میں جب سلطان کو شکست ہوئی اور سلطنت کا کچھ حصہ ہاتھ سے نکل گیا تو سلطان کو معلوم ہوا کہ بحری بیڑے کی کمزوری کی وجہ اسکو شکست ہوئی ہے سلطان نے اسکو محسوس کرتے ہوئے اسکی تنظیم شروع کی۔ کہ انگلستان کی بحری فوج کا مقابلہ کیا جائے۔ جنگ کے بعد ۱۷۹۳ء میں سلطان نے بھٹکل میں بحری مدرسہ قایم کیا۔ طرز تعلیم انگریزی طرز جہاز رانی پر رکھی گئی۔ بحری فوجی تعلیم کیلئے ایک کتاب لکھی گئی (افسوس ہے کہ اس کتاب کا نام معلوم نہ ہوسکا محمود) جس میں جہاز کے ایک کیل سے لیکر پورے جہاز کی ضروریات۔ جہازوں کی تعمیر، جنگ کے قواعد، جہاز چلانا، سپاہیوں کی خوراک بار بر (جہازوں کا پناہ گاہ) بنانا وغیرہ کے متعلق مفصل اور مشرح احکام موجود تھے۔ جہازی بیڑے کو بورڈ آف ٹریڈ (محکمۂ تجارت) کے ماتحتی سے نکالکر ایک خاص بحری کمیشن کے سپرد کیا گیا۔ اس میں گیارہ میر یم (لارڈ آف اڈمیرلٹی) اور تیس میر بحر (اڈمیرل) تھے۔ جن میں دس ساحل پر اور بیس جہازوں پر رہتے تھے۔

اسی سال سلطان نے سو جنگی جہاز تیار کرنے کا حکم دیا ۱۷۹۶ء میں سلطان نے بیس جہازوں کو ناقابل ٹھہراکر ڈبو دینے کا حکم دیا سلطان کی بحری فوج میں دس ہزار پانچسو بیس ملاح تھے جنگی جہازوں کی تفصیل حسب ذیل ہے :۔

۲۰ توپ کا ایک بڑا جہاز جس کے ماتحت ۲۰ چھوٹے جنگی جہاز تھے۔

۶۴ توپ کا ایک بڑا جہاز جس کے ماتحت ۶۶ چھوٹے جنگی جہاز تھے۔

رئیس لکھتا ہے کہ:۔

"سلطان کے احکامات پر ۱۷۹۶ء تک عمل نہیں ہوا"

نوٹ:۔ آج بھی ریاست میسور بھٹکل کو اپنا بندرگاہ بنانے کیلئے انگریزی گورنمنٹ سے خط و کتابت کر رہی ہے سلطان کی وسیع النظری نے اس زمانہ میں اسکو انتخاب کر لیا تھا۔

بورنگ اپنی کتاب حیدر علی و ٹیپو سلطان کے صفحہ ۲۱۳ پر لکھتا ہے:۔

"اسکی وہ آنکھیں جو ہمیشہ بیدار رہتی تھیں۔ ان سے ایک زبردست بحری بیڑے کی ضرورت بھی چھپی نہیں رہی۔ اسکے متعلق اس نے ایک فرمان جاری کیا جس میں جہازات بنانے کے طریقے، لکڑی کا انتخاب اور تمام بحری قواعد و ضوابط درج تھے۔ اس نے اس فرمان میں جزئیات پر تک بحث کی تھی۔ یہانتک کہ جہازوں کے پیندوں کیلئے کس قسم کی دھات اور کیلیں لگائی جائیں۔ یہ بھی لکھا ہوا تھا اس فرمان کی رو سے اس نے ایک محکمۂ بحری (بورڈ آف اڈمیرلٹی) قائم کیا تھا۔ جس میں گیارہ میریم اور ۳۰ میر بحر تھے۔ اس فرمان میں حکم کیا گیا تھا کہ مندرجۂ ذیل جہازات بنائے جائیں:۔

۲۰ اول و دوم قسم کے بڑے جنگی جہاز

جن میں ہر ایک پر علی الترتیب ۷۲ اور ۶۰ توپیں چڑھ سکتی تھیں۔

۲۰ تیسری قسم کے بڑے جنگی جہاز

جن میں ہر ایک پر ۴۶ توپیں چڑھ سکتی تھیں۔

سلطان نے یہ حکم بھی دے رکھا تھا کہ جب کبھی میر یم معائینہ کیلئے آئے تو سرکاری خرچ پر جہازوں کے ملازم اس کی دعوت (ڈنر) کا انتظام کریں۔

اس بیڑے کی تقسیم سلطان نے اس طرح کی تھی :-

اول، دوم قسم کے جنگی جہازات میں

۲ بندرگاہ جمال آباد (منگلور) میں

۲ " واجد آباد میں

۲ " مجید آباد (سداسیوگڑھ) میں

مقیم رہیں۔

مندرجہ بالا تجویز کے مطابق جہازات کا بنانا شروع ہو گیا تھا لیکن ابھی یہ تجویز تکمیل کو نہیں پہنچی تھی کہ سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

تجارت

یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ رعایا کی فارغ البالی اور ملک کی عام خوشحالی حکومت مسلطہ کی طرز حکمرانی پر منحصر ہے۔ اس لحاظ سے سلطنت خداداد یقیناً کل ہندوستان میں یگانہ روزگار تھی۔

بیجانن اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے :-

"سلطان ٹیپو ایک تجارتی دماغ لیکر پیدا ہوا تھا"

میجر آلن لکھتا ہے :-

"ٹیپو علاوہ بادشاہ ہونیکے ایک بہت بڑا تاجر بھی تھا"

تخت نشین ہونیکے بعد سب سے پہلا کام جو سلطان نے کیا وہ ملکی تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی دینا تھا۔ تجارت کو ترقی دینے کیلئے سلطان نے ایک کتاب لکھی جسکا نام "احکام"

تھا۔ یہ کتاب آٹھ باب پر مشتمل تھی۔ اس میں تجارت کے تمام اصول، قواعد و ضوابط مندرج تھے۔

رئیس لکھتا ہے کہ:۔

"سلطان نے اپنی مملکت میں ایسے احکام جاری کئے تھے جنکی رو سے وہ صدر التجار تھا۔ تجارت کی ترقی اور نگرانی کیلئے ایک بورڈ آف ٹریڈ (محکمہ تجارت) قائم کیا گیا۔ اس محکمہ میں نو تجارتی میر آصف (ٹریڈ کمشنر) مقرر ہوئے اور انکی نگرانی میں غیر ممالک سے تجارت کرنے کیلئے سترہ کوٹھیاں کھولی گئیں۔ اور اندرون سلطنت صنعت و حرفت کو ترقی دینے کیلئے تیس کارخانے (فیکٹریاں) قائم ہوئیں۔ تاجروں کو درآمد و برآمد کرنے کیلئے محکمہ تجارت یعنے بورڈ آف ٹریڈ کی منظوری حاصل کرنا ضروری تھی۔ چند مخصوص اشیا جیسے تمباکو، صندل، کالی مرچ اور صدنیات کیلئے اجارے (مانوپلی) دیئے جاتے تھے۔"

کرنل ولکس اپنی تاریخ میسور میں لکھتا ہے:۔

"تجارت میں سلطان کی یہ تمام جد و جہد ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارت اور انکے احکام و ضوابط کی نقل تھی۔"

رئیس لکھتا ہے:۔

"سلطان کا نصب العین یہ رہا کہ ملک کا روپیہ ملک سے باہر نہ جائے۔ سلطان یوروپین تاجر اور خصوصاً انگریزوں کے ساتھ تجارت کرنے کو خطرناک سمجھتا تھا۔ باہر کے تمام مال کی درآمد سختی سے بند کردی گئی۔ اور برآمد پر بھی بہت سے قیود لگا دیئے گئے تھے۔ میسور کی کالی مرچ کثرت سے باہر جاتی تھی۔ اور خصوصاً یوروپین تاجر اسکی خریدی کے لئے آتے تھے۔ سلطان نے کالی مرچ کی برآمد روک دی۔ مگر چونکہ یہ ساحلی علاقوں میں

بھی ہوتی تھی۔ اسلئے چوری چھپے اسکی تجارت ہو جاتی تھی جب سلطان کو یہ معلوم ہوا تو ساحلی اضلاع پر بھی ان کی کاشت مسدود کر دیگئی۔ صرف اندرونی علاقوں میں محدود رقبوں میں کاشت ہونے لگی۔

اس سے سلطان کا مقصد یہ تھا کہ سلطنت کے راز باہر افشا نہ ہوں۔ مگر چند ایسی اشیا بھی تھیں جنکی برآمد کی اجازت سلطان نے دے رکھی تھی۔

اگر سلطان کے مکاتیب اور وہ ہدایات جو اس نے لنگر طے غلام علی کو ترکی سے معاہدہ کرنے کیلئے دیئے تھے اور انکے ساتھ ساتھ بچانن کی تحریر کا اقتباس جو کسی اور جگہ دیا گیا ہے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ سلطان کے حوصلے کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔ وہ ہندوستان کی خوشحالی کے ساتھ ساتھ تمام ممالک اسلامیہ کی خوشحالی بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے ترکی، ایران مصر، برما اور چین میں تجارتی کوٹھیاں قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کا مقصد ان کوٹھیوں سے یہ تھا کہ مسلمان پھر تجارت صنعت و حرفت کی طرف راغب ہوں۔ اور وہ روپیہ جو تجارت کے ذریعہ یوروپین اقوام لے جا رہے تھے اس کا سدِ باب ہو جائے۔

مندرجہ بالا سطور سلطان کی تعریف کیلئے نہیں لکھے گئے۔ بلکہ ان کا ثبوت آئندہ اوراق میں بچانن کی تحریر کا اقتباس اور سلطان کے مکاتیب وغیرہ دے رہے ہیں سلطان کا ارادہ تو یہ تھا کہ اپنا ملک خوشحال ورعایا فارغ البال بنے۔ اسکی اس جدوجہد کا ذکر مسٹر نے گو تذکرہ تو کیا ہے لیکن پھر بھی تعصب سے لکھا ہے :۔

"ایسٹ انڈیا کمپنی کی نقل کرتے ہوئے سلطان نے اپنی مملکت میں بہت سے احکام جاری کئے۔ اس سے اس کا مقصود ذاتی منفعت تھا"

سمجھ میں نہیں آتا کہ جب سلطنت میں تجارت زیادہ ہو اور صنعت و حرفت روز افزوں

ترقی پر ہو تو خاص سلطان کو ہی کس طرح فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ اس سے تو ہر شخص فائدہ اٹھاتا ہے اور سلطنت کی آمدنی میں بھی ترقی ہوتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہزاروں آدمیوں کیلئے معاش کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ سلطان کی جدوجہد کا نتیجہ بھی نکلا کہ ملک بالکل خوشحالی اور اس میں بیکاری کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ اس کا ثبوت ڈبلیو ٹارنس ممبر پالیمنٹ کی تحریر اس طرح دے رہی ہے:۔

"ٹیپو کی زیر حکمرانی میسور تمام ہندوستان میں سب سے زیادہ سرسبز اور اسکے باشندے سب سے زیادہ خوش حال تھے۔

بنک

رئیس لکھتا ہے:۔

"تمام سلطنت میں رعایا، تاجروں اور کاشتکاروں کی سہولت اور انکے فائدے کیلئے بنک جاری تھے۔ ان میں مخصوص بات یہ تھی۔ کہ غریب طبقہ اور چھوٹے سرمایہ والوں کو زیادہ فائدہ پہنچایا جاتا تھا۔ چنانچہ پانچ سو روپیہ جمع کرنیوالے کو ۵۰ فی صدی سالانہ نفع اور پانچسو سے پانچہزار تک ۲۵ فیصدی سالانہ نفع اور پانچہزار سے اوپر ۱۲ فیصدی سالانہ نفع ملتا تھا۔ یہ بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کی نقل تھی۔ اور اس کا مقصد صرف لوگوں کو لوٹنا تھا۔"

افسوس ہے کہ رئیس نے اس لوٹ کو پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچایا۔ سلطان کا ہر ہنر دشمنوں کو عیب ہی نظر آیا۔ دروغ گورا حافظہ نباشد کے مصداق رئیس پھر اپنی کتاب میں لکھتا ہے:۔

"ان بنکوں کے ماتحت سرکاری دوکانات ہوتی تھیں۔ جہاں ہر قسم کا مال مہیا ہوتا تھا۔ جو سرکاری اور دوسرے لوگوں کو فروخت کیا جاتا تھا۔ اس طرح جو منافع

حاصل ہوتا وہ بنک کے ذریعہ لوگوں کو دیدیا جاتا تھا۔

نوٹ: سرکاری دوکانات سے رئیس کی مراد غالباً آج کل کی کواپریٹیو سوسائٹیاں ہیں۔)

زراعت | سلطنت خداداد سے پہلے میسور ایک خالص زراعتی ملک تھا۔ جہاں ضروریات زندگی پیدا کرلی جاتی تھیں۔ عام طور پر باشندوں کی غذا راگی ہے جو کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ سرنگاپٹم اور اس کے نواح میں چاول کی بھی کاشت ہوتی تھی البتہ میسور کے جنگلات میں ساگوان اور ریشم کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ اور اب بھی پیدا ہوتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سلطنت خداداد سے پیشتر ملک میسور کو ہندوستان میں کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ یہ سلطنت خداداد کا احسان ہے کہ اسکا نام اطراف عالم میں گونج اٹھا آج بھی انگلستان و یورپ میں اگر حیدر علی و ٹیپو سلطان کا نام نہ لیا جائے تو میسور کی اہمیت کو کوئی نہیں سمجھتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ میسور کی خام پیداوار اور صنعت و حرفت سے دنیا نا آشنا تھی سیاسی دنیا میں میسور کو اہمیت حیدر علی ٹیپو سلطان کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ صنعت و حرفت کی ترقی سے میسور کو دنیا سے جس نے روشناس کرایا وہ سلطان ہی تھا

اگلی سطور میں تجارت کے متعلق لکھا جاچکا ہے اب یہاں سلطان کی اس جد و جہد کا بیان کیا جاتا ہے۔ جو اس نے زراعت کو ترقی دینے کیلئے کی۔

سلطان کی ملکی اصلاحات میں بتلایا جاچکا ہے کہ اس نے زمینداریوں کو ختم کرکے کسانوں کو زمین کا مالک بنادیا جسکی وجہ سے کاشت کار جو سالہا سال سے قسم قسم کے محصولات سے دبے ہوئے تھے آزاد ہوگئے۔ اصلاحات کی تحت میں یہ بھی لکھا جاچکا ہے کہ زمین کا لگان کس حد تک کم کردیا گیا تھا یہانتک کہ لگان زمین کی وسعت پر نہیں بلکہ پیداوار کے لحاظ سے لیا جاتا تھا۔ اور تری زمین کرنے والے کاشتکاروں کو خشک زمین مفت دی جاتی تھی۔

اور یہ بھی سلطانی حکم تھا کہ جب تک زمین میں پیداوار نہ ہو۔ لگان نہ لیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میسور کا چپہ چپہ زمین آباد ہو گئی۔

میجر ڈائرم جو میسور کی تیسری جنگ میں انگریزی فوج کا افسر تھا اپنے چشم دید حالات اس طرح لکھتا ہے :-

"ٹیپو نے جبر اصول پر سلطنت کا نظام قائم کیا ہے۔ اسکی وجہ سے اس کا ملک ہر جگہ آباد پایا گیا۔ اور زمین جو قابلِ کاشت ہے۔ اپنی انتہا تک کاشت کیگئی ہے اس کا فوجی نظام اور میدان جنگ میں اسکے سپاہیوں کی وفاداری اس بات کا ثبوت دے رہی ہے کہ اسنے ملک میں ایک ایسی حکومت قائم کر رکھی ہے جو رعایا کو شخصی آزادی دے رکھی ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بادشاہ رعایا کو تکلیف دینے والا نہیں۔ بلکہ انکے درد و دکھ کا شریک ہے۔ اس کا بے رحمانہ سلوک اگر کسی پر ہوتا ہے تو وہ وہی لوگ ہیں۔ جو اسکے دشمن سمجھے جاتے ہیں"

(میجر ڈائرمس نیارٹیو صفحہ ۲۴۹)

سلطان سے پہلے ملک میسور ریشم اور اس کی کاشت سے بالکل بیگانہ تھا۔ ملک میں جو ریشمی چیزیں بنی ہوئی آتی تھیں وہ یا تو چین سے آتی تھیں یا بنگالہ سے۔

سلطان نے دو وفد روانہ کئے۔ ایک چین کو اور دوسرا بنگالہ کو۔ وہاں سے ان وفود کے ارکان نے شہتوت کی چند شاخیں اور کچھ ریشم کے کیڑے لیکر واپس آئے۔ ملولی تعلقہ میں دھنگور اور ٹمکور علاقہ میں موضع کنگل میں ریشم کی کاشت شروع کی گئی۔ وہاں سے ریشم سرنگاپٹم لاکر اس سے یہاں کپڑا تیار ہونے لگا۔ آج بھی ریاست میسور میں ایک خاص قسم کے شہتوت کو سلطانی کڈی کہا جاتا ہے۔

اس زمانہ میں جب یہ تاریخ لکھی جا رہی ہے میسور نے ریشم کی کاشت اور صنعت میں اس قدر ترقی کی ہے کہ تقریباً دو لاکھ خاندان اس پر اپنا گذارہ کر رہے ہیں ۔

ریشم کی طرح جائیپھل سے بھی میسور نا آشنا تھا سلطان نے ٹراونکور سے چند جائیپھل کے پودے منگوا کر نہایت احتیاط سے انہیں لگوائے ۔

مورخ ولکس لکھتا ہے :۔

"سلطان نے بڑی احتیاط سے چند جائیپھل کے پودے ٹراونکور سے لاکر لال باغ میں لگوائے ۔"

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج میسور سے جائیپھل باہر کے ممالک کو بھیجا جاتا ہے ۔

نوٹ :۔ یہاں یہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ میسور میں اگلے زمانے میں کافی نہیں ہوتی تھی آج سے تقریباً چار صدی پہلے بابا بڈھن نامی ایک بزرگ عرب سے ہندوستان آئے اور خوش نصیبی سے اس قطعہ زمین پر اقامت فرمائے جو ریاست میسور میں بابا بڈھن گری کہلاتا ہے۔ آپ کافی کے چند بیج اپنے ہمراہ لائے یہاں پہنچکر اس کی زراعت کی ترویج دی آج ملک میں کافی کے صدہا باغات ہیں جس سے رعایا اور حکومت دونوں فائدہ اٹھا رہے ہیں ،

تجارت کے بیان میں لکھا جا چکا ہے کہ سلطان نے تیس کوٹھیاں کھولی تھیں ۔ یہاں سے غیر ممالک کو مال بھیجا جاتا تھا ۔ میسور سے جو خام پیداوار بھیجی جاتی تھی ۔ ان میں کالی مرچ صندل، الائچی اور کافی کو خاص اہمیت حاصل تھی ۔

سلطان نے زراعت کو ترقی دینے کیلئے بنگلور اور سرنگاپٹم میں دو باغ بنائے ۔ سرنگاپٹم کا لال باغ تو آج موجود نہیں ہے لیکن بنگلور کا لال باغ ابھی موجود ہے اور اس کی شہرت ہندوستان سے لیکر یورپ و امریکہ تک پہنچ چکی ہے ۔

لال باغ بنانے سے سلطان کا مقصد ایک زرعی معمل تھا ۔ جہاں اور ممالک کے درخت اور

بیج منگوا کر یہ دیکھا جاتا تھا۔ کہ انکی کاشت اس ملک میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟

بچانن اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے:۔

"میں نے لال باغ دیکھا۔ یہاں زمین کو مربع قطعوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر قطعہ کے بازو راستہ ہے جس پر دونوں جانب خوبصورت سرو کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ یہ قطعے پھلدار درختوں اور گملوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ درختوں کی قسموں کو علیٰحدہ علیٰحدہ قطعے مخصوص کئے گئے ہیں۔ یہاں سرو، انگور، ناشپاتی اور سیب کثرت سے اور نہایت عمدہ ہوتے ہیں۔ یہ تعجب سے دیکھا گیا کہ ٹیپو نے جنوبی افریقہ سے صنوبر اور سرو کے جو درخت منگوا کر لگائے ہیں وہ نہایت اچھی حالت میں ہیں۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۸۰)

(نوٹ:۔ بچانن ۱۸۰۰ء میں یعنے زوال سلطنت کے ایک سال بعد یہاں آیا تھا۔)

ایک اور سیاح لکھتا ہے:۔

"لال باغ میں ٹیپو نے تجربہ کے طور پر دنیا کے تمام درخت لگائے ہیں۔ اور یہاں رات دن تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ کہ کونسے مفید درخت یہاں کی آب و ہوا کے لحاظ سے موزوں ہو سکتے ہیں۔"

اسی سلسلے میں سرنگاپٹم کے لال باغ میں جو تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ انجیر، امرود اور تربوز یہاں کی آب و ہوا میں خوب پھلتے ہیں اور شیریں ہوتے ہیں۔

نوٹ:۔ آج میسور گورنمنٹ نے سرنگاپٹم میں پھر انجیر کی کاشت پر توجہ کی ہے۔ اور کاشت کرنے والوں کو پانی اور زمین مفت دینے کے علاوہ دوسری سہولتیں بھی دی گئی ہیں۔

سلطان کے مکاتب جو کسی اور جگہ دیئے گئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے

یہاں زعفران کی کاشت کا تجربہ بھی کیا تھا۔

کسانوں کی حالت بہتر بنانے اور ملک میں زراعت کو ترقی دینے کیلئے سلطان کا سب سے بڑا کارنامہ دریائے کاویری کا وہ پشتہ ہے جس کو آج "کرشنا راج ساگرا" کہا جاتا ہے اس لئے بجا طور پر آج کے مورخین سلطان کو "ٹیپو دی ڈیام بلڈر" (Tipu the Dam Builder) لکھتے ہیں۔ بمبئی کے مشہور اخبار السٹریٹیڈ ویکلی مورخہ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں اس عنوان سے دریائے کاویری کے پشتہ کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا ہے لیکن یہاں میسور گورنمنٹ کی کتاب ٹورسٹ گائیڈ ٹو میسور سے مضمون لیا جاتا ہے:۔

"کرشنا راج ساگرا"

"دریائے کاویری کے دامن میں جو قابل زراعت زمین علاقہ میسور میں ہے۔ اس کی وسعت ۱۱۵۰۰ مربع میل ہے۔ زمانۂ قدیم سے دریا سے نالے کاٹ کر جو زمین کاشت کی جاتی تھی۔ اس کا رقبہ کل ۱۸۰ میل ہے بقیہ خشک زمین کی آبپاشی کرنے کیلئے میسور گورنمنٹ ایک عرصہ سے تجاویز سوچ رہی تھی۔ آخر ۱۹۱۱ء میں موجودہ بند جس کو "کرشنا راج ساگرا" کا نام دیا گیا ہے شروع کیا گیا جس سے تین مقاصد زیر نظر ہیں۔

۱۔ گرمی کے دنوں میں قلتِ آب کی وجہ سیو اسمدرم میں برقی طاقت حاصل کرنے میں جو مشکلات ہوتی ہیں ان کا سدِّباب کیا جائے۔

۲۔ سیو اسمدرم کی برقی طاقت جو کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ اس کو ایک حالت پر لایا جائے۔

۳۔ خشک زمینوں کا ایک وسیع رقبہ نہروں کے ذریعہ قابلِ کاشت بنایا جائے۔

یہ مشہور بند شہر سرنگاپٹم سے ۹ میل جانب مغرب میں ہے۔ اور اس کا رقبہ تقریباً پچاس مربع میل پر پھیلا ہوا ہے۔ بند ۱۲۴ قدم اونچا اور اس میں پانی کی مقدار اوپر کی نالیوں کی سطح سے ۴۲۸۲۷ ملین مکعب فیٹ ہے اس میں ایک چوتھائی حصہ برقی روشنی کیلئے اور تین چوتھائی آبپاشی کیلئے رکھا گیا" اس موقع پر اگر ہم ایک تاریخی بیچے واقعہ کا ذکر کریں تو بیجا نہ ہوگا جب اس بند کیلئے کھدائی کا کام ہو رہا تھا۔ تو ایک قدیم کتبہ ملا جس میں ٹیپو سلطان کی یہ فارسی تحریر موجود ہے۔

کتبہ

یا فتاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - [illegible] ذی الحجہ سنہ [illegible] بروز دوشنبہ [illegible] قبل طلوعِ آفتاب اچھی لگن اور نیک ساعت میں اللہ کے فضل اور اسکے حبیب محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طفیل میں زمین و زمان کے خلیفہ سلطان جہاں حضرت ٹیپو ظل اللہ (خداوند تعالیٰ ان کی سلطنت اور خلافت کو برقرار رکھے) نے کاویری ندی پر دارالسلطنت کے قریب میں "مہی" نام کے پشتہ کی سنگ بنیاد رکھی بشروع کرنا ہمارا کام ہے اور تکمیل تک پہنچانا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

جس مبارک ساعت میں بنیاد رکھی گئی۔ اس دن سورج، چاند، شکر (زہرہ) اور برہسپت (مشتری) چاروں کا ایک ہی برج (راس) میں مبارک قیام تھا اللہ کے فضل سے یہ پشتہ تا قیامت قائم و برقرار رہے۔

اس پشتہ کی تیاری میں جو لاکھوں روپے سرکار خداداد نے خرچ کئے - وہ

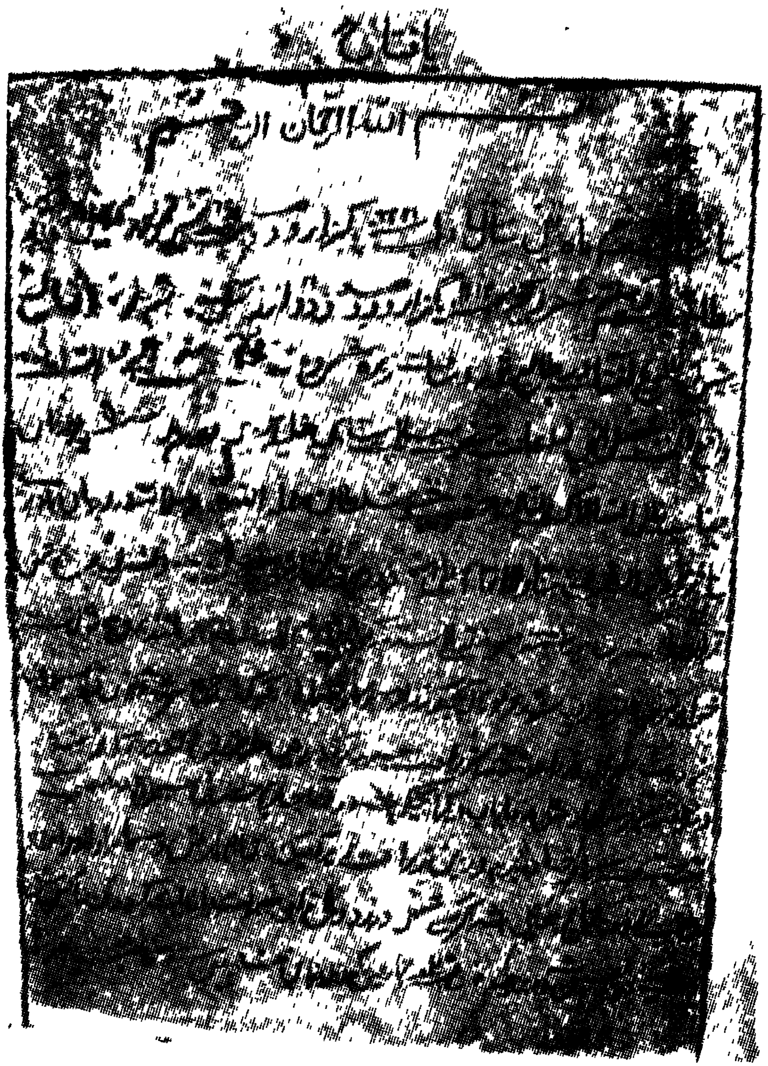
صرف اللہ ہی کی راہ میں صرف کئے گئے ہیں۔ قدیم یا جدید کاشت کے علاوہ بھی جو کوئی بھی اس تالاب سے آب پاشی کریگا۔ وہ اس پیداوار یا رقم کا جو اوّر رعایا قانوناً سرکار میں جمع کرتی ہے۔ صرف ۱/۴ حصہ سرکار خداداد کو دے، باقیماندہ ایک چوتھائی خدا کی راہ میں معاف ہے۔ اور جو کوئی اس لشتہ (تالاب) سے نئی زمین میں کھیتی باڑی کریگا۔ تو وہ زمین اسکی اولاد اور وارثوں کے قبضہ میں نسلاً بعد نسلاً اس وقت تک رہیگی جب تک زمین و آسمان قایم ہیں اگر کوئی شخص اس میں رکاوٹ ڈالے یا اس کار خیر میں مداخلت کرے تو وہ کمینہ خصلت ملعون شیطان کی طرح صرف کسانوں ہی کا نہیں بلکہ تمام انسانی نسل کا دشمن سمجھا جائے گا۔"

کتبہ سید جعفر (ترجمۂ فارسی)

میسور گورنمنٹ نے اس کتبہ کو بند کرکے داخلہ کی جگہ پر ایک کمان باندھ کر نمایاں طور پر لگایا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان نے لاکھوں روپیہ خدا کی راہ میں خرچ کئے۔ اور کسانوں کو اجازت دی کہ جو شخص تالاب یا نہر کے پانی سے زمین میں نئی زراعت کریگا۔ اس کو اوروں کی طرح زیادہ لگان دینے کے بجائے کم لگان دینا پڑیگا۔ اور سینچی ہوئی زمین اس کی موروثی سمجھی جائے گی۔

اس بند کی تعمیر اور اس کتبے کو دیکھتے ہوئے قدرتی طور پر خیال گذرتا ہے کہ سلطان کس قدر عالی دماغ تھا۔ اور اس زمانہ کے لوگ فنِ انجینری میں کس قدر ماہر تھے حکومت میسور نے جب دریائے کاویری پر بند باندھنا چاہا تو اسکے لئے میسور کے انجینروں کے



کتبۂ سدِّ محی

ٹیپو سلطان کا یہ کتبہ کرشنا راج ساگر پر لگا ہوا ہے۔

علاوہ جرمنی، انگلستان اور امریکہ سے تک انجنیئر طلب کئے۔ جنہوں نے سالہا سال دریائے کاویری کا سروے کیا اور آخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ بند موضع بلگولا کے قریب جو سرنگا پٹم سے دس میل جانبِ مغرب ہے۔ تعمیر کیا جائے۔ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ سلطان ٹیپو کا انجنیری دماغ اور اس کی عالی دماغی ڈیڑھ سو سال پہلے اسی جگہ کو انتخاب کر چکی تھی۔ یہ ایک حسن اتفاق تھا۔ بلکہ قدرت کو منظور تھا کہ اس سلطان کا نام جسکو مغربی مورخین نے حد درجہ بدنام کر دیا ہے۔ دنیا میں پھر ایک بار روشن کرے۔ چنانچہ جب کھدائی ہوئی تو انجنیروں کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ وہاں ایک فارسی کتبہ زمین میں گڑھا ہوا ملا (اس کتبہ کی عبارت اوپر دی گئی ہے اور اس کا عکس بھی دیا گیا ہے) عبارت سے ظاہر ہے کہ سلطان کے دل میں رعایا پروری کا کس قدر صحیح جذبہ موجود تھا۔

کیا آج دنیا کی کوئی حکومت اس سے بڑھ کر رعایا پروری۔ فراخدلی اور فیاضی کی مثال پیش کر سکتی ہے؟

نوٹ: ـ یہ بند جس کا آغاز سلطان نے کیا اور سنگ بنیاد بھی رکھ دیا تھا سلطنت کے سقوط کی وجہ سے تعمیر نہ ہو سکا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح علامہ اقبال رح نے کہا ہے کہ اسکی روح ابھی میسور میں کام کر رہی ہے بند کی تعمیر کا خیال حکومت میسور کو آیا اور وہی جگہ منتخب ہوئی جو سلطان نے کی تھی۔ یہ سچ ہے کہ میسور کی موجودہ حکومت نے بھی اس پر لاکھوں روپیہ خرچ کی ہے اور اسکی تکمیل موجودہ مہاراجہ سری کرشنا راجہ وڈیر کے عہدِ حکومت میں ہوئی اور اسی لحاظ سے اسکو "کرشنا راج ساگرا" کہا جاتا ہے لیکن اگر تاریخی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ قرینِ انصاف تھا کہ میسور کے اس محسن سلطان کے نام پر اس بند کا نام رکھا جاتا۔ اس بند کے دیوار کی اونچائی ۱۲۴ قدم اور پانی کی مقدار ۴۱۵۰۰ ملین کیوبک فیٹ ہے۔ اس بند پر حکومت میسور نے ۳۶۷ لاکھ روپیہ خرچ

کیا ہے اور اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس سے ڈیڑھ لاکھ ایکڑ زمین سیراب ہو رہی ہے۔ بند کے نیچے جو باغات لگائے گئے ہیں وہ یقیناً اس شعر کی یاد تازہ دلاتے ہیں۔ ؎

اگر فردوس بر روئے زمیں است   ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

زراعت کو تقویت دینے کیلئے سلطنت خداداد کا دوسرا بڑا کارنامہ امرت محل ہے ۔

امرت محل ایک زراعتی ملک کیلئے عمدہ قسم کے جفاکش مویشی کی کس قدر ضرورت ہے۔ محتاج بیان نہیں یا میسور و ہندوستان میں زراعت بیلوں کے ذریعہ ہوتی ہے ۔ سلطنت خداداد سے پیشتر جو مویشی ملک میں موجود تھے۔ وہ اس قدر چھوٹے اور کمزور تھے کہ زیادہ محنت کے قابل نہیں تھے۔ اور اسی لحاظ سے گائے بھی بالکل چھوٹی ہوتی تھی۔ جو بالکل کم دودھ دیتی تھی۔ اس لئے رعایا کو دودھ اور گھی کافی مقدار میں نہیں ملتا تھا۔ اسکے علاوہ فوجی نقطۂ نظر سے بھی جو بیل میسور میں تھے۔ وہ باربرداری کے قابل نہیں تھے۔ اور نہ گھوڑے ہی ملک میں پیدا ہوتے تھے۔ البتہ میسور کے جنگلات میں ہاتھی ملتے تھے۔

سلطنت خداداد کے حکمران نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کا اس ملک پر ایک بڑا احسان ہے۔ جو انہوں نے ایک محکمہ امرت محل کے نام سے قائم کیا۔ اور اس میں بیل، بکرے، گھوڑے، خچر اور ہاتھیوں کی پرورش اور عمدہ نسل کشی کا انتظام کیا ۔

رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۹۹ میں لکھتا ہے :—

" امرت محل جیسکے نام سے ہی ظاہر ہے کہ یہ خالص دودھ کی فراہمی کیلئے ہے۔ یہ محکمہ فوجی ضروریات کیلئے قائم ہوا۔ حیدر علی کا مقصد اس محکمہ کے قائم کرنے سے یہ تھا کہ فوجی باربرداری کیلئے عمدہ اور محنتی مویشی حاصل کئے جائیں۔ اس غرض کیلئے

ترچناپلی سے ایک خاص قسم کے نر بیل بچہ کشی کیلئے لائے گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ بیلوں کی ایک خاص قسم جس کو میسور میں "ہلی کار" کہا جاتا ہے پیدا ہوئی جو اپنی جفاکشی اور اپنی محنت کیلئے نہایت ہی مشہور ہے "

سر مارک کبن لکھتا ہے: ۔

"یہی وہ محکمہ ہے جس نے حیدر علی کو کرناٹک کی جنگ میں صرف دو دن کے اندر ایک سو میل طے کر کے چدمبرم پر دھاوا کرنے میں مدد دی۔ یہی وہ بار برداری کے بیل ہیں جو ٹیپو سلطان کو جزیرہ نمائے جنوبی ہند کو ایک ماہ کے اندر عبور کر کے تھے بدنور پر حملہ کر کے قبضہ کرنے میں ممد و معاون ہوئے۔ اور یہی وہ جانور ہیں جنکی وجہ سے ٹیپو سلطان نے ۶۳ میل کا فاصلہ دو دن میں طے کر کے جنرل میڈوز کو شکست دی "

اسی محکمے کے بیل تھے جن سے انگریزوں نے بعد زوال سلطنت خداداد کام لیکر مرہٹوں کو شکست دی۔ ڈیوک آف ولنگٹن کو یوروپ میں جبکہ وہ جنگوں میں مصروف تھا تو یہی حسرت رہی کہ: ۔

"سامان رسد اور توپوں کی جلد سے جلد نقل و حرکت کیلئے اسکے پاس محکمہ امرت محل کے مویشی نہیں ہیں "

سلطنت خداداد کا یہ وہ احسان ہے۔ جسکے بار سے میسور سر نہیں اٹھا سکتا۔ ان مویشیوں کو پالنے کیلئے خاص چراگاہیں مقرر تھیں۔ اور انکا رکھ رکھاؤ نہایت اعلیٰ درجہ پر تھا۔ زوال سلطنت کے بعد جب یہ محکمہ میسور کے راجہ کی تحت میں دیا گیا تو نسل کشی اور بیلوں کی قسم میں اس قدر انحطاط آگیا۔ کہ مجبوراً سرکار انگریزی کو یہ محکمہ اپنے ماتحت لینا پڑا۔

خچر :۔ میسور اور جنوبی ہند میں نامعلوم تھے۔ بار برداری کیلئے خچروں سے زیادہ مضبوط اور جفاکش جانور کوئی نہیں۔ خاص اس غرض کو مدِنظر رکھتے ہوئے ٹیپو سلطان نے عرب سے نسل کشی کیلئے عمدہ گدھے منگوائے۔

رئیس لکھتا ہے کہ :۔

"سلطان کی رعایا اس قسم کی نسل کشی کے خلاف تھی۔ اسلئے اس بات میں سلطان کچھ زیادہ کارروائی نہیں کر سکا"

نوٹ : میسور کے ملا لوگ جو زیادہ تر سادات تھے مخالف ہو گئے کہ گھوڑے جیسے اعلیٰ اور گدھے جیسے ادنیٰ جانور کے ملاپ سے کیوں ایک انوکھی اور ادنیٰ نسل پیدا کی جاتی ہے)

گھوڑے ۔ کرنل ولکس لکھتا ہے :۔

"کل ہندوستان میں جو گھوڑے استعمال میں ہیں۔ وہ وہی بدنما ٹٹو ہیں جن کی اونچائی بارہ ہاتھ سے بڑھ کر نہیں ہوتی۔ حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے گھوڑوں کی نسل عمدہ بنانے میں ہر درجہ کوشش کی نسل کشی کیلئے عرب اور مختلف ملکوں سے عمدہ جانور منگوائے گئے۔

گھوڑوں کی ترقی کیلئے محکمہ امرت محل کے ماتحت مختلف مقامات پر چراگاہیں اور فارم قائم کئے گئے۔ اور انکا انتظام نہایت ہی اعلیٰ درجہ پر تھا۔ جو نسل کہ یہاں حاصل کی گئی۔ وہ اس قدر جفاکش اور محنتی تھی کہ سلطنت خداداد کی کیولری میں یہی گھوڑے استعمال ہوتے تھے"

یہی کرنل لکھتا ہے :۔

"اس محکمہ کے ماتحت کولار میں جو نسل پیدا ہوئی۔ وہ اسقدر شریر اور تند و تیز

تھی۔ کہ آج بھی تمام جزیرہ نمائے ہند میں جہاں کہیں حشر پر گھوڑ پھٹتا ہے۔ اس کو کولاری کہا جاتا ہے۔"

ہاتھی :۔ رئیس لکھتا ہے :۔

"ہاتھیوں کی پرورش اور نسل کشی کیلئے مختلف مقامات میں چراگاہیں محفوظ تھیں۔"

(نوٹ :۔ اس وقت ریاست میسور میں جو محکمۂ امرت محل ہے۔ اس میں صرف گائیوں کی پرورش اور نسل کشی ایک محدود پیمانہ پر ہوتی ہے کنگل میں گورنمنٹ کی جانب سے گھوڑوں کی نسل کشی کے لئے بھی چھوٹے پیمانہ پر ایک فارم ہے۔ اور یہاں کے گھوڑے ہندوستان بھر میں مشہور ہیں)

صنعت وحرفت | تجارت کا دارومدار زراعت اور صنعت وحرفت پر ہے۔ جس قدر پیداوار زراعت سے ہوگی۔ کسان اسی قدر فارغ البال ہوں گے۔ بشرطیکہ حکومتِ سلطنت انہیں بھاری بھاری ٹیکسوں میں نہ جکڑ دے۔ سلطنتِ خداداد میں کاشتکاروں کو جو سہولتیں سلطان نے دی تھیں۔ ان کا بیان اصلاحاتِ سلطانی اور زراعت کے عنوانات کے تحت دیا گیا ہے۔ تجارت کے عنوان کے تحت یہ بھی تبلایا جاچکا ہے کہ سلطان نے سترہ تجارتی کوٹھیاں اور تیس کارخانے کھولے تھے۔ جن میں ہزارہا آدمی کام کرتے تھے۔ ان کارخانوں میں جو چیزیں تیار ہوتی تھیں۔ انکا ذکر رئیس نے بھی کیا ہے اور سیاح بچانن نے بھی۔

رئیس نے جن صنعتوں کا ذکر اپنی تاریخ میں کیا ہے وہ حسب ذیل ہے :۔

(۱) معدنیات :۔ سونا اور لوہا وغیرہ نکالا جاتا تھا۔ بہت سے مقامات پر سونا اس طرح دستیاب ہوتا تھا۔ کہ سونے کی مٹی لیکر اسکو پانی میں چھان لیا جاتا تھا سونا بوجہ بھاری ہونیکے تہ نشین ہوجاتا۔ اسطرح سونا زیادہ تر علاقہ کولار اور دانباڈی

میں ملتا تھا۔

نوٹ: ۔ میری عمر کے تقریباً ۱۸ سال معدنہائے طلا میں گذرے ہیں جن میں آخر کے چند سال نئے معدنوں کی دریافت میں بسر ہوئے۔ اس سلسلۂ ملازمت میں میں نے میسور، اننت پور، کڈپہ، کرنول گدگ، النادار وغیرہ کے جنگلوں میں قیام کیا ہے۔ اور ذاتی تجربہ کی بنا پر مسٹر ولیم ورڈس کی تحریر پر یہ اضافہ کر رہا ہوں کہ سونا دو طرح سے نکالا جاتا تھا۔ ایک تو وہی طریقہ جو اوپر تحریر ہوا ہے اور دوسرا کان کنی کے ذریعہ۔ آج کل سونا نکالنے والی کمپنیوں کا دارومدار بھی اس پر ہے کہ پرانے کان دریافت کریں۔ اور وہاں کام جاری کریں۔ اننت پور میں جو معدنہائے طلا تھے۔ ان میں ناگ سمدرم ریلوے اسٹیشن سے دس میل مغربی جانب پر قدیم کانوں کا ایک سلسلہ آدھ میل طول پر پھیلا ہوا ہے۔ کانوں کے اندر چونکہ ہوا پہنچانے کا ذریعہ نہیں تھا۔ اس لئے یہ کان صرف کنوئیں کے نمونہ کے ہیں۔ گو ان کا طول و عرض پچیس تیس فیٹ ہے۔ مگر تعجب ہے کہ ان میں سے بعض دو ڈھائی سو فیٹ گہرے ہیں نہیں معلوم کہ پانی کس طرح خارج کیا جاتا تھا۔ گنٹکل سے بیس میل پر چند کانیں ہیں۔ یہ بھی اسی طرح کی ہیں۔ مگر زمین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سطح زمین پر بھی سونا بکثرت تھا۔ جو پتھر کاٹ کر نکالا جاتا تھا۔ اور ہر ہر قدم پر کاٹنے کے نشانات ہیں۔ کرنول سے چالیس میل پر پترماہے کی کانیں بھی اسی نمونہ کی ہیں پتھر سے سونا نکالنے کیلئے ہر جگہ ان کانوں کے قریب پانی کے نزدیک پتھروں کے بڑے بڑے سل اور گولے موجود ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے پتھروں کو یہاں لاکر پیس لیا جاتا تھا۔ اس قسم کے پتھر ضلع اننت پور میں دریائے پنار کے کنارے پانچ چھ مقامات پر ہیں۔ گدگ وغیرہ میں بھی بہت سے پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ گرم کنڈے کے قریب ایک پہاڑ پر لوہے کے پگھلے ہوئے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لوہا نکالکر ڈھالا جاتا تھا۔ اننت پور کے بہت سے ایسے کانوں

کے قریب تالاب بھی ہیں۔ جنکے پشتہ پر صرف سنہ ہجری لکھا ہوا ہے۔ اور یہ سنہ حیدر علی ٹیپو سلطان کے زمانہ کا ہے۔

اس سے یہ مقصد نہیں کہ حیدر علی ٹیپو سلطان کے زمانے میں ہی کان کنی کا رواج ہوا ہے بلکہ قدیم زمانہ سے (غالباً ہندو قوم جب اپنے عروج پر تھی) ہندوستان میں کان کنی جاری تھی۔ اور عجب نہیں کہ حیدر علی و سلطان کے زمانہ میں بھی ان کانوں پر کام کیا گیا ہو۔ محمود

۲۔ مٹی کی مصنوعات: علاوہ تمام گھریلو ضروریات کے جو ہر جگہ بنائی جاتی تھیں، کارخانوں میں چینی کے برتن، کانچ کے صراحی اور چراغوں کے فانوس اور آئینے وغیرہ بنائے جاتے تھے۔

۳۔ لکڑی کا کام: میسور آج بھی اسکے لئے مشہور ہے چین پٹن وغیرہ میں لکڑی کی بہترین اشیا اور کھلونے بنتے ہیں۔

۴۔ چرم سازی: چمڑے کی دباغت اور چمڑے سے ہر قسم کا سامان بنایا جاتا تھا ہر بڑے شہر میں بھی کارخانے موجود تھے مراکو کا بہترین چمڑا تیار کرتی تھی۔

۵۔ تیل اور تیل کے دیگر مصنوعات: (علاوہ ان تیلوں کے جو گھریلو زندگی کے لئے ضروریات سے ہیں ہر جگہ کشید کئے جاتے تھے) صندل کا تیل بھی نکالا جاتا تھا۔

۶۔ صندل: صندل کی لکڑی سے بہت سی چیزیں بنتی تھیں سرنگاپٹم کے علاوہ ساگر (ضلع شیموگہ) اس کیلئے خاص طور پر مشہور تھا۔ صندل کی لکڑی باہر کے ملکوں کو بھیجی جاتی تھی۔ اور اندرون ملک اگربتیاں اور دوسری خوشبوئیں بنائی جاتی تھیں

۷۔ رسی اور قالین: بنگلور اپنی قالینوں کیلئے مشہور تھا۔ رسیاں ملیبار

میں بنائی جاتی تھیں۔

۸۔ ہاتھی دانت کا کام:۔ یہ فن میسور میں مسلمان اپنے ساتھ لائے۔ ان سے آگے میسور اس فن سے نابلد تھا۔ صندل اور شیشم کی لکڑی میں ہاتھی دانت سے منقش کام کیا جاتا ہے۔

۹۔ نمک بنانا:۔ نمک بھی ملک کے اندر بنایا جاتا تھا۔

۱۰۔ زر:۔ سونے کی تار نکالنا۔

۱۱۔ کاغذ پر سونے کا رنگ چڑھانا:۔ یہ وہ معمولی کاغذ نہیں جو آج سنہری رنگ کا فروخت ہوتا ہے۔ یہ خاص طور پر تیار ہوتا تھا۔ اور اکثر محلات وغیرہ میں زیبائش کیلئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اور برسوں تک خراب نہیں ہوتا تھا۔ اب بھی اس قسم کا کاغذ دریا دولت باغ پر چڑھا ہوا ہے یہ صنعت اب بالکل معدوم ہو گئی ہے۔ رئیس نے اپنی کتاب میں اسکے بنانے کا طریقہ لکھا ہے۔

۱۲۔ اون:۔ اون کی مصنوعات جیسے کمبل۔ شال وغیرہ۔

۱۳۔ فنون لطیفہ:۔ نقاشی و مصوری (سلطان خود بھی ایک بڑا آرٹسٹ تھا)

۱۴۔ ریشم:۔ ریشم کی کاشت اور اسکے مصنوعات۔

۱۵۔ روئی کی مصنوعات:۔ کپڑے بنانا۔

رئیس نے جن مصنوعات کا ذکر کیا ہے۔ انکے متعلق اس نے کوئی زیادہ تفصیل نہیں دی ہے۔ اس لئے ذیل میں مختلف کتابوں سے مضمون لیکر بعض مصنوعات کے متعلق تشریحی بیان دیا جاتا ہے:۔

(۱) مٹی کی مصنوعات میں رئیس نے شیشہ سازی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بچانن کی تحریر سے

معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ فن نہایت عروج پر تھا۔ اور مختلف قسم اور قد و قامت کے شیشے بنائے جاتے تھے۔ یہاں ان کی مراد شیشوں سے آئینوں کی ہے اور اگر اس تحریر کیساتھ ان انگریز (انگریزی) افسروں کی تحریر بھی ملا کر دیکھی جائے، جو سلطانی محل کی لوٹ میں شامل تھے تو معلوم ہوتا ہے کہ سلطانی کارخانوں میں دوربینیں بھی تیار ہوتی تھیں۔

ریشم اور روئی کی مصنوعات: یوں تو سلطنت کے طول و عرض میں ہر قسم کے کپڑے بنائے جاتے تھے لیکن سرنگاپٹم اور بنگلور خاص طور پر اپنی بعض مصنوعات کے لحاظ سے نہایت مشہور تھے۔ سرنگاپٹم کے کارخانوں میں ریشمی کپڑا، کھولدار چھینٹ اور بہترین قسم کا ململ تیار ہوتا تھا۔

(نوٹ: ململ کے بہت سے نمونے میسور کے مہاراجہ صاحب کے محل میں موجود ہیں۔ ابھی حال میں یعنی ۱۹۳۶ء میں دسہرہ کی نمائش میں انہیں رکھا گیا تھا۔)

بنگلور میں ریشمی کپڑا، قالین، گوٹا، کناری اور نکھی بنائی جاتی تھی۔

• ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۳ پر لکھتا ہے:۔

"پٹویگر اور کھتری قوم کے لوگ نہایت اعلیٰ درجہ کا مضبوط ریشمی کپڑا تیار کرتے تھے ریشم کی رنگائی وہ خود کر لیتے تھے۔ جو لوگ ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے وہ ان جولاہوں کو نصف قیمت پہلے ہی (ایڈوانس) دے رکھتے تھے اور جب ضرورت ہوتی تھی تو جولاہے ان سوداگروں سے روپیہ قرض لیا کرتے تھے۔ جو بعد میں مال کی قیمت میں وضع کر لیا جاتا تھا۔ اسی طرح کپڑا بنوانے جولاہے بھی (ایڈوانس) حاصل کرتے تھے۔ ٹوٹمکار قوم کے لوگ ایک قسم کا سفید کپڑا بناتے تھے۔ جنکے کنارے سرخ رنگ کے ہوتے تھے۔ اس کپڑے کی ساڑیاں بنتی تھیں جو غریب طبقہ میں بہت مستعمل تھیں۔"

سیاح بچانن جو زوالِ سلطنت کے ایک سال بعد آیا تھا لکھتا ہے :-

"بنگلور کے جولاہے اپنے فن میں طاق نظر آتے ہیں۔ انہیں اگر امداد دی جائے تو یہ بہترین قسم کے کپڑے تیار کریں گے۔ زوال سلطنت کا باعث یہ لوگ سخت مشکلات میں گھر گئے ہیں۔ اسلئے کہ یہ جس قدر کپڑا تیار کرتے تھے سرنگا پٹم میں کھپ جاتا تھا۔ اب امید نہیں کہ انگریزی افسر جو اس ملک میں مقیم ہیں۔ اس قسم کا اور اسی قدر کپڑا استعمال کریں گے جتنا کہ مسلمان امراء کرتے تھے۔ اگر حکومت ان کیلئے کوئی منڈی پیدا نہ کرے، تو انکی تباہی یقینی ہے "

نوٹ :- بچانن نے جو کچھ لکھا تھا وہ حرف بحرف صحیح نکلا سلطنت خدا داد پر انقلاب آتے ہی نہ صرف جولاہے بلکہ تمام دوسرے کارخانے بھی تباہ ہو گئے۔ اور انکی جگہ یورپ کی مصنوعات نے لے لیں (محمود)

لوہے کی مصنوعات :- لوہا اور فولاد یوں تو عام ضروریات جیسے گاڑیوں کے پہیے اور ہل وغیرہ کیلئے استعمال ہوتا تھا لیکن اسکی زیادہ تر کھپت سلطانی کارخانوں میں تھی۔ جہاں جنگی، اسلحہ جیسے سنگینیں، تلوار، بندوق، توپ گولے اور گولیاں وغیرہ بنتی تھیں اسلحہ سازی کا سب سے بڑا کارخانہ سرنگا پٹم میں تھا۔ بنگلور، نگر اور گرم کنڈہ میں بھی اسلحہ بنائے جاتے تھے :-

کیپٹن لٹل اپنی کتاب میں لکھتا ہے :-

"بنگلور پر جب ہماری فوج نے قبضہ کر لیا تو قلعہ میں ایک عجیب و غریب مشین نظر آئی جو پانی کے ذریعہ چلتی تھی۔ اس مشین سے توپوں میں سوراخ ڈالنے کا کام لیا جاتا تھا اور یہ سوراخ بالکل صحیح اور سیدھے ہوتے تھے "

میجر ڈیکسن لکھتا ہے :-

"سرنگاپٹم میں توپیں ڈھالی جاتی تھیں جو کسی طرح یورپ کی بنائی ہوئی توپوں سے
کم درجہ پر نہیں تھیں۔ بلکہ مارٹر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی توپوں سے بھی زیادہ فاصلہ پر
مارنے والی تھیں۔ اور یہ تعجب سے دیکھا جائے گا کہ توپوں اور بندوقوں میں سوراخ
ڈالنے کیلئے سرنگاپٹم میں جو مشینیں ہیں وہ پانی سے چلائی جاتی تھیں"

مال غنیمت میں انگریزوں کو سرنگاپٹم میں جسقدر اسلحہ ملے انکی تعداد ماڈرن میسور کے
مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۲۵ میں لکھا ہے:۔

"قریباً ایکہزار توپ پیتل اور لوہے کے سرنگاپٹم کے قلعہ میں پائے گئے، پانچ لاکھ سے
زیادہ گول اور دوسری وضع کی گولیاں۔ بارہ ہزار گولے۔ ساٹھ ہزار بندوق،
لاکھوں تلواریں سنگینیں اور دوسرے ہتھیار ملے۔ ان میں ۱۵ توپیں ایسٹ انڈیا
کمپنی کی ساخت کی تھیں۔ باقی جس قدر توپیں، بندوق اور اسلحہ تھے۔ وہ سب
سب سلطانی کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں۔ اور صنعت کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ
درجہ کی تھیں ٹیپو کی جدید ایجاد یہ تھی کہ توپوں اور بندوقوں میں سوراخ
ڈالنے کیلئے اس نے پانی سے چلنے والی ایک مشین ایجاد کی تھی۔ جو بالکل
سیدھا سوراخ ڈالتی تھی"

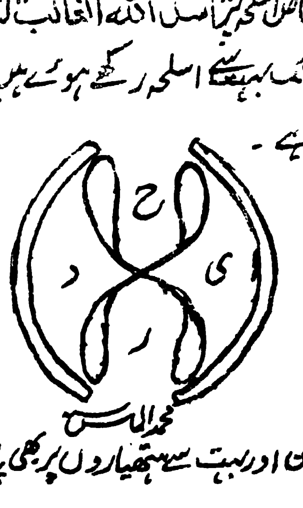
اسی مصنف نے مدور کے قلعے میں جو مال غنیمت انگریزوں کو ملا اسکی تفصیل میجر آلن کی تحریر کے
حوالے سے اسطرح دی ہے (نوٹ۔ مدور کا قلعہ بنگلور سے قریباً پچاس میل جانب جنوب میسور کے
راستے میں ہے۔ اور سرنگاپٹم سے قریب تیس میل جانب شمال ہے)

"اس قلعہ میں ۲، ۳۴ میدانی توپ، ۶ کوہستانی توپ، ۱۱ برجی توپ، بالکل مکمل
حالت میں موجود تھے، ۲۶۴ میدانی توپ، ۱۲ کوہستانی توپ اور ۷ برجی توپ

ناکمل حالت میں تھے۔ جو توپیں مکمل تھیں۔ ان میں سے ۲۸۰ توپیں فصیل قلعہ پر چڑھی ہوئی تھیں۔ انکے علاوہ قلعہ کے اندر ۴ لاکھ چوبیس ہزار گولیاں۔ پانچ لاکھ بیس ہزار پونڈ بارود۔ ۹۹ ہزار بندوق (جن میں تیس ہزار فرنچ ساخت، ۷ ہزار انگریزی ساخت اور باقی چوبیں ہزار سلطانی کارخانوں کی بنی ہوئی تھیں) اس مقام پر پانچ اسلحہ سازی کے کارخانے اور ۷ عمارتیں تلوار اور دوسری جنگی ہتھیاروں سے بھری ہوئی تھیں۔" (ماڈرن میسور صفحہ ۲۲۷)

مذکورہ بالا تحریر سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صرف سرنگا پٹم اور مدور کے دو قلعہ میں سقدر اسلحے ملے جو تمام کی تمام سلطانی کارخانوں کے بنے ہوئے تھے۔ تو سلطنت خداداد میں جسکی وسعت اسی ہزار میل تھی۔ اور اسمیں بیشمار قلعے تھے۔ ان میں کسقدر اسلحہ ہونگے۔ ان اسلحہ کا اندازہ کرتے ہوئے خیال کیا جا سکتا ہے کہ سلطانی کارخانوں میں کسقدر کام ہوتا ہوگا۔ اور کسقدر لوگ یہاں کام کر رہے ہونگے اور ملک کسقدر خوشحال رہا ہوگا۔

سلطانی کارخانوں میں جو اسلحہ تیار ہوتے تھے۔ ان پر مقام اور مہتمم کارخانہ یا اسلحہ ساز کا نام لکھا جاتا تھا سلطان اپنے خاص اسلحہ پر "اسد اللہ الغالب" کندہ کراتا تھا بنگلور کے عجائب خانہ اور بہت سے مقامات پر ابھی تک بہت سے اسلحہ رکھے ہوئے ہیں میسور میں ایک توپ ہے جس پر اس طرح کا نشان کندہ ہے۔



نوٹ:۔ اس قسم کا نشان اور بہت سے ہتھیاروں پر بھی پایا جاتا ہے۔

اقتباس از سفرنامۂ بچانن

(بچانن کا پورا نام ڈاکٹر فرانسس بچانن ہے۔ یہ شخص ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں سرجن کے عہدہ پر مامور تھا۔ زوال سلطنت خداداد کے چند ماہ بعد لارڈ ولزلی نے اسکو سلطنت خداداد کا زرعی، صنعتی اور اقتصادی سروے کرنے پر مامور کیا۔ چنانچہ بچانن اوائل ۱۸۰۰ء میں سلطنت خداداد میں آیا۔ اور کامل دو سال تک سیاحت کی۔ اس حساب سے بچانن سلطنت خداداد کے زوال کے ٹھیک ایک سال بعد اس ملک میں آیا تھا)

"تاکل" میں زمین سے نمک نکالا جاتا ہے۔ یہ نمک ایک سلطانی فنم (فنم:۔ ایک چاندی کا سکہ تھا جس کی قیمت ۴ آنے کے برابر تھی) کے عوض بیس سیر ملتا ہے بمار راس کا سمندری نمک اسی قیمت میں آٹھ سیر ملتا ہے۔ سلطان ہمیشہ دیسی نمک استعمال کرتا تھا۔ سلطان کا حکم تھا کہ اس کے باورچی خانہ میں سوائے سلطنت کے اندر نکلے ہوئے نمک کے کوئی دوسرا نمک ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ یہی ہدایت اس نے اپنی رعایا اور افسروں کو بھی دی تھی۔ یہ حکم اسلئے نافذ کیا گیا تھا کہ مدراس سے آئے ہوئے نمک کا منافع غیر ملکیوں یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی کو حاصل ہوتا تھا۔

مالور۔ میں بکروں کی اون سے کمبل بنائی جاتی ہیں۔

کارگوڑی۔ میں چونا نکالا جاتا ہے۔ جس کا رنگ بالکل سفید ہے۔

مدور۔ میں عمدہ قسم کا گڑ بنایا جاتا ہے۔

سرنگاپٹم۔ اپنی مختلف مصنوعات کیلئے خاص طور پر مشہور ہے۔ یہاں زیادہ تر فوج سے متعلقہ سامان بنایا جاتا ہے۔ گنجام میں ہتھیار ڈھالنے ہے موجود ہیں یہاں کی تمام تجارت کا انحصار شاہی محل پر ہے۔ جہاں اناج، کپڑا اور تعیش کا سامان

مہیا کیا جاتا ہے سلطانی حکم سے ان تمام تاجروں کو نقد قیمت ملتی تھی سلطان کے حکم سے یہاں قسم قسم کے کپڑے، کاغذ، گھڑیاں اور چاقو وغیرہ تیار ہوتے تھے۔ اور ان کے بنانے کے طریقے بالکل راز میں ہیں۔ سر جان شور گورنر جنرل نے سلطان کو بطور تحفہ دو گھڑیاں بھیجی تھیں سلطان نے اپنے کاریگروں کو بلا کر اسی نمونہ کی گھڑیاں بنانے کا حکم دیا۔ چند دنوں میں کاریگروں نے گھڑیاں تیار کردیں سلطان نے ایک گھڑی سر جان شور کو اور دوسری لارڈ ولزلی کو بطور تحفہ بھیجی تھی (نوٹ: افسوس کہ آج باوجود ان بلند بانگ دعووں کے کل ہندوستان میں گھڑی سازی کا کوئی کارخانہ موجود نہیں تمام گھڑیاں یورپ و امریکہ سے بنکر آتی ہیں۔ محمود)

بیدر کا کام نہایت عمدہ ہوتا ہے بینگ ساز چالیس سے پچاس فنم تک روزانہ پیدا کرتے ہیں۔

چین پٹن میں شیشہ سازی کا عمدہ کام ہوتا ہے۔ اسی شہر میں فولاد کی باریک تار بنائی جاتی ہے۔ جو سازوں میں کام آتی ہے۔ اس کی مانگ نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ میں بھی ہے۔ ایک تولہ تار کی قیمت ایک سلطانی فنم ہے (آج بھی یہ تار جو یہاں بنائی جاتی ہے۔ یورپ و امریکہ کو جاتی ہے۔ اور ابھی تک اس سے بہتر تار ایجاد نہیں ہوئی) اسی شہر میں نہایت اعلیٰ قسم کی سفید شکر بھی بنتی ہے۔ اسکے بنانے کا طریقہ صیغۂ راز میں ہے سلطان نے اس خاندان کو جو شکر بناتا ہے۔ ایک گاؤں بطور جاگیر دے رکھا ہے۔ ایک من شکر کے ۲۷ سلطانی فنم لئے جاتے تھے۔

لوہے کا کام ملک میں ہر جگہ ہوتا ہے۔ اخیر زمانہ میں توپیں بھی نہایت عمدہ ڈھلنے لگی تھیں۔ اور ان میں سوراخ بھی دہنیت ہوتا تھا۔ اور یہ ہر حیثیت سے

یورو پی ساخت کی توپوں کی برابری کرتی تھیں۔

بنگلور میں ہر قسم کے سکے رائج ہیں لیکن حساب پگوڈا اور فنم میں رکھا جاتا ہے سکہ جات کے تبادلہ کا نرخ ہر مہینے میں سلطانی حکم سے مقرر ہوتا تھا۔

ملک کے پٹوبگیرا اور کھتری ذات کے لوگ ریشم سے نہایت عمدہ اور قیمتی کپڑے تیار کرتے ہیں۔ ریشم کی رنگائی وہ خود کر لیتے ہیں۔ اکثر تاجران لوگوں کو مال تیار کرنے کیلئے پیشگی رقم دے رکھتے ہیں۔ اسی طرح کا سلوک ہوتی کپڑا بنانے والوں سے بھی کیا جاتا ہے۔ جلاہوں کی حالت ملک میں بہت اچھی ہے۔ وہ کوئی دوسرا کام نہیں کرتے بلکہ ان میں سے ہر شخص چند ملازم بھی رکھتا ہے۔ ریشم زیادہ تر باہر کے ملکوں سے آتا ہے۔ اس پر محصول بہت کم لیا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس صنعت کی طرف اپنا روپیہ لگا رہے ہیں۔ تو سلطان کے حکم سے محصول معاف کر دیا جاتا تھا۔

چک بالاپور میں مصری تیار ہوتی ہے۔ یہ مصری ملک چین کی مصری اور شکر کے ہم پلہ ہے۔ سلطان نے سرنگا پٹم میں بھی مصری تیار کرنے کا حکم دیا اس کے بنانے کا طریقہ راز میں رکھا گیا ہے۔ سرنگا پٹم میں چین کی بنی ہوئی مصری سستی قیمتوں پر آکر فروخت ہوتی تھی۔ سلطانی حکم سے جب مصری سرنگا پٹم اور چک بالاپور میں تیار ہونی شروع ہوئی تو باہر کی مصری کا منگوانا ممنوع قرار دیا گیا اس کی وجہ سے اس صنعت کو یہاں بہت ترقی ہوئی۔ معمولی مصری ملک میں ہر جگہ بنائی جاتی ہے۔

مانہوگری، چین رائے درگ، ہاگل واڑی اور ردبولیے درگ

اپنی لوہے کی صنعتوں کے لئے مشہور ہیں۔ یہاں لوہا پتھر سے نکالا جاتا تھا۔ یہ لوہا اس لوہے سے بہتر مانا جاتا ہے جو مٹی سے نکلتا ہے۔ انہیں مقامات میں لوہے سے فولاد بھی بناتے ہیں۔ اس فولاد سے معماروں کے اوزار تلوار اور ساز کی تار بنائی جاتی ہے۔

منجھولی میں ایک قسم کا شیشہ تیار کیا جاتا ہے جس سے مختلف رنگوں کی چوڑیاں تیار ہوتی ہیں۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے ٹیپو ایک حکمران ہونے کے علاوہ ایک بڑا تاجر بھی تھا اس خاص مقصد کیلئے اس نے اپنے محل کو ہر قسم کی اشیاء تجارت سے بھر رکھا تھا۔

(ماڈرن میسور صفحات ۳۰۹ تا ۳۱۹)

صنعت و حرفت کے متعلق اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ رئیس اور بچانن کی تحریروں سے اکٹھا کیا گیا ہے۔ فارسی اور اردو تاریخوں میں صنعت و حرفت کے متعلق کوئی ذکر نہیں مگر یوروپین مورخ اسکے متعلق کچھ نہ لکھتے تو آج دنیا کو معلوم بھی نہ ہوتا کہ سلطنت خداداد نے صنعت و حرفت میں کس قدر ترقی کی تھی۔

آہ! میسور و ہندوستان کس قدر تباہ ہو گئے۔ حالت یہانتک پہنچ گئی ہے کہ زندگی کی ہر ایک ضرورت بلکہ سوئی تک کیلئے ہندوستان یوروپ کا محتاج بن گیا۔

خدا کا شکر ہے کہ میسور گورنمنٹ نے اب کوئی دس پندرہ سال سے ادہر ملک کی زراعت، صنعت و حرفت پر توجہ کی ہے اور قسم قسم کی چیزیں پھر ملک میں بنائی جا رہی ہیں جن میں صندل اور لکڑی کی مصنوعات، صابن سازی، ریشم اور لوہے کی مصنوعات کو ایک خاص امتیاز حاصل ہو رہا ہے۔ ابھی حال میں مٹی اور کانچ مصنوعات کا غذ، شکر اور سمنٹ

بنانے کے کارخانے بھی جاری ہوئے ہیں۔ اور اس لحاظ سے آج ریاست میسور کو ہندوستان بھر میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ جس طرح ڈیڑھ صدی پہلے سلطان کے زمانے میں اس کو حاصل تھا۔

سلطنتِ خداداد کے سکے

خدا جانے مصنف حملاتِ حیدری کو یہ روایت کہاں سے ملی اور مزید تعجب یہ ہے کہ انہوں نے اسکو بغیر تحقیق کتاب میں درج بھی کر دیا ہے۔ کہ نواب حیدر علی کے سکے پر ایک جانب

ثانی سلطان سکندر حیدر آخر زماں

اور دوسری جانب:۔

نائب دینِ محمدؐ قاتلِ کل کافران

ثبت تھا۔

نوٹ:۔ معلوم ہوتا ہے کہ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کو بدنام کرنے کیلئے یہ شعر کسی متعصب شخص کا ایجاد کردہ ہے پنجاب میں حیدر علی کی تاریخ جو اشہری صاحب نے لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے بھی بلا تحقیق یہی مندرجہ بالا شعر لکھ لیا ہے۔ ورنہ نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے جسقدر سکے ہیں۔ وہ قریب قریب سب عجائب خانہ میں رکھے ہوئے ہیں۔ اور بعض لوگوں کے پاس بھی محفوظ ہیں ہم نے ان تمام سکوں کو دیکھا ہے۔ ان میں کسی پر بھی وہ شعر نہیں۔ انگریزی تاریخوں میں بھی اسکا ذکر نہیں ہے ورنہ انگریزی مورخ ضرور اس کو شہرت دیتے۔

رئیس اور کرنل ولکس نے بھی نواب حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے سکوں کا مفصل تذکرہ

اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ ان کے علاوہ ایک اور کتاب

"جنوبی ہند کے سکے"

میں جنوبی ہند کے تمام سکوں کا حال درج ہے۔ اس میں بھی نواب و سلطان کا تذکرہ آیا ہے مگر مذکورۂ بالا شعر کا کہیں ذکر تک نہیں۔ ذیل میں اس کتاب سے اقتباس دیا جاتا ہے :-

"نواب حیدر علی نے اپنا پہلا سکہ فتح بدنور کے بعد رائج کیا۔ یہ سکہ بہادری ہن کہلاتا تھا۔ اس پر ایک جانب سیوا اور پاربتی کی تصاویر اور دوسری جانب نقطوں کے دائرہ میں اپنا نام مضروب تھا۔ (ح)

بنگلور میں بھی اسی قسم کا سکہ رائج تھا جسکا نام بنگلوری ہن تھا۔

ٹیپو سلطان کے زمانہ میں اس سکہ کا نام سلطانی ہن ہو گیا۔ اس پر ایک طرف

ہن سلطان العادل سنہ

اور دوسری جانب حیدر علی کا دستخط "ح" اور سنہ جلوس سلطانی اور شہر کا نام مضروب تھا۔

نواب حیدر علی اور سلطان کے جسقدر سکے تھے۔ انکی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے :-

سونے کے سکے

مقام ضرب	نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
نگر (حیدر نگر)	بہادری ہن	نواب حیدر علی	سیوا اور پاربتی کی تصویر	(ح)
بنگلور	"	"	"	"
کالی کٹ	"	"	"	"
"	نصف ہن	"	"	"
"	سلطانی ہن	ٹیپو سلطان	کالی کٹ سنہ ۱۱۶۲ھ	(ح)

مقام ضرب	نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
سرنگاپٹم	سلطانی ہن	ٹیپو سلطان	ضرب پٹن سنہ	(ح)
〃	〃 (دویم)	〃	〃	〃
نگر	نگر صالح ہن	〃	ضرب نگر سنہ ۱۲۰۰ھ	〃
〃	دہوٹی ہن	〃	فرخی سنہ ۱۲۱۸ھ	〃
〃	راحتی	〃	ضرب خالق آباد[1] سنہ ۱۲۱۶ھ	〃

[1] خالق آباد ڈنڈیگل کا نام ہے نیز یہ لکھا ہے کہ یہ چینڈگل کا نام ہے جو سرنگاپٹم سے تھوڑی دور پر واقع ہے۔

نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
بادشاہی ہن	حیدر علی	(با) لالیو (ر)	(ح)
چک بالاپور ہن	〃	(با) لالیو (ر)	مرہٹی زبان کے حروف
سلطانی اشرفی (احمدی)	ٹیپو سلطان	دین احمد درجہان روشن از فتح حیدر است ضرب پٹن سال اوّل سنہ ۱۱۹۷ھ	ہو السلطان الوحید العادل سویم بہاری سال ازل سنہ ۲ جلوس
سلطانی نصف اشرفی (صدیقی)	〃	صدیقی ضرب سال سنہ	سنہ جلوس

چاندی کے سکے

نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
نقرہ (حیدری)	ٹیپو سلطان	دین احمد درجہان روشن از فتح حیدر است ضرب پٹن سال ازل سنہ ۱۱۹۸ھ	ہو السلطان الوحید العادل سویم بہاری سال ازل سنہ ۲ جلوس
سلطانی روپیہ (امامی)	〃	〃	〃
سلطانی آدھا روپیہ (عابدی)	〃	〃	〃
سلطانی پاؤ روپیہ (باقری)	〃	اللہ محمد ہو السلطان العادل سنہ ۱۲۱۸ھ	باقری سنہ پٹن

نام سکہ	نام بادشاہ	ایک جانب عبارت	دوسری جانب عبارت
سلطانی ۱/۸ روپیہ (جعفری)	ٹیپو سلطان	محمد سنہ ۱۲۲۶ ضرب پٹن	جعفری سنہ ۱۲ جلوس
" ۱/۱۶ " (کاظمی)	"	"	کاظمی
" ۱/۲ آنہ (خفری)	"	ضرب دار السلطنت	خفری سنہ ۱۲ جلوس

(ٹیپو سلطان کی جدت طبع نے تمام سکوں کو نام دے دیا تھا۔)

سلطنت خداداد کے جسقدر سکے کپتان ٹمل کو دستیاب ہوئے تھے۔ ان تمام کا عکس اس نے اپنی کتاب میں دیا ہے۔ وہی عکس (دو عدد پلیٹوں کے ذریعہ) اس کتاب میں بھی دیا گیا ہے ہر سکے کے ساتھ نمبر دیا گیا ہے اور اسکی تشریح ذیل میں کردی گئی ہے۔

پلیٹ نمبر ۱

۱۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی

ایک جانب۔ دین احمد در جہاں روشن ز فتح حیدر است

دوسری جانب۔ ہو السلطان الوحید العادل سوم بہاری سنہ ۲ جلوس

۲۔ سلطانی اشرفی۔ سونا

ایک جانب۔ دین احمد در جہاں روشن ز فتح حیدر است ضرب پٹن ساز بحد ل سنہ ۱۲۱۹

دوسری جانب۔ ہو السلطان الوحید العادل تاریخ جلوس سال سنہ سوم بہاری ۹ سنہ جلوس

(اس سکہ کا نام احمدی تھا)

۳۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی
۴۔ سلطانی روپیہ۔ چاندی
} عبارت وہی ہے جو اشرفی پر ثبت ہے۔

۵۔ سلطانی نصف روپیہ۔ چاندی

ایک جانب ۔ دین احمد در جہاں روشن ز فتح حیدر است ضرب پٹن سال ہزار ۱۲۱۲ ۔

دوسری جانب ۔ ہوالسلطان الوحید العادل ۔ تاریخ جلوس سال سنہ سیوم بہاری سنہ جلوس

۶ ۔ سلطانی پگوڈا ۔ سونا ۔ (ضرب سرنگاپٹم)

ایک جانب ۔ ہوالسلطان العادل محمد سنہ ۱۲ سنہ

دوسری جانب ۔ پٹن ح

(نوٹ :۔ ن کو ح لگایا گیا ہے ۔ مراد حیدر سے ہے اور پٹن سے مراد سرنگاپٹم ہے ۔

۷ ۔ سلطانی پگوڈا ۔ سونا (ضرب حیدر نگر)

ایک جانب ہوالسلطان العادل محمد سنہ ۱۲ سنہ

دوسری جانب ۔ نگر ح

۸ ۔ سلطانی پگوڈا ۔ سونا ۔ (دارالضرب کا نام ج ا ہے ۔ معلوم نہیں ہے اسے مراد کونسا شہر ہے ۔ غالباً جمال آباد (کنانور) ہوگا ۔

عبارت وہی ہے جو نمبر (۶) اور (۷) کی ہے ۔

۹ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب سرنگاپٹم)

ایک جانب ۔ ضرب پٹن ۔

دوسری جانب ۔ ہاتھی ۔ (نوٹ :۔ سال درج نہیں ہے)

۱۰ ۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ ۔ (ضرب بنگلور)

ایک جانب ۔ ضرب بنگلور

دوسری جانب ۔ ہاتھی ۔ (نوٹ :۔ ہاتھی کی دم پر سنہ ضرب ۱۲۱۱ درج ہے)

۱۱ ۔ سلطانی آدھا پیسہ ۔ تانبہ ۔ ایک جانب شیر ۔ دوسری جانب ببر

پلیٹ نمبر ۲

۱ - سلطانی بڑا پیسہ - تانبہ

ایک جانب سلطنت کا شاہی نشان - یعنے ہاتھی جس کی پشت پر سلطنت کا علم ہے -

(نوٹ : - علم پر چمکتا ہوا پورا سورج دکھایا گیا ہے)

دوسری جانب - ضرب دارالسلطنت - عثمانی - فرخی

۲ - سلطانی پاؤ روپیہ - چاندی - (ضرب سرنگاپٹم)

ایک جانب ہو السلطان الوحید العادل محمد ۱۲۰۶ھ

دوسری جانب - ح پٹن باقری ۶ھ

(نوٹ - باقری سکہ کا نام ہے - اور اسکو فہم کہا جاتا تھا - جو موجودہ ۴ر کے برابر تھا)

۳ - سلطانی پیسہ - تانبہ (ضرب فیض حصار)

ایک جانب - ضرب فیض حصار

دوسری جانب - ہاتھی ۱۸۲۱ (نوٹ : - فیض حصار سے مراد گتی ہے)

۴ - سلطانی پیسہ - تانبہ (ضرب بے نظیر)

(نوٹ : - بے نظیر سے مراد ہولے ہنور ہے)

۵ - سلطانی پیسہ - تانبہ (ضرب حیدر نگر)

۶ - سلطانی پیسہ - تانبہ (ضرب فرحیاب حصار ۱۲۰۱ھ)

۷ - سلطانی پیسہ - تانبہ (ضرب فرخی)

۸ - سلطانی پیسہ - تانبہ (ضرب خورشید سواد)

(نوٹ : - خورشید سواد سے مراد دھارواڑ ہے)

۹۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب نگر کی کوٹ کلی کٹ)

۱۰۔ سلطانی پیسہ ۔ تانبہ (ضرب سرنگاپٹم)

۱۱۔ سلطانی آدھا پیسہ ۔ تانبہ (ضرب بنگلور)

۱۲، ۱۳، ۱۴ ۔ نواب حیدر علی کے سکے ہیں ۔ (تصویر آدھے پیسے کی دکھائی گئی ہے)

ایک جانب صرف ح لکھا ہوا ہے ۔ اور دوسری جانب دارالضرب کا نام ہے ۔

کرنل سینڈرسن کی رائے سلطانی سکوں کے متعلق :۔

"ٹیپو کے سکے دیکھ کر مجھے اس کی غیر معمولی قابلیت اور جدت طبع کا اعتراف کرنا پڑتا ہے ۔ اس نے سکوں میں اپنی جدت کا جو نمونہ پیش کیا ہے ۔ وہ صد درجہ حیرتناک ہے"

محکمۂ تعمیرات

سلطنت خداداد کی تعمیرات میں قلعوں کو خاص اہمیت حاصل ہے جو ملک کے طول وعرض میں بیشمار بنائے گئے تھے ۔ اور آج بھی انکے آثار ہر جگہ پائے جاتے ہیں ۔

سلطنت کے فوجی انتظام میں یہ بتایا جا چکا ہے ۔ کہ فوج میں پائنیر یا سفرمینا کی پلٹنیں بھی تھیں ۔ جنکے ذمہ قلعوں اور فوجی بارکوں کی تعمیر تھی ۔ اسکے علاوہ سول کاموں کے لئے ایک علیٰحدہ محکمہ تھا ۔ جسکا عملہ تالابوں کی دیکھ بھال پشتوں کی تعمیر و درستگی پر مامور تھا نواب حیدر علی ہو یا ٹیپو سلطان ۔ انہیں اپنی ۳۸ سالہ مدت حکومت میں جنگوں سے اسقدر فرصت نہیں ملی کہ وہ دوسری تعمیرات پر توجہ کرتے لیکن جس قدر بھی ہو سکا ۔ انہوں نے اس طرف توجہ کی ۔ ان تعمیرات میں قابل الذکر عمارات حسب ذیل ہیں ۔

سرنگاپٹم میں مسجد اعلیٰ (مسجد اقصیٰ)، گنبد اعلیٰ، دریا دولت باغ ، سلطانی محل

بارہ دری یا سرنگاپٹم کے لال باغ کا رنگین محل بنگلور میں سلطانی محل اور مسجد چتلدرگ میں محل اور مسجد۔ نگر میں محل اور مسجد۔ ہوسکوٹہ میں عیدگاہ۔ کولار میں نواب حیدر علی کی والدہ کا مقبرہ ۔

مسجدیں یوں تو بہت سے مقامات پر تعمیر ہوئیں جو فن انجینیری یا خوبصورتی کے لحاظ سے ناقابلِ ذکر ہیں ۔

اوپر جن عمارات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں موجودہ وقت سرنگاپٹم میں دریا دولت باغ، گنبد اعلیٰ مسجد اقصیٰ اور مسجد اعلیٰ باقی ہیں۔ چتلدرگ میں مسجد کولار میں مقبرہ اور بنگلور میں محل کا ایک حصہ باقی ہے ۔

بنگلور میں جو مسجد سلطان نے تعمیر کی تھی وہ اپنی صنعت کے لحاظ سے تمام ہندوستان میں پہلی مسجد تھی۔ اس کا ایک نقشہ بنگلور کے عجائب خانہ میں رکھا ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد مراٹھی تعمیر کا نمونہ تھی۔ اور اس پر صرف ایک مینار تھا۔ (یہ مسجد موضع گوسی پورم (سٹی) کے پہاڑی پر تھی۔ اسوقت یہاں مندر بنا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عربی تاجر جب یہاں آتے تھے۔ تو اسی جگہ اترتے تھے۔ اور یہاں ایک قسم کا پتھر جس پر آنکھ کا نشان بنا ہوتا تھا۔ ملتا تھا)

بنگلور میں سلطانی محل پر جو کتبہ لگا ہوا تھا۔ اس پر یہ قطعہ کندہ تھا :-

تا بنائے محل بشوکت شد | سر باوج فلک زہیبت شد
واہ چہ فرخ محل بنائے رفیع | برتر از آسماں زرفعت شد
ہست آئینہ خانہ لطیف | ہر کسش دید محو حیرت شد
گوی صفوت ربود از کف چرخ | چرخ زاں سرنگوں زخجلت شد

وصف ایں قصر را شنید مگر ۔۔۔ زاں فریدوں بخواب غفلت شد
جستمش از حساب زر تاریخ ۔۔۔ گفت ہاتف کہ بیتِ عشرت شد
چوں شد ایں قصر تازہ نقش تمام ۔۔۔ صورتِ چینی خجل زغیرت شد

جستم از خفرۂ عقل تاریخش
گفت لاریب رشک جنت شد

(یہ کتبہ بنگلور کے عجائب خانہ میں رکھا ہوا ہے)

ان تعمیرات کے علاوہ مختلف قلعداروں نے بھی اپنے اپنے مقامات پر مسجدیں اور قلعے تعمیر کئے تھے جن میں مثال کے طور پر قلعہ کپل کا تذکرہ تاریخ سلطنت بیجاپور سے اقتباس لے کر کیا جاتا ہے۔

قلعۂ کپل

علاقۂ حیدرآباد کپل میں جو اس وقت نواب سالار جنگ کی جاگیر ہے، پہاڑ پر نواب حیدر علی کے زمانہ کا ایک قلعہ ہے۔ قلعہ کے اندر کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔ اس قلعہ کے تین دروازے ہیں جن میں ایک ٹیپو سلطان کے نام پر سلطانی دروازہ کہلاتا ہے۔ اس پر کتبہ لگا ہوا ہے:-

اللّٰہ ۔۔۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ــ

مالک ایں قلعہ را بود بہادر نواب ٹیپو سلطان از وطالع شدہ آثار کل عمارت تیار کرد

فدوی قلعہ دار محمد خان بہلی بنا دہ ام در سلطان باب

۱۱۹۸ھ ہجری

دوسرے ایک دروازہ پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے :-

اللہ کافی

حمداً کثیراً دروازۂ مکہ بالقاب معظمہ مزین شد

سنہ ۱۱۹۳ھ

بندۂ نیازنشان محمد عثمان ساکن کولار جنوبی وثار بحسب ب خورش حسب الامر جلیل القدر نواب نامدار فلک اقتدار سپہر مدار خورشید رکاب صاحب السیف والقلم حاکم الملک والعلم یعنی نواب حیدر علی خاں بہادر عرف فتح حیدر دام سلطنتہ وعظمتہ بنائے طیاری قلعۂ کپیل دست داد جا بجا نیز بہا یہ نہج فرنگ وکارخانہ و نہر و خندق وغیرہ ترتیب یافت -

یازدہم ذی قعدہ ۱۱۹۲ھ ہجری

(قلعہ کے پاس" چاند کنڈ" پر یہ کتبہ ہے)

دریں ایام عمل نواب بہادر
عمارت ساخت در کپیل نوادر

نوا ور کار شد او یافت نامی
قلعہ دار از محمد خاں بہسلمی

نخستیں ز آب قلت یافت عالم
بہائم طیور جملہ نسل آدم

زور یا فیض بکشا یند ادشاں
قلعہ کچی و مٹی را ستے داں

نہادند نام اورا چاند کنڈہ
نیز داست بر سر او جوگی بنڈہ

بہ عقلش آنکہ شد از اطراف تیلاب
میان جل پڑے برآب سیلاب

بماند یادگار سے تا قیامت
نمونہ قدر یہ کپیل را سلامت

مرتب شد دریں رجب مہ نو
سنہ ہجری یکہزار صد و پنجاہ نو

ٹیپو سلطان کا حلیہ، مشاغل، عادات، اطوار وغیرہ

حلیہ میجر آلن کی تحریر جو پہلے دی جا چکی ہے۔ اس میں سلطان کا حلیہ لکھا جا چکا ہے صاحب نشان حیدری اس کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سلطان گندمی رنگ کا تھا، اس کی ناک خمدار، آنکھیں پُرآب اور بڑی بڑی تھیں۔ چہرہ کے خط و خال نہایت نازک تھے۔ اور ہاتھ پاؤں بھی چھوٹے چھوٹے تھے۔ سلطان داڑھی منڈایا کرتا تھا۔ گردن پر بل پڑتے تھے۔ قد پانچ فٹ اور آٹھ انچ تھا۔"

لباس سلطان بالکل سادہ اور شرعی لباس پہنتا تھا۔ اور اپنی دستار پر اور ٹھوڑی کے نیچے سفید رومال باندھتا تھا۔ کمر کی پیٹی میں ایک پیش قبض اور تلوار رہتی تھی۔ گھوڑے کی سواری بہت پسند کرتا تھا۔ پالکی اور اس قسم کی سواریوں سے اس کو نفرت تھی۔

طرزِ گفتگو و زبان سلطان کا طرزِ گفتگو بالکل ملائم اور شیریں تھا۔ سلطان کی زبان سے کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں نکلتا تھا۔ اکثر یہی جملے زبان پر رہتے کہ گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے۔

سلطان زیادہ تر فارسی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔ اگرچہ اس کو کنڑی اور دکھنی پر بھی کامل عبور تھا۔ صاحب حملاتِ حیدری لکھتے ہیں:۔

"وہ مغفور ہر ایک علم سے بقدرِ ضرورت بہرہ ور تھا، گفتگو فارسی زبان میں کیا کرتا۔

محتاط ایسا کہ کسی امر میں بمصداق خیرالامور اوسطہا کے اعتدال سے قدم باہر نہ رکھتا ایسی مزاح و بذل کا جس سے کسرِ شانِ اسلام کی پائی جائے کیا امکان کہ اس پیرو شریعت کی مجلس میں مذکور نکلے۔"

غیرت و حمیت تمام عمر سلطان نے خود کسی کو ہاتھ اٹھا کر سلام نہیں کیا اور نہ کسی دوسرے کو سلام کی اجازت دی جس دن ۱۷۹۲ء میں میسور کی تیسری لڑائی کے بعد سلطان کو محصور ہو کر مجبوراً صلح کرنی پڑی۔ اور لارڈ کارنوالس کو ایک بڑا علاقہ اور دو بیٹے بطور یرغمال دینے پڑے تو اس دن سے لیکر شہادت کے دن تک سلطان کبھی چارپائی پر نہیں سویا۔ زمین کے فرش پر کھدر کے ایک موٹے کپڑے پر سوتا تھا۔ اور قسم کھالی تھی کہ جب تک انتقام نہ لیا جائے گا۔ چارپائی پر سونا میرے لئے حرام رہے گا۔ وہ تضحیک و تمسخر کی باتیں سخت ناپسند کرتا تھا۔ اور کسی کو اس کے آگے ایسی باتیں کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

سادگی مسلمانوں کے اختلال کو دیکھتے ہوئے سلطان معلوم کر چکا تھا کہ جب تک مسلمان عجم و ہند کے خصائل جو ان میں سرایت کر گئے ہیں نہ چھوڑیں گے اور جب تک زمانۂ خیرالقرون کی سادہ زندگی اختیار نہ کریں گے۔ وہ دنیا میں ترقی نہیں کر سکتے اسلئے اس نے تمام تکلفات کو برطرف کر دیا نشست و برخاست، آداب سلام اور تحریر و تقریر میں جو سادگی اس نے اختیار کی۔ وہ آپ اپنا نمونہ ہے۔ اس سے پہلے یعنی مغلیہ حکومت کے زمانے سے آداب و سلام کے طریقوں میں کئی کئی بار جھک کر بلکہ زمین بوس ہو کر سلام کیا جاتا تھا۔ اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا تو ایک معمولی بات تھی یہانتک کہ مساجد میں بھی پیرو کی تعظیم و تکریم شروع ہو گئی تھی مسجدوں میں انسانوں کی تعظیم و تکریم روکنے کیلئے خود سلطان مسجد میں

علیحدہ دروازے سے آکر نمازیوں میں شامل ہو جاتا تھا۔

روزانہ مشاغل سلطان علی الصباح بیدار ہوتا۔ اور نماز صبح کے بعد ایک گھنٹہ تک تلاوت قرآن مجید کرتا۔ جس کے بعد آدھا گھنٹہ توشک خانہ میں جواہرات وغیرہ کا معائنہ فرماتا۔ اور سیر کے لئے جاتا۔ واپسی کے بعد ناشتہ کرتا۔ اور اس وقت سلطان کے ساتھ تین چھوٹے شاہزادے اور ایک منشی ہوتا۔ اکثر خطوط ناشتہ کے وقت لکھائے جاتے تھے۔ غذا میں زیادہ تر پھل اور دودھ ہوتے۔ ناشتہ کے بعد فوج کا معائنہ کیا جاتا۔ محل کو واپسی کے بعد باہر کے آئے ہوئے خطوط اور رپورٹ سنائے جاتے۔ اور احکام جاری ہوتے۔ رات کو کھانے پر بڑے شہزادے اور افسران سلطنت ضرور حاضر رہتے۔ کھانے کے وقت اکثر تاریخ اور شعراء کا تذکرہ ہوتا۔ سونے سے پیشتر چہل قدمی کی جاتی۔ جسکے بعد سلطان نیند آنے تک کسی کتاب کا مطالعہ کرتا۔ غذا دن میں صرف دو وقت تھی۔

سلطان کی روزانہ مصروفیت کے متعلق میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ پر لکھتا ہے:-

"ٹیپو میں ایک سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ دن بھر بغیر آرام لینے کے سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ اور ہر کام قرینہ اور باقاعدگی سے ہوتا تھا۔ وہ روزانہ اسقدر خط و کتابت اپنے ہاتھ سے کرتا تھا کہ دیکھکر اس کی جفاکشی اور اس کے دل و دماغ پر حیرت ہوتی ہے"

چونکہ اوپر کی تحریر میں سلطان کی خط و کتابت کا ذکر آچکا ہے۔ اس لئے یہاں سلطان کے ان چند مکاتیب کی نقل دی جاتی ہے۔ جو روزانہ وہ اپنے افسروں، ایلچیوں اور دوسروں کو لکھتا تھا۔ ان مکاتیب سے اس کی حیرتناک قابلیت اور عالی دماغی کا پتہ چلتا ہے اور کس قدر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی شخصیت کیسی عظیم المرتبت تھی۔

سلطنت کا روزمرہ انتظام

مکاتیب سلطانی

ان مکاتیب کے متعلق ماڈرن میسور کا مصنف لکھتا ہے کہ "انکے ذریعہ سلطنت کے روزمرہ انتظام اور سلطان کی مصروفیت کا پتہ چلتا ہے" میسور گزیٹیر کا مصنف لکھتا ہے کہ "ٹیپو میں یہ ایک بڑا وصف تھا کہ وہ ہمیشہ سلطنت کے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ اور جسقدر روزانہ خط وکتابت ضروری ہوتی تھی۔ اسکا انجام اسی دن ہوتا تھا" (مرتب۔ ان خطوط پر سنہ ہجری اور سلطان کا ایجاد کردہ سنہ بہاری لکھا ہوا تھا لیکن سہولت کیلئے انہیں سنہ عیسوی میں منتقل کیا گیا ہے۔)

(۱) خط بنام شیخ احمد۔ مورخہ ۲۸ جون ۱۷۸۵ء

تمہارے یہاں آنے کے بعد تمہاری مرضی کے مطابق تمہیں امور تجارت کی ذمہ داری دی جائے گی۔ تمہارے کارخانے کیلئے ایک مناسب جگہ کیساتھ پیشگی رقم بھی دیجائیگی کہ تمہیں اپنے کاروبار میں سہولت حاصل ہو۔ جو کچھ منافع حاصل ہو دو سال تک وہ خاص تمہارا حصّہ ہوگا۔ اس عرصہ میں تمہارے مال تجارت پر بھی کوئی محصول نہیں لیا جائیگا۔ اس لئے فوراً حضوری میں چلے آؤ۔

(۲) خط بنام نور محمد خاں۔ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۷۸۵ء

سُنا گیا کہ تم نے راو کرستہ کی طلبی پر بھی دفتر میں حاضر ہونے سے انکار کردیا۔ اس کا سبب ایک مسلمان عورت کو بتلایا جاتا ہے۔ تم نے کہا ہے کہ اگر اس عورت کو چھوڑ دیا جائے تو تم حاضر ہونگے۔ یہ بیان سنکر نہایت تعجب و حیرت ہوئی۔ ملکی لوگوں میں ہمیشہ اسی طرح کے خانگی جھگڑے ہوا کرتے ہیں۔ اس جھگڑے کی وجہ سے سرکاری کاموں کو نظرانداز

کرتے ہوئے راؤ رستہ کے پاس حاضر نہ ہونے کی تمہیں کیا ضرورت پیش آئی ؟

آئندہ کیلئے تمہارے لئے یہ مناسب ہے کہ خانگی معاملات میں دخل مت دو اور بحیثیت سرکاری ملازم کے صرف سرکاری معاملات سے ہی تعلق رکھو۔

(۳) خط بنام محی الدین علی خاں مورخہ ۳۱ اگست ۱۷۸۵ء

تمہارے متعلق اطلاع ملی ہے کہ دفتر میں حاضری کے عوض تم اپنا سارا وقت گھر میں گذارتے ہو۔ یہ اچھی بات نہیں ہے تمہیں ایک مناسب وقت دفتر میں گزار کر کے وہاں امور سرکاری کی طرف توجہ دینی چاہیئے کسی شخص کو بھی سرکاری کام کے متعلق گھر پر آنے کی تکلیف نہیں دینا چاہیئے۔

(۴) خط بنام سید محمد قلعدار سرنگا پٹم مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۷۸۵ء

اطلاع ملی ہے کہ متصدی کرشنا راؤ کو دیوانے کتے نے کاٹ کھایا ہے۔ اس لئے ہماری یہ خواہش ہے کہ مذکور متصدی کو حکیم محمد بیگ کے پاس بھیجا جائے کہ ٹھیک علاج کرے۔ مذکور متصدی سے یہ بھی کہا جائے کہ زخم کو بند کرنے کی کوشش نہ کرے۔ بلکہ چھ ماہ تک کھلا رکھے کہ تمام مواد نکل جائے۔

(۵) خط بنام غلام حیدر۔ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۷۸۵ء

تم نے بعض اشیاء کا بازاری نرخ مقرر کرنے کیلئے یہاں کے متصدیوں سے قیمتیں دریافت کی ہیں۔ بڑھاپے نے تمہارے حواس پر قبضہ کر لیا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں کے متصدیوں کی بہ نسبت مقامی متصدی وہاں کے بازار کا نرخ بہتر طور پر جانتے ہیں۔ اس لئے ضروری اطلاعات وہیں کے متصدیوں سے حاصل کی جائیں۔

(۶) خط بنام امام مسقط مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۷۸۵ء

ایک دیسی کشتی (دہو) جو رتن جی اور جیون داس تاجران مسقط کی ملکیت ہے، طوفان کی وجہ سے شکستہ ہو کر ہمارے بندرگاہ بھٹکل میں آ لگی ہے۔ اگرچہ ملکی قانون کے مطابق اس جگہ کے حاکم کو یہ اختیار رہے کہ اس پر قبضہ کر لے لیکن سرکار خداداد اور سرکار مسقط میں ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے۔ اور چونکہ یہ تاجر آپکی رعایا ہیں۔ اسلئے اس کشتی اور تمام مال کو ان تاجروں کے حوالے کرکے اس خط کے ساتھ روانہ کیا جاتا ہے۔

(۷) خط بنام میر کاظم۔ مورخہ ۲۵ر نومبر ۱۷۸۵ء

بعد دریافت یہ معلوم ہوا ہے کہ جزیرۂ دراز کے کسی حصہ میں زعفران پیدا ہوتی ہے وہاں کے دو مقامی باشندوں کو سرکاری ملازمت میں لیکر انکو یہاں روانہ کردیا جائے اور انکے ساتھ دو من بیج بھی بھیجے جائیں۔

معلوم ہوا ہے کہ صندل اور کالی مرچ ابھی تمہارے پاس باقی ہے، اب اور زیادہ مال بھیجا جا رہا ہے۔ ان اشیاء کو فوراً فروخت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ یہ مشہور کردو کہ ہمیں حکم ملا ہے کہ مسقط میں انکی فروخت بند کرکے ان اشیاء کو جلد بھیجدیا جائے اگر یہ بات اچھی طرح مشہور ہو جائے تو ان چیزوں کی قیمت وہاں بڑھ جائیگی۔ اسوقت جب فی من پچیس یا تیس پگوڈہ قیمت بڑھ جائے تو اسوقت فوراً ان اشیاء کو فروخت کردو۔

(۸) خط بنام ارمنی تجار مورخہ ۲۶ر نومبر ۱۷۸۵ء

معلوم ہوا ہے کہ تم سامان تجارت لیکر انگریزی یا پرتگالی جہازوں میں آنے والے ہو اور اسکے لئے تم خاص اجازت چاہتے ہو۔ تمہارے ارادے اور خواہش کے مطابق حکم دیا جاتا ہے کہ تم بندرگاہ منگلور یا کلی کٹ میں بالکل اطمینان سے اتر سکتے ہو لیکن یہ ضروری ہے

کہ جن چیزوں کی ہم کو خواہش ہے انہیں ایک مناسب قیمت پر سب سے پہلے ہمارے پاس فروخت کیا جائے اور باقی اشیاء تم اپنی مرضی سے فروخت کر سکتے ہو۔ تمہاری نالش وغیرہ کے متعلق ارشد بیگ خاں فوجدار کالی کٹ اور غلام حیدر عامل منگلور کو پروانے بھیج دیئے گئے ہیں۔ تم جہاں چاہو اتر سکتے ہو۔

(۹) خط بنام ناظم اصطبل فیلاں مقام حیدر نگر، ۷ فروری ۱۷۸۵ء

تمہاری عرضی موصول ہوئی تم لکھتے ہو کہ تمہارے دفتر کے متصدی آرام طلب ہو گئے ہیں اور ابھی تک نگر میں اس لئے مقیم ہیں کہ تعلقداروں سے بعض معلومات حاصل کرنا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پندرہ دن کے عرصہ میں سوائے نگر کے حسابات کے دوسرے مقامات کے حسابات ابھی تک تیار نہیں ہوئے مہلت طلبی کیلئے تمہاری یہ عرضی نہایت تعجب خیز ہے۔ جب کبھی تمہارے محکمہ کے متصدی تمہاری مرضی کے مطابق کام نہ کریں انہیں سخت سزا دی جائے۔

(۱۰) خط بنام شمس الدین علی خاں مورخہ ۵ جنوری ۱۷۸۶ء

تم لکھتے ہو کہ کسی جگہ قلعی زمین میں دریافت ہوئی ہے اور تم نے بذریعہ ڈاک اسکے سات ٹکڑے بطور نمونہ بھیجے ہیں اور دریافت کیا ہے کہ آیا یہ قلعی بیلوں پر لاد کر حضوری میں بھیجدی جائے یا حضوری سے کسی آدمی کو روانہ کیا جائیگا۔ حکم دیا جاتا ہے کہ مذکورہ قلعی سدھوٹ کے قلعے میں جمع کیجائے۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہاں زمین میں قلعی رہتی ہے وہاں نیچے چاندی کی کان پائی جاتی ہے۔ اسلئے تم وہاں کی تھوڑی سی مٹی جمع کر کے رکھو۔ یہاں سے ماہرین جمادات کو روانہ کیا جائے گا۔

(۱۱) خط بنام غلام علی خاں ۔ مورخہ ۷ رجنوری ۱۷۸۶ء

حال میں سرکار خداداد کے ملک میں کافور کا درخت دریافت ہوا ہے۔ اس درخت کے تیل کی دو شیشیاں تمہیں بھیجی جاتی ہیں۔ تم اپنے پیروں پر اسکا استعمال کرو۔ اور قریباً ایک تولہ شوربہ کے ساتھ اندرونی طور پر استعمال کیا جائے۔ اگر اس سے کچھ فائدہ پہنچے تو حضوری میں اطلاع دی جائے۔

(۱۲) خط بنام راجہ ملک پیگو (برما) مورخہ ۲۲ رجنوری ۱۷۸۶ء

محمد قاسم اور محمد ابراہیم کے ذریعہ خدمت عالی میں دو گھوڑے اور ایک مہتابی خلعت جاتی ہے۔ ان لوگوں کو اسلئے بھیجا گیا ہے۔ کہ میسور اور پیگو کے سرکاروں میں باہمی فائدہ کیلئے تجارت کا سلسلہ قایم ہو۔ اس ملک سے جن چیزوں کی ضرورت ہو۔ انہیں یہاں بھیجا جا سکتا ہے۔ سُنا گیا ہے کہ پیگو میں قیمتی لعل ملتے ہیں۔ اسلئے درخواست کیجاتی ہے کہ آپ اپنے وزراء کو حکم دیں۔ کہ وہ لعل خرید کرنے میں ہمارے آدمیوں کی مدد کریں۔

(۱۳) خط بنام غلام علی ۔ مورخہ یکم مارچ ۱۷۸۶ء

یہ ہماری خواہش ہے کہ بندرگاہ بصرہ حاصل کیا جائے۔ اسلئے یہ سُنکر خوشی ہوئی کہ تم بصرہ کے راستے سے قسطنطنیہ جانا چاہتے ہو۔ وہاں پہنچکر تم بندرگاہ کی حالت کے متعلق اچھی طرح دریافت کرو۔ یہاں سے نجف پہنچکر وہاں کے لوگوں سے دریافت کرو کہ اگر انکی مرضی ہو تو دریائے فرات سے ایک نہر نکالکر نجف تک لائی جائے گی۔ اور اگر انکی خوشی ہے تو یہاں سے ضروری روپیہ اور لوگ اس نہر کے نکالنے کیلئے بھیجے جائیں گے۔

(۱۴) خط بنام بدر الزماں خاں ۔ مورخہ ۵ رمارچ ۱۷۸۶ء

تمہارے خط سے معلوم ہوا ہے کہ پانچ سو کرگی لوگ چیچک سے مر گئے ہیں۔ ملک کا وہ

حصہ جھاڑیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اسلئے انہیں کھلے میدان میں جہانکی آب و ہوا انہیں راس آئے۔ رکھا جائے۔

(۱۵) خط بنام فرانسیسی جنرل مانشیور لالی مورخہ ۱۱ دسمبر ۱۷۸۶ء

(یہ فرانسیسی افسر ٹیپو سلطان کی فرنچ فوج کا افسر اعلیٰ تھا)

شراب فروخت کرنے کیلئے تمہارے کیمپ میں ایک سے زیادہ دوکان کی اجازت نہ دی جائے۔ اور یہ اقتناعی حکم دیا جائے کہ سوائے یورپین لوگوں کے کسیوں کے ہاتھ شراب ہرگز فروخت نہ ہو۔ بلکہ مکان پر سرکاری پہرہ رکھدیا جائے۔ اسلئے کہ سرکار خداداد میں شراب کی فروخت کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

(۱۶) خط بنام مانشیور کاسگنی مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۷۸۶ء

یورپ سے ایک کتاب ابھی آئی ہوئی ہے جس میں آلۂ مقیاس الحرارت کے متعلق معلومات درج ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں یہ تحریر ہے کہ اگر کسی بخار زدہ شخص پر اس کا استعمال کیا جائے تو بخار کا درجۂ حرارت معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کر کے حضوری میں پیش کیا جائے۔

(۱۷) خط بنام تربیت علی خاں۔ مورخہ ۲ دسمبر ۱۷۸۶ء

تم نے شکایت کی ہے کہ تمہیں خطوط کے فوری جواب سے سرفراز نہیں کیا جاتا۔ اس بڑے آدمی" (یعنی تربیت علی خاں) کو دن بھر سوائے دو یا تین مرتبہ کھانے۔ آرام کرنے یا خوش گپیوں کے کچھ اور کام نہیں ہے۔ مگر ہم صبح سے لیکر رات تک امورِ ملکی میں منہمک رہتے ہیں۔ اور جس وقت بھی فرصت ملتی ہے۔ ہم تمہارے خطوط کے جواب دینے کی طرف فوراً متوجہ ہوتے ہیں۔

(۱۸) خط بنام ارشد بیگ خاں مورخہ ۲ر فروری ۱۷۸۶ء

تم کو چاہیئے کہ وہاں کے تاجروں اور باشندوں کو قطعی حکم دیدو کہ وہ انگریزی تاجروں سے کوئی مال نہ خریدیں اور نہ ہی انکے ہاتھ کوئی مال فروخت کریں۔ اگر اس طرح کیا گیا تو وہ لوگ کب تک اس ملک میں رہیں گے۔ آخر مایوس ہو کر یہاں سے چلے جائیں گے۔

(۱۹) خط بنام راجہ راجیندر۔ مورخہ ۱۰ر اپریل ۱۷۸۶ء

تمہارے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری ذات کا کوئی مناسب آدمی یہاں ملنے سے تم اپنی بیٹی کی شادی پائین گھاٹ میں کرنا چاہتے ہو۔ اسلئے برات کو پائین گھاٹ سے آنے کیلئے پروانہ راہداری چاہتے ہو۔ پروانہ ملفوف ہے جس شخص کیساتھ تمہاری لڑکی کی شادی ہو۔ اسکو اپنے ہی پاس ٹھہرا رکھو۔ پائین گھاٹ کو واپس بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کوشش کر کے یہاں ہی اپنی ذات برادری کا کوئی اور بر تلاش کر لو۔ ضرورت ہے کہ ملک میں آبادی بڑھائی جائے۔

علمی قابلیت

سلطان بہت بڑا منشی تھا۔ طب، تجارت، معاملاتِ مذہبی و فوجی اور بیشمار دوسرے امور پر یکساں رائے دیتا تھا۔ اس کا ثبوت وہ مکاتیب دے رہے ہیں جو ابھی اوپر لکھے گئے ہیں۔

کرنل کرک پیاٹرک (جسکے ذمہ بعد زوال سلطنتِ خداداد سلطان کا کتب خانہ تھا۔) اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے :۔

"سلطان کی تحریر دوسری تحریروں سے بالکل ممیز تھی۔ اسقدر مختصر اور پر معنی ہوتی تھی کہ ایک ایک لفظ سے کئی معنے نکلتے تھے۔ اس کی تحریر کا خاص وصف یہ تھا

کہ وہ ایک ہی نظر میں پہچانی جاتی تھی۔ کہ سلطان کے قلم سے نکلی ہے۔ الفاظ میں
تحکم پایا جاتا تھا۔"

آر۔ ایچ کیمبل لکھتا ہے:۔

"سلطان نہایت آسانی سے نثر و نظم لکھتا تھا۔ اور اسکے مضمون میں ایک خاص
شان پائی جاتی تھی۔ اس نے کبھی کسی کو سلام نہیں کیا۔ اور نہ کسی سے سلام قبول کرتا تھا۔"

کتاب تحفۃ المجاہدین اور دوسرے کتب جیسے وقائع منازل الحکام نامہ وغیرہ سلطان کی خاص نگرانی میں لکھے گئے۔ ان کتابوں میں بہت سے مضامین اور اشعار خاص سلطان کی تصنیف ہیں۔

سلطان اپنے ہر فرمان اور دوسری تحریروں پر جو منشیوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ ان پر اپنے مہر لگا کر آغاز عبارت پر اپنے قلم سے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھتا۔ اور اختتام عبارت پر اپنے دستخط ثبت کر دیتا تھا۔ تاکہ اس میں کوئی اور لفظ بڑھا لیا نہ جائے۔

نوٹ:۔ کتاب تحفۃ المجاہدین (فتح المجاہدین) کے فارسی و اردو ابیات اور ان میں جو احکام ہیں وہ کسی دوسری جگہ دیئے گئے ہیں۔ کتاب میں مصنف کا نام
"میر زین العابدین شوستری دیا گیا ہے۔"
مگر مصنف خود اقرار کرتا ہے کہ کتاب سلطان کے زیر نگرانی لکھی گئی۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان کسقدر قادر الکلام شاعر اور نثار تھا۔ اور اس سے اس کی اعلیٰ جنگی قابلیت کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

(نوٹ:۔ میر زین العابدین حیدرآباد کے میر عالم کے بھائی اور سلطان کے میر منشی تھے۔ انکے متعلق کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ سازش میں شریک تھے لیکن حیدرآباد اور میر عالم کی کھلی ہوئی دشمنی کو دیکھتے ہوئے

تعجب ہوتا ہے کہ سلطان نے کس طرح انہیں اس قدر ذمہ دار عہدہ دے رکھا تھا۔ زین العابدین اور میر صادق کو عہدوں پر بحال رکھنے سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ سلطان کو ان پر کسی قسم کا شبہ نہیں تھا۔ اور وہ بحیثیت ایک سچا مسلمان ہونے کے دوسروں سے بھی یہی سچائی کی امید رکھتا تھا۔ محمود)

یہ اسی علمیت اور علم دوستی کا نتیجہ تھا کہ اس نے سرنگا پٹم میں اپنی سرپرستی میں جمیع الامور کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی تھی۔ اس کا خاص کتب خانہ نہایت بیش قیمت تھا۔ تسخیر سرنگا پٹم کے بعد جو غارتگرانہ لوٹ ہوئی۔ اس کے بعد بھی مندرجہ ذیل نادرالوجود قلمی کتابیں یہاں موجود تھیں۔

قرآن مجید	تفسیریں	کتب وظائف	کتب احادیث	الہیات
۴۴ جلد	۴۱ جلد	۳۵ جلد	۴۲ جلد	۴۶ جلد
تصوف	علم اخلاق	فقہ	علوم وفنون (آرٹس)	فلسفہ
۵۶ جلد	۲۴ جلد	۹۵ جلد	۱۹ جلد	۵۴ جلد
نجوم	ریاضی	حکمت (طب)	تحقیق زبان	فرہنگ ولغات
۲۰ جلد	۷ جلد	۶۲ جلد	۵۴ جلد	۲۹ جلد
نظم کی کتابیں	ہندی اور دوسری نظم کی کتابیں	ہندی اور دکھنی انشا	ترکی نثر	قصص وحکایات
۱۹ جلد	۲۳ جلد	۴ جلد	۲ جلد	۱۸ جلد

یہ کتب خانہ سوائے چند کتب کے تمام کا تمام ولایت بھیجدیا گیا۔ چند کتب کلکتہ کو بھیجدی گئیں۔

سلطان کے متعلق میجر اسٹورٹ اور پروفیسر آر۔ ایس۔ گھوش لکھتے ہیں کہ :-

"کتب خانہ کی ترتیب و تہذیب کیلئے ایک مہتمم مقرر تھا سلطان کو تصنیف و تالیف کا بھی بہت شوق تھا۔ سلطان کے حکم اور فرمائش سے بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ یہ کتابیں زیادہ تر فوجی اور دیوانی معاملات سے متعلق ہیں۔ سلطان نے اپنے فرامین کے متعدد مجموعے تیار کرائے تھے۔ جو اسوقت بھی یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ سلطان جو کتاب مطالعہ کرچکا تھا۔ اس پر مہر لگادیتا تھا۔ اس طرح اکثر کتابوں پر مہریں ثبت تھیں"۔

۱۷۹۹ء میں جب سرنگا پٹم پر انگریزی تسلط ہوا تو یہ کتب خانہ چھ سال تک کس میرسی کی حالت میں پڑا رہا۔ اسکے بعد میجر اسٹورٹ نے عربی فارسی اور اردو مخطوطات کی ایک فہرست مرتب کی جو ۱۸۰۹ء میں بمقام کیمبرج چھپ کر شائع ہوئی۔

کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائیٹی بنگال میں جو کتابیں سلطانی کتب خانہ کی ہیں۔ انکی تفصیل یہ ہے:۔

رسالہ پدکھا۔ منتخب ضوابط سلطانی۔ رسالہ کچہری۔ ضابطۂ امثال۔ راہ رفتن و سواری۔ فتح المجاہدین (تحفۃ المجاہدین)، وقائع منازل۔ روزنامہ وکلاء حیدرآباد اتالیق شاہزادہ۔ مجموعۂ سندات۔ ہکنامہ۔ فرمان۔ فرامین۔

اردو کی تمام کتابیں انڈیا آفس لائبریری میں ہیں۔ جن میں میجر اسٹورٹ نے اپنی فہرست میں حسب ذیل کتابوں کا تذکرہ کیا ہے:۔

نام کتاب	مصنف	تصنیف سنہ	مختصر کیفیت
تذکرۂ شعرائے ہندی	فتح علی حسین	۱۱۹۵	بمقام دہلی۔ اس میں ایکسو شعراء کے حالات ہیں
علی نامہ	ملا نصرتی	۱۰۷۱	مصنف علی عادل شاہ بیجاپور کا درباری شاعر

نام کتاب	مصنف	تصنیف سنہ	مختصر کیفیت
			ہے یہ کتاب شاہنامہ فردوسی کے جواب میں شاہنامۂ دکن ہے ۔
گلشن عشق	ملا نصرتیؔ	۱۰۶۸	مجموعۂ غزلیات ۔ کتاب مصوّر ہے چار ہزار غزلیں ہیں یتصویریں آرٹ کا بہترین نمونہ ہیں ۔ ضخامت تین سو صفحات ۔
کلیاتِ قطب شاہ	محمد قلی قطب شاہ	۱۰۶۸	قطب شاہ فرمانروائے گولکنڈہ کا فارسی اور دکنی کلام ۔ صفحات ۱۶ سو
قصۂ رضوان شاہ روح افزا	فائزؔ	۱۰۹۴	ایک ضخیم مثنوی ہے ۔ (فائز ایک دکنی شاعر ہے) صفحات تین سو ۔
قصۂ ماہ پیکر	″		قصہ
قصہ بہرام وگل اندام	طبعی باشندہ گولکنڈا	۱۰۸۱	مثنوی ۔ ۴۴۱۳ ابیات ہیں پنجاہ صفحات
پھول بن	ابن نشاطی	۱۰۷۶	ابن نشاطی عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر تھا ۔ کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت مختلف مضامین نظم و نثر میں ۔ کتاب مصوّر ہے ۔
طوطی نامہ	″	۱۰۶۴	قصہ
قصہ پدمات و دکھنی	″	″	قصہ
قصۂ لعل و گوہر	عارف الدین خان عاجز باشندہ دکن	۱۱۰۰	کتاب اردو زبان میں ہے ۔ اسکا ترجمہ سلطان ٹیپو کے حکم سے فارسی میں میر حسن عوض نے ۱۱۹۲ میں کیا ۔

نام کتاب	مصنف	سنہ تصنیف	مختصر کیفیت
دیوان یقین	انعام اللہ خاں یقین	۱۱۰۰	مشہور شاعر کا دیوان
بھوگ بل	مترجم شہاب الدین	۱۱۰۰	برید شاہ کی فارسی کوک شاستر کا دکنی میں ترجمہ کتاب گولکنڈہ میں بعہد امیر شاہ لکھی گئی ہے صفحات ڈیڑھ سو ۔
مفرح القلوب	مترجم حسین علی		حسین علی سلطان شہید کا درباری شاعر اور ملک الشعراء تھا۔ کتاب سلطان کے نام پر معنون کی گئی ہے۔ اس نام کی فارسی کتاب کا دکنی میں ترجمہ
قصہ رضوان شاہ	فائز		فائز ایک دکنی شاعر ہے سنہ تصنیف ۱۰۹۴ھ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے صفحات ۳۰۰
قصہ ماہ و پیکر	نامعلوم		
قصہ بہرام و گل اندام	مصنف طبعی باشندہ گولکنڈہ		مثنوی ۴۳۱۲ ابیات ہیں سنہ تصنیف ۱۰۸۱ھ صفحات ۱۰۰
دیوان رفیع سودا	مرزا رفیع سودا		مشہور دیوان
قصائد رفیع سودا	״		مرزا سودا کے قصائد
سری گنیش			اس نام کی سنسکرت کتاب کا اردو ترجمہ
سندر سنگھار ہندی			یہ بھی سنسکرت کتاب کا ترجمہ ہے مختلف عنوانات پر نظم ہیں ۔
دھوری ہندی	شاہ درویش گجراتی		تصوف کی تین کتابوں کا ترجمہ

روضۃ الشہداء	سید المتوطن گلبرگہ		اس کتاب کا ماخذ فارسی روضۃ الشہداء ہے
رسالہ سرود و راگ	"		قدیم دکھنی غزلیات کا مجموعہ۔
نشاط العشق شرح غوثیہ	مترجم		حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی کتاب کا دکنی میں ترجمہ ہے موضوع کتاب نہایت نادر نسخہ ہے۔
ترجمہ مفتاح الصلوٰۃ	مترجم فتح محمد برہانی		اس نام کی فارسی کتاب کا دکھنی میں ترجمہ
خلاصہ سلطانی	سید امام الدین و محمد حمید قاضی سرنگا پٹم		سلطان شہید کے نام سے قدیم اردو نثر میں لکھی گئی۔
کلید زبان تلنگی			یہ تلنگی ٹیچر ہے۔

انکے علاوہ ونڈسر کیسل کے کتب خانہ میں قرآن مجید کا وہ نسخہ بھی موجود ہے۔ جو شہنشاہ اورنگ زیب کا تھا۔ اور سلطان ٹیپو کے خزانہ میں دستیاب ہوا۔ یہ قرآن شریف نو ہزار روپیہ کا قیمتی لکھا گیا ہے اور نہایت ہی نفیس خط نسخ میں لکھا ہوا عمدہ نقش و نگار سے مزین ہے۔

سلطان نے شرعی احکام کیلئے فتاوے مرتب کروائے تھے۔ سلطان کی علم دوستی کا پتہ اس سے بھی ملتا ہے کہ جمیع الامور کے نام سے جو یونیورسٹی قائم کی تھی۔ اس میں مذہب کی تعلیم کے علاوہ دوسرے علوم و فنون کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔

شوقِ ایجاد و اختراع

علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ سلطان کو ایجاد و اختراع کا بھی شوق تھا۔ اس کا یہ شوق ملک کو فائدہ پہنچانے

کی غرض سے تھا۔ سلطان سے پہلے ملک میں مغلیہ زمانے سے ۔ سنہ کا رواج چلا آتا تھا اور اس میں یہ نقص تھا کہ لگان کی وصولی میں بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں۔ اسلئے کہ لگان فصلوں کی تیاری کے بعد لیا جاتا تھا۔ سنہ ہجری کے مہینے آگے پیچھے ہو جاتے تھے۔ اس نقص کو محسوس کرتے ہوئے اس نے ایک نئی تقویم بنائی جسکی وجہ سے ہر مہینہ ٹھیک اسی موسم میں آتا تھا۔ جیسے اگلے موسم میں تھا۔ تقویم بنانے کے بعد اس نے مہینوں کے نام ابجد و ابتثث کے حساب پر رکھا۔ اس سے سلطان کی مراد یہ تھی کہ حروف تہجی کی ترتیب یا ابجد کے حساب پر اگر نام رکھے جائیں تو لوگوں کو یاد رکھنے میں زیادہ سہولت ہوگی

مہینوں کے نام

(نوٹ: بحساب ابجد ان ناموں کے حروف سے مہینوں کی ترتیب ملتی ہے۔)

(نوٹ: بحساب ابتثث ان ناموں کے حروف سے مہینوں کی ترتیب ملتی ہے۔)

بحساب ابجد		بحساب ابتثث	
(۱)	احمدی	(۱)	احمدی
(۲)	بہاری	(۲)	بہاری
(۳)	جعفری	(۳)	تقی
(۴)	دارائی	(۴)	ثمری
(۵)	ہاشمی	(۵)	جعفری
(۶)	واسعی	(۶)	حیدری
(۷)	زبرجدی	(۷)	خسروی
(۸)	حیدری	(۸)	دینی
(۹)	طلوعی	(۹)	ذکری

(۱۰)	یوسفی	(۱۰)	رحمانی
(۱۱)	یازدی	(۱۱)	راضی
(۱۲)	بیاسی	(۱۲)	ربانی

چونکہ ہندوؤں کے حساب سے ساٹھ سال کا ایک جگ ہوتا ہے۔ اس لئے ان ساٹھ سالوں کو بھی مذکورۂ بالا طریقہ پر نام دیئے گئے۔ جو ذیل میں دیئے جاتے ہیں:-

سالوں کے نام

بحساب ابجد	بحساب ابتث	بحساب ابجد	بحساب ابتث
۱۔ احمد	احمد	۱۳۔ جہاد	بار
۲۔ احمد	احمد	۱۴۔ وحید	حاجب
۳۔ اب	اب	۱۵۔ حاد	جبر
۴۔ ابا	ابا	۱۶۔ زید	رجا
۵۔ باب	باب	۱۷۔ جوزا	حشر
۶۔ بانج	تاب	۱۸۔ حی	ور
۷۔ ابد	تابا	۱۹۔ واحد	وار
۸۔ آباد	باج	۲۰۔ بدوح	راحت
۹۔ جاہ	تاج	۲۱۔ طیب	بارد
۱۰۔ ادح	ثابت	۲۲۔ طائب	چرخ
۱۱۔ رج	ابد	۲۳۔ یوز	خراج
۱۲۔ جہد	آباد	۲۴۔ کد	تاز

	بحساب ابجد	بحساب ابتث
۲۵-	ہادی	خرد
۲۶-	کبید	بدرتاب
۲۷-	آگام	درتاج
۲۸-	وحید	داوار
۲۹-	یاتی	زاو
۳۰-	کائی	زر
۳۱-	کیا	زار
۳۲-	کبود	بزر
۳۳-	ابل	زرآب
۳۴-	دل	ستا
۳۵-	دال	زرتب
۳۶-	جبال	ربتاز
۳۷-	زکی	سارخ
۳۸	ازل	ساخا
۳۹-	جبلو	دراز
۴۰-	ولو	داسا
۴۱-	ماکس	شا
۴۲-	کبک	سارا
۴۳-	جم	سراب
۴۴-	جام	ستنا
۴۵-	آدم	زبرجد
۴۶-	ولی	سحر
۴۷-	والی	ساحر
۴۸-	کوکب	راسخ
۴۹-	کواکب	شاد
۵۰-	یم	حراست
۵۱-	دوام	ساز
۵۲-	حمد	شاداب
۵۳-	حامد	بارش
۵۴-	جان	رستار
۵۵-	ادن	لبثتر
۵۶-	ہمائے	بشارت
۵۷-	مجید	شرح
۵۸-	محل	ارشد
۵۹	جہاں	صباح
۶۰-	مجیسز	ارشاد

نوٹ:۔ حساب ابجد و ابتث اس طرح ہے:۔

(ابجد) ابجد ۔ ہوز ۔ حطی ۔ کلمن ۔ سعفص ۔ قرشت ۔ ثخذ ۔ ضظغ ۔

(ابتث) ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق

ک ل م ن و ہ ی ۔ ف[1]

سنہ ہجری کے بجائے سنہ مولودی اختیار کیا گیا۔ جو آنحضرت صلعم کی تاریخ پیدائش سے ہے

سلطان جب کارخانوں کے ملاحظہ کو جاتا تو ضرور کوئی نہ کوئی اختراع فرماتا۔ اور

شال تحمل ۔ کمخواب وغیرہ میں نئی اختراعوں کی تعلیم ضرور ہوتی تھی ۔

ببری کپڑا سلطان کی خاص ایجاد ہے۔ سلطان اکثر اسی کی قبا پہنتا تھا۔ سلطان کا

تخت شیر کی صورت بنایا گیا۔ سدر محل میں جو ارغنون تھا وہ شیر کی صورت پر تھا ۔

سلطان نے ایک ایسی بکتر بنائی تھی جس پر گولی کارگر نہیں ہوتی تھی ۔

سلطان کو شیر کی صورت سے خاص دلچسپی تھی۔ اور شیر کے بہادرانہ اوصاف سے اسکو

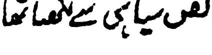
خاص مناسبت تھی۔ اسلئے وہ اپنے اختراعات میں خاص اس کا لحاظ رکھتا تھا۔ یہانتک کہ

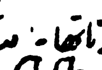
مسجد اعلیٰ، مسجد اقصیٰ، اور گنبد کو بھی ببری رنگ میں رنگا گیا۔ (اب سوائے گنبد کے

مسجد اعلیٰ اور مسجد اقصیٰ پر سفیدی پھیر دی گئی ہے۔)

سلطان اپنی جدت پسند طبیعت کے لحاظ سے نہ خالص سیاہی سے لکھتا تھا نہ

سرخی سے۔ بلکہ دونوں کو مخلوط کر کے لکھتا تھا ۔

سلطان پہلے پہل اپنا دستخط اس طرح کیا کرتا تھا۔ 

بعد میں اپنا نام اور دیگر صرف نبی مالک اس طرح  لکھتا تھا ۔

---

[1] ف۔ حروف ابجد کی طرح حروف ابتث سے بھی اسنے تاریخ نکالنے کا رواج دیا اور اسکو تاریخ زبر کا نام دیا گیا۔

اس کے شوقِ ایجاد نے شہروں کے قدیم نام بدل کر نئے نام دیئے:۔

قدیم نام	نیا نام	قدیم نام	نیا نام
ڈنڈیگل	خالق آباد	بلاری	ثمر ثمین
کشنگری	فلک الاعظم	کوئمبولور	سلام آباد
پاؤنگڈھ	خستی	قلعۂ گتی	فیض حصار
سنگل درگ	مظفر آباد	ننڈی گڑھ	گردون شکوہ
پینوکنڈہ	فخر آباد	میسور	نظر آباد
قاڈیہ پل	منظر آباد	فیروک	فرخی
منولی	گھونی آباد	سرا	رستم آباد
بنگلور	جمال آباد	کلیکوٹ	اسلام آباد
دیوان ہلی	یوسف آباد	شنگاور	دارالسرور
ہوسکوٹہ	اسلام پور	ماگڑی	ساون گڑھ
سرنگاپٹم	ظفر آباد	قلعۂ چیتلدرگ	فرحیاب حصار

سلطان نے اپنی سلطنت کا نام سلطنت خداداد رکھا تھا۔

سلطان نے حبیش کا نام بدل کر عسکر رکھا۔ اسی لحاظ سے بنگلور چھاؤنی کو آج بھی "عسکر" کہا جاتا ہے۔ تمام کچہریوں کے نام اسمائے حسنیٰ پر رکھے گئے۔ اس نے بندوق کا نام تفنگ، توپ کا نام دافش، بان کا نام شہاب رکھا۔ اشرفی کا نام راحتی، احمدی و صدیقی اور ہن کا نام فاروقی، روپیہ کا نام امامی۔ اٹھنی کا نام باقری۔ دونی کا نام کاظمی۔ آنہ کا نام آیہ۔

رکھا گیا۔ ہندسوں کی تحریر یدہی طرف سے لکھنے کا حکم دیا گیا۔

زہد و تقویٰ سلطان ہر روز بلا ناغہ بعد نماز صبح تلاوت قرآن مجید کرتا۔ اور نماز کا اس قدر پابند تھا۔ کہ جب مسجد اعلیٰ کا افتتاح ہوا تو سوال اٹھا کہ پہلی نماز کون پڑھائے۔ اس موقع پر بڑے بڑے علماء اور مشائخین آئے ہوئے تھے طے پایا کہ جو شخص صاحب ترتیب ہو وہ امامت کرے۔ مگر صاحب ترتیب کوئی نہیں تھا۔ اس پر سلطان نے کہا:۔

"الحمد للہ میں صاحب ترتیب ہوں"

چنانچہ پہلی نماز کی امامت خود سلطان نے کی۔

"ایک دن عید کے بعد سلطان اپنی والدۂ ماجدہ کے محل سرا میں دائے تہنیت کیلئے گیا۔ بعد تسلیم و نیاز کے وہیں ایک کمرہ میں سو رہا۔ اس اثنا میں نواب حیدر علی بہادر مرحوم کے دو منظور نظر کنیزیں جو جوان سال اور خوبصورت تھیں۔ اپنے حجروں سے نکلکر سلطان کے پاس پہنچیں۔ اور پیر دابنے لگیں۔ سلطان کی آنکھ کھلتے ہی اس کو طیش آ گیا۔ وہ معلوم کر چکا تھا کہ ان کا ارادہ کیا ہے۔ اور خوف خدا سے کانپنے لگا اور کہا:۔

"یہ تم نے کیا کیا۔ تم میری مائیں ہو۔ میں اس روسیاہی پر روز قیامت باپ کو کیا جواب دوں گا"

بعد ازاں ان کنیزوں کو سلطان نے خواجہ سرا کے حوالے کر دیا کہ انھیں ایسی سزا دے کہ دوسروں کیلئے باعث عبرت ہو۔" (نشان حیدری)

سلطان کو زنا سے اس قدر نفرت تھی کہ زانیوں کو قتل کا حکم تھا۔ یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ انگریزوں سے جسوقت جنگ ہو رہی تھی تو پائین گھاٹ میں معلوم ہوا کہ جب[۱] لد

مسلمان عورتیں گوروں سے زنا کی مرتکب ہوئی تھیں تو سلطان نے انکے قتل کا حکم دیدیا تھا۔

صاحب نشانِ حیدری لکھتے ہیں :۔

"سلطان اس قدر کامل الحیا تھا کہ سوائے اس کے پیر کے گھٹنوں اور کلائیوں کے اسکے جسم کو کبھی کسی نے برہنہ نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ حمام میں بھی وہ اپنے تمام جسم کو چھپائے رکھتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد اس اعتبار سے دنیا میں سلطان حیا کی دوسری حیرت انگیز مثال تھا۔"

اور یہ حیا اس کی ذات تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ دوسروں کو بھی اسی طرح حیادار دیکھنا پسند کرتا تھا۔ کورگ اور ملیبار میں ہندو عورتیں زمانۂ قدیم سے سر و سینہ برہنہ کر کے باہر نکلتی تھیں۔ اور ایک مختصر سی تہ بند باندھتی تھیں۔ سلطان نے فرمان جاری کیا کہ اس طرح کوئی عورت باہر نہ نکلے۔ اور اگر نکلے تو اسکے لئے سزا مقرر تھی۔ اسوقت سے ان تمام علاقوں میں عورتیں سینوں پر ایک کپڑا ڈالتی ہیں۔ اور اسی طرح میسور میں بھی چولی پہننے کا رواج ہوا۔

رکیس اپنی تاریخ میں سلطنتِ خداداد سے پیشتر ہندو عورتوں کی حالت پر ایک طویل مضمون صفحہ ۳۴۶ پر لکھا ہے جس کا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے :۔

"عورتوں کی حالت ہندوراج میں نہایت درجہ گری ہوئی تھی۔ وہ ہمیشہ ذلت کے خوف سے ایک سہمی ہوئی زندگی بسر کرتی تھیں۔ علانیہ سربازار فروخت کردی جاتی تھیں۔ بڑے شہروں میں انکی فروخت کیلئے خاص خاص منڈیاں تھیں اور ان منڈیوں سے راجہ کو آمدنی ہوتی تھی۔ جو سما یا چار کہلاتی تھی۔"

ملک کی سوسائٹی میں ہندو عورتوں کی عزت و احترام بڑھانے کیلئے سلطنت خداداد

نے عورتوں کی فروخت کو ممنوع قرار دیدیا تھا۔ کہ کوئی عورت بے حیا در باہر نہ نکلے۔

انگریزی مورخین مشرقی بادشاہوں کو بدنام کر رکھے ہیں۔ کہ وہ حرم سرائے میں صدہا عورتوں کو رکھکر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر سلطان کی ذات اس عیب سے پاک تھی۔

ولکس جیسا متعصب مورخ بھی اعتراف کرتا ہے کہ:۔

"سلطان کے محل میں کبھی تین سے زیادہ بیگمات ایک وقت میں نہیں رہیں۔ سلطان کی شادی دو بیگمات سے ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک کے انتقال کے بعد ایک دوسری بیگم سے شادی ہوئی۔ سلطان کی شہادت کے وقت کوئی بیگم بھی زندہ نہیں تھی۔"

اطاعتِ والدین

سلطان نے کبھی بھی اپنے والدین کے حکم سے سرتابی نہیں کی۔ میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۸۹ پر لکھتا ہے:۔

"اس کا نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ اپنی والدہ کا حد درجہ احترام کرتا تھا۔ ماں کی نصیحت سے کبھی اس نے بے اعتنائی نہیں کی۔ گو بعض اوقات ماں کی باتیں اس کی خواہشوں کے بالکل خلاف ہوتی تھیں۔"

انسانی ہمدردی

آج سلطان کی ہمدردی پر میسور کو فخر ہے۔ شہر میسور کے قریب چامنڈی پہاڑی پر کالی دیوی کے مندر میں ایک نامعلوم عرصہ سے دیوی کو خوش کرنے کے لئے انسانی قربانی کی جاتی تھی۔ سلطان نے اس کو سختی سے روک دیا۔ میسور گورنمنٹ سے جو کتاب راہنمائے میسور شائع ہوئی ہے اس کے صفحہ ۶۱ پر یہ ذکر ہے:۔

"اس پہاڑی کا نام کالی دیوی یا چامنڈی کے نام پر رکھا گیا۔ کالی کی پوجا اس

مندر میں ہوتی ہے۔ جو پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ زمانۂ قدیم سے یہاں انسانی قربانی ہوتی تھی۔ جو سلطنت حیدری (سلطنت خداداد) کے زمانہ میں سختی سے روک دی گئی۔"

یہ اسی ہمدردی کا نتیجہ تھا کہ سلطان نے اپنے تمام قلمرو میں ہر جگہ سرکاری خرچ پر یتیم خانے جاری کئے تھے۔ گو ان کی ابتدا حیدر علی کے زمانے میں ہی ہو چکی تھی۔ ان یتیم خانوں کے متعلق ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"سلطان نے ان یتیم خانوں میں ان لڑکوں کو داخل کیا تھا جو کورگ سے اسیر ہو کر اپنے والدین کے ساتھ آئے تھے۔ یہاں ان بچوں کو اسلام کی تعلیم دی جاتی تھی اس سے سلطان کا مقصد اشاعت اسلام تھا۔ اسکے علاوہ ان یتیم خانوں سے سلطان کی مراد یہ تھی۔ کہ جو بچے یہاں سے نکلیں وہ فوج میں بھرتی کر لئے جائیں۔ وہ ٹرکی کے سلطان سلیم کی تقلید میں ینگچری فوج کے طرز پر اپنی فوج تیار کرنا چاہتا تھا۔"

ٹیپو سلطان اور انسداد غلامی

سلطان کے تخت نشین ہونے سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہندوستان اور میسور میں غلامی کا رواج تھا۔ اس لئے سلطان نے انسداد غلامی کیلئے ایک فرمان جاری کیا جسکی نقل ذیل میں دی جاتی ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم — **ٹیپو سلطان**

"در شہر گنجام برادران و زنیان مردم نوکر پیشہ وغیرہ کہ بروزگار ہستند۔ آنہا را گرفتہ در پیادہائی ملازمان ایشاں نوشتہ نوملازم کنانیدہ و غلامان را در سرکار خداداد یکقلم آزاد فرمودہ شدہ است۔ ایشاں نیز تعقید و خبرگیری ایں معنی داشتہ از آنہا غلاماں را آزاد کنانند۔ ہمہ ماہا برضا و رغبت خود پیش ہر کس کہ بطور نوکری ملازمی

نمائندہ۔ مختار اند۔ نوز دہم ماہ دی سال حراست ۱۲۶۳ مولود محمد [illegible]

رحم دلی

سلطان کی رحمدلی کی ہزارہا مثالیں موجود ہیں جن میں سے ایک یہ بیان کی جاتی ہے:۔

"جس وقت مرہٹوں سے جنگ چھڑی ہوئی تھی تو اسوقت خبر آئی کہ فوج کی زیادتی کی وجہ سے ایک گاؤں میں عورتیں دریا میں ڈوب کر مر گئیں۔ سلطان کو جب خبر پہنچی تو اسکے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ اس نے سپاہیوں کو قابل عبرت سزا دی۔ تاکہ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے۔ اسی جنگ میں ایک جگہ مرہٹہ سرداروں کی عورتیں گرفتار ہو کر آئیں۔ سلطان نے بہت بڑی عزت کے ساتھ علیحدہ خیموں میں رکھا۔ اور اگرچہ جنگ کا سلسلہ جاری ہی تھا۔ ان عورتوں کو پالکی میں بٹھا کر تحائف گراں بہا کے ساتھ پونا کو روانہ کر دیا۔" (ٹیپو سلطان از کرنل مالس صفحہ)

سلطان کی رحمدلی کا اظہار اس سے بھی ہو سکتا ہے۔ جو مختلف مورخین نے اسکے حالات میں لکھا ہے:۔

"رات کا وقت تھا سلطان اپنے خیمہ میں سو رہا تھا تو اس کو کراہنے کی آواز آئی خیمہ سے نکل کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ قیدی پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ سلطان نے خود جا کر انہیں پانی لا کر پلایا۔ اور اسوقت تک نہیں سویا جبتک یہ قیدی نہیں سو گئے۔"

رعایا پروری اور رعایا کے آرام و آسائش کا خیال

اصلاحاتِ سلطانی اور انتظام سلطنت کے زیر عنوان دکھلایا جا چکا ہے کہ سلطان نے اپنی رعایا کو فارغ البال بنانے کیلئے کیا تجویزیں کی تھیں اور رعایا کس قدر آسودہ حال تھی۔ یہی رعایا پروری کا جذبہ تھا کہ جس کی وجہ سے اس نے تمام ملک میں صنعت و حرفت کے کارخانے اور تجارتی کوٹھیوں کا اجراء کیا اور کاشتکاروں کو

خوشحال بنانے کیلئے زمینداری کا خاتمہ کر دیا۔
میتھمک سوسائیٹی جرنل (مورخہ اکتوبر ۱۹۱۹ء) میں تحریر ہے :۔
"میسور میں سلطنت خداداد سے پیشتر، بڑی زمینداریاں تھیں چونکہ زمیندار اپنے کسانوں پر حد درجہ ظلم کرتے تھے۔ اس لئے سلطان نے تمام زمینداریوں کا خاتمہ کر دیا۔ کہ کسان اور سلطنت میں براہِ راست تعلق رہے۔ اسلئے میسور میں کوئی زمینداری نہیں ہے"
رشوت کا سدِّباب کرنے کیلئے اس نے جو کچھ کارروائی کی۔ اس کا بیان آگے آچکا ہے اور یہی رعایا پروری کا جذبہ تھا۔ جو اس کو منشیات کو منع کرنے پر آمادہ کیا۔ متعصب سے متعصب مورخ بھی اس کا اعتراف کرتا ہے کہ سلطان نے منشیات کو ممنوع قرار دیکر ایک بہت بڑے ریفارمر کا کام کیا تھا۔ سلطان کے ان اصلاحات کے متعلق میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۸۹ پر لکھتا ہے :۔
"اصلاحات کیلئے اسکے دل میں ایک حقیقی تڑپ موجود تھی۔ اور یہی اسکی حکومت کا ایک نمایاں جوہر ہے۔ گو کہا جا سکتا ہے کہ یہ اصلاحات قبل از وقت تھے یا بالفاظِ دیگر ٹیپو اپنے وقت سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا"
سلطان کے دل میں رعایا کے آرام و آسائش کا جو خیال تھا۔ اس کا اندازہ اس فرمان سے ہو سکتا ہے۔ جو اس نے عاملانِ حکومت کے نام جاری کیا تھا۔ (اسکی نقل پہلے دی جا چکی ہے) اس سے بڑھ کر سلطان کی رعایا پروری کا اور کیا ثبوت مل سکتا ہے کہ اس نے سوائے ملک کے بنے ہوئے کپڑے کے کبھی دوسرا کپڑا اور ملک کے بنے ہوئے نمک کے کبھی باہر کا نمک استعمال نہیں کیا۔ (ملاحظہ ہو بچاتن کی تحریر) اور یہی حکم اس نے اپنے تمام افسروں اور رعایا

کو بھی دے رکھا تھا۔

جنگی قابلیت بچپن ہی سے علم کے ساتھ ساتھ فنِ حرب کی بھی تعلیم ہوئی تھی۔ تعمیرِ قلعہ جات اور فوجی معاملات میں سلطان کی رائے نہایت صائب ہوتی تھی۔

بورنگ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :۔

"وزارت کا کام کر سکتا تھا۔ سپہ سالاری میں طاق تھا۔ امیر البحر تھا۔ اور سب قسم کے علوم و فنون میں کامل مہارت رکھتا تھا۔ اسکی قابلیت یہانتک بڑھی ہوئی تھی کہ جسوقت جنگی بیڑا تیار کرنیکا حکم دیا گیا۔ تو اسنے امیر الیم کی جماعت میں جہازوں کے نمونے تک بھیج دیئے تھے کہ ان نمونوں کے مطابق جہاز تیار کرلئے جائیں۔ اور جہازوں کے پیندوں کیواسطے ہدایت ہوئی تھی کہ تانبے کے بنائے جائیں۔ نیز جہازوں کی لکڑی کیلئے جنگل بھی نامزد کر دیا گیا تھا۔"

میدانِ جنگ میں اسکی قابلیت اور شہرت محتاجِ بیان نہیں۔ مدراس پر اس کا مشہور دھاوا، بیلی، ابرسیٹھ وائٹ، فلرٹن اور منرو کی شکست اور دوسری لڑائیاں اس کا بین ثبوت دے رہی ہیں۔ اور ۱۷۸۹ء میں میڈوز کی شکست کے متعلق بورنگ نے جو رائے دی ہے وہ پہلے لکھی جاچکی ہے۔ ہاں چند انگریزی افسر لکھتے ہیں کہ :۔

"اس نے میدانِ جنگ میں اس قابلیت کا اظہار نہیں کیا۔ جو حیدر علی کا طرۂ امتیاز تھا۔ اس نے سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ اس نے سوار فوج میں یکسر نمایاں کمی کردی۔ اور اس کے عوض توپ خانہ کو بڑھا دیا جس کی وجہ سے میسور کی تیسری اور چوتھی جنگ میں وہ اچانک حملے پائے نہیں جاتے جو ان جنگوں سے پیشتر حیدری فوج کا ایک خاص فن سمجھے جاتے تھے۔"

لیکن کرنل آرتھر ولزلی (جو بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن ہوا) دوسرے افسروں کی اس رائے

سے اتفاق نہیں کرتا ۔ وہ لکھتا ہے :۔

"اس کی کیولری (سوار فوج) دنیا میں سب سے بہترین فوج ہے ہمارے اس ملک میں داخل ہونے کے وقت سے وہ ہمارے پیچھے اس طرح لگی رہی کہ ہماری فوج میں ایک آدمی کا بھی کیمپ سے باہر نکلنا مشکل ہو گیا تھا لیکن ہم ایک ایسے راستے سے آگے بڑھے جو بالکل غیر معروف تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ ہم بنگلور چھوڑ کر آگے نہ بڑھ سکتے تھے" (ماڈرن میسور صفحہ ۱۹۴)

کرنل آرتھر ولزلی اپنی اس تحریر میں اعتراف کرتا ہے۔ کہ انگریزی فوج ایک غیر معروف راستہ سے آگے بڑھی تھی ۔ یہ راستہ کس نے بتلایا تھا ؟ اگر میر واسم علی کے متعلق جو کچھ لکھا جا چکا ہے پڑھا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ اس غدار نے انگریزوں کی رہنمائی اس راستے سے کی تھی ۔ اس لئے سلطان کی جنگی قابلیت کے متعلق شک و شبہ کرنا خارج از بحث ہے۔

سلطان کی شکست کا راز اسکی جنگی قابلیت کے نقدان میں نہیں بلکہ اسکے امراء و وزراء کی غداری کا سبب ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح عربوں کی غداری سے ترکی سلطنت اور شور بازاری ملا کی بے ایمانی سے امیر امان اللہ خان کی حکومت (افغانستان) کا تختہ الٹ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ماڈرن میسور کا مصنف بھی انہیں خیالات سے متاثر ہوا ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۴ پر لکھتا ہے :۔

"سلطان کی جنگی فراست و قابلیت میں کوئی شک نہیں لیکن جنگ کا نتیجہ جو کچھ نکلا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قدرت نے پہلے ہی سے اس کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اور قدرت پر کامیاب ہونا انسان کی دسترس سے باہر ہے"

یہی مصنف اپنی کتاب میں فوج کی ترتیب کے متعلق اس طرح لکھتا ہے :۔

"(۱) باقاعدہ کیولری (۲) پنڈاری کیولری (۳) سلحہ دار جن کے پاس اپنے خاص گھوڑے اور ہتھیار ہوتے تھے (۴) ممار (۵) بارلین باقاعدہ پیادہ فوج (۶) باڈی گارڈ (۷) ملک کے مختلف حصوں کی مقامی فوج (۸) آفریقی حبشی (۹) ہرکارے اور جاسوس (۱۰) پائنیر (۱۱) بہیر یعنے فوجی باربردار متعلقین (۱۲) لوہار اور بڑھائی"

جس طرح نواب حیدر علیؒ قلعہ بنانے میں مشتاق تھے۔ سلطان نے بھی یہ قابلیت ورثہ میں پائی تھی۔ اور آج بھی اس کے بنائے ہوئے قلعے موجود ہیں۔

فنِ انجینیری میں وہ اسقدر مشاق تھا کہ کرنل ولزلی اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے:-

"جب ہم محل میں سلطان کے خاص کمرے میں داخل ہوئے تو یہاں چارپائی کے قریب میز پر اقلیدس کا ایک نسخہ، حینڈ کا عزات جس پر اقلیدس کے نقشے بنے ہوئے تھے۔ اور پرکار وغیرہ کا ایک بکس رکھا ہوا تھا" (ماڈرن میسور)

شجاعت و بہادری

سلطان کی شجاعت و بہادری کی اس سے زیادہ روشن مثال اور کوئی نہیں مل سکتی۔ کہ وہ دست بدست جنگوں میں بذاتِ خاص شریک ہوتا۔ بشیر کا شکار اسکی بہترین تفریح تھی۔ ایامِ شہزادگی میں ایک روز کا واقعہ ہے کہ جنگل میں بہادر سلطان ایک فرانسیسی افسر کے ساتھ سیر کا منتظر تھا۔ سامنے شیر دکھائی دیا۔ فرانسیسی افسر فوراً بندوق سے نشانہ تاکتا ہے بشیر دل شہزادہ بندوق چھین لیتا ہے، شیر دونوں پر لپک پڑتا ہے۔ دودھاری تلوار بے نیام ہو کر بجلی کی طرح شیر پر کوندتی ہے اور چشم زدن میں شیر کے چاروں پاؤں جسم سے الگ کر دیتی ہے۔ آج بھی میسور اس جری سلطان کو شیر میسور کے نام سے یاد کرتا ہے۔ یہی وہ مردانگی تھی کہ سلطان آخر وقت تک داد شجاعت دیتا ہوا شہید ہوا۔ اور اپنا آخری جملہ دنیا میں یادگار چھوڑ گیا۔

"گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایکدن کی زندگی اچھی ہے"

سلطان نے کئی شیر اپنے محل میں پال رکھے تھے۔ شیر کی صفات، شیر کی لڑائی، شیر کا رنگ اسکو اس قدر محبوب و مرغوب تھا کہ اسکا محل۔ اسکی تعمیر کردہ مسجد اور گنبد تمام اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اسکی تمام ہتھیاروں پر

"اسد اللہ الغالب"

کندہ تھا۔

تمام میسور میں یہ روایت زبان زد عام ہے کہ نواب حیدر علی نے میر نظام علی خاں نظام الملک کو پیغام دیا تھا کہ دونوں خاندانوں میں اگر آپس میں شادیاں ہو جائیں تو آئندہ دونوں سلطنتوں میں اتحاد رہیگا۔ اس تجویز کو عمل میں لانے کیلئے تجویز کی گئی کہ ٹیپو سلطان کی شادی نظام علی خاں کی دختر سے ہو جائے۔ اس سلسلے میں حیدر آباد سے سلطان کی تصویر طلب کی گئی اور چند امور مشتہر حیدر آباد سے سرنگاپٹم آئے۔

سلطان نے یہ کہہ کر تصویر دینے سے انکار کر دیا کہ

"مردوں کی بہترین تصویر انکی جوانمردی ہے"

میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۷۶۹ پر سلطان کے اوصاف میں لکھتا ہے۔

"اس کی سپاہیانہ بے جگری۔ اس کی ذاتی بہادری اور ایسے وقت میں جب شکست یقینی تھی۔ اس کا اپنے آپ کو دشمن کے حوالے نہ کرنا شجاعت اور جوانمردی کی وہ بے نظیر مثال ہے۔ جس کیلئے وہ صد درجہ تعریف کا مستحق ہے۔ اُن لوگوں سے جنہیں وہ اپنا دوست سمجھتا تھا کبھی اس نے بے وفائی نہیں کی۔ ۱۷۹۲ء کی جنگ میں انگریزوں کا مطالبہ تھا کہ اس کی ملازمت میں جو چند فرانسیسی ہیں انہیں حوالے کر دیا

جائے۔ فرانسیسیوں کو انگریزوں کے حوالے کر دیتا ۱۸۰۲ تک تاج و تخت کو بچا سکتا تھا لیکن اس کی شجاعت نے اس کو گوارا نہیں کیا۔

کہا جاتا ہے کہ اسکندر اعظم اور جولیس سیزر کے بعد نپولین بوناپارٹ اعظم دنیا کا سب سے بڑا سپہ سالار فاتح اور نامور جرنیل تھا۔ جواں مردوں کی جواں مردی اور بہادروں کی بہادری کا احترام ہر شخص پر فرض ہے۔ نپولین اعظم کے لئے اسی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نپولین اور ٹیپو سلطان کے آخری لمحات کا موازنہ کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ سلطان کی شخصیت نپولین اعظم کی شخصیت سے کس قدر شاندار ہے:۔

نپولین کو جب آخر وقت اسکے امراء کی غداری کی وجہ سے شکست ہوئی تو اس نے اپنے وطن کو دشمنوں کے سپرد کرتے ہوئے سلامتی اسی میں سمجھا کہ دشمنوں کی اطاعت قبول کر لی جائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی زندگی قیدخانہ میں بسر ہوئی۔ اور وہ قیدخانہ ہی میں مر گیا۔

سلطان کو جب اسکے وزراء اور امراء کی سازش کی وجہ شکست ہوئی تو اس نے آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے میدان جنگ میں ملک و ملت کی مدافعت میں شمشیر بکف مر جانا گوارا کر لیا کہ:۔

"گیدڑوں کی سو سالہ زندگی سے ایک دن کی شیر کی آزاد زندگی اچھی ہے:"

میسور گزیٹیر کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۹۰ پر لکھتا ہے:۔

"ٹیپو نے اپنے لئے وہ موت پسند کی جس کے لئے اس کا ہمعصر دوست نپولین ہمیشہ ترسا کیا"

جذبۂ جہاد

سترہویں صدی عیسوی میں مسلمانانِ ہند جس قسم کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس کے متعلق سلطان کے مذہبی اصلاحات میں کچھ بیان آچکا ہے اور مزید حالات آئندہ اوراق میں سلطنت خداداد کی تباہی اسلامی و ہندی نقطۂ نظر سے"

کے زیرِ عنوان دیے گئے ہیں مسلمانوں میں مال و دولت کی فراوانی کے ساتھ ساتھ راحت طلبی اور عیش و آرام کی خواہش حد درجہ بڑھ گئی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو کر ملک اور حکومت سے بے بہرہ ہو گئے تھے۔ اور مغربی قومیں دن بدن چیرہ دست ہو کر اپنا تسلط قائم کر رہی تھیں سلطان نے ان برائیوں کا واحد علاج یہی سمجھا کہ مسلمانوں کو جو اپنے راستے سے بھٹک چکے تھے پھر راہ راست پر لے آئے جس کی تعلیم انہیں زمانہ خیر القرون میں مل چکی تھی۔ یعنی انہیں مذہب کی صحیح تعلیم کے ساتھ ساتھ جہاد پر آمادہ کرنا شروع کیا۔ اس کے خیال میں جہاد ہی ایک واحد علاج تھا جس سے مسلمانوں کی خانہ جنگیاں ختم ہو کر ملک غیر ملکی تسلط سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس نے مسلمانوں کو تعلیم دی کہ اسلام اور آزادی کوئی دو علیحدہ نظریے نہیں ہیں۔ اس مقصد سے اس نے کتاب فتح المجاہدین میں خاص طور پر مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلائی ہے۔ اس کتاب میں اس نے دلائل کے ساتھ بہت سے مسائل جہاد پر لکھے ہیں۔ جن میں سے دو یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

اس کتاب کے صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے:۔

"مسئلہ۔ جہاد با کفار از برائے نصرت دین محمدؐ اسلام است"

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۵۰ پر لکھا ہے:۔

"مسئلہ۔ نیکو نیست باج دادن بکفار با قدرۃ بر جہاد"

اس کے علاوہ مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے سلطان نے مؤید المجاہدین کے نام سے نئے خطبات جمعہ کی تدوین کا حکم دیا۔ اور یہی خطبات مسجدوں میں پڑھے جاتے تھے کتاب میں پچاس خطبات جمعہ اور دو عیدین کے خطبات ہیں۔ اور ہر خطبہ میں مسلمانوں کو جہاد پر ترغیب دلائی گئی ہے۔ کتاب کی تصنیف کا سبب دیباچہ میں اس طرح تحریر ہے:۔

"اس زمانہ میں کہ تیرہویں صدی ہجری ہے۔ اور اس وجہ سے کہ سلطنت تیموریہ دہلی پر خانہ زادوں اور نوکروں کی نمک حرامی کی وجہ تباہی آگئی ہے اور ایک غیر قوم دن بدن غلبہ پاتی ہوئی ملک پر مسلط ہوتی جا رہی ہے۔ اور خطہ ہند کے باشندے کسب کمال سے عاری اور درس و تدریس زیادہ کام مذہب سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ اسلئے بحکم سلطانی ان خطبات کی فارسی زبان میں ترویج کی جاتی ہے۔ اب تک خطبات جمعہ عربی زبان میں مروج تھے مگر چونکہ اکثریت اس زبان سے ناآشنا ہو گئی ہے اسلئے فارسی کو موزوں سمجھا گیا۔"

ذیل میں اس کتاب سے ایک خطبہ نقل کیا جاتا ہے :۔

"خطبہ در بحر مشہور متضمن حمد الٰہی و نعت حضرت رسالت پناہی و مناقب اکابر دین و ترغیب جہاد کمسلمین مزین و مجلے باسم سامی ہمایوں پادشاہ دین پناہ حضرت ٹیپو سلطان خسرو غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ ۔ (مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان)

الحمد للہ الحمد للہ الذی خالق اللیل والنہار و عالم الجہر والاسرار و کاشف الظلمت والانوار و نشہد ان محمد عبدہ و رسولہ المختار و علی آلہ واصحابہ الاخیار اسمعوا قولہ العزیز الغفار۔ یا ایہا الذین امنوا لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المومنین ۔

رسد بادج سخن از ثنائے رب کریم	حکیم و قادر و قیوم و کردگار علیم
چگونہ شرح تواں داد نعمت عامش	کہ شمہ ایست ز فیضش تمام باغ نعیم
نمود خلق بیک لفظ کن تمام جہاں	بمحض قدرت خود بے شریک و ضد و سہیم
براہ نعت نبیؐ کلک چوں شود پویاں	ز فیض صفحہ شود بہتر از گاہ باغ نعیم
زہے خجستہ رسولیکہ بہر او ایجاد	نمود کرسی و عرش و جہان رب کریم

بیا کہ بلطف تحریر می‌توان آورد — ثنائے آن شہ محبوب کردگار قدیم
ہمیشہ باد تحیات زاکیات بر آن — شہنشہ دو جہان تا کہ ہست عرش عظیم
ز پند و موعظۃ اکنون کہ سر فشان گردد — قلم کہ ہست ز فیض قدم چو ابر کریم
برائے دین نبی جہد کن کہ در دو جہان — شوی عزیز و نصیبت شود بہشت نعیم
غزا است فرض بارباب دین خصوص کجا — کہ آورند بر اسلام زور فوج لئیم
خدا نکردہ اگر سستی کنی بجہاد — بہر دو کون شوی خوار و زار و زشت و ذمیم
گرفتم اینکہ بیابی حیات جاویدان — چہ سود چونکہ شود دینداری تو عدیم
مپوش دیدہ ز ایمان و دین اے دانا — چو کار زان دغل از برائے گوہر و سیم
بس است آنچہ نمودم بیا بے ہشیار — خدا ز لطف کند جملہ را علیم و فہیم
ہمیشہ تا کہ بود آفتاب نور فشان — قلوب زمرۂ ارباب دین باد سلیم

خطبۂ ثانی

کنم سپاس خداوند آسمان و زمین — بدیع و رب و غفور و سمیع و بر و قدیم
بلفظ کن دو جہان را نمودہ است ایجاد — چنان حدیث بلا شک کنم بفکر سقیم
زہے مدبر و دانا زہے خبیر و بصیر — خہے مدبر و بے شبہ و مثل رب رحیم
ز نعت احمد مرسل شفیع روز جزا — قلم چو در حہ طوبی شود پئے ترقیم
زہے شفیع امم کائنات را رہبر — خہے خلاصۂ ایجاد خلق رب کریم
فلک بدرگہش از منطقہ کمر بستہ — برائے کسب شرف روز و شب چو عرش عظیم
مدام باد صلوٰۃ و درود بے پایان — بذروہ اش کہ چو عرش کہ چو عرش است واجب التعظیم
بود خلیفۂ اول صدیق رضہ خاص نبی صہ — بنام حضرت بوبکر واجب التعظیم

عمر خلیفهٔ ثانی که عدل و دادِ او
نماند ظلم و ستم در مزاج دهر سقیم

خلیفهٔ سیوم هست صاحب نورین
بنام حضرت عثمانؓ بخلق و طبع سلیم

چهارمین که بود شیرِ حق شهٔ مردان
علیؓ عالی اعلے حبیبِ ربِّ کریم

همیشه باد ازین چار کردگار رضا
که هر یکے است بدین نبیؐ بقصد عظیم

هم از حسینؓ و حسنؓ سیدانِ اهلِ جنان
بطبع هر دو سلیم و بخلق هر دو کریم

دگر ز فاطمهؓ بنت محمدِؐ عربی
که هست خاک درش فیض بخش چون تسنیم

هم از خدیجهٔ مخدومهٔ نساء جهان
که هست منزلت شانِ آن رضیهٔ عظیم

دگر ز سائر ازواج طاهرات نبیؐ
که بوده اند همه خاص کردگار کریم

هم از دو عم گرامیش حمزهؓ و عباسؓ
که هر دو در رهِ دین اند واجب التکریم

هم از شش آن که ز ده باقی اند کاینها را
بشارت جنان داده کردگارِ رحیم

هم از صحابهٔ احمدؐ همه که در رهِ دین
همه نجوم سپهر هدائے و با تکریم

هم از تمامی اسلامیان ز فضل اتم
هم از تمامی ایمانیان ز لطفِ عمیم

مدحت

کنون ثنائے شهنشاه میکنم آغاز
شہے که برده گرو از شهان بخلق کریم

شهنشہے که بود نام نامیش ڈلیچو
بجبهه مهر فروزان بکف سحاب کریم

الٰهی از کرم عام خویش این شه را
همیشه دار بفرخندگی بناز و نعیم

عنایتش بنما عمرِ خضر و شوکتِ جم
مدام دار باعزاز و جاه با تکریم

مظفرش بنما خاص بر اعادیِ دین
به بخش فتح مدامش بکافران لئیم

عزیز دار بهر دو جهانش پیوسته
مدام زیب بیابد ز فرق او دیهیم

عطوف کن بامیران ز زمرۂ غربا | رئوف ساز خلقش بہ بخش لطف عمیم

نصیر دین نبی ہر کہ ہست از دل و جاں | ہمیشہ باحسنات یاد کردگار کریم

شود ہر آں کہ بخذلان دین حق دایم | مدام باد گرفتار در عذاب الیم

توئی کریم خدایا المسلمین آں بخش | کہ در دو کون بگردند صاحب تکریم"

سلطان کے اس جذبۂ جہاد و دیگر اوصاف جمیلہ کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبال نے لکھا ہے:

"سرزمین ہند میں اگر نیابت حقہ کے تمام تک کسی نے رسائی کی تو وہ ٹیپو ابن حیدر علی تھا۔ اور اس کی نیابت الہیہ کی ایک ادنیٰ سی جھلک دیکھنی ہو تو یہی سنکر آپ کی آنکھوں میں پھر جائے گی۔ کہ اس کی سلطنت کا نام دولت خداداد اور اسکے ایوان عدالت کا نام دریائے دولت تھا" (روزنامہ انقلاب لاہور)

اسوۂ عالیہ کی جو صحیح مثال اس نے قائم کی اس لحاظ سے ہندوستان کے تمام مسلمان سلاطین میں اس کو ایک ممتاز درجہ حاصل ہے۔

ٹیپو سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری

تمام انصاف پسند مورخین کو حیرت ہے کہ باوجود اس وقت مذہبی جذبہ رکھنے کے سلطان کس قدر بے تعصب اور رواداری تھا لیکن متعصب مورخین نے اس کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ اس سے انکا ایک خاص مقصد وابستہ ہے ہندوستان میں ہندو مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر اپنی حکومت قائم کرنے کیلئے ایسٹ انڈیا کمپنی جس پالیسی پر کاربند رہی۔ یہ اسی پالیسی کا نتیجہ ہے۔ کہ مدارس میں پڑھانے کیلئے ایسی تاریخیں لکھی گئیں جو شروع ہی سے بچوں کے دل میں عناد پیدا کرسکے ان تاریخوں میں جو باتیں لکھی گئیں ان کا ثبوت ان مورخوں نے کہیں نہیں دیا۔ اور نہ کوئی تحقیق و تفتیش سے کام لیا بعد میں

آنے والے مورخوں نے صرف اسی پر اکتفا کیا۔ کہ جو کتابیں پہلے لکھی گئی تھیں۔ انہیں کے الفاظ میں نقل کر لیا۔ ورنہ اگر اسکے صحیح معمولی تحقیق سے بھی کام لیا جاتا تو میسور کا ذرہ ذرہ ٹیپو سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری کا ثبوت فراہم کرتا۔ خصوصاً موجودہ زمانے میں سفر کے وسائل اتنے آسان ہو گئے ہیں کہ ہر شخص میسور آ کر سلطان کی مذہبی رواداری اور بے تعصبی کا عین ثبوت اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔

ریاست میسور میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے جو عمارتیں ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہیں وہ ہندوؤں کے قدیم معابد و منادر ہیں جن میں بعض کی تعمیر ہزار سال سے پیشتر کی ہے۔ سلطان اگر متعصب ہوتا تو اسکے لئے آسان تھا کہ ان مندروں کا نام و نشان نہ رکھے۔ بخلاف اس کے ان مندروں میں سلطان کی دی ہوئی جاگیرات کے فرامین موجود ہیں جن سے آج بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

سلطان کا پایہ تخت سرنگاپٹم ہر شخص کا دیکھا ہوا ہے۔ اور ہر سال ہزارہا لوگ اسکے دیکھنے کیلئے دور دور سے آتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن پر اترتے ہی سب سے پہلے زائر کی نگاہ ان دو بڑے مندروں پر پڑتی ہے۔ جو اسٹیشن سے بالکل قریب ہیں۔ سلطان کا محل انہیں مندروں کے بالکل قریب تھا۔ محل سے کچھ بلکہ محل سے لگا ہوا ایک اور بڑا مندر ہے بنگلور میں بھی محل سے لگا ہوا ایک چھوٹا مندر ابھی تک موجود ہے۔

اسکے علاوہ میسور کے علاقہ میں سرنگری، بیلور، ننجن گڈھ، السور، بنگلور وغیرہ میں ایسے مندر موجود ہیں جن کی تعمیر صدیوں پیشتر کی ہے۔ سلطان نے ان مندروں سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بلکہ انہیں اپنی طرف سے جاگیریں دیں۔ اور یہاں کے گروؤں کی اس کے پاس حد درجہ وقعت تھی جس کا ثبوت ریاست میسور کے محکمہ آثار قدیمہ کے آرکیالوجیکل پروڈوں

سے بخوبی ملتا ہے ۔

میسور کے آرکولاجیکل رپورٹ بابت ۱۹۱۶ء میں لکھا ہے:۔

"سرنگری کے مندر میں نواب حیدر علی کے تین ۳ اور ٹیپو سلطان کے تیس ۳۰ خطوط و فرامین ملے ہیں۔ ان تمام فرامین و خطوط میں سلطان نے سنہ ہجری کیساتھ سنہ مولودی بھی استعمال کیا جو اسکی خاص ایجاد ہے۔ یہ تمام خطوط و فرامین سرخ کاغذ پر لکھے ہوئے ہیں۔ اور ان میں اکثر خطوط کے لوح پر سلطان کی مہر موجود ہے۔ ان خطوط کیا بخلاف دوسرے خطوط کے جن میں سلطان کا نام پہلے لکھا جاتا تھا سلطان نے سرنگری کے گرو کا نام اور القاب پہلے لکھا ہے۔ اور اپنے نام کیساتھ کوئی خطاب القاب استعمال نہیں کیا ان میں بہت سے خطوط میسور کی تیسری جنگ کے واقعات پر تیز روشنی ڈالتے ہیں اور بعض خطوط سرنگری کے گرو کے خطوط کے جواب میں لکھے گئے ہیں۔"

میسور کی تیسری جنگ میں انگریز نظام اور مرہٹوں نے سلطنت خداداد پر فوج کشی کی تھی، مرہٹی فوج پرسرام بھاؤ کے ماتحت تھی۔ اس فوج نے جہاں تمام ملک کو لوٹ مار کرکے تباہ کیا وہاں سرنگری جیسا مقام بھی اسکے ہاتھوں نہ بچ سکا۔ گرو نے سلطان کو لکھا کہ مرہٹی فوج نے سرنگری کے مندر کو لوٹ کر تباہ کر دی ہے۔ اور سارد او دیوی کے بت کو اپنی جگہ سے نکال کر پھینک دیا گیا ہے۔ مندر کا جملہ نقصان ساٹھ لاکھ روپیے کے قریب ہوا ہے۔ مندر کے ہاتھی، گھوڑے وغیرہ تمام مرہٹے لیکر چلے گئے ہیں۔

اس کا جواب سلطان نے ۲۰ رماہ ربانی مطابق ۱۷۹۱ء میں اس طرح دیا:۔

"ہم ان دشمنوں کو سزا دے رہے ہیں جو ہمارے ملک پر چڑھائی کرکے ہماری رعایا کو ستاتے ہیں۔ آپکی ذات تقدس مآب اور تارک الدنیا ہے۔ اسلئے یہ آپکا اور مندر

تے دوسرے برہمنوں کا فرض ہے کہ ملک کے دشمنوں کی تباہی کیلئے خدا سے دعا کریں کہ ہمارا ملک محفوظ اور ہماری رعایا خوش وخرم رہے ''

پھر ایک خط میں گروجی نے سلطان کو لکھا تھا کہ انھوں (یعنے گروجی) نے مجبور ہو کر کسی اور جگہ اقامت اختیار کی ہے اور یہ بھی اطلاع دی تھی کہ مرہٹوں نے مندروں میں گھس کر برہمنوں کو زخمی اور قتل کر دیا ہے ۔ اور مندروں میں جو کچھ اثاث تھا، لیکر چلے گئے ہیں ۔ اور بغیر حکومت کی تائید کے سارداد یوی کے بت کو دوبارہ نصب نہیں کیا جا سکتا ۔

سلطان نے اس کے جواب میں لکھا ہے :۔

'' ان لوگوں کو جو مقدس مقامات کی بے حرمتی کرنے سے بھی نہیں باز آتے یقین ہے کہ اس کالی یوگ میں انہیں بہت جلد اپنے کرتوتوں کا خمیازہ ملیگا ۔ لوگ بدی کا کام ہنستے ہوئے کرتے ہیں لیکن خمیازہ روتے ہوئے بھگتیں گے ۔ گروؤں سے دغا بازی خود اپنی نسل کو منقطع کرنا ہے ''

اس خط کے ساتھ سلطان نے ایک حکم نامہ نگر کے آصف کے نام بھیجا تھا جسمیں حاکم علاقہ کو حکم دیا گیا تھا کہ دو سو راحتی (سلطانی اشرفی) نقد اور دو سو راحتی کے اجناس فوراً گروجی کی خدمت میں پیش کرے ۔

اسی خط میں سلطان نے گروجی کو لکھا تھا :۔

'' آپ کو اختیار ہے کہ انعامی دیہات سے جن چیزوں کی ضرورت ہو حاصل کرلیں ۔ اس رقم اور اجناس سے ساردا دیوی کے بت کو نصب کرتے ہوئے برہمنوں کو کھانا کھلائیں اور ہمارے دشمنوں کی تباہی کیلئے دعا کریں ''

ایک اور خط میں سلطان نے لکھا ہے :۔

"آپکا بھیجا ہوا پرساد اور شالیں موصول ہوئیں۔ آپکے استعمال کیلئے ایک جوڑی شال اور دیوی کے بت کیلئے کپڑے روانہ کئے جاتے ہیں"

ماہ جعفری میں سلطان نے ایک اور خط لکھا ہے۔ اس میں گرو جی کو اطلاع دی گئی ہے کہ انکی خاص سواری کیلئے ایک ہاتھی روانہ کیا جاتا ہے"۔ اسی خط میں سلطان نے اپنے افسر کے نام جو حکم نامہ لکھا تھا اسکی نقل بھی ملفوف تھی۔ اس حکم نامہ میں تاکید کی گئی ہے کہ گرو جی کے میلوں پر باہر آنے جانے کیلئے کوئی پابندیاں عائد نہ کی جائیں۔

ماہ حیدری کا ایک رکارڈ بتلاتا ہے کہ گرو جی نے مندر میں دو خاص پوجا کی رسمیں ادا کرنے کیلئے سلطان سے مالی تائید چاہی تھی۔ اور یہ پوجا ۴۸ دن تک ہر روز ہونے والی تھی جسکو سلطان نے منظور کر لیا۔ اور نگر کے آصف کے نام حکم بھیجا کہ سرنگری پہنچکر تمام انتظامات مکمل کرنے میں گرو جی کی تائید کرے۔ اسی ماہ میں گرو جی کو بھی سلطان نے خط لکھا کہ:-

"آپ کی حسب مرضی پوجا کے دنوں میں روزانہ ایک ہزار برہمنوں کو کھانا کھلانے اور نقدی دینے کے متعلق نگر کے آصف کو حکم بھیجا گیا ہے"

ماہ دینی کے چار رکارڈ مندر میں موجود ہیں۔ ان میں پہلے رکارڈ میں محمد رضا آصف نگر کو ہدایت کی گئی ہے کہ پوجا کے دنوں میں خاص انتظام کر رکھے کہ شر پسند لوگ مندر کے کاموں میں مداخلت نہ کر سکیں۔

ایک اور رکارڈ میں سلطان نے اطلاع دی ہے کہ سارداد یوی کے بت کے استعمال کیلئے ایک پالکی اور گرو جی کے استعمال کیلئے ایک دوسری پالکی بذریعہ جوبدار فقیر محمد روانہ کی جاتی ہے۔ ذاکری مہینے کے ایک کارڈ میں لکھا ہے کہ لنباڑی قوم کے حملوں سے مندر کو محفوظ رکھنے کیلئے پیادہ فوج کے سپاہیوں کو مندر کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے۔ لنباڑی ایک خانہ بدوش

ہندو قوم ہے جو جنگلوں میں رہتی ہے۔ اور اس کو سنگالی بھی کہا جاتا ہے)

مندر میں ایک ورر کارڈ (خط) موجود ہے جس میں ضلع نگر کے عامل (سید محمد) کو سلطان نے لکھا ہے :-

"سوامی جی سمندری غسل کیلئے جانیوالے ہیں۔ انہیں سفر میں تمام ضروریات مہیا کئے جائیں"

ماہ ربانی کے ایک رکارڈ میں سلطان نے سوامی جی کو اطلاع دی ہے کہ انکے استعمال کیلئے دو نقرئی چنور ارسال کئے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی نے سلطان سے درخواست کی تھی کہ وہ (سوامی جی) خود پرسرام بھاؤ کے پاس جا کر ان سے درخواست کرینگے کہ مندر کا تمام مال جو مرہٹی فوج نے لیلیا تھا۔ واپس کر دیا جائے اسکے جواب میں سلطان نے سوامی جی کو راہداری کا پروانہ دیتے ہوئے تمام عمالان حکومت کو لکھا ہے کہ دوران سفر میں سوامی جی کو ہر قسم کا آرام اور تمام ضروریات مہیا کئے جائیں اسی خط میں سلطان نے سوامی جی کے استعمال کیلئے شالیوا دو ہاتھی، نوبت نقارہ اور علم بھیجنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو اس نے اپنی جانب سے بطور نذرانہ گرو جی کو دیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے گرو جی پونا پہنچے۔ پرسرام بھاؤ سے ملاقاتیں کیں لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ اسلئے ان کو وہاں زیادہ عرصہ لگ گیا۔ اس پر سلطان نے انہیں ایک خط لکھا (یہ خط ماہ رضی" میں لکھا گیا اور پلیٹ سترہ نمبر ۳ میں محفوظ ہے)

"آپ جگت گرو ہیں۔ آپ دنیا کی بھلائی کیلئے ہمیشہ عبادت میں رہتے ہیں جس ملک میں آپ جیسی مقدس ہستی موجود ہو اس ملک میں خدا کی رحمت ہوتی ہے۔ بارش اچھی اور فصلیں عمدہ ہوتی ہیں۔ آپکو ایک غیر ملک میں اس قدر عرصہ ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے آپکا کام جلد انجام کو پہنچا کر اپنے ملک میں واپس آجائے"

ماہ ربانی کے ایک خط میں سلطان نے گرو جی کو اطلاع دی ہے کہ :۔

"آپ کی ہدایت کے مطابق چھتروں (سراؤں) میں برہمنوں کو کھانا کھلایا جا رہا ہے۔ آپکی خیریت سے وقتاً فوقتاً آگاہ کرتے رہیں۔"

۱۷۹۱ء میں سوامی جی نے اطلاع دی ہے کہ وہ پونا سے واپس آ رہے ہیں۔ اس کے جواب میں سلطان نے اپنے افسروں کے نام حکم نامہ جاری کیا کہ :۔

"راستے میں سوامی جی کی تمام ضروریات فراہم کرتے ہوئے سوامی جی کے تمام اعزاز و مراتب کا لحاظ رکھا جائے۔"

اس کے بعد ایک اور خط میں سلطان نے سوامی جی سے درخواست کی ہے کہ :۔

"پایۂ تخت میں تشریف لا کر درشن دیں۔"

اوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سرنگری کے مندر سے متعلق ہے۔ اور یہاں کا مندر تمام جنوبی ہند اور میسور میں نہایت متبرک اور مقدس مانا جاتا ہے۔ اور یہاں کے گرو اکثر راجاؤں کے مذہبی راہنما سمجھے جاتے ہیں۔ ہندوؤں کی عظیم الشان سلطنت وجیانگر کے راجاؤں کے راہنما بھی اسی مندر کے برہمن گرد رہے تھے۔ سلطان نے اس مندر اور یہاں کے گروؤں سے جو سلوک کیا اسکی شہادت وہ ریکارڈ دے رہے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اور یہ ریکارڈ ابھی مندر میں محفوظ ہیں۔

سلطان نے دیگر ہندو رعایا سے جو مراعات کیں اور انکے مندروں کیلئے جو انعامات دیں انکی تفصیل بیان کرنے کیلئے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔ مختصر یہ ہے کہ تمام سلطنت میں جس قدر مندر بھی موجود ہیں سلطان کے انعام و اکرام سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ بہت سے مندروں میں ابھی تک سلطان کے دیئے ہوئے نقارے، برتن اور ملبوسات استعمال میں ہیں۔ میسور آرکولاجیکل رپورٹ بابت ۱۹۱۶ء میں میل کوٹ کے مندر کا ذکر ہے۔ اس رپورٹ کے

صفحہ ۲ پر ایک نقشہ دیا گیا ہے جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے ۔



(یا کرار۔ قطعہ دویم نقارہ ظفر اشر علی بجست اہتمام سرکار حیدری سال بنا ۱۲۱۵ء محمد وزن خام ہفت رطل سی و ہفت نیم دہنگ)

یہ نقش اس نقارے پر ہے جو سلطان نے مندر کے استعمال کیلئے دیا تھا۔ آج بھی یہ نقارہ استعمال کیا جاتا ہے ۔

میسور آرکولاجیکل رپورٹ بابت ۱۹۱۶ء کے صفحہ ۲۱ پر لکھا ہے :-

" میل کوٹ کے مندر میں بعض زیورات اور برتن سونے اور چاندی کے پائے گئے ان پر

جو تحریر ہے۔ اسکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹیپو سلطان کے دیئے ہوئے انعامات ہیں۔

اسی رپورٹ کے صفحہ ۵۹ پر لکھا ہے:۔

"موضع کالالی (تنجن گڑھ تعلق) میں لکشمی کنتا کے مندر میں چاندی کے چار پیالے ایک طبق اور گلدان موجود ہے جو ٹیپو سلطان نے اس مندر کو دیئے تھے میل کوٹ تعلق میں ناراین سامی کے مندر میں بھی ایک چاندی کا گلدان ہے جس پر لکھا ہوا ہے کہ بادشاہ ٹیپو سلطان کا عطیہ ہے۔"

سرنگاپٹم کا سب سے بڑا مندر اگر حیدر علی کا بنایا ہوا ہے تو یہاں کے بت کے استعمال میں جو کپڑے اور برتن ہیں وہ سلطان کے ہیں۔

افسوس ہے کہ باوجود اِن سرکاری ریکارڈوں کے موجود ہونے کے بھی آج اس سلطان کو متعصب کہا جاتا ہے۔

ذیل میں ایک انگریزی مضمون اخبار ریڈنگ انڈیا سے لیکر لکھا جاتا ہے جس سے سلطان کی مذہبی رواداری کا بخوبی ثبوت ملتا ہے:۔

"ٹیپو سلطان اور گروالیور کا مندر"

اسلامی بے تعصبی

ٹیپو سلطان میسور کا مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں انگریزوں سے سخت جنگ کی تھی۔ اگر اسوقت نظام حیدرآباد انگریزوں سے نہ ملجاتے تو ٹیپو سلطان انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیتا۔ یہ بادشاہ بہت ہی بہادر تھا۔ اس نے ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنے کیلئے فرانس کے مشہور بہادر نپولین بوناپارٹ اعظم سے بھی بات چیت کی تھی۔ یہ بادشاہ جسقدر بہادر تھا۔

اسی قدر خدا ترس اور بے تعصب، اسکی نگاہیں ہندو اور مسلمان دونوں پر برابر تھیں کسی مذہب سے وہ تعرض نہیں کرتا تھا۔ آؤ ہم تمہیں ٹیپو سلطان کے متعلق ایک واقعہ سنائیں کہ اس نے مالابار کے ایک مشہور مندر کو بربادی سے کسطرح بچا لیا۔

مالابار میں گروالیور ایک نہایت پرانا اور مشہور ہے مالابار کے ہندوؤں کا اگر اس کو کعبہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا ہزاروں خوش اعتقاد اسکی زیارت کیلئے دور دور سے آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے مشہور دیوتا اوتار کرشن جی مہاراج کے والد واسدیو نے وشنو کی یہ مورت اپنی پرستش کیلئے ایک خواب دیکھکر بنائی تھی اور گرو برہسپتی اور وایو نے جنوبی ہند میں ایک مناسب مقام تلاش کر کے یہ مورت نصب کی۔ اور اسی لئے اسکا نام گروالیور قرار پایا ٹیپو سلطان جب مالابار کو فتح کرتا ہوا گروالیور کے قریب پہنچا تو اس مندر کے پجاری بہت گھبرائے۔ اور انہوں نے دیوتا کی بیش قیمت مورت کو ریاست ٹراونکور کے ایک مشہور مندر میں بھیجدیا۔

ٹیپو سلطان تو گروالیور کے قریب ہی ایک مقام پر رک گیا اور اپنی فوج کا [illegible] گروالیور فتح کرنے کیلئے بھیجا۔ اسکے سپاہیوں نے گروالیور کو فتح کر لیا۔ اور چونکہ ان دنوں مسلمانوں کی مرہٹوں سے لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ اسلئے بعض مسلمان سپاہیوں نے ازراہ انتقام اس مندر کو جلا کر خاک کر دینا چاہا۔ چنانچہ چند سپاہیوں نے مندر کی دیواروں پر گھی چھڑک کر آگ لگادی عمارت تھوڑی ہی جلنے پائی تھی کہ ٹیپو سلطان کے افسروں کو اپنے بادشاہ کے احکام کا خیال آگیا۔ اور انہوں نے جلدی جلدی آگ بجھا کر مندر کے دو تین برہمنوں کو ٹیپو سلطان کے پاس بھیجا کہ وہ جا کر شورش پسند سپاہیوں کی شکایت کریں۔

ٹیپو سلطان نے جس وقت پجاریوں سے یہ سنا کہ اسکے چند شریر سپاہیوں نے مندر میں آگ لگانے کی کوشش کی تو وہ بہت ناراض ہوا۔ اور رات ہی رات سفر طے کرکے کرداپور پہنچا۔ یہاں پہونچکر اس نے تحقیقات شروع کی۔ اور جن مسلمان سپاہیوں نے مندر میں آگ لگانے کی کوشش کی تھی۔ ان کو سخت سزا دی۔ مندر کو درست کرایا۔ اور حکم دیا کہ اس شہر سے جو کچھ آمدنی ہو، وہ سرکاری خزانے میں داخل کرنے کے بجائے ہمیشہ اس مندر کو نذر کی جائے۔ تب اسکو معلوم ہوا کہ پجاریوں نے اس کے خوف سے مندر کی مورتی کو ٹراونکور بھجوادیا ہے۔ تو اس نے حکم دیا کہ دیوتا کی مورت کو فوراً واپس منگا کر اس مندر میں نصب کیا جائے۔"

لارڈ ولنسیا لکھتا ہے:-

"پیرلیدا نامی ایک بزرگ سرنگا پٹم میں رہتے تھے جنھوں نے ایک بار شکایت کی کہ ہندوؤں نے انکے معتقدوں کو بہت مارا پیٹا ہے۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ زیادتی مسلمانوں کی ہے۔ ہوا یہ کہ ہندوؤں کا جلوس جا رہا تھا جب شریر مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔

پیرلیدا نے کہا کہ ہندوؤں کا اس طرح مسلمانوں کو مارنا گویا اسلام کی توہین کرنا ہے۔ اور یہ سلطنت بحیثیت ایک اسلامی سلطنت ہونے کے اسکا فرض ہے کہ اسلام کو اس توہین سے بچائے اور اس معاملہ میں قرار واقعی قدم اٹھایا جائے تاکہ آئندہ اور اسی طرح آزادانہ دستبرد کا سلطان ہی باعث نہ ہو جائے جواب ملتا ہے کہ سلطنت کی نظر میں ہندو اور مسلمان دونوں مساوی ہیں۔ پیرلیدا نے کہا اگر یہی حال رہا تو میں حدود سلطنت سے باہر چلا جاؤں گا جس پر سلطان کی طرف سے جواب

ملتا ہے کہ جو مرضی میں آئے کیا جائے۔ پیر لد آملہ اس جا کر مقیم ہوئے اور وہیں کے گئے۔

نوٹ:۔ یہ کسی تاریخ سے بھی معلوم نہ ہوا کہ غداری میں یہ پیر صاحب کا ہاتھ کہاں تک تھا۔ (محمود)

سلطان کی بے تعصبی اور مذہبی رواداری کی اس سے بڑھ کر اور مثال کیا مل سکتی ہے۔ کہ سرکاری ملازمتوں میں اس نے مسلمانوں کیساتھ ساتھ ہندوؤں کو بھی اعلیٰ عہدے دے رکھے تھے۔ پورنیا جس کا نام میر صادق کی طرح بچے بچے کی زبان پر ہے۔ دیوان سلطنت تھا۔ پایہ تخت سرنگاپٹم اور بنگلور کے قلعے سلطنت میں خاص وقعت اور حیثیت رکھتے تھے۔ اور انہیں کے استحکام پر سلطنت کا دارومدار تھا۔ ان قلعوں کے قلعدار کشن راؤ اور شتاب رائے تھے۔ انچے شامیا محکمۂ ڈاک کا افسر اعلیٰ تھا۔ سلطنت خداداد کی فوجی و سول لسٹ اگر دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ ہندو افسروں کی تعداد بھی مسلمان افسروں سے کچھ کم نہیں تھی۔ دیہات میں شانبوگ سب کے سب برہمن تھے۔ اور پٹیل یا تو برہمن ہوتے تھے۔ یا دوسری ذات کے ہندو

سلطان کی اس بے تعصبی اور رواداری کے متعلق گاندھی جی نے اپنے اخبار ینگ انڈیا میں لکھا ہے:۔

"ہندو مسلم اتحاد کا مجسمہ"

میسور کا بادشاہ فتح علی ٹیپو سلطان اجنبی (انگریزی) مورخوں کی نگاہ میں تو وہ متعصب مسلمان تھا جس نے اپنی ہندو رعایا کو بجبر مسلمان بنایا لیکن یہ سب جھوٹ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندو رعیت سے اس کے تعلقات بہت دوستانہ رہے۔ اسکے کارنامۂ زندگی کی یاد ایسے وقت میں جبکہ ہندو اور مسلمان اپنے اصلی بدیسی دشمن کو بھول کر جو دروازے پر ڈیرا جمائے ہوئے ہے۔ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہیں۔ اور غور و خوض کی قوت ان سے سلب ہو چکی ہے۔ دلوں میں مسرت کی ایک گدگدی پیدا کر دیتی ہے

اس عظیم المرتبت سلطان کا وزیر اعظم ایک ہندو تھا جس نہایت شرم سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس فدائے آزادی کو دغا دیکر دشمنوں کے ہاتھ میں دیدیا۔

میسور کے محکمۂ آثار قدیمہ کے پاس اس وقت سلطان کے دو سو تیس سے زیادہ خطوط ہیں جو سلطان نے سرنگاپٹم کے شنکراچاریہ کو لکھے تھے۔ یہ خطوط کنڑی زبان میں ہیں۔ ٹیپو ایک خود مختار حکمران تھا۔ مگر اسے کبھی اس کا خیال بھی نہیں ہوا کہ ہندو سادھو کا زبان کو اس پر مجبور کرے کہ وہ اپنا حساب کتاب عربی حروف میں لکھیں۔ بخلاف اسکے اس نے خود اپنی قومی زبان میں شنکراچاریہ کے خط کا جواب دیتے ہوئے تپسیا (دعا خوانی) کی درخواست کی تھی۔ اور اپنے ملک کی بھلائی اور ساری دنیا کی فلاح کی دعا چاہی تھی۔ کہ آپ میسور جلد واپس آئیں۔ کیونکہ نیکوں کے قدم کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور فصل اچھی ہوتی ہے (یہ خط اس قابل ہے کہ زریں حروف میں لکھا جائے۔ اس موقع پر ینگ انڈیا نے کنڑی زبان کے اس خط کو دیوناگری حروف میں دیا ہے) ٹیپو نے ہندو مندروں کیلئے نہایت فیاضی سے جائیدادیں وقف کیں اور خود ٹیپو سلطان کے محلات کے گردو پیش سری رنگنا رانتھا سوامی، اور سری رنگنا تھ کے مندروں کی موجودگی سلطان کی وسیع النظری اور رواداری کا ثبوت ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید ملت سلطان شہید جس سے بڑھ کر کوئی دوسرا نہیں مل سکتا۔ اپنی عبادت اللہ میں ہندوؤں کی پوجا کی گھنٹیوں سے پریشان نہ ہوتا تھا۔ ٹیپو آزادی کیساتھ جنگ کرتا ہوا شہید ہوا مگر اس نے دشمنوں کی اطاعت گوارا نہ کی۔

ہمیں بھی سلطان ٹیپو کے اس الہامی مقولہ کو یاد رکھنا چاہیئے۔

دو دن شیر کی طرح جینا کتوں کی دو سو سال کی زندگی سے بہتر ہے۔
یا اللہ! جنگ کی اس بدلی میں جس سے ہمارے سروں پر خون ٹپک رہا ہو مر جانا
ذلت اور بے حیائی کی زندگی سے ہزار گونہ بہتر ہے ؛؛

اکثر عیسائی مورخین نے سلطان کو الزام دیا ہے کہ کورگ کے معاملہ میں اس نے نہایت تعصب سے کام لیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ :-

"نواح کورگ میں اکثر ہندو لوگ عیسائی مذہب قبول کر تے جاتے تھے تو سلطان نے اس پر انہیں لکھا کہ وہ اپنے آبائی مذہب کو ترک نہ کریں بلکہ جب چھ دفعہ کہنے پر بھی کچھ اثر نہ ہوا تو آخر سلطان نے لکھا کہ میں حکم دیتا ہوں کہ آئندہ تم میں کا کوئی شخص اپنا آبائی مذہب ہرگز ترک نہ کرے۔ اور اگر ایسا ہی تبدیل مذہب کا شوق ہو تو خود اپنے بادشاہ کا جو ظل اللہ ہے مذہب اختیار کریں ؛؛

اس سے انکار نہیں کیا جاتا کہ واقعی سلطان نے کورگ کے ہندوؤں کو یہی مشورہ دیا تھا کہ اگر وہ تبدیل مذہب کا شوق رکھتے ہوں تو اپنے بادشاہ کا مذہب اختیار کریں۔ لیکن اس کو تعصب ورنا انصافی نہیں کہا جا سکتا۔ اسلئے کہ اس نے صاف طور پر انہیں کہا کہ اپنا قدیم اور آبائی مذہب ہرگز ترک نہ کریں۔ اپ ہاعیسائیت کے خلاف اس کا حکم، اسکو معلوم تھا کہ لوگوں کو مذہب حق کی تلاش نہیں بلکہ وہ عیسائی پادریوں کے فریب کا شکار ہو رہے ہیں۔ اور عیسائی پادری مذہب کیلیے نہیں بلکہ آئندہ سیاسی فوائد کو مد نظر رکھکر لوگوں کو اپنے جال میں پھانس رہے ہیں۔ اسکی دوربین نظر یہ دیکھ چکی تھی کہ بنگال اور کرناٹک میں یہی معصوم عیسائی پادری کس طرح مذہب کا جال بچھا کر عیسائی حکومت کیلیے راستہ صاف کر چکے تھے یہ ایک تسلیم شدہ بات ہے کہ گزشتہ چار صدیوں سے یورپین حکومتوں نے جہاں کہیں اپنا سیاسی

اقتدار جمانا چاہا۔ وہاں سب سے پہلے عیسائی پادریوں کو امن اور نجات کے دیوتاؤں کے بھیس میں روانہ کیا اور اس کے بعد جب دیسی باشندوں سے ذرا بھی کہیں مخالفت ہوئی تو کلیسا اور پادریوں کی بچانے کے بہانے سے ان حکومتوں نے اس ملک پر فوج کشی کر دی۔ تاریخیں ان واقعات سے بھری پڑی ہیں سلطان پادریوں کی ان فریب کاریوں سے واقف تھا۔ اسی لئے اس نے کورگ کے باشندوں کو عیسائی مذہب قبول کرنے کے بجائے اپنے ہی آبائی مذہب پر رہنے کا حکم دیا۔ اور اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ اس میں بالکل حق بجانب تھا لیکن تعجب ہے کہ میسور گزیٹیر کا ہندو مصنف بھی جس نے اپنی کتاب سرکاری خرچ پر شائع کی ہے۔ اور جس کو چاہیے تھا کہ بالکل بے تعصبی سے کام لیتا اپنی کتاب میں سلطان کے متعلق اس طرح لکھتا ہے۔

"حقیقت میں اسکا تعصب اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ مذہبی اور سوشیل معاملات میں وہ کسی دوسرے کے مذہبی احساسات کی بالکل پروا نہیں کرتا تھا۔ گو اس نے سرنگری کے گرو سے تعلقات رکھے تھے لیکن انکا مقصد صرف سیاسی تھا جس سے وہ فائدہ اٹھانا چاہتا تھا" (میسور گزیٹیر مصنفہ ہیودن راؤ صفحہ ۲۶۰۵)

لیکن یہی مصنف اپنی پوری کتاب میں کہیں سے کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکا کہ سلطان نے اپنی ہندو رعایا کی سوشیل و مذہبی معاملات میں دخل دہی کی ہو۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مصنف نے کس لئے تعصب کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور جب اس کو ایک مثال بھی اپنے بیان کے ثبوت میں نہیں مل سکی تو اس نے یہ لکھ دیا کہ سلطان نے سرنگری کے گرو سے جو تعلقات رکھے تھے انکا مقصد صرف سیاسی تھا۔ اس مصنف کے ان الفاظ سے ہی ظاہر ہے کہ اس کو کوئی ثبوت سلطان کی بے تعصبی کا مل نہ سکا تو زبردستی ان تعلقات کو زیر بحث لایا ہے۔ جو سرنگری کے گرو اور سلطان کے درمیان تھے۔

ابھرنا ان تعلقات کا مقصد صرف سیاسی ہونا۔ اس سے شاید بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے انکار نہیں کیا جا سکتا سلطان مسلمان تھا اور یہ نا ممکن تھا کہ مذہبی حیثیت سے وہ کرموڑوں در مندروں سے اعتقاد رکھے سلطان تو خیر آج کوئی ہندو ہو یا مسلمان مذہبی حیثیت سے ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتا۔ اسی طرح عیسائی اور ہندو، اور عیسائی اور مسلمان بھی مذہبی حیثیت سے ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اس سے تو یہ مصنف بخوبی واقف ہے کہ آج ہندوستان میں کئی ایک ہندو اور مسلمان ریاستیں ہیں۔ ہندو ریاستوں کے راجہ اپنی ریاستیں میں مسجدیں تعمیر کرتے ہیں۔ اور مسلمان نواب دھرمسالے اور مندر بناتے ہیں کیا یہ مصنف کہہ سکتا ہے کہ ہندو راجہ اسلام کے شیفتہ ہو کر مساجد کی تعمیر کیا۔ یا مسلمان نواب ہندو مذہب کے گرویدہ ہو کر مندر بنا رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ حکمران وقت کو چاہے وہ کسی مذہب کا ہو اپنی رعایا کی دلجوئی کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ دلجوئی سیاسی مقصد کیلئے ہی ہوتی ہے۔

اطالیہ نے طرابلس میں کئی ایک مسجدیں تعمیر کیں۔ فرانس کے دارالسلطنت پیرس میں حکومت نے مسلمانوں کیلئے مسجد بنائی خیر یہ تو دور کا قصہ ہے بیسویں صدی میں دیکھا جائے تو حکمران وقت نے اپنے خرچ سے چند مسجدیں تعمیر کی ہیں۔ آخر ان کا مقصد کیا ہے یہی کہ اپنی رعایا کی دلجوئی اگر ٹیپو سلطان نے بھی یہی کیا تھا تو اس میں اس مصنف کو عیب کیوں نظر آتا ہے۔

بات یہ ہے کہ ابھی ہمارے مورخین اور مصنفین سے تنگدلی دور نہیں ہوئی۔ اور یہ اسی قسم کی کتابوں کا نتیجہ ہے کہ ہندو مسلم تعلقات بجائے سلجھنے کے اور کشیدہ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

سلطان کی بے تعصبی کی ایک اور مثال

سلطان نے بچپن میں جس جگہ پرورش پائی تھی اس جگہ اب مسجد اعلیٰ بنی ہوئی ہے پہلے

یہاں ایک مختصر مندر اور مسافر خانہ تھا۔ فقیر نے بسبب پیشین گوئی کی تھی۔ سلطان نے حسب
ہدایت فقیر یہی جگہ مسجد کی تعمیر کیلئے انتخاب کی مگر مندر ہونے کی وجہ سے اسکو پس و پیش رہا
پجاریوں اور عام ہندوؤں کو بلا کر کہا گیا کہ اگر یہ جگہ مسجد کیلئے دیدی جائے تو اسکے عوض ایک
عالی شان مندر تعمیر کر کے دیا جائے گا۔ انکے راضی ہونے کے بعد سلطان نے اپنے قول کو جسطرح
نبھایا اس کا ثبوت وہ عالیشان مندر جو مسجد سے مغربی جانب ایک فرلانگ کے فاصلہ پر سڑک کے
سیدھے بازو پر ہے۔ دے رہا ہے۔ اور اس مندر کو جو بیش قرار جائداد دی گئی۔ اسکے
سندات ابھی مندر میں موجود ہیں۔

اس باب کو ختم کرتے ہوئے انجمن تھیوسافیکل سوسائٹی جرنل ماہ جولائی ۱۹۲۶ء
کے صفحہ ۱۴۶ سے وہ تبصرہ درج کیا جاتا ہے جو ٹیپو سلطان کے حالات و اخلاق اور طرز
حکمرانی پر مضمون "میکنگ آف میسور" میں لکھا گیا ہے:-

"ٹیپو ایک نہایت ہی عالی حوصلہ حکمران اور شیر میسور کے نام سے مشہور تھا مرہٹے
اور انگریز دونوں اس سے خوفزدہ تھے۔ جن سیاحوں نے ٹیپو کی سلطنت کو انکی شکست
کے بارہ سال بعد یعنی ۱۸۱۱ء میں دیکھا تھا۔ لکھتے ہیں کہ ملک میں زراعت خوب ہو رہی
ہے باشندے جفاکش اور ہنرور ہیں۔ تجارت روز افزوں ترقی پا رہی ہے۔ اور
ہر جگہ خوشی و خرمی ہے۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا طرز حکومت لوگوں
کے پسندیدہ ہے۔ اور ملک کی عام حالت بتلا رہی ہے کہ رعایا اپنے حکمران سے خوش اور
قانع ہے۔ اگرچہ ٹیپو کو گذرے ہوئے آج سوا صدی سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے
لیکن لوگ آج بھی ٹیپو کا اس کے عمدہ صفات کے لحاظ سے ادب و احترام کرتے
ہیں۔ بخلاف معترضین کے ٹیپو کے مدارج دن بدن ترقی پا رہے ہیں۔"

ہندوستان اور ممالکِ اسلامیہ کو مغربی قوموں سے بچانے کیلئے

سلطان کی جدوجہد

اتحاد بین المسلمین اور مسلمانوں کی خوشحالی و ترقی کیلئے

سلطان کی مساعیٔ جمیلہ

یوں تو سلطان کے متعلق جسقدر تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ ان سب میں اسکا ذکر ہے کہ سلطان نے ترکی، ایران اور افغانستان کو سفارتیں روانہ کی تھیں، لیکن ورلبڈ نگ نے ان سفارتوں کا تمسخر اڑایا ہے۔ دوسرے مورخین خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم صرف یہ لکھنے پر اکتفا کئے ہیں کہ سفارتیں روانہ کی گئی تھیں لیکن ان سفارتوں کے مقاصد اور گہرائیوں تک پہنچنے کی سعی کسی نے کبھی نہیں کی۔

اتحاد بین الاقوام۔ ہند کے سلسلہ میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ سلطان نے مرہٹوں سے بار بار اتحاد کی درخواست کی تھی۔ اتحاد بین المسلمین کیلئے اس نے ایلچی متعدد بار حیدرآباد بھیجا مگر یہ دونوں جواب دے۔ اسکی وجہ سے سلطان کو یقین ہوگیا کہ ہندو ہو یا مسلمان اپنے ملک سے بالکل بے پرواہ ہیں اور ان سے اتحاد کی کوئی صورت نہیں نکل آتی۔ اسلامی اتحاد سے سلطان کا مقصد اس خط سے ظاہر ہے جو اس نے نظام علی خاں کو بھیجا تھا۔ (دیکھو صفحہ ۲۱۹) اسکے دل میں ہندوستان کو آزاد دیکھنے کی ایک حقیقی تڑپ موجود تھی اسکی دوربین نظریں دیکھ چکی تھیں کہ بنگالہ اور بمبئی میں تجارت

کے پردے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کس طرح ملک پر قبضہ کر چکی ہے اور جنوبی ہند میں والا جاہ محمد علی کی خود غرضی و اسلام و وطن دشمنی نے کمپنی کو کس قدر چیرہ دست بنا دیا ہے۔ وہ جان چکا تھا کہ اگر ایسٹ انڈیا کمپنی کو یونہی چھوڑ دیا جائے تو ایک نہ ایک دن وہ تمام ہندوستان کو اپنا غلام بنا لے گی۔ اس لئے کہ ملک میں ہندو ہو یا مسلمان دونوں ایک ہی ناؤ میں سوار تھے۔ اپنی اور ملک کی آزادی کی کسی کو بھی رتی بھر فکر نہیں تھی۔ اسوقت ان دونوں قوموں کی جو حالت تھی۔ اسکا اندازہ سلطان کی خاص تحریر سے ہوتا ہے۔ صاحب حملات حیدری نے لکھا ہے کہ یہ تحریر خاص سلطان کی نہیں ہے بلکہ عام طور پر اس زمانے کے متعلق کسی نے لکھی تھی)۔

"خداداد نصلی حیثیتوں سے جیسے اس ملک میں تمام دنیا کے مجموعی اوصاف جمع کر دیئے ہیں یعنی سردی، گرمی، بارش، برف وغیرہ آثار قدرت جو دوسرے ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔ وہ سب قدرت نے اس ملک کے مختلف حصوں کو عنایت کئے ہیں باشندگان ملک کیلئے تمام زمین کو ہر قسم کے غلوں سے ذخیرہ گاہ قدرت بنایا ہے سینکڑوں ندیوں اور عالیشان دریاؤں سے ملک کی سیرابی کا سامان موجود ہے ہر طرح کے میوے پھل پھول سے جنگل گلزار ہو رہے ہیں یہاں کے دریاؤں میں موتی ہوتے ہیں کی کانیں پائی جاتی ہیں۔ یہاں کے پہاڑ یاقوت و الماس کی جھولیاں بھرے ہوئے کھڑے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

ویسے ہی قدرت نے یہ نعمت عظمیٰ اس قوم کو عنایت فرمائی تھی۔ جو اپنے وقت میں تمام دنیا کی قوموں سے بہتر اوصاف رکھتی تھی یہاں کی قوم ہنود کی تعریف دور دور کے ملکوں میں بطور ایک نادیدہ مثال کے بیان کیجاتی تھی۔ انکی نفس کشی اور ریاضت کی کوئی حد نہ تھی۔ نرم دل ایسی تھی کہ ذی روح کو اگرچہ وہ کھٹمل اور چیونٹی کیوں نہ

ہو۔ تکلیف نہ دیتی تھی۔ محبت اور انکساری میں دوسرے ملک والوں کو ایسا موہ لیتی تھی کہ اسکے اطوار سنجیدہ اور اخلاق برگزیدہ کے رہین منت ہو کر اسکی تعریف کا افسانہ ساتھ لیجاتے تھے۔ کسی جانور کا ایذا دینا حرام مطلق تھا۔ اور اس حکم کی پابندی اس دلی رحم و لینت سے کیجاتی تھی کہ وہ ہر شخص کی طبیعت ثانی بنگئی تھی۔ خیرات اور صدقات کی کچھ حد نہ تھی۔ حتی کہ صدقات و خیرات لینے والے بمشکل دستیاب ہوتے تھے۔ بعض راجے اپنا راج تک خیرات کر دیتے تھے۔ ایفاء عہد اور قول پروری اسوقت کا خاصہ تھی۔ ذرا سی قدرتی جھلک میں مظاہر یزدانی کی پرستش پر آمادہ رہتے تھے۔

زاں بعد وہی قوم دوسری قوموں کی آمیزش اور اختلاط اور اپنے قانون عملی کو چھوڑ کر ایسی گمراہ اور خراب ہوئی کہ انکی ہر نیکی سے انگنتی برائیاں پھوٹ نکلیں۔ بت پرستی نے سراپا کفر و ضلالت میں مبتلا کر دیا۔ انکی خیرات و مبرات کے بیجا مصرف نے ان گنتی فقیر و سائل پیدا کر دیئے۔ جنکے افعال و اطوار اس لائق نہ تھے کہ انکو حرام خوری کا موقع دیا جاتا۔ انکے دلوں سے رحم اور خدا ترسی کا مادہ گھٹنے اور تعصب و نفسانیت کا مادہ بڑھنے لگا۔ اور انکا رحم قدیم جو عام بنی نوع انسان کے لیے تھا اپنے اغراض و خصوصیات سے متعلق ہو گیا جسنے اس قوم سے عام برگزیدگی کے اوصاف واپس لیلیئے اور یہ بتدریج روحانیت کی تابناک روشنی سے کفر و بادہ پرستی کی تاریکی میں پڑ گئے۔ مسلمانوں کیوقت میں انکے تعصب اور نفسانیت اور ریا و خوشامد وغیرہ نے ترقی کی۔ اور وہ خصائل جو تونگری اور جہول کو لازم ہیں ان میں گھر کر گئے۔ اولاد کی کثرت تعلیم کی قلت عیش و تنعم کے اسباب ہنرمندی کے فقدان

نے انکو شاہراہ ترقی سے دور رکھا تو دنی فرومائگی، رذیل شیوہ کا اختیار کرنا۔ خوشامد چاپلوسی، مکر و فریب دوسروں کے ساتھ ملنا۔ دغا و زور کو بنا ذریعہ کامیابی جاننا انکا شیوہ ہو گیا۔ غیرت اور حمیت سے سروکار نہ رہا۔ بیکار پڑے رہنے کو ذریعہ تنعم خیال کیا۔ دولت جمع کرنے کیلئے انکے لالچ اور طمع کی حد نہ رہی۔ فی الحقیقت اس سے زیادہ ذلت کیا ہوگی۔ کہ ایک ملک کے لوگ آپسمیں تو لڑیں لیکن دوسروں کو اپنا خداوند نعمت بنائیں۔ انکے سامنے ذلت اور عاجزی سے سر جھکائیں اور انواع مکر و خوشامد سے پیش آئیں۔ اور خود انکے بار حکومت کے نیچے دب جائیں۔ ہندوؤں کے مذہبی تنوع نے ان میں سخت تفرقہ پیدا کر دیا ہے۔ انہیں وجوہ سے بعض غیر ملک کے بہادر اور اولوالعزم اور محنت کوش بادشاہوں نے اپنی قوم کا اس ملک کی بود و باش سے علیحدہ رہنا پسند کیا ہے۔ چنانچہ گرشاسپ نامہ اسدی میں لکھا ہے کہ جب ضحاک نے اپنے سپہ سالار گرشاسپ کو ہندوستان کی تسخیر کیلئے بھیجا تو اسکو یہ نصیحت کی۔

مثنوی

وصیت چنین کرد گرشاسپ را	کہ در ہند بد رود کن خواب را
نداری ز خون سپاہان دریغ	ہمیں کار فرماد رخشندہ تیغ
بجستی و انجام کار بزرگ	بر ایشان چنان زن کہ بر گلہ گرگ
نمانی دران بوم یا سالے تمام	کہ لشکر گران گیرد از ننگ و نام
گر دیگر ز ر چار موسم دران	ز فرہنگ و مردی نیابی نشان

یعنے اے گرشاسپ تو بعد حصول فتح ہندوستان کے وہاں رہنے کا ہرگز قصد نہ کرنا۔ کیونکہ اگر تجھ پر اور تیرے لشکر پر ایک سال وہاں گذر گیا تو یقین کر کہ پھر

مردمی و فرزانگی کا نام و نشان بھی تیرے لشکر میں باقی نہ رہے گا۔

اس کے بعد مسلمانوں کی حالت پر غور کیجئے۔ کہ ایران، توران، بلخ، ہرات غزنیں، قندہار وغیرہ سے کیسے کیسے توانا اولوالعزم مغل و پٹھان یہاں آئے لیکن یہاں کی رہائش سے وہ کیسے خانہ نشین و عشرت پسند ہو گئے۔ اور ان شیروں بہادروں کی اولاد کیسی کمزور اور زنخی ہو گئی۔ اور انہوں نے کیسی خفیف اور رذیل عادتیں اختیار کیں کہ انکی اصلیت کا کوئی امتیاز ہی باقی نہ رہا۔ اور وہ بھی ہندوؤں کیساتھ ملکر اپنے اوصاف شجاعت و مردانگی و غیرت و حمیت کو کھو بیٹھے۔ اور اولوالعزمی انکی سرشت سے نکل گئی۔" (حملات حیدری)

سلطان کو جب حیدرآباد اور مرہٹوں سے اتحاد میں مایوسی ہوئی تو اس نے فرانسیسیوں سے اتحاد کرنا چاہا (جس کا بیان آگے آچکا ہے) اس سلسلہ میں اس نے افغانستان، ایران اور ترکی کو بھی سفارتیں روانہ کیں۔ ان ممالک کو سفارتیں روانہ کرنے سے اس کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ ہندوستان کو مغربی قوموں سے محفوظ رکھے بلکہ وہ تمام بلاد اسلامیہ کو بھی ان سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ چاہے اس کے اس جذبہ کو پین اسلامزم کہا جائے یا کچھ اور لیکن یہ حقیقت تو اس پر واضح تھی کہ ہندوستان پر قبضہ کرنے اور اس پر مستقل حکومت کرنے کیلئے ان قوموں (خصوصاً انگریز) کی نظریں بلاد اسلامیہ کے ان سواحل پر پڑ رہی تھیں جو ہندوستان کے راستے میں تھیں۔ وہ اس سے واقف تھا کہ ایک نہ ایک دن عراق، ایران و عرب کے سواحل پر انگریز اپنا قبضہ جمالیں گے۔ اسلئے کہ ان ممالک کے پاس کوئی بحری طاقت نہیں تھی جو یوروپین اقوام کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ ممالک اسلامیہ کا آپس میں اتحاد کرنے سلطان کے مد نظر مندرجہ ذیل فوائد تھے۔

(۱) اگر ترکی و ایران کو ہندوستان میں بندرگاہیں دی جائیں اور اسکے عوض ان ممالک کے ساحلوں پر سلطنت خداداد کی بندرگاہیں موجود ہیں تو اسلامی جہازات کی آمدورفت کی وجہ سے مغربی قومیں کو ان ساحلوں پر قبضہ کرنے کا کوئی موقع نہیں ملیگا۔

(۲) قدیم زمانے سے ہندوستان کی تجارت خشکی کے راستے ہوتی تھی۔ اور یہی تجارت ممالک اسلامیہ اور مسلمانوں کی خوشحالی کا باعث تھی لیکن یورپ والوں نے کیپ آف گڈ ہوپ (راس امید) کا راستہ دریافت کرکے اس تجارت کو اپنے ہاتھ میں لیلیا تھا۔ اس لئے سلطان نے پھر اس تجارت پر قبضہ کرنے کیلئے ہندوستان سے براہ بصرہ و ترکی بحری راستہ تجویز کیا۔ جو راس امید کے راستے سے زیادہ نزدیک اور سہل تھا اور اس سے علاوہ تجارت کے یہ مقصد بھی تھا کہ تجارت کی حفاظت کرنے کیلئے اسلامی ممالک بھی ان سمندروں میں اپنی بحری طاقت قائم کریں گے جو اسوقت نہیں تھی۔

(۳) مسلمان صنعت و حرفت اور تجارت سے بیگانہ ہو چکے تھے یہی تجارت اور صنعت و حرفت انہیں تمام عالم کا سرتاج بنا رکھی تھی۔ اس لئے سلطان نے نہ صرف اپنی سلطنت میں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ میں تجارتی کوٹھیاں کھول کر مسلمانوں کو اس جانب توجہ دلانی چاہی۔

(۴) ترکی سے جس کی شہرت اقصائے عالم پر پھیلی ہوئی تھی فوجی امداد حاصل کرکے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالدیا جائے۔

ان مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس نے جو سفارت ترکی کو بھیجی۔ اسکا رئیس میر غلام علی تھا۔ یہ سفارت نہایت شان و احتشام سے روانہ کی گئی۔ اسکے لئے خاص طور پر سلطنت کے سب سے بڑے جنگی جہاز "فخر المراکب" کو جس کے جلو میں چار چھوٹے جنگی جہاز تھے مختص کیا گیا۔

سلطان نے میر غلام علی کو سلطان ترکی سے معاہدہ کرنے کیلئے مختار نامہ دیا تھا۔ اس میں اس نے جو ہدایات لکھی تھیں۔ وہ بجنسہ یہاں نقل کی جاتی ہیں:۔

"قلم اوّل:۔ سرکار خداداد و سلطان روم کے درمیان شمس و قمر کے دور قیام تک دوستی و یکجہتی قائم رہے گی۔

قلم دوم:۔ بندرگاہ بصرہ و ملحقہ ملک معہ ملازمان سرکار خداداد کو اجارہ پر دیا جائے اس کا زر اجارہ سلطان روم کو دیا جائے گا۔

قلم سوم:۔ اسکے عوض سلطان روم کو سلطنت خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت ہو اجارہ پر دی جائیگی۔ اس ذریعہ سے اہل اسلام کے درمیان آمد و رفت اور رسائل و جہازات کی آمد و رفت ہوتی رہے گی جسکے سبب دین متین احمدی کو روز افزوں تقویت ملیگی۔

قلم چہارم:۔ ترکی سلطنت ہماری تائید کیلئے جس قدر جمعیت جہازوں پر سوار کر کے روانہ کریگی اسکے تمام اخراجات سلطنت خداداد برداشت کریگی۔ اور جس وقت ترکی سلطنت کو اس فوج کی ضرورت لاحق ہوگی تو اس فوج کو جہازات پر سوار کر کے سلطنت خداداد کے خرچ سے واپس بھیجا جائیگا۔

قلم پنجم:۔ سرکار خداداد میں اگرچہ بندوق و توپ ساز بہت سے موجود ہیں لیکن اور چند بندوق، توپ اور قمارہ سازوں کو جو ماہرین فن ہوں ترکی سے بھیجے جائیں۔ اور انکے عوض ہر قسم کے کاریگر جو سلطان روم کو مطلوب ہوں سرکار خداداد سے ترکی کو بھیجے جائیں گے۔

ہدایت کی جاتی ہے کہ اوپر لکھی ہوئی شرائط کو اقرارنامہ کی صورت میں قلمبند کر کے سلطان روم کا اس پر دستخط لیا جائے اور اسکی ایک نقل ہمارے دستخط کیلئے بھیجی جائے۔"

غلام علی کو یہ بھی ہدایات ساتھ دی گئی تھیں کہ دو ماہرین معدن گندھک اور چند ماہرین معدن طلا و چاندی اپنے ساتھ لے آئے اور چوبیس توپیں بھی خرید کی جائیں ۔

سلطان ترکی کو زبانی طور پر اس عہدنامہ کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھانے کے لئے سلطان نے میر غلام علی کو ایک درمنشور دیا جس میں واضح طور پر شرائط کی تشریح کی گئی ہے ۔ اس میں سلطان نے لکھا تھا ۔

(۱) اس اتحاد کی اس لئے ضرورت ہے کہ انگریز ملک بنگالہ کو جسکے محاصل یک کروڑ بیس لاکھ روپیہ اور ملک سورت و گجرات جسکے محاصل تین کروڑ روپیہ اور ملک کرناٹک کو جسکے محاصل تین کروڑ روپیہ ہیں جو بادشاہ ہندوستان کی ملکیت میں ہیں مقامی حکام سے سازش کرکے پچیس یا تیس سال سے اپنے قبضہ میں لائے ہیں اور اکثر اہل اسلام کو گرفتار کرکے انکے مساجد و مقابر کو تباہ کرکے اپنے کلیسا تعمیر کئے ہیں ۔ اور ان ممالک میں کفر کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے اسلئے سلطان انسے جنگ کرنے میں مشغول ہے اس جہاد میں آپکی تائید چاہتے ہیں ۔

(۲) نصاریٰ کے قلع و قمع کیلئے جہازات کی سخت ضرورت ہے ۔ اور بفضل خدا سلطنت خداداد جہازات کی تیاری میں مشغول ہے لیکن ان جہازات کی آمد و رفت اور طوفان کے وقت پناہ لینے کیلئے بندرگاہیں چاہئیں ۔ اسلئے اگر بندرگاہ بصرہ سلطنت خداداد کو اجارہ پر دی جائے تو ان جہازوں کو پناہ کی جگہ مل سکیگی ۔ اور اسکے ذریعہ ممالک اسلامیہ کے درمیان رسل و رسائل اور جہازات کی آمد و رفت ہمیشہ قائم رہیگی اور یہ امر دین محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقویت کا باعث ہوگا ۔

(۳) بندرگاہ بصرہ کے عوض ترکی سلطنت کو حکومت خداداد میں جس بندرگاہ کی ضرورت ہو

ہو۔ دی جائیگی۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ ترکی سلطنت کا اگر ایک بندرگاہ ہندوستان میں ہو تو سلطان ترکی کے جہازات ہندوستان کو آتے جاتے رہیں گے۔ اور اس طرح نصاریٰ کی آمد و رفت کا قلع و قمع ہو جائیگا۔ اور تمام ممالک اسلامیہ اور بلاد مقدسہ کی ساحلیں انکی دستبرد سے محفوظ رہیں گے۔

(۴) نصاریٰ ہر طرح سے یعنے صنعت و حرفت۔ تجارت اور ملک گیری کے ذریعہ اہل اسلام پر غالب آنا چاہتے ہیں۔ اسلئے ضرورت ہے کہ دول اسلام بھی صنعت و حرفت اور تجارت کیطرف توجہ کریں۔ سلطنت خداداد چونکہ اس معاملہ میں پیش قدمی کر چکی ہے اسلئے اس سلطنت میں بندوقیں اور توپیں بیشمار اور نہایت عمدہ تیار ہوتی ہیں۔ انکے علاوہ گھڑیاں ظروف چینی۔ دوربین۔ آئینے وغیرہ بھی نہایت عمدہ بنتے ہیں سلطنت ترکی کو اپنے یہاں ان اشیاء کی ساخت کیلئے ماہرین فن کی ضرورت ہو تو سلطنت خداداد سے ایسے لوگ بھیجے جا سکتے ہیں۔ اور ترکی سے جو ماہرین فن سلطنت خداداد میں آنا چاہیں۔ انہیں بخوشی یہاں ملازمت دیجائیگی اور تمام سفر خرچ وغیرہ برداشت کیا جائیگا۔ اور جب کبھی یہ لوگ ترکی کو واپس جانا چاہیں تو انہیں واپس جانیکا اختیار ہوگا۔

(۵) چونکہ نجف اشرف میں پانی کی قلت کیوجہ سے زائرین کو سخت تکلیف ہوتی ہے اسلئے دریائے فرات سے نجف اشرف تک ایک نہر نکالنے کی اجازت دی جائے۔ اس کا تمام خرچ سلطنت خداداد خود برداشت کریگی۔ اور منظوری حاصل ہونے پر ماہرین فن کو یہاں سے بھیجدیا جائیگا۔ یہ نہر علاوہ نجف اشرف میں میٹھا پانی مہیا کرنے کے دوسری ضروریات کے بھی کام آئے گی۔"

غلام علی کو ان ہدایات کے دینے کے علاوہ سلطان نے سفارت کو حکم دیا تھا

بندرگاہ بصرہ میں اتر کر بغداد نجف اشرف اور کربلا کے راستے سے قسطنطنیہ پہنچے

اور راستے میں مقامات مقدسہ میں جن چیزوں کی ضرورت ہو ان سے سلطنت خداداد

کو آگاہ کیا جائے۔

چنانچہ سلطان نے اس کے متعلق میر غلام علی کو جو حکم نامہ لکھ کر بھیجا تھا۔ اسکی نقل بجنسہ زبان فارسی میں دی جاتی ہے۔

"نقل حکم تازہ:- آنکہ در اثنائے راہ چہ در ملک عرب وعجم در ہر درگاہ بزرگان

وپیغمبران باشند، رفتہ از طرف سرکار غلاف زر دوشہ برفی بردہ فاتحہ نمودہ

والتماس مناسب از نقد خیرات نمایند۔ واز شریف مکہ وسلطان روم تذکرہ دریافت

نمودہ بحضور معروض نمایند۔ در مکہ معظمہ ودر مدینہ شریف ودر درگاہ حضرت پیران پیر

ودر نجف اشرف، ودر کربلائے معلےٰ ودر درگاہ حضرت امام رضاؑ برائے مددگار ام چیز

مقبول و پائدار است ونیز اگر دروازہائے نقرہ فرستادہ شود در کجا نہائے موقوف

نصب خواہد شد یا نہ وہم درگاہ روبروئے درگاہ اگر کلاں بسنہ ز براں بالاخانہ

تیار کردہ لنقارخانہ گذاشتہ شود بہتر است یا نہ؟

مرقوم پانزدہم حیدری سال جلوا ز مقام متصل ظفر آباد سنہ ۱۲۰۱ ہجری

(نوٹ: معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم نامہ سرنگاپٹم سے سفارت کے روانہ ہو جانے کے بعد میر غلام علی کو بھیجا گیا تھا۔ محمود)

غرض یہ سفارت نہایت شان و شوکت سے قسطنطنیہ (استنبول) پہنچی۔ ماڈرن میسور کا مصنف اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۰ پر لکھتا ہے:-

"عہد نامہ منگلور کے بعد سلطان نے ایک سفارت قسطنطنیہ کو بھیجی۔ اس سفارت کا رئیس میر غلام علی تھا۔ اس سفارت کے ذریعہ سلطان ترکی کو نہایت بیش قیمت تحائف کے علاوہ ٹیپو نے نئی بندوقیں جو اسکے کارخانوں میں تیار ہوئی تھیں دس لاکھ روپیہ جو نئے ڈھلے ہوئے تھے قیمتی پارچہ جات، سونا اور جواہرات بھی بھیجے تھے۔"

سفارت بندرگاہ بصرہ میں پہونچی۔ ترکی گورنر نے باب عالی سے حکم آنے تک اسکو یہاں ٹھہرا رکھا۔ تین ماہ کے بعد حکم پہنچا تو اسکو جانے کا حکم دیا گیا۔ قسطنطنیہ پہونچکر ارکان سفارت نے وزیر اعظم اور دوسرے امراء سے ملاقاتیں کیں لیکن بارگاہ سلطان ترکی میں ایک عرصہ تک باریابی نہ ہو سکی۔ ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:۔

"جب یہ سفارت قسطنطنیہ پہنچی تو بمشکل تو ماہ کے بعد باریابی ہوئی سلطان سلیم نے ٹیپو کی ان تجویز کا مضحکہ اڑایا۔"

سلطان سلیم نے ٹیپو سلطان کی تجاویز کا مضحکہ اڑایا ہو یا نہ اڑایا ہو لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس نے معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ دونوں سلطنتوں میں دوستی کا رشتہ کافی ہے جب اسکے بعد بندرگاہ بصرہ کی حوالگی اور نجف اشرف میں نہر کی تیاری کی درخواستیں پیش ہوئیں تو یہ بھی مسترد کر دی گئیں بلکہ بصرہ میں تجارتی کوٹھی کھولنے کی بھی اجازت نہیں ملی رئیس اپنی تاریخ کے صفحہ ۱۰۴ پر لکھتا ہے:۔

"غلام علی نے جب سلطان ترکی کے آگے ٹیپو سلطان کی یہ تجویز پیش کی کہ بندرگاہ بصرہ میں سلطنت خداداد کو ایک فیکٹری (تجارتی کوٹھی) کھولنے کی اجازت دی جائے اور اس امر کی بھی اجازت دی جائے کہ نہر فرات سے ایک نہر نجف اشرف تک نکالی جائے۔ مگر سلطان سلیم نے ان تجاویز کو قبول نہیں کیا

ولکس اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔

"جب باب عالی کے آگے سلطان کی یہ تجویز پیش ہوئی کہ دریائے فرات سے نجف تک نہر نکالنے کی اجازت دیجائے تو وزیر اعظم نے کہا اس قسم کی باتیں قدیم زمانے میں جب زمین پر جنات اور دیو آباد تھے سنی جاتی تھیں ریگستان میں نہر نکالنا اب تک نہیں سنا گیا اگر خدا کو منظور ہے کہ یہ نہر نکالی جائے تو وہ خود اس کا سامان پیدا کر دیگا اور ترکی کو ٹیپو سلطان کی مدد کی ضرورت نہیں پڑیگی۔"

یہ الفاظ حقیقت میں وزیر اعظم نے کہا تھا یا ولکس کے دماغ کی ایجاد ہے اس کے متعلق اس وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اس زمانہ میں ترکی اور تمام عالم اسلام پر ایک جمود کا عالم طاری تھا اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہر جگہ کے مسلمانوں کی یہی حالت تھی ترکی جو دنیائے اسلام کی سب سے زبردست اور دنیا میں علمبردار اسلام کہلاتی تھی تباہی کے عمیق غار میں گر چکی تھی۔ باب عالی میں یورپین اقوام کی ریشہ دوانیاں اور ان کے سفیروں کی آئے دن سازشیں ہوتی رہتی تھیں ان میں سب سے بڑھکر انگلستان حصہ لے رہا تھا جو فرانس کے خوف سے ترکی کو اپنے ساتھ ملا لینا چاہتا تھا صنعت و حرفت کا ملک میں نام و نشان تک نہیں تھا اور تمام تجارت یورپین اقوام کے ہاتھوں میں جا چکی تھی مذہبی و اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی ترک حد درجہ گر چکے تھے۔

تاریخ خاندان عثمانیہ میں اس زمانہ میں ترکی کی اندرونی حالت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے

ترکی کی حالت

(۱) وہی قومیں جو مذہب، معاشرت اور زبان میں ترکوں سے متغائر تھیں نہیں بگڑی ہوئی تھیں بلکہ مسلمان رعایا میں بھی جو کافی زبردست ہو جاتے ... بطور

قاعدہ کلیہ نمائشی اور زبانی فرمانبرداری کے سوا اور سب طرح سے مطلق العنان
ہو جاتے تھے بغاوت اور خانہ جنگی بڑے بڑے پاشاؤں کا معمولی وطیرہ تھا۔

(۲) عام طور پر گورنر ایک سال کیلئے مقرر ہوتے تھے اور یہ تقرریاں عموماً رشوتیں دیکر
حاصل کی جاتی تھیں اور وہ لوگ جو گورنر ہونا چاہتے تھے مالدار تو نہیں ہوتے
تھے اس لئے عموماً رشوت کا روپیہ کسی مالدار یونانی یا یہودی سے قرض حاصل
کرتے تھے قرض دہندہ فی الحقیقت اس صوبہ کا جس پر اسکا مقروض متعین ہو
مرتہن ہو جاتا تھا اور رہن بھی با قبضہ ہوتا تھا۔ کیونکہ لازمی طور پر اس کا معتبر
ایجنٹ سکرٹری کی حیثیت میں پاشا کے ساتھ جاتا تھا اور سب اوقات صوبہ کا
واقعی حاکم یہی سکرٹری ہوتا تھا اور پھر ہر سال عہدے کی تجویز کی ضرورت
پاشاؤں کو اس مالی غلامی سے آزاد نہیں ہونے دیتی تھی۔

(۳) قاضی صاحبان یعنی مجسٹریٹ بھی عموماً پاشاؤں کی طرح اپنے عہدوں پر بذریعہ
خرید متصرف اور انہی جیسے ظالم اور خائن ہوتے

(۴) جاگیری انتظام میں بے اندازہ خرابیاں پیدا اور باب عالی کی غفلت یا
کمزوری سے سلطنت کے اہم صوبوں میں مختلف اقوام و مذاہب کی چھوٹی
چھوٹی خودسر ریاستوں کے قائم ہو جانے سے بھی سلطنتِ عثمانیہ کی کمزوری
و بدنظمی میں مختلف و بے حساب اضافہ ہو گیا تھا۔

(۵) جاگیردار زبانی اور نام نہاد طور پر سلطان اور اسکے گورنر کی اطاعت کو مانتے رہنے
سے تو انکار نہیں کرتے تھے لیکن کسی سرکاری عہدہ دار کی مجال نہیں تھی کہ
جاگیردار کے قلعہ میں داخل ہو کر حکم کی تعمیل کرا سکے۔

(۶) علما اور بالخصوص مفتی یعنے شیخ الاسلام کی طاقت بہ نسبت سابق بہت بڑھ گئی تھی یہی کیفیت املاک اوقاف کی بھی تھی لوگ ٹیکسوں سے بچنے کیلئے اپنی املاک متولیان اوقاف سے خفیہ معاہدہ کرکے وقف کردیتے تھے ۔

(۷) الغرض سلطنت کے ہر شعبہ کی حالت ایسی ناگفتہ بہ تھی کہ اگر یہ کہا جائے کہ اس صدی کے خاتمہ کے قریب سلطنت عثمانیہ کمال انحطاط کے درجہ پر پہونچ گئی تھی تو اس میں ذرہ بھی مبالغہ نہ ہوگا ۔" (تاریخ خاندان عثمانیہ جلد دوم اقتباس از صفحات ۲۴۰ تا ۲۴۸) ان حالات میں سفارت کا ناکام واپس آنا کوئی تعجب خیز امر نہیں لیکن سلطان اس سے مایوس نہیں ہوا اس نے پھر دو سفارتیں روانہ کیں اور ان میں جو آخیر سفارت تھی وہ ۱۷۹۸ء میں روانہ کی گئی تھی ۔ اس وقت باب عالی میں انگریزی سفیر کا طوطی بول رہا تھا ترکی پورے طور پر انگریزوں کے اثر میں تھی اس لئے جب ٹیپو سلطان کا خط پیش ہوا تو سلطان سلیم نے ٹیپو سلطان کو لکھا کہ فرانسیسیوں پر اعتماد نہ کرے بلکہ انگریزوں کے ساتھ ملجائے سلیم ہندوستان کے حالات سے ناواقف تھا بہر طور یہاں سلطان سلیم کا خط اور اس کا جواب جو ٹیپو سلطان نے بھیجا تھا درج کئے جاتے ہیں ۔

سلطان سلیم فرمانروائے سلطنت عثمانیہ کا خط ربیع الآخر ۱۲۱۳ھ بنام ٹیپو سلطان

(یہ اصل خط عربی میں تھا عربی سے انگریزی میں ترجمہ کیا گیا اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہوا)

اس سلطان برادر قدردان کو معلوم ہو کہ ان ایام میں کہ فرانسیس لوگ دیار فرنگ کی اکثر ریاستوں کے ساتھ سرگرم پیکار تھے ہماری سرکار نے ان لوگوں کے تعارف اور دوستی کے سبب جو سابق سے چلی آتی ہے ان کے دشمنوں کے طرفدار نہ ہوکر صلح کل کا طریقہ

اختیار کیا اس سرکار کو چونکہ بہ نسبت ان لوگوں کے نہایت دوجمیلان و التفات اور ان کی لگاوٹ کی باتوں کا کمال اعتماد تھا اسی سبب سے دوسروں کے سوال و پیغام انکے خلاف مسموع نہ ہوئے ۔

سرکار عالی کا یہ خیال تھا کہ وہ بھی ان معاملات کے بدلے لوازم مروت اور دوستی بجا لائیں گے لیکن برخلاف اسکے ان لوگوں نے یکایک دغابازی اور مکاری کا طریقہ اختیار کیا ہے چنانچہ پہلے تو انہوں نے طولون میں جو ملک فرانسیس کے متعلق بندروں میں سے ہے جہازوں کی تیاری کی اور ان جہازوں کے روانہ کرنے کا لوازمہ اسباب مہیا کرنے کے بعد کثیر لشکران پر چڑھایا اور بعضے آدمیوں کو جو عربی زبان سے ماہر اور قبل اسکے ملک مصر میں گئے تھے ساتھ کیا اور سرداری اس کی بونیپارٹ کو دی جو اس قوم کا سپہ سالار تھا چنانچہ سپہ سالار مذکور نے ان جہازوں وغیرہ سمیت جزیرہ مالٹا کی سمت کوچ کر اس تعلقا کو اپنے قبضہ میں کر لیا پھر یہاں سے اسکندریہ کی جانب روانہ ہو کر ۱۸ محرم الحرام ۱۲۱۳ھ کو اسکے سامنے جا کر ایک بارگی اپنا سارا لشکر شہر میں داخل کر دیا کچھ دنوں بعد اس نے عربی عبارت میں اس مضمون کے اشتہار شائع کئے کہ ہم کو سرکار عثمانیہ کے ساتھ کچھ پرخاش نہیں بلکہ تادیب و تعذیب مصر کی بیگوں کی جنہوں نے قوم فرانسیس کے سوداگروں کو تکلیف پہنچائی منظور ہے، عرب کے جتنے آدمی فرانسیسوں کی موافقت اختیار کرینگے ان کے ساتھ حسن سلوک عمل میں آئیگا اور جو لوگ مخالف ہونگے وہ موت کا مزہ چکھیں گے تعجب تو یہ ہے کہ ان مفتریوں نے یہ بھی مشہور کر دیا کہ مصر کی مہم ہماری مرضی اور صلاح سے واقع ہوئی ہے حالانکہ یہ بات محض جھوٹ ہے ۔

اس کے بعد اس ملک نے شہر روضہ میں دخل کر لیا تب تو دولت عثمانیہ کی فوج جو شہر قاہرہ سے ان مصیبت زدوں کی مدد کو بھیجی گئی تھیں انکا مقابلہ کیا اور مصر کی سرزمین جو اس اعتبار سے کہ متصل قبلہ اہل اسلام مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے واقع ہے اس کی نسبت قوم مذکور کے بعض خط پکڑے گئے ان کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ عرب کے ملک کو لیکر اس کو چھوٹے چھوٹے صوبوں پر تقسیم کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے ہمارے دل میں یہ بات سمائی ہے کہ توفیق الٰہی اور تائید رسالت پناہی سے ان دشمنوں اور دین کے بدخواہوں کے دفع کرنے میں ہر طرح کی کوشش عمل میں لائی جائے چونکہ اس برادر سعادت کے ساتھ جو دین اسلام کی حمایت میں شہرۂ آفاق ہیں مدت مراسم یک جہتی ثابت و مستحکم اور طرفین سے ارتباط و یگانگت کی رسمیں جاری ہیں امید ہے کہ وہ برادر مہربان اس خرخشے کی صفائی کیلئے اس سرکار عالی کے ساتھ درمیان عزم رزم کے متفق اور معاون ہونے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرینگے اور ہم نے سنا ہے کہ ان دنوں قوم فرانسیس نے سرکار انگریزی کے علاقہ ہندوستان میں طرح طرح کی سازش کی ہے اور تقریب سے درمیان قوم فرانسیس اور اس برادر کے نہایت موافقت اور میل پیدا ہوا ہے چنانچہ ان کے سرداروں نے مصر کے راستہ سے فوجوں کے کھینچنے کا اقرار کیا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ ان کا مکروفریب جلد کھل جائیگا۔

چونکہ اس قوم کے [illegible] ادھر ہے تو ناظمان سرکار انگریز مستعد ہیں اور ادھر ہم بھی انکے فتنہ و شورش کا دفعیہ کرنا ضرور جانتے ہیں اس صورت میں دونوں سرکار

کے سرداروں کو لازم ہے کہ ایک دوسرے کی تائید و تقویت میں شریک رہیں
اور یہ بات ایک جہاں کے گوش زد ہو گئی ہے کہ فرانسیسیوں کے سرداروں نے ہر دین
و مذہب کے نیست و نابود کرنے پر کمر باندھی ہے یہاں تک کہ پاپائے روم کے ملکوں پر جو
یہاں کے قدیم رئیسوں میں سے ہے اور دیار فرنگ کی سب قومیں اسکی عزت اور
توقیر کرتی ہیں ظلم و تعدی کا ہاتھ دراز کیا ہے۔ اور ریاست بلجیکوان بھی جو بطور
ریاست اجماعی کی تھی لے لی ہے اور اب سرکار عثمانی کے ملکوں پر تاخت کی ہے۔
اور آئندہ ان کو ہندوستان لینے اور انگریزوں کو وہاں سے نکال دینے کی دھن ہے
الحاصل فرانسیسیوں کی قوم ایسی بے مروت ہے کہ انکے مکر و فریب کا کچھ ٹھکانا
نہیں اس لئے امید ہے کہ وہ برادر طریقہ دین و اسلام کے اقتضا سے اپنے ہم مذہبوں کی
کمک اور مدد میں بلکہ قوم فرانسیس کے شر و تزویر سے خطہ ہند کے بچانے میں دریغ نہ فرمائیں گے
اور اگر درمیان اس برادر والاقدر اور قوم مذکور کے کچھ ارتباط اور میل ملاپ ہوا
ہے تو امید ہے کہ وہ برادر والاقدر حال و استقبال کے آغاز و اتحاد کے نتیجوں اور
اس نشیب و فراز کو جو اس ڈھب کی ملاوٹ میں متصور ممکن ہے ترازوئے دانش
میں تول کر اس سے احتراض لازم جانیں گے۔ اور انگریزوں سے لڑنے کے قصد کو
دل سے محو کر ڈالیں گے اور جس صورت میں اس برادر کو انگریزوں سے کچھ شکایت

ہو تو ہمیں مفصلاً اسکا حال لکھیں گے۔ تاکہ اس کی صفائی کیلئے ہر طرح کی دوستانہ
کوشش عمل میں لائی جائے امید ہے کہ وہ برادر ان امور میں غور و فکر کر کے قدیم دوستی
اور ارتباط کی بنیاد کو جو جانبین سے بطور شائستہ ثابت و قایم ہے اور زیادہ مضبوط و استوار کریں گے فقط

ٹیپو سلطان کی طرف سے سلطان سلیم کے خط کا جواب

(یہ خط عربی زبان میں لکھا گیا تھا)

سب ستائش اور حمد اس خدا کو سزاوار ہے جس نے ملک صاحب احتشام اور سلاطین عالی مقام کے نظم و نسق سے دین اسلام کو ایسا نمود ظہور بخشا۔

اور درود و سلام اس کے رسول مجتبٰے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل و اصحاب امجاد پر جنہوں نے شریعت خیر الانام کے طریقہ کو آج اوج کمال پر پہونچایا۔

بعد اس کے شہنشاہ جہاد حکومت وابہت پناہ ظل ملک صمد مورد الطاف ربانی منبع دانش و عرفان مجمع یرد امتنان مقدمتہ الجیش فیروزی و اقبال برگزیدۂ حضرت ذو الجلال۔ بادشاہ بحر و بر نائب ایزد اور اعلیٰ سلطان روم کی بارگاہ والا میں (خدا ان کے ملک و سلطنت کو ہمیشہ قائم رکھے) پوشیدہ نہ رہے کہ:۔

آپ کا مکتوب گرامی جو قوم فرانس کی توہین و تذلیل اور جمیع مسلمین کے ساتھ ان کے عناد رکھنے اور ایک قسلم مذہب کے طریقوں کو صفحۂ جہاں سے محو کر ڈالنے پر مشتمل اور انگریزوں کی تعریف و تحسین اور درمیان ان کے اور ہمارے صفائی کر دینے کیلئے اس عظمت و دستگاہ کے کفیل و عدا ہونے اور ہم میں ان میں جو خصومت اور دشمنی واقع ہے اسکا سبب بیان کرنے پر محتوی تھا۔ نیک ترین ساعت میں پہنچا۔ خاطر عاطر پر روشن اور مبرہن ہو کہ ہم نے فی سبیل اللہ جہاد احد دین محمد م

کی بنیاد قایم رکھنے کیواسطے کمر باندہی ہے اور فی الواقع فرانسیسیوں کی بابت جیسا کہ آپ نے لکھا ہے بڑی بے وفا اور سنگ دل ہے ہم ان کی برائیوں سے خوب آگاہ ہیں اور چونکہ انگریزوں کی قوم نے ان دنوں ہمارے ملک پر تاخت کرنے میں پیش دستی اور جنگ و نبرد کی تیاری کی ہے اس لئے ہم پر بلکہ مسلمانوں پر جہاد واجب ہوا ہے توقع کہ جناب عالی اوقات خاص میں مناجات کر کے ہمت اور دعا سے ہماری معاونت فرمادیں گے بعد اس کے ہم سب کو فضل الہیٰ اور توفیق ایزدی کی اعانت بس ہے قبل اس کے کہ ہم نے ایک نامہ سید علی محمد اور مدار الدین کی معرفت بھیجا ہے جس میں بخوبی مفصل حالات مندرج ہیں علاوہ مدینہ کے راستے سے یوسف وزیر بھی ایک دوسرا مکتوب لیکر گیا ہے وہ عنقریب بارگاہ والا میں حاضر ہو کر ہمارے مقصد و مطالب شرح وار عرض کریگا۔ صلواۃ و سلام خدا کا نبی برحق اور اس کی آل امجاد و اصحاب پر ہو۔ فقط۔

سلیم کے خط کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا ٹیپو سلطان نے سمجھ لیا تھا کہ ترکی سے توقع رکھنا لا حاصل ہے۔

ایران کو جو سفارت روانہ کی گئی تھی وہ ایک حد تک کامیاب رہی اور معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ایران نے ایک بندرگاہ دینے اور اس کے عوض ہندوستان میں بندرگاہ لینے پر آمادگی ظاہر کر دی سلطان اس سے بہت خوش ہوا اور شاہ ایران کے نام خط لکھا کہ جو بندرگاہ ضروری ہے اسکا انتخاب کر لیا جائے جیسا کہ ذیل کے خط سے ظاہر ہے۔

خط بنام کریم خاں (ژند) فرمانروائے مملکت ایران۔

جب تک آفتاب کے ظہور اور ماہتاب کے نور سے ساحت آسمان و زمین منور ہیں

اور گلزار عالم ابر آذری سے سرسبز و شاداب رہے محفل سلطنت و
دولت اور گلشن مکنت و حشمت سے

خداوندِ اورنگ شاہنشہی ۔۔۔ سپہدار اقلیم فرماں دہی
خدیو زماں شاہِ عالی تبار ۔۔۔ شہ دادگر خسرِ نامدار
فرازندۂ رایت سروری ۔۔۔ فروزندۂ خورشید اوج سری

زیب دارئیت جہاں کش تحسین دجاہ نوازندہ خلق اللہ کی شمع اقبال تائید ایزدی اور رضائے سرمدی سے روشن رہے ۔

آپ کا الطاف نامہ جس کے مضمون سے سراسر اخلاص و محبت کا رائحہ پیدا ہوتا تھا ایسے وقت میں کہ دل آرزومند کو وہاں کی خبر خیریت کے دریافت کا انتظار تھا بساعت مسعود زماں محمود سیادت پناہ شرافت دستگاہ شاہ نواللہ والا جاہ رفیع الشان میرزا محمد سلیم اور زین العابدین خاں کی معرفت چہرۂ افروز وصول ہوا اس کے مشاہدے اور مطالعہ سے دل اور دماغ میں کمال انبساط اور سرور نے جگہ پائی مخلص نیاز مندان مراتب موالات و محبت کے سننے سے جو سفیران مذکور کی زبانی معلوم ہوے الطاف سامی کا شکر گذار ہوا چونکہ اتفاق و فاق عامہ بنی آدم سے نیکیاں اور حسنات پیدا ہوتے ہیں پھر جب دو صاحب شوکت حاکموں اور ذی اقتدار بادشاہوں کے درمیان موالفت اور موانست کی بنیاد قایم ہو تو بے حساب بے شمار برکات و فوائد کا مترتب ہونا ظاہر ہوا اس لئے یہ دفاکیش اس زیبندۂ تاج و دیہیم کے اوصاف ذاتی کمالات فطری سنکر حسب مضمون اس شعر کے ۔

مصاحبت چہ فروساست آشنائی را
ہنوز یاد یمن محو نگہت عربی است

اس جناب سے اتحاد وارتباط کا خواہاں ہوا تھا الحمد للہ کہ دل نیاز منزل کو
اس شاہ والا تبار کی فتوت ومروت سے جو امید تھی وہ بخوبی ظہور میں آئی یعنی
اتحاد و محبت کا آفتاب دونوں پر پرتو فگن اور کاشانۂ وداد اتفاق روشن ہوا
یہ بات جو از راہ الطاف وکرم قید تحریر میں آئی ہے کہ یہ اخلاص شعار اپنی سرکاری
کشتیوں اور جہازوں کی لنگرگاہ کیلئے جو بندرگاہ بنادر ایران سے درکار
ہو وہ آپ کو لکھ بھیجے الحق جب بنائے یگانگی واتحاد قائم ہوئی تو
جانبین کے دیار وامصار ایک حکم میں داخل ہوئے۔
نیاز مند کل ملک ایران کے علاقوں اور جزیروں کو اپنا ہی سمجھتا ہے
اور اب اس فروغ اکلیل شہریاری سے بھی بحکم القلب یہدی الی القلب
امید یہ ہے کہ اس صفاکیش کے قلمرو کے سب جزیروں اور بنادر کو اپنا تصور
فرماکر جس بندرگاہ کی خواہش ہو اس سے اپنے خیر خواہ کو آگاہ اور دولت ایرانی
کے شاہی معتمدوں کو وہاں روانہ فرمائیں بندرگاہ مذکور بسروچشم انکے حوالے کردیا
جائیگا تا یہاں سے بڑے بڑے شہتیر اور کندے اور تختے وغیرہ جہازوں کی
تیاری کا سامان جو اس اطراف میں کثرت سے ہے اور نیز اس دیار کے دوسرے
تحائف اور عجائب ہمیشہ وہاں پہنچا کریں باقی مراتب سیادت دستگاہ سید نور اللہ
کے ذریعے سے رائے کشا پر روشن ہونگے شفقت شاہانہ سے امید ہے کہ ہمیشہ بھیجنے سے
مکتوبات محبت طرازکے جو ذات مجمع محاسن کی صحت وآسائش اور تحائف کی

فرمائش پر متضمن ہوں دل آرزومند کو محفوظ فرماتے رہئے الٰہی خورشید سلطنت واقبال مشرق جاہ وجلال سے طالع رہے فقط ۔ مہر ودستخط ۔ ٹیپو سلطان

یہ خط جب ایران پہونچا تو وہاں کی دنیا ہی نئی تھی تمام ملک میں شیعہ وسنی اختلافات سے ایک آگ بھڑکی ہوئی تھی اور اس آگ پر تیل ڈالنے کیلئے لارڈ ولزلی کا بھیجا ہوا مرزا آباد کا ایک فتیلہ وہاں موجود تھا میسور کی چوتھی جنگ میں اس پر مفصل بیان لکھا جا چکا ہے)

اب اسلامی ممالک میں صرف افغانستان باقی تھا جس کے پاس کوئی بندرگاہ نہیں تھا لیکن ایک ایسا فرماں روا موجود تھا جس کے دل میں اسلام اور اسلامیوں کیلئے تڑپ موجود تھی اس نے ٹیپو سلطان کو امداد اور ہندوستان کو انگریزوں سے نجات دینے کا ارادہ کرلیا اور سلطان کو خط لکھا ۔

خط زماں شاہ والی افغانستان بنام ٹیپو سلطان

" بعد حمد یزدان پاک اور نعت نبی صاحب لولاک ۔ اور القاب سلطان مکتوب الیہ کے نشاط قلم شاہد مدعا کے چہرہ سے یوں نقاب اٹھاتی ہے کہ

خط مسرت نمط جو اہر محبت و وفا کا مخزن کنوز مودت ولا کا معدن جو آپ کے اہتمام و توجہ پر شریعت محمدی کے رواج دینے اور بد دیناں بد عقنی کے نیاہ و تاراج کرنے پر متضمن ہے اور اس میں آپ نے لکھا ہے کہ سلطانی قلمرو کی جامع مسجدوں میں ہر جمعہ کے روز بعد نماز کے اس نیاز مند کی وسعت مملکت اور نصرت رایات نتح آیات کے واسطے ایزد سبحانہ کے جناب میں مناجات کی جاتی ہے اس عالیجاہ کے ایلچی سید حبیب اللہ اور سید محمد رضا کے ہاتھ مع سوغات مندرجہ اس مدعا سے کہ اس سرکار کے دو شخص اس مخلص کے دربار میں حاضر ہا کریں سلطنت سعیدیں پہونچا

جس سے موحق اور ایک بہشتی کا گلزار تر و تازہ ہوا۔

چونکہ اس سلطان والاشان کو نیست و نابود کرنا بے دینان مخذول اور جاہ شرع اطہر رسول مقبول کا منظور ہے ہم بعون الٰہی مع لشکر قاہرہ جلد اس طرف کوچ کرتے ہیں تاکفار بدکردار ضلالت شعار کے ساتھ غزا و جنگ کرکے اس ملک کو لوٹ کر کفر بدعت سے پاک وصاف کریں

آپ اس امر میں خاطر جمع رکھیں کہ شتاب باشندے وہاں کے اپنی داد کو پہنچکر بہ امن و آسائش میں چین سے رہیں گے

اور اس سلطنت پناہ نے جو واسطے استواری محبت اور ارتباط کے اپنی سرکار والا کے دو شخص ہمارے بھیجنے کے باب میں درخواست کی اس ہم بخوشی قبول کرتے ہیں۔

اس عالی منزلت کے سفیروں کی معرفت جو اپنی سفارت کے کام بخوبی بجا لائے کچھ ہدیے اور تحفے جو ہماری نو محبت کی نشانی ہیں بھیجے جاتے ہیں مدام اپنے مرکوزات خاطر سے مع اعلام خصوصیات دیگر کے ہمارے دل مشتاق منزل کے مذاق شیریں کام رکھا جائیگا؟

زماں شاہ نے نہ صرف یہ خط بھیجا بلکہ فوج لیکر سرحد ہندوستان پر بھی گیا لیکن لارڈ ولزلی کے فرستادہ شخص نے ایران میں جو آگ لگائی تھی اس کی بنا پر اسی وقت شاہ ایران نے افغانستان پر حملہ کردیا جس کی وجہ سے زماں شاہ کو واپس ہوجانا پڑا سلطان نے جو رائے ملک کے ہندو مسلمانوں کے متعلق قائم کی تھی وہ بالکل صحیح ثابت ہوئی اور جو خدشات کہ اس کو بلاد اسلامیہ کے متعلق تھے وہ بھی حرف بحرف پورے

ہوئے۔ ہندوستان محکوم بن گیا اور ہندوستان پر قبضہ رکھنے کیلئے انگریزوں نے بلاد اسلامیہ پر یعنی ایران کے جزائر عرب میں عدن، کویت اور عراق میں بصرہ پر قبضہ کر لیا

مقاصد حیات

سلطان کے حالات، اسکے عادات و اطوار، اس کا طرز حکومت اسکے اخلاق حسنہ، اس کا جذبہ جہاد اور اسکی بے تعصبی اور رواداری، اتحاد بین الاقوام ہندو، اتحاد بین المسلمین کیلئے اسکے مساعی جمیلہ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسکے پیش نظر کیسے اعلیٰ اور عظیم الشان مقاصد تھے۔

ہندوستان کا ماضی و حال اس کی آنکھوں کے آگے کھلا ہوا تھا۔ ہندوستان مسلمانوں کی پانچسو سالہ حکومت۔ اس کا زوال اور اس کے اسباب سے وہ بے خبر نہیں تھا کتاب فتح المجاہدین (تحفۃ المجاہدین) کے دیباچہ میں سلطان خود لکھتا ہے۔

"سلطنت مغلیہ کی تباہی کا باعث وہ جنگ و پیکار ہے جو بعد انتقال عالمگیر اس کی اولاد میں باہم واقع ہوئی انکی آرام طلبی اور آسائش دوستی شب و روز کی عیش و عشرت سلطنت کے کاروبار میں تکلف و مشقت سے بیزاری اور عورتوں کی صحبت اس سلطنت کی جمعیت میں پریشانی اور تفرقہ ڈالی جب سلطنت کے آثار کچھ باقی نہ رہے تو امیران سلطنت و صوبہ داروں نے اطاعت اور نیابت دولت تیموریہ سے نافرمانی و بغاوت کر کے علم استقلال و خودسری اور زنگ وہم چشمی کے باعث ایک دوسرے پر تیغ کشی اور استیصال میں معروف و منہمک ہوئے"

ہندوستان اور مسلمانوں کی اس خانہ جنگی کی حالت کو دیکھکر اسکا دل تڑپ اٹھا یوروپ سے جو قومیں تجارت کیلئے آئی ہوئی تھیں ان میں انگریز ہندوستان کی اس حالت سے فائدہ اٹھا کر ملک پر قبضہ کر رہے تھے اسکا غیور دل یہ گوارا نہ کر سکا کہ گیارہ سو سال جو قوم دنیا میں

حکمراں رہی ہو۔ وہ عیش و عشرت اور خانہ جنگی میں گرفتار ہو کر دوسروں کی غلام بن جائے اس لئے اس نے اپنا مقصد حیات یہی قرار دیا تھا کہ ازسرنو ہندوستان کو غیروں کی غلامی سے نجات دلا کر اس کو آزاد کرے مسلمانوں میں تنظیم کی ضرورت تھی اور یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ غیروں کے جوئے تلے رہکر منظم بن سکیں اس لئے اس نے اعلان کیا کہ :۔

"کرناٹک اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت علاقوں سے مسلمان ہجرت کر کے سلطنت خداداد کے علاقوں میں آکر آباد ہو جائیں اس اعلان میں ان نو آبادکاروں کے لئے مراعات دینی منظور کیں"۔ (تاریخ ولکس)

اس تنظیم کے ساتھ ساتھ اس نے مسلمانوں میں ازسرنو جہاد کی روح پھونکنی شروع کی اور اس کے خیال میں یہی ایک علاج تھا کہ مسلمانوں کی خانہ جنگیاں ختم ہوں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ وہ اپنی ہندو رعایا کو بھی زندگی کے اسی اعلیٰ معیار پر دیکھنا چاہتا تھا اسی لئے اس نے اپنی سلطنت میں عہدے دینے میں کوئی تفریق باقی نہیں رکھی تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت ہر ایک شعبہ میں ہندو اور مسلمان دونوں ساتھ ساتھ تھے مسجدوں کے ساتھ ساتھ مندروں پر بھی اسکی نوازشیں یکساں مبذول تھیں اس کی دلی تمنا تھی کہ ہندو اور مسلمان دونوں ملکر آزاد رہیں وہ ایک نئی سوسائٹی اور نئی طرز زندگی پیدا کرنا چاہتا تھا۔

یہ تھے وہ مقاصد جلیلہ جن کے حصول کیلئے اس نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی اس عزائم جلیلہ سے اگر اس وقت کوئی واقف تھا تو وہ ایسٹ انڈیا کمپنی تھی اگر سلطان سے غداری نہ کی جاتی تو نہ صرف آج ہندوستان آزاد رہتا بلکہ کل ممالک اسلامیہ و ایشیا بھی یوروپین اقوام کی دستبرد سے محفوظ رہتے۔

اس کی شخصیت کس قدر بلند پایہ تھی؟ اس کا اندازہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی اس گورنمنٹ آرڈر سے ملتا ہے جو لارڈ ولزلی نے ۱۵ مئی ۱۷۹۹ء کو فورٹ سنٹ جارج مدراس سے شائع کیا تھا اس گورنمنٹ آرڈر میں سرنگا پٹم کو تسخیر کرنے والی فوج کی تعریف و توصیف کے بعد لارڈ ولزلی نے لکھا ہے:۔

"ایسے کے واقعات جو گورنر جنرل ان کونسل کی توقعات سے بڑھکر نکلے۔ انگریزی فوج کی ناموری کو ہندوستان میں عزت اور شان و شوکت کے درجہ تک پہنچا دیئے ہیں یہ واقعات، کرۂ دنیا کے اس حصہ کی فوجی تاریخ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے اور شاید ہی دنیا کے کسی حصہ میں اس سے بڑھکر اہم کوئی واقعات ہوئے ہوں یہ فتح ان فوائد کا پیش خیمہ ہے جن کی رو سے انگریزی مقبوضات کی سلامتی اور امن ہندوستان میں ایک مضبوط چٹان پر قائم ہو جائینگے۔

سلطانؒ پر انگریزی مورخین کے اعتراضات

سلطان کی انتظامی قابلیت اور اس کے ذاتی صفات و عادات لکھنے کے بعد یہ مورخانہ صداقت سے بعید ہے کہ ہم ان الزامات کو نظر انداز کردیں جو مورخین اور ان کی تقلید میں ہندو مورخین نے بھی اس پر الزام لگائے ہیں یہ تو سمجھ میں آسکتا ہے کہ مغربی مورخین کا الزام دھرنا ایک خاص مقصد کے ماتحت ہے لیکن ہندو مورخین کا ان کی اندھا دھند تقلید کرنا سمجھ میں نہیں آتا اس سے یہ مقصد نہیں کہ ہندوستانی مورخ تحقیق و تفتیش کے دامن کو ہاتھ سے چھوڑ دیں اور ہر ہندوستانی بادشاہ چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان تعریف کریں اگر سلطان میں کچھ عیوب تھے تو ہم ان کے تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں آخر وہ انسان ہی تھا اور اس سے غلطیوں کا سرزد ہونا بھی ممکن تھا۔

مغربی مورخوں نے جس مقصد کو پیش نظر رکھکر ہندوستان کی تاریخ لکھی ہے وہ یہی ہے کہ ہندو مسلمانوں میں افتراق کی ایک وسیع خلیج حائل کردی جائے اس مقصد میں وہ بہت کچھ کامیاب ہو چکے ہیں اس لئے کہ بچوں کا دماغ تحقیق و تفتیش کے قابل نہیں ہوتا جو بات کتاب میں ہوتی ہے یا جو کچھ مدرس کہتا ہے وہی انکے دل و دماغ پر نقش ہو جاتی ہے اب یہی ہمارے مدرسین کی حالت تو وہ بھی وہی کتابیں پڑھی ہیں جو آج وہ بچوں کو پڑھا رہے ہیں اور ان کا دماغ بھی انہیں تحریروں سے ماؤف ہے یا یوں کہا

جاسکتا ہے کہ انہیں صرف اپنی روٹی سے سروکار ہے اور اسی میں وہ مجبور بھی ہیں اگر منظور شدہ کتابوں کے عوض کچھ اپنی جانب سے پڑھایا جائے تو یہ خوف لگا ہوا ہے کہ بچے سرکاری امتحانات میں ناکامیاب رہیں گے ۔

مغربی مورخوں نے تاریخ لکھتے وقت صرف اسی ایک چیز کو مدنظر نہیں رکھا کہ ہندو مسلمانوں میں نااتفاقی پھیلادیں بلکہ ان کا مقصد اس سے اور زیادہ گہرا تھا وہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کے دل سے حب الوطنی اور قوم پرستی کا مادہ بالکل دور کر دیا جائے اسی لئے جو بادشاہ بھی قوم پرست یا محب وطن ہوا ہے وہی سب سے زیادہ انکی طعن و تشنیع کا نشانہ بنا اسکی بین مثال بنگال کے نواب سراج الدولہ اور میسور کے حکمراں ٹیپو سلطان سے ملتی ہے وجہ صاف ظاہر ہے دونوں کا مقصد ایک ہی تھا یعنی انگریزوں کو ہندوستان سے نکالکر ہندوستان ہندوستانیوں کیلئے محفوظ کیا جائے اگر ان بادشاہوں کے اوصاف لکھے جاتے ہیں تو ضرور تھا کہ انکی حب الوطنی کا تذکرہ ہو جسکی وجہ سے ہندوستانیوں میں بھی یہی جذبہ پیدا ہوتا اس جذبہ کو مٹانے کیلئے کتابیں ایسی لکھی گئیں کہ ان میں کہیں بھی حب الوطنی یا قوم پرستی کا نام تک نہیں لیا گیا ہے

ٹیپو سلطان پر جو الزامات دئے گئے ہیں ان کا جواب اگلے صفحات میں خود بخود ملجاتا ہے لیکن اس الزام سے بچنے کیلئے کہ مصنف نے دیانتداری سے کام نہیں لیا یہاں ان تمام الزامات کو سلسلہ وار لکھا جاتا ہے جو ولکس، ہریس، بورنگ، مارسڈن کی تاریخوں کے علاوہ میسور گزیٹر وغیرہ میں بھی پائے جاتے ہیں ۔

(۱) سلطان غاصب سلطنت تھا ۔

اسکے متعلق مفصل بحث حالات نواب حیدرعلی میں کی گئی ہے سلطان نے جو سلطنت پائی

وہ اپنے باپ حیدر علی سے وارثت میں پائی تھی انگریزی کمیشن نے بھی جو سلطنت کے تجزیہ کیلئے بیٹھی تھی اسی نظریہ کو تسلیم کرتی ہے ۔

(۲) سختی سے انتقام لیتا تھا

(۳) قیدیوں سے بے رحمانہ سلوک کرتا تھا

ایسٹ انڈیا کمپنی پر ہندوستان میں کبھی ایسی افتاد نہیں پڑی جیسی بیکی نسروادر بریٹھ وائٹ کی شکستیں تھیں ان شکستوں کی اہمیت کو کم دکھانے کیلئے سلطان پر یہ الزامات لگائے گئے ہیں ان جنگوں میں صدہا انگریز قید کر لئے گئے قید خانوں میں ان سے کام لیا جاتا تھا اور اسکے عوض انہیں گذر اوقات کیلئے روزآنہ رقم دی جاتی تھی آج کل مہذب سلطنتیں بھی تو یہی کرتی ہیں جیلوں میں قیدیوں سے یہی سلوک ہو رہا ہے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ سلطان پر ہی یہ الزامات کیوں دھرے جائیں

(۴) عہدناموں کا پابند نہیں تھا ۔

میسور کی تیسری اور چوتھی جنگوں کے اسباب تبلا رہے ہیں کہ عہد شکنی کس نے کی تھی ۔

(۵) فرانسیسیوں سے خط وکتابت کرتا تھا ۔

سلطان تو کوئی باجگذار والی ریاست نہیں تھا وہ ایک خود مختار فرمانروا تھا وہ جس سے چاہے خط وکتابت کر سکتا تھا کسی عہد نامہ سے اس کو پابند نہیں کیا گیا تھا کہ فرانسیسیوں سے خط وکتابت نہ کرے ۔

(۶) شہر میسور کو مٹادینے کا حکم دیا ۔

میسور کا قلعہ اور شہر میسور آج بھی اسی طرح موجود ہے جیسے اس زمانے میں تھا بلکہ اس کو مٹانے کے عوض اس نے اسکو اور زیادہ آباد کیا میسور کا ایک محلہ نظر آباد اسی کا آباد کیا ہوا آج بھی موجود ہے ۔

(۷) متعصب تھا اور کورگ پر چڑھائی اسی تعصب کا نتیجہ تھی

ملکوں پر چڑھائی بادشاہوں کی اولوالعزمی کا نتیجہ ہوتی ہے تعصب کا نتیجہ نہیں ہوتی ملیبار اور کورگ نواب حیدر علی کے زمانے میں فتح ہو چکا تھے لیکن کورگ میں بار بار بغاوت ہوتی رہی سلطان نے جب ساتویں بار بغاوت ہوئی تو یہاں کے بہت سے خاندانوں کو جلا وطن کر کے میسور میں آباد کیا اور ان کے عوض دس ہزار مسلمان خاندان کورگ میں آباد کئے گئے اس کا خیال تھا کہ مسلمانوں کی موجودگی سے یہاں کے باشندے بغاوت کی جرأت نہ کر سکیں گے انگریزی مورخین نے تعصب کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے اس نے عیسائی مشنریوں کو یہاں کی تبلیغ سے منع کیا اور باشندوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص اپنا قدیم آبائی مذہب ترک نہ کرے اور اگر ترک مذہب کا شوق ہو تو اپنے بادشاہ کا مذہب اختیار کرے اب رہا یہ سوال کہ اس نے پادریوں کو تبلیغ سے کیوں منع کیا وہ معلوم کر چکا تھا کہ مذہب کے پردے میں عیسائی مشنری بغاوت کے جراثیم پھیلا رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے عیسائی پادری ہر جگہ یہی کرتے آئے ہیں جس ملک پر قبضہ کرنا ہوتا ہے اس جگہ پہلے پادری بھیجے جاتے ہیں تبلیغ، تعلیم اور شفا خانوں کے پردے میں جو کچھ کیا جاتا ہے اس سے آج دنیا ناواقف نہیں ہے۔

(۸) خود کو عابد دولت اور حضور پر نور کہلواتا تھا حالانکہ یہ حق صرف مغلیہ شہنشاہ کو حاصل تھا

(۹) اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا اور تخت پر بیٹھا

اگر برائے نام مغلیہ شہنشاہ جو پنشن پر گزارہ کرتا تھا عابد دولت اور حضور پر نور کہلانے کا حق حاصل تھا تو سلطان جو اپنے زمانے میں ہندوستان کا سب سے زبردست آزاد اور شان و شوکت والا بادشاہ تھا اس کو عابد دولت اور حضور پر نور کہلانے کا حق

کیوں حاصل نہیں تھا ؟ بہ حیثیت ایک مطلق العنان فرمانروا ہونے کے اس کو حق حاصل تھا کہ اپنے نام کا خطبہ پڑھائے اور سکہ جاری کرے۔

(۱۰) اپنی سلطنت کو تکبر سے "خداداد" کہتا تھا۔

سلطنت کا نام "خداداد" رکھنا ہی بتلا رہا ہے کہ یہ علامت تکبر کی نہیں بلکہ انکساری کی ہے لیکن خدا پرست انسان یہی سمجھتا ہے کہ اس کو جو کچھ بھی ملتا ہے وہ خدا کا دیا ہوا ہے اسی لحاظ سے سلطان نے اپنی سلطنت کو خداداد کا نام دیا یہ اور بات ہے کہ مادہ پرست اس کو اپنی کوششوں کا نتیجہ سمجھیں اسی قسم کا ایک الزام مورخ جیمس ملس نے بھی دیا ہے وہ لکھتا ہے:۔

" ٹیپو کی طبیعت میں مذہب کا پہلو خاص طور سے نمایاں تھا اس کے دل پر مذہب کا گہرا اثر پڑا تھا وہ اپنا وقت ہر روز خدا کی عبادت میں صرف کرتا تھا اور اپنی سلطنت کو خداداد کہتا تھا خدا پر اس کو اس قدر بھروسہ تھا کہ اس کا اثر اس کے ہر کام پر پڑا سچ تو یہ ہے کہ جو اسباب اسکی تباہی کا باعث ہوئے ان میں سے ایک اسکا خدا کی امداد پر حد سے زیادہ یقین تھا وہ خدا کی حمایت پر اس قدر بھروسہ رکھتا تھا کہ اپنی حفاظت کے دوسرے پہلوؤں کو بھی نظر انداز کر جاتا تھا" (تاریخ ہند از جیمس ملس)

مادہ پرست یورپین مورخ اس کے سوا اور کیا لکھ سکتے ہیں

(۱۱) حد درجہ مغرور تھا اور متکبر بھی۔ اس نے بعد صلحنامہ سرنگاپٹم کے مبالغہ آمیز مدحیہ اشعار کے اعلان کی عام اجازت دیدی تھی ان اشعار کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کو کیسا غرور ہو گیا تھا ایک قصیدے کا تھوڑا مضمون ذیل میں لکھا جاتا ہے

" جب بادشاہ رستم دل نے اپنے سمند غیظ کو گرم کیا تو انگریزی شیروں کے دل

خوف سے لرزنے لگے۔

اسکی تلوار کی جھلک نے تیلی کی فوج پر برق خاطف کا کام کیا۔ اور منرو کی آنکھوں سے مثل ابر نوبہار کے تار اشک بن گیا لینگ کا دل لالہ کی طرح داغدار ہوگیا اور اس مصیبت پر کوٹ پھوٹ پھوٹ کر رودیا۔

جب مرہٹے ہمارے بادشاہ کی فوجوں کو دیکھتے ہیں تو غزالان دشت کی مانند راہ فرار لیتے ہیں۔

فرنگی اور نظام الملک ہمارے بادشاہ کے خوف سے شب وروز یکجا بسر کرتے ہیں۔

نجا کی فوج (نظام کو طنز سے نجا کہا گیا ہے) تیرے خوف سے اس طرح فرار ہوئی ہے جس طرح شیر نیستاں کو دیکھکر شکاری بھاگتا ہے

اسکے مقابلہ میں حاتم لئیم تھا اور افلاطون وسقراط طفل مکتب تھے ہمارے سلطان کی ہیبت سے جلاد فلک شیرخوار بچہ ہوگیا ہے

اس سلطان کی انصاف کی بدولت غزالان دشت شیر و پلنگ کے پہلو کو اپنا تکیہ بناتے ہیں اور لوتر واسد ان کے قالین ہیں۔ وغیرہ وغیرہ"

یہ حقیقت سے بالکل بعید ہے کہ صلحنامۂ سرنگاپٹم کے بعد سلطان نے مغرور ہوکر اس قسم کے مدحیہ اشعار پڑھائے۔ سرنگاپٹم کا صلحنامہ ۱۷۹۲ء میں ہوا اس صلحنامہ سے سلطان کا نصف ملک ۳ کروڑ روپے اور سلطان کے دو فرزند بطور یرغمال انگریزوں کے ہاتھ آئے تھے یہ تعجب ہے کہ شکست کھانے کے بعد انسان مغرور ہوکر اس قسم کے مدحیہ اشعار پڑھائے اگر یہ لکھا جاتا کہ سلطان کو جب فتوحات حاصل ہوئی تھیں تو اس

وقت یہ اشعار پڑھے گئے تھے تو کچھ بات بھی تھی سنہ کو جانے دیجئے اب دیکھنا یہ ہے کہ اس قسم کے اشعار پڑھے جاتے تھے یا نہیں؟ یہ بعید از قیاس نہیں ممکن ہے پڑھے گئے ہوں یہی نہیں بلکہ مصنف واقف ہے کہ اس سے زیادہ توہین آمیز اشعار اس زمانے میں سرنگاپٹم اور حیدرآباد دونوں جگہ بھی پڑھے جاتے تھے۔ ان کا سلسلہ نواب حیدر علی کے زمانے ہی سے شروع ہو چکا تھا جب حیدرآباد اور سرنگاپٹم کے شاعر اپنے اپنے ممدوحین کو خوش کرنے کیلئے قصیدے لکھکر حیدر علی یا نظام کی ہجو اڑاتے تھے۔

(رسالہ کوثر بنگلور میں اس قسم کا ایک قصیدہ شائع ہوا تھا۔) اس کا الزام تو ان شاعروں کو دینا چاہیئے جو اس قسم کے اشعار لکھتے تھے۔

ممکن ہے مشرقی شاعروں کے اس تخیل سے مغربی مورخوں کو اتفاق نہ ہو۔

لیکن سلطان کو الزام دینا سراسر ناانصافی ہے ہمارے شاعروں کا کیا کہنا وہ ایک معمولی شال کیلئے (جسکی قیمت دو تین روپیوں سے زیادہ نہیں ہوتی) اپنے ممدوحین کو حاتم دوراں اور افلاطون وقت بنا دیتے ہیں اور آج حالت یہاں تک پہونچی ہوئی ہے کہ صرف اپنا نام اخبار یا رسالہ میں شائع ہوتے دیکھکر ایڈیٹروں اور سکریٹوں کی تعریف میں قصیدے لکھے جاتے ہیں اور اس سے بڑھکر تعجب ہے کہ آج معمولی افسر تک جن کی تنخواہ دو ڈھائی سو سے زیادہ نہیں ہوتی جھوم جھوم کر قصیدہ خوانوں کی زبانی ایسے الفاظ سنتے ہیں جس کے مقابلہ میں نوشیرواں کا عدل حاتم کی سخاوت اور دارا اسکندر کی شوکت بھی گرد ہو کر رہ جاتی ہے۔

(١٢) اس نے میسور کے راجہ کے محل کو کئی دفعہ لوٹ لیا اور وہاں کچھ نہ چھوڑا میسور گزیٹر صفحہ ٢٦٨٥ کس قدر سنگین الزام دیا گیا ہے اور کسقدر غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ لوٹ ہوتی تو ایک

وقت سہوتی پھر اسکے بعد کیا رہ جاتا ہے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ سلطان نے محل لوٹ لیا تھا تو پھر دوبارہ لوٹنے کیلئے محل میں مال یا روپیہ کہاں سے آیا؟ اگر یہی مصنف اپنی کتاب دیکھے تو اگلے صفحات میں اس نے لکھ چکا ہے کہ میسور کی رانیاں انگریزوں سے امداد طلب کر رہی تھیں اور انہیں کئی دفعہ لکھ چکی تھیں اگر انگریزی فوج پیش قدمی کرے تو نوے لاکھ دیا جائیگا اگر سلطان متعدد دفعہ محل لوٹ لیتا تو پھر یہ روپیہ ان کے پاس کہاں سے آیا جس کا وہ کئی دفعہ انگریزوں سے وعدہ کرتی ہیں۔

ان الزامات کی جو حقیقت ہے اور ظاہر کی جا چکی ہے یہ مورخ خود بھی سمجھتے ہیں کہ ان کی تحریروں میں کہاں تک سچائی ہے؟ لیکن وہ اپنی فطرت سے مجبور ہیں ان کے متعلق خود ایک انگریزی مورخ سر جان کے جو انڈیا کونسل کے شعبہ خفیہ کا سکرٹری رہا ہے تسلیم کرتا ہے۔

"ہم لوگوں کا یہ عام طریقہ ہے کہ پہلے کسی دیسی حکمراں پر قبضہ کرتے ہیں اور پھر اس معزول بادشاہ یا اسکے جانشین کو بدنام کرتے ہیں۔

یہی ٹیپو سلطان سے بھی ہوا اور اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟ جو سیر اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

اس زمانے میں جب سیاست اور سوشیل زندگی ہندوستان میں ہر لمحہ پہلو بدل رہی تھی ایک حکمراں کیلئے یہ کس قدر مشکل کام تھا کہ اندرونی و بیرونی سازشوں اور حملوں کا ایک ساتھ مقابلہ کرے ٹیپو اپنی زندگی کا بہترین زمانہ بطور فرمانروا بسر کیا اور میدانِ جنگ میں سپاہی کی موت حاصل کیا وہ صرف ایک دنیادار نہیں تھا۔ اپنے مذہب سے اسکو حد درجہ محبت تھی ظلم ہے کہ مذہبی محبت کو بھی جرم قرار دیا جائے

اگر اس محبت کو جرم ہی گنا جائے تو انگلستان کی تاریخ کب ان جرائم سے پاک ہے؟
کہا جاتا ہے کہ اس نے ٹیپو نے اپنے بڑے افسروں کو تک بے رحمانہ سزائیں دیں اس کو
الزام دیا جاتا ہے کہ وہ محمد علی کمیدان کی موت کا باعث ہوا کیا آج کی مہذب حکومتیں
باغیوں اور خائنوں کو سزا نہیں دیتیں۔ ٹیپو نے اگر اپنے افسروں کو سزا دی تو اسلئے
دی کہ وہ رعایا پر ظلم و ستم کرتے تھے اور ان پر جو اعتماد کیا گیا تھا وہ اس پر جھوٹے ثابت
ہوئے محمد علی کی موت کا باعث سلطان نہیں ہے بے شک سلطان نے اس کو قید کر دیا
تھا محمد علی کا جرم یہ تھا اس نے ایک باغی کی حمایت کی تھی سلطان نے تو صرف قید کی سزا
دی اگر قید کی سزا دینا بھی ایک جرم ہے تو ہنری ہشتم کے متعلق کیا کہا جائے گا جس نے
انگلستان کے قرون وسطی کے مدبر سیاست داں اور ادیب سر تھامس مور کو
صرف اس لئے سزائے موت دی کہ وہ ایک ستم رسیدہ ملکہ کی حمایت کر رہا تھا
ٹیپو کو الزام دیا جاتا ہے کہ وہ جنگو کا شائق تھا گہری نظر سے اگر دیکھا جائے تو
معلوم ہوگا کہ اسکی جنگیں اس لئے نہیں تھیں کہ وہ اسکندر اعظم کی طرح فاتح
بننا چاہتا تھا یا جولیس سیزر کی طرح طاقت کا دلدادہ تھا اس کو نپولین کی طرح
جنگوں کا یا قیصر ولیم کی طرح خونریزی کا شوق نہیں تھا اسکی جنگیں صرف
اس لئے تھیں کہ وہ اس ملک کو جو اس کے باپ سے وراثت میں ملا تھا۔
اپنے دشمنوں سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔
ٹیپو کو یہ الزام بھی دیا جاتا ہے کہ اس نے تعصب سے کوچین اور ملیبار پر چڑھائی
کر کے بہت سے لوگوں کو بجبر اپنے مذہب میں شامل کر لیا الزام دینے سے پیشتر
ہمیں خود اپنے دل کو دیکھنا چاہیئے کہ اگر طاقت و حکومت حاصل ہو جائے تو

کیا ہم اسی بے تعصبی اور رواداری کا سلوک کریں گے۔ جس کے ہم دعویدار ہیں اگر ٹیپو پر یہ جو الزام لگایا جاتا ہے سچ ہے تو یوروپ وانگلستان کی تاریخ کب اس سے پاک ہے انگلستان کے تخت پر نصف درجن سے زیادہ ایسے حکمران گذرے ہیں جو اسی جرم کے مرتکب ہیں ہنری ہشتم۔ ایڈورڈ، میری الزبتھ ایڈورڈ ششم۔ کرامول نے کیا یہی نہیں کیا کون نہیں جانتا کہ اسپین میں فرڈی ننڈ اور اسابیلا نے موروں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

تعجب ہے کہ ایک انسان کے مرجانے کے بعد بھی اس کی صرف برائیاں ہی برائیاں دکھائی جائیں اور اس کے کیریکٹر کے روشن وتابناک پہلوؤں کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے

لوگ مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ شاید میں نے ولکس کی کتاب نہیں دیکھی ہے؟ میں نے نہ صرف ولکس کی کتاب دیکھی ہے بلکہ اب بھی وہ میرے پاس موجود ہے اسکے علاوہ میرے پاس ولکس کی وہ انتظامی رپورٹ بھی موجود ہے جو اس نے ۱۷۹۹ء میں تیار کی تھی لیکن اس دریافت سے مقصد کیا ہے۔ میں نے نہ صرف ولکس کی کتاب دیکھی ہے بلکہ میجر بٹسن، کرنل میڈوز ٹیلر اور صدہا کرنلوں اور میجروں کی تحریریں بھی دیکھی ہیں جو اپنے سرپرستوں کو خوش کرنے اور اپنی روٹی کیلئے مکھن پیدا کرنے کیلئے کتابیں لکھی ہیں کیا میں ان سب کو تسلیم کرلوں؟ خیر مجھے جانے دیجئے آپ ان یورپین مورخوں کو کیا کہیں گے جو ان بیانات کے متعلق یہ ثابت کئے ہیں کہ یہ بالکل مہمل ہیں ان سے قطع نظر میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان طرح افسروں کو تاریخ لکھنے کا حق کہاں سے حاصل ہوا۔

اب رہا یہ سوال کہ حیدر علی اور ٹیپو میں کس کی شخصیت عظیم المرتبت ہے
میں اس سوال کا جواب میرے آئندہ مضمون میں دونگا لیکن اس عرصہ میں
میں یہ کہونگا کہ خالص تشدد آمیز نکتہ چینیوں سے کوئی ذہنی فائدہ حاصل نہیں ہوتا
گیلی لیو نے جب یہ ثابت کیا کہ زمین گردش کر رہی ہے تو پاپائے روم نے اس پر نکتہ
چینی کی تھی تمام نکتہ چینیوں کی سن کر گیلی لیو نے آخر میں یہی کہا کہ باوجود ان نکتہ
چینیوں کے زمین گردش ہی کر رہی ہے اسی طرح ٹیپو کے عمدہ صفات باوجود
انگریزی مورخوں کی نکتہ چینی کے عمدہ ہی رہیں گے ۔ ہاں ملک میں ان لوگوں کی کمی
نہیں ہے جو مدرسوں کیلئے نصاب کی کتابیں لکھ کر ٹیپو کو بدنام کریں یا ایسے لوگ
جو سرنگاپٹم کے متعلق ٹورسٹ گائڈس لکھ کر زائرین کے ہاتھوں تک پہنچا دیں

(ٹیپو سلطان از جی آر جوسیر یم۔ اے۔ ایف۔ آر۔ ی۔ ایس ممبر
(رائل سوسائٹی آف لٹریچر گریٹ برٹین)

ڈاکٹر جان۔ آر ہنڈرسن سی۔ آئی۔ ای نے سلطان کے سکوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :-

ٹیپو سلطان کی کے عادات و خصائل کے متعلق ایک صحیح رائے قائم کرنا حد درجہ مشکل
ہوگیا ہے ہمعصر مورخین نے خواہ انگریز ہوں یا مسلمان سبھوں نے یکطرفہ لکھا ہے
ٹیپو کو الزام دیا جاتا ہے کہ جنگوں میں بہت سختی سے انتقام لیتا تھا بے رحم تھا اور مذہب
کے نام پر ظلم کرتا تھا لیکن مہذب زمانے میں جنگوں میں جو کچھ ہو رہا ہے ان کے آگے
ٹیپو کے مظالم کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے جہاں تک میں خیال کرتا ہوں
مسلمان مورخوں نے ٹیپو کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سچائی کے بالکل قریب ہے
برخلاف انگریزی مورخوں کے جنھوں نے صرف ایک خاص مقصد کو پیش نظر

رکھ کر اپنی کتاب میں لکھی ہیں۔

" ٹیپو ایک عظیم المرتبت شخص تھا۔ ایسی شخصیت کہ ہندوستان پھر اسکی نظیر نہیں دیکھ سکیگا اس کے ارادے بہت بلند اسکی قابلیت حیرت انگیز اسکی سلطنت بہت وسیع تھی وہ ایک بہادر انسان تھا اور جوانمردی کی موت حاصل کیا وہ اپنے ملازموں پر مہربان احسان لوگوں کا ثابت قدم دوست تھا جن سے وہ محبت کرتا تھا۔"

انگریزی مورخین نے جو بے بنیاد اعتراضات کئے ہیں اوپر لکھ دیئے گئے ہیں اور پروفیسر جو سیر اور کرنل ہنڈرسن کی رائے بھی لکھی جا چکی ہے اب یہاں تاریخ حملات حیدری سے سلطان کے متعلق ایک اور اعتراض پیش کیا جاتا ہے

" (سلطان کے) ان صفتوں اور ہنروں کو اسی ایک عیب نے چھپا دیا کہ جس شخص کو اسکے عہدے سے برطرف کر دیتا پھر اس کو اسی منصب پر بحال کرتا اور اسی عمل نے اس سلطنت میں خلل ڈالا۔"

یہ اعتراض ایک حدتک قابلِ تسلیم ہے۔ میر صادق، میر غلام علی اور بدرالزماں خاں نائطہ کو بے شک سلطان نے عہدوں سے برطرف کر کے پھر انہیں بحال کیا تھا بلکہ میسور کے ہندوؤں میں یہ بھی مشہور ہے کہ نواب حیدر علی نے اپنے ایک خفیہ آخری خط میں سلطان کو لکھا تھا کہ "میرے بعد پورنیا، میر صادق، میر غلام علی کو قتل کر دیا جائے اسلئے کہ انکی نیتیں اچھی نہیں ہیں" لیکن افسوس ہے کہ سلطان نے اس پر عمل نہیں کیا اگر یہ روایت صحیح ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ سلطان صحیح معنوں میں ایک سچا مسلمان تھا اور بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے اسنے ہر وقت عفو و حلم سے کام لیا اور ان پر اعتماد کیا مگر نمک حراموں نے اسکے اس حسن ظن سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان اور مسلمانوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا

سلطنتِ خداداد کی تباہی

ہندی اور اسلامی نقطۂ نظر سے

تاریخ سلطنت خداداد میں انگریزی مورخین کے الزامات لکھنے کے بعد کوئی ایسا اہم واقعہ باقی نہیں رہا جو سپرد قلم کیا جا سکے اس لیے ہم اس تاریخ کو ختم کرتے ہوئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس سلطنت کی تباہی کو اسلامی و ہندی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے۔

سلطنت خداداد کی تباہی پر آج ہندوستان لاکھ بھی ماتم کرے مگر تاریخ ہند میں یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے ہندوستان کی قسمت میں شاید روز ازل ہی سے یہ لکھ دیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ غیروں کا محکوم بن کر رہے خدا جانے اس سرزمین کا نام کس نے پہلے پہل ہندوستان (ہندو استھان) جسکے معنے غلام استان یا غلام آباد کے ہیں ہندوستان کے سب سے قدیم زبان سنسکرت میں ہندو کے معنی غلام کے ہیں ہندوستان کی ابتدائی تاریخ اسقدر تاریک ہے کہ کچھ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ یہاں کونسی قوم آباد تھی اور اسکی طرز معاشرت کیا تھی تاریخ اگر پتہ دیتی ہے تو یہی کہ سب سے پہلے وسط ایشیا سے آرین قوم اس سرزمین پر آئی اور یہاں کے قدیم باشندوں کو غلام بنالیا اس لحاظ سے اس قوم کو جو یہاں رہتی تھی ہندو کا نام دیا اور ملک کا نام ہندوستان ہوگیا جو باشندے اس غلامی سے بچ نکلے وہ جنوبی ہند میں جاکر آباد ہوگئے وہ جفاکش قوم جسکا نام آرین تھا چند صدیوں کی بود و باش کے بعد اس میں بھی وہی اثر سرایت کرگیا جو پہلے یہاں کے باشندوں میں تھا یہ قوم عیش و تنعم میں گرفتار ہوکر اپنے

خصائص کو کھو بیٹھی۔ اس زمانہ میں جب یہ قوم اپنے پورے عروج پر تھی تو ہندوستان کا تمدن اور ہندوستان کی تہذیب دنیا میں فخر روزگار رہی جب امتداد زمانہ سے اس پر زوال آیا تو نا اتفاقی اور ایک دوسرے سے حسد کی آگ بھڑک اٹھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ شمالی ایشیا سے سیتھین قوم جس کا نشان سانپ تھا ان پر مسلط ہو گئی یہ قوم قریباً ۷۰۰ سو سال قبل مسیح ہندوستان میں آئی ابھی ان پر ایک صدی بھی نہ گذری تھی کہ دارا ئے ایران نے ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور اسکے دو سو سال بعد اسکندر ذو القرنین کی فوجیں یونان سے ہندوستان پر نازل ہوئیں اگر دارا اور اسکندر کی تاریخیں دیکھی جائیں تو معلوم ہوگا کہ ہندوستان ہی کے باشندوں نے ان کو دعوت حکمرانی دی وہ آئے اور لوٹ کر چلے گئے اس کے بعد تاریخ میں ہندوستان کا وہ زمانہ آتا ہے جس میں مذہب کے نام پر تمام ہندوستان میں اک آگ سلگی ہوئی تھی گوتم بدھ کے پیرو اور قدیم مذہب وید کے پرستار ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے برہمن اپنی سیادت اور ذاتی برتری کو رخصت ہوتے ہوئے دیکھ نہ سکتے تھے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بدھ مذہب ہندوستان سے قریب قریب مٹ گیا۔

مسلمانوں کے حملے ہندوستان پر

یہ وہ زمانہ تھا کہ آفتاب اسلام افق عرب سے طلوع ہو رہا تھا مسلمانوں کا سب سے پہلا حملہ سندھ میں خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا فتح عجم کے بعد عرب فاتحین سندھ پر آئے سپہ سالار عساکر اسلام کے شہید ہو جانے سے عرب پلٹ گئے اسکے بعد بیس سال تک ادھر توجہ نہ ہوئی کیونکہ عساکر اسلام کی تمام تر توجہ بلاد مغرب کی طرف لگی ہوئی تھی ۳۹ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتح نہروان کے بعد ایک فوج ہند کی طرف بھیجی لیکن یہ فوج بھی سندھ کی طرف آکر اتری لشکر اسلام کے زیر تصرف سندھ کا ایک ثلث

حصہ آگیا۔

عربوں کے مرکز میں خود خانہ جنگی پھیل گئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں شہید ہو گئے جب یہ خبر ہندوستان میں پہونچی تو ہندوؤں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا اور عرب ملک سے نکال دیے گئے

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہ خلیفہ ہوئے گو عرب فاتحین برابر مغرب کی طرف بڑھتے رہے مگر مشرق میں ہند پر توجہ نہیں کی گئی حضرت معاویہؓ کے بعد یزید تخت نشین ہوا اسکے زمانہ میں حضرت امام حسینؓ کربلا میں شہید ہو گئے بنی امیہ نے اطمینان کا سانس لیا مگر عربوں میں خانہ جنگی ایک عرصہ تک رہی گو اس کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہوئی جو حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کے زمانہ میں تھی بنی امیہ اب مستقل حکمران تھے ۱۲؁ھ میں محمد بن قاسم حجاج بن یوسف کے حکم سے سندھ پر حملہ آور ہوئے تاریخ میں اس حملہ کو اس لحاظ سے ہندوستان پر مسلمانوں کا پہلا حملہ مانا جاتا ہے کہ سندھ میں مسلمانوں کے قدم جم گئے کیونکہ تمام ملک گجرات فتح ہو چکا تھا خلیفہ کی موت کے بعد جب دوسرا خلیفہ تخت نشین ہوا تو اس نے کسی رنجش کی بنا پر حجاج کو معزول کر دیا اور اسی سلسلہ میں محمد بن قاسم کو بھی معزول کر کے واپس بلا لیا گیا اس طرح ہند فتح ہوتے ہوتے رہ گیا۔

بنی امیہ کا زمانہ تاریخ اسلام میں فتوحات کے لحاظ سے وہ تابناک زمانہ ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی مگر عربی قوم میں جو قبائلی جنگ کا بیج ابتداہی سے بویا گیا ہے جس کو زمانہ خیرالقرون میں چالیس۴۰ سال کی مہلت ملی تھی پھر سرسبز ہونا شروع ہوا بنی عباس بنی امیہ کے مقابل آ گئے عراق و عجم نے بنی عباس کا ساتھ دیا اور تخت خلافت پر

آل عباس متمکن ہوئے ہارون رشید کے زمانہ میں مامون نے پھر سندھ پر چڑھائی کی
لیکن کوئی زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔

مسلمانوں کا استقلال ہند میں

مامون کے حملے کے ایک صدی بعد سبکتگین ہند پر حملہ آور ہوکر پنجاب پر قابض ہو گیا جس کے بعد ہی محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری نے پے در پے حملے کئے ان حملوں کے بعد پہلا مسلمان بادشاہ سلطان قطب الدین ایبک تخت نشین ہوا اسکندر و دارا کو ملک پر قابض ہونے کیلئے بلانے والے بھی یہی ہند کے باشندے تھے سبکتگین اور محمود غزنوی کو دعوت دینے والے بھی یہی اس کی وجہ انکی آپس کی نااتفاقی اور ایک دوسرے سے حسد و نفاق تھا۔

قطب الدین کے خاندان کے بعد خلجی خاندان سریر آرائے سلطنت ہوا اور اس میں علاؤالدین وہ مشہور شہنشاہ گذرا ہے جس کے زمانہ میں تمام ہندوستان ہمالیہ سے لیکر راس کماری تک مسلمانوں کے زیر نگیں آگیا اسی بادشاہ کے عہد میں ملک کافور اس کا سپہ سالار دہلی سے نکلکر جنوبی ہند میں آیا انہی معرکوں میں فتح گجرات کے وقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں آپسمیں شادیوں کی بنیاد پڑی اس سلسلہ میں جو پہلی شادی ہوئی وہ گجرات کے راجہ کی بیٹی دیول دیوی سے علاؤالدین کے فرزند شاہزادے خضر خاں کی تھی ملک کافور گجرات سے بڑھتا ہوا ہندوؤں کی آپسکی نااتفاقی سے فائدہ اٹھاتا ہوا مٹھی بھر جوانوں کے ساتھ جنوبی ہند کا وہ مشہور پائے تخت دوارے سمدر (جسکا ذکر ریاست میسور میں کیا گیا) کو فتح کرتا ہوا جنوب میں راسیشور تک پہنچ گیا ملک کافور کی واپسی کے بعد شہنشاہ محمد تغلق کی فوجوں نے پھر ایک بار جزیرہ نمائے ہند کو راس کماری تک طے کیا اس وقت ہندو دوارے سمدر کو پھر از سر نو بنا رہے تھے اور ایک عالیشان

مندر تعمیر ہو رہا تھا اسلامی فوجوں نے پھر ایکبار اسپر قبضہ کرلیا اور وہ مندر جو تعمیر ہو رہا تھا اسطرح رک گیا موجودہ بیدر ہو ریاست میسور میں ہے وہ وہ لے سمراگا کا جائے وقوع ہے اور اب بھی یہاں وہ عالیشان مندر نامکمل کھڑا ہے لیکن اب ریاست میسور اسکی تعمیر کررہی ہے ۔

مسلمان جب ہند میں مستقل طور پر اقامت اختیار کرچکے تھے تو ان میں بھی سرزمین ہند کی وہی سرشت پیدا ہوگئی جس نے ہند کو ممتاز کر رکھا ہے آپس کی خانہ جنگیوں کے سلسلے میں کئی خاندان تخت نشین ہوئے اور جب رقابت اور بھی ترقی کرگئی تو انہوں نے ہندوؤں کی تقلید میں پہلے تیمور لنگ صاحب قران کو بلایا اور بعد میں بابر بانی سلطنت مغلیہ کو۔ اکبری کے ساتھ ساتھ اسلامی تمدن بھی ہند میں مچھ رہا تھا اور یہ صاف منظر آرہا تھا کہ ملک میں اسلامی تمدن پھیل جائیگا لیکن ہیمون کی سرکردگی میں ہندو تمدن نے اسلامی تمدن پر ضرب لگانی چاہی مگر بیرم خاں نے ہیمون کا خاتمہ کردیا اکبر تخت نشین تو اس نے کوشش کی کہ دونوں تمدنوں کو ملا دیا جائے اور اسکے زمانے میں اس کی بنیاد بھی پڑی مگر دونوں تمدن متضاد کے متضاد ہی رہے ۔

جنوب میں مسلمانوں کی بہمنی سلطنت اور وجیانگر کی ہندو سلطنت عالم وجود میں آئی مگر مسلمانوں میں آپس کی خانہ جنگی کی آگ پھیل گئی یہ آگ وجیانگر کی لگائی ہوئی تھی شمال میں جب ہندو تمدن کو ناکامیابی ہوئی تو جنوب میں اس نے کوشش کی کہ اسلامی تمدن کا تختہ الٹ دے نتیجہ یہ نکلا کہ بہمنی سلطنت کا خاتمہ ہوکر اس سے پانچ اور سلطنتیں پیدا ہوئیں جنکے نام تاریخ میں بیجاپور، احمدنگر، گولکنڈہ، بیدر اور برار ملتے ہیں لیکن یہ پانچ سلطنتیں ہی آخیر میں وجیانگر کیلئے پیغام فنا ثابت ہوئیں ہندوستان میں ہندوؤں کی آخری آزاد سلطنت یہی حکومت وجیانگر تھی ۱۵۶۵ء میں تالیکوٹ کی جنگ

میں ہندوؤں کی کامل شکست اور جیانگر کی بربادی سے ہندوؤں کی آزادی کا خاتمہ ہوگیا اب ہندوستان میں صرف مسلمان آزاد رہ گئے اور ایک عرصے تک بلا شرکت غیرے حکمران رہے اور ہندوستان ان کا وطن بن گیا۔

ہند کی بود و باش اور دولت کی فراوانی نے مسلمانوں کو عیش اور ناز و نعم کا نیدہ بنا دیا مسلمانوں نے پہلے پہل ہند میں دیکھا کہ کسطرح برہمن اپنی سیادت منوا رہے ہیں یہ تو ممکن نہیں تھا کہ وہ خود بھی اس قسم کا دعوا کریں جو برہمن اپنی پیدائش کے متعلق کر رہے ہیں اس کے عوض مسلمانوں کا ایک طبقہ نسب ناموں پر اتر آیا کہ عام مسلمانوں پر اپنی سیادت قایم کرلے۔

ایک طرف اکبر کی لگائی ہوئی الحاد کی آگ کھیل رہی تھی تو دوسری طرف مسلمانوں میں پیر پرستی و نسب پرستی شروع ہوئی جس مسلمان بادشاہ نے ان معبودانِ باطل کو توڑنا چاہا تاریخ اس کو عالمگیر اورنگ زیب کے نام یاد کر رہی ہے۔ ع

تخم الحاد کہ اکبر پرورید   باز اندر فطرت دارا دمید
حق گزید از ہند عالمگیر را   آں فقیر صاحب شمشیر را (اقبال)

عالمگیر ایک حد تک فتنۂ الحاد کے مٹانے میں کامیاب ہوگیا مگر نسب پرستی مسلمانوں کے خون میں سرایت کر چکی تھی عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی پھر مسلمانوں نے رنگ بدلا اب پھر وہی خانہ جنگی تھی وہی ناز و نعم وہی عیش و آرام اور وہی حسد و نفاق۔

مسلمانوں کو اس طرح کمزور ہوتے دیکھ کر ہندو بھی میدان میں آگئے نتیجہ یہ نکلا کہ سندھ کے باشندوں نے نادر شاہ کو آنے کی دعوت دی نادر شاہ کی آمد نے بجائے مفید ہونے کے مسلمانوں میں اور زیادہ افتراق پھیلا دیا جس سے فائدہ اٹھا کر مرہٹوں کی سرپرستی میں

ہندو تمدن اس شان سے میدان میں آیا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہندالسکے زیر نگین آگیا اور صاف نظر آرہا تھا کہ اسلامی تمدن کوئی گھڑی کا مہمان ہے مسلمانوں کو اگر عالمگیر کے ذریعہ پہلی مہلت دیگئی تو دوسری مہلت اب احمد شاہ ابدالی کے ذریعہ ملی احمد شاہ ابدالی ہندوستان آیا اور مرہٹوں کو ۱۷۶۱ء میں میدان پانی پت میں ایک ضرب کاری لگاکر پلٹ گیا نتیجہ یہ ہوا کہ ہند دیکھر کمزور ہو گئے

فطرت الہی نے ہر قوم کو آزاد پیدا کیا اور آزاد رکھنا چاہتی ہے مگر جب وہ اسکی اہل ثابت نہیں ہوتی تو یہ نعمت چھین لی جاتی ہے مگر اس نعمت کے چھیننے سے پہلے پر مہلت دیتی ہے اور جب ان سے فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا تو قدرت بھی اس کو اسی حالت میں چھوڑ دیتی ہے ہندوں کو مسلمانوں کے حملوں کے وقت مہلت پر مہلت دیگئی مگر وہ نہیں سنبھلے . مسلمانوں کو ان پر مسلط کر دیا گیا اب مسلمانوں کی باری آئی اور قدرت نے ان کو مہلت دینی شروع کی . عالمگیر کے بعد ابدالی کے ذریعہ مہلت دی گئی اور اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کیلئے وہ سلطنت وجود میں آئی جس کا نام تاریخ میں سلطنت خداداد ہے ہند کیلئے خدانے یہ غیر مترقبہ نعمت دی اور کیا عجب کہ اس لحاظ سے اسکا نام بھی خداداد ہوا یہ وہ زمانہ تھا کہ غیر اقوام تجارت کیلئے ساحل ہندوستان پر آئی ہوئی تھیں اور یہ بھی عجب نہیں کہ قدرت نے انہیں کے ذریعہ ہند کی آزمائش کرنی چاہتی ہو کہ وہ کہاں تک سنبھلتے ہیں مگر ہندستانی آپ ہوا کا اثر مسلمانوں میں سرایت کر گیا تھا اسلئے وہ اس امتحان میں پورے نہیں اترے ہندوؤں میں پہلے ہی تتیجا تر تھا اور اب مسلمان بھی اس سرشت میں شامل ہو گئے اور ان دونوں نے ملکر انگریزوں کو دعوت دی کہ

آؤ اور ہم پر حکومت کرو

ایک ماہر سیاست کا قول ہے:-

"اگر سراج الدولہ کی سلطنت لینی ہو تو میر جعفر کو پیدا کرو اگر ٹیپو سلطان سے لڑنا ہے تو پورنیا میر صادق کو روٹی اپنے ہاتھ میں رکھو پھر دیکھو کہ ہندوستان کی قومیں آپس میں لڑتے ہوئے کس طرح تمہارے غلام بنے ہوئے رہتے ہیں"

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس مقولہ پر پورا پورا عمل کیا۔ میر جعفر، پورنیا اور میر صادق تھا خوش قسمتی سے پیدا ہو گئے یہ اقوام ہند کا باہمی نفاق ہی تھا کہ مرہٹوں نے بار بار سلطنت خداداد پر حملے کئے یہ مسلمانوں کا باہمی افتراق ہی تھا جسے نظام حیدر آباد کو سلطان کا مخالف بنا دیا اگر اس ماحول میں میر جعفر، پورنیا، میر صادق پیدا ہوا تو تعجب ہی کیا ہے اور ان کے ہوئے وہ سازشیں اور وہ جوڑ توڑ جو ہندوستان پر قبضہ کرنے کیلئے ہوئیں ہندوستان کی فطرت کے عین مطابق تھیں۔ اس سے متاثر ہو کر علامہ اقبال لکھتے ہیں:-

اندرون او دو طاغوت کہن   روح قومے کشتہ از بہر وطن

سلطنت کا نام خداداد تھا قدرت کی فیاضی نے اسکے بانیوں کو بھی خداداد صلاحیت دی کہ وہ آزاد ہندوستان نمونہ بنکر دنیا کو دکھا دیں کہ ابھی اسلام اور ہندوستان میں وہ جوہر پوشیدہ ہے جن پر وہ فخر کر سکتے ہیں باپ کے ہاتھ سے ایک آزاد سلطنت قائم ہوتی ہے تو بیٹے کی شجاعت، بہادری، نگاہ دوررس اور اولوالعزمی تمام ہندوستان کو آزاد بنانا چاہتی ہے اسلئے وہ حق و صداقت، آزادی و شجاعت کا بے مثل نمونہ بنکر آیا کہ مسلمان اور ہندوستان اس سے سبق سیکھیں۔

جس طرح اسلام کے دو ولیوں میں حق و صداقت کا وہ مجسم پیکر حیدرؓ و فاطمہؓ کا جگر جو ملوکیت کی غلامی سے مسلمانوں کو بچانے کیلئے دریائے فرات کے کنارے بے آب و دانہ

اپنی ہی قوم کے ہاتھوں داد شجاعت دیتا ہوا شہید ہوگیا اسی طرح اسلام اور ہندوستان کو طوق محکومی سے بچانے کیلئے دریائے کاویری کے کنارے حیدرؓ و فاطمہؓ کا یہ نور نظر بھی تشنہ پیاس سے بے قرار جوہر مردانگی دکھاتا ہوا شہید ہوگیا اور اسکی شہادت کا باعث بھی قوم ہی ہوئی ؎ من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم

کہ با من ہرچہ کرد آں آشنا کرد

قوم و ملک نے اس نعمت الٰہی کو ٹھکرا دیا نسب و ذات کا امتیاز آپس کی نا اتفاقی ایک ہی قوم میں ایک دوسرے سے حسد و نفاق ہندوستان کے ساتھ جو کچھ شروع سے کیا وہی سلطنت خداداد کے ساتھ ہوا قدرت کے اس عطیہ سے کفران نعمت کا یہ نتیجہ نکلا کہ ہندوستان کے ساتھ مسلمانوں کی آزادی بھی سلب کر لی گئی۔

یہ بھی قدرت کا ایک قانون ہے کہ حکومت و سلطنت کسی ایک قوم میں ہمیشہ کیلئے نہیں رہتی بقا تو صرف خدا کیلئے ہے ذات الٰہی ہر قوم کا ظرف آزمانے کیلئے حکومت و سلطنت دیتی ہے اسی کلیہ کے تحت مختلف اقوام آرین ایرانی یونانی۔ عرب۔ پٹھان اور مغل یکے بعد دیگرے داد حکومت دیتے رہے اور ان سب کے بعد انگریزی قوم آج ہندوستان پر حکمران ہے۔

مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیئ قدیر

(یعنی) مالک سلطنت کا تو سلطنت دیوے جسکو چاہے۔ اور سلطنت چھین لے جس سے چاہے اور عزت دیوے جسکو چاہے اور ذلیل کرے جسکو چاہے تیرے ہاتھ سب خوبی بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

غدّاروں کا انجام

اکثر لوگوں کو جستجو ہے کہ ان نمک حراموں کا انجام کیسے ہوا جو سلطان کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ملک وملت کے ساتھ غداری کی تھی اور ان کے خاندانوں کا کیا حال ہے ان میں بہت سے غدار وطن کسی نہ کسی وجہ سے یا اتفاقاً اسی دن مارے گئے جس دن سلطان کی شہادت ہوئی تھی۔

کتاب الاعراس میں جو مضمون اور فہرست ہم نے کے دن دی گئی ہے وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

در بست و ہشتم ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۲۱۳ھ روز شنبہ در حرب نصاریٰ انگریز قلعہ پٹن ٹیپو سلطان برحمت حق پیوست و قریب دوازدہ ہزار سپاہ خاص و عام دراں روز شہید و کشتہ شدند

تاریخ

ٹیپو بوجہ دین محمد شہید شد

میر میراں محمد رضا	نواب حسین علی خاں شہید فرزند قطب الدین خاں
،، ،، سید اشرف	غلام حسین داروغہ توشک خانہ
،، ،، محمد حسین	محمد یوسف داروغہ نعمت خانہ
،، ،، میر محمد صادق	غلام حیدر خاں میرزائے دفتر در مسجد
،، آصف سید محمد خاں	میر میراں سید غفار شہید

میر خازن شیخ اسماعیل | میر نواب میر معین الدین
" آصف شیر خاں | محمد ابراہیم عرض بیگی
" خازن سید بڈھن | مولانا عبدالرحیم استاد در مسجد اعلیٰ

سپہسالار و تیدار و نوردار سپاہی وغیرہ دوازدہ ہزار کس کشتہ شدند۔ از فرمان حق "

اس فہرست میں صرف دو ناموں کے ساتھ شہید لکھا ہوا ہے ان میں ایک تو سید غفار کا نام ہے اور دوسرا نواب حسین علی خاں کا۔ سید غفار کی جاں نثاری کے متعلق پہلے لکھا جا چکا ہے حسین علی خاں بن قطب الدین خاں ۴ مئی کی صبح میں شہید ہوئے تھے اس سے پہلی شب میں انکا نکاح ہوا تھا۔ یہ ایک شب کا دولہا صبح ہی صبح اس مورچہ پر جہاں یہ متعین تھا پہنچا تو بیا دس بجے اسکی لاش سلطان کے روبرو لائی گئی۔ حسین علی خاں کو مورچہ کی حفاظت کرتے وقت گولہ لگا تھا۔ سلطان لاش دیکھ کر آبدیدہ ہوگیا کتاب نعمت خاں حیدری کا مصنف لکھتا ہے کہ جب نوجوان دولہا کی لاش گھر پر لائی گئی تو اسکی ایک شب کی دولہن کی آہ و زاری سے دیکھنے والوں کا کلیجہ پھٹ رہا تھا یہی مصنف اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ سوگوار دلہن نے اپنی تمام عمر اسی طرح بسر کر دی ایک مدت العمر زندہ رہی اور ہر وقت اس کی زبان پر ۴ مئی کے واقعات رہتے تھے۔

۴ مئی کے ہنگامے کے بعد جو غدار زندہ رہے ان میں خاص طور پر قابل الذکر پورنیا قمرالدین، راجہ خاں میر غلام علی بدرالزماں خاں نائطہ اور غلام علی خاں بخشی ہیں ان میں سوائے پورنیا کے باقی غداروں کو کمپنی کی جانب سے پنشن دی گئی۔ پورنیا کے متعلق لکھا جا چکا ہے کہ غداری کے صلہ میں اس کو میسور کی نئی ریاست کا دیوان بنا گیا

اور بلیندور کی جاگیر جس کی سالانہ آمدنی تین لاکھ روپیہ تھی دیگئی۔ پورنیا کا انتقال سرنگا پٹم میں ۱۸۱۲ء میں ہوا۔ اسکی کوٹھی سرنگا پٹم میں اسکاٹ کے باغ سے جانب مشرق دریائے کاویری کی جنوبی شاخ کے کنارے ہے اور اس پر اسکے نام کا کتبہ بھی لگا ہوا ہے اور آج کل پورنیا کے باغ سے مشہور ہے۔

پورنیا کے ذکر کے ساتھ بیجا نہ ہوگا اگر ہم ترمل راؤ اور نارائن راؤ کے حالات بھی لکھدیں جو سلطنت خداداد کے اسباب کے بیان میں مفصل آچکا ہے ان دو بھائیوں میں ترمل راؤ نے میسور کی رانی سے عہد لیا تھا کہ ریاست کی بحالی کے بعد اسکو دیوان بنا لیا جائیگا لیکن انگریزوں نے پورنیا کو دیوان بنا کر اسکی توقعات کا نہ صرف خاتمہ کر دیا بلکہ اس کو ریاست میسور کے حدود کے اندر آنیسے بھی منع کر دیا اور حکم دیا گیا کہ مدراس ہی میں مقیم رہے کتاب پر دھالنس آف میسور کے صفحہ ۲۲ پر لکھا ہے۔

"جب سلطان کی شہادت اور سلطنت خداداد کی زوال کی خبریں ان تک پہنچی تو انہوں نے مدارس میں شکر گاڑیوں میں بھر کر تقسیم کی"

انکی خدمات کے صلہ میں میسور کی رانیوں نے اپنے حسب وعدہ چاہا کہ ترمل راؤ کو دیوان بنایا جائے اسی امید پر ترمل راؤ مدراس سے نکلکر سرنگا پٹم پہونچا لیکن جنرل ہارس نے اس کو اپنے کمپ میں ٹھہرا لیا ایسٹ انڈیا کمپنی کو اب ان بھائیوں کی خدمات کی ضرورت نہیں تھی لارڈ ولزلی جو ایک ماہر سیاست داں تھا جان چکا تھا کہ یہ دونوں بھائی سازشی ہیں اس نے جنرل ہارس کو لکھا کہ ترمل راؤ کو فوراً مدراس بھیجدیا جائے یہ حکم جب ترمل راؤ کو سنایا گیا تو وہ حیران رہ گیا اس نے درخواست کی کہ کم از کم ایک بار تو اس کو رانیو سے ملاقات کرنے کا موقع دیا جائے لیکن جنرل ہارس نے اس درخواست کو منظور نہیں کیا ترمل راؤ کو

مدراس واپس بھیجدیا گیا یہاں دونوں بھائیوں کے گذارہ کیلئے پنشن دیکر انہیں مدراس ہی میں مقیم رہنے کا حکم دیا گیا نارائن راؤ کا انتقال ۱۸۱۰ء میں ہوا اور نرمل راؤ ۱۸۱۵ء میں مرگیا۔

میر قمر الدین

اس غدار کو جس کی غداری کا حال اگلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے، اس کی غداری کے صلہ میں گرم کنڈہ کی جاگیر دی گئی جس کی آرزو اس کو اور میر معین الدین کو تھی میر معین الدین کے مرجانے سے اب صرف ایک یہی دعویدار تھا اس نے یہ جاگیر انگریزدل سے سمجھوتہ کر کے پہلے ہی لکھوالی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس نے انگریزی فوج کو جو کورگ کے راستہ سے بڑھ رہی تھی سرنگا پٹم پر آجانے دیا مورخ کرمانی لکھتا ہے۔

"سلطان کی شہادت کے بعد اس نے گرم کنڈہ کی جاگیر کی خوشی میں شادیانے بجاتے ہوئے سرنگاپٹم سے نکلا اور وہاں مرض مہلک (جذام) میں مبتلا ہو کر بعد آہ و حسرت مرگیا۔"

(نوٹ) گرم کنڈہ ضلع چتوڑ میں ایک اونچی پہاڑی پر واقع ہے قلعہ اس وقت بالکل شکستہ حالت میں ہے پہاڑی سے نیچے جانب مغرب عین مقابل نواب میر رضا علی خاں کا مزار ایک بہت بڑے دو منزلہ گنبد میں ہے طرز تعمیر بالکل سادہ ہے مزار اوپر کے حصہ میں ہے اور نیچے کے حصہ میں چند اور مزارات ہیں اور اسی گنبد کا کچھ حصہ موجودہ وقت میں رہائش گاہ بنالیا گیا ہے گنبد کے پیچھے ایک چھوٹی مسجد ہے جسکے دروازے نہیں ہیں مسجد بالکل ویران پڑی ہے گنبد پر توپ کے گولوں کے ایک دو نشان ہیں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جب قمر الدین یہاں آکر اقامت گزین ہوا تو کڈپہ کے افغان گرم کنڈہ پر حملہ کر کے قلعہ پر قابض ہوگئے انہوں نے مقبرہ پر بھی گولہ باری کی پہاڑی کے داہنی بازو میر قمر الدین کا محل تھا جو رنگ محل کہلاتا تھا اب کھنڈر ہوگیا ہے اور اسکے کچھ حصہ میں اب مسافر خانہ تعمیر ہوا ہے گاؤں مقبرہ سے تھوڑی دور پر واقع ہے اور

اس میں سوائے چند جھونپڑیوں کے اور کچھ نہیں گرم کنڈہ کی جاگیر دو لاکھ روپیہ سالانہ کی تھی۔
مقامی طور پر کبھی یہی روایت مشہور ہے کہ میر قمر الدین شادیانے بجاتے ہوئے سرنگاپٹم سے رخصت ہوا معلوم نہیں کہ یہ غدار اپنے دل میں اسوقت کیا سمجھا ہو لیکن انگریزوں کا اسکے متعلق جو خیال تھا وہ اس خط سے ظاہر ہے جو لارڈ ولزلی نے جنرل ہارس کو لکھا تھا
"میں آپ کی خدمت میں نظام الدولہ (میر نظام علی خاں) کا خط جو میر عالم کے نام ہے روانہ کرتا ہوں مجھے اعتماد ہے کہ آپ اسکے وسیلہ سے نواب میر قمر الدین کی رضا جوئی میں اچھی طرح سرگرم ہو سکتے ہیں چونکہ اس کی عزت آبرو وہاں کے لوگوں میں ہے۔
اسکے ذریعہ سے وہاں کے لوگوں کو ہماری طرف ملا لینے میں بے حد مفید ہوگا مگر آپ اسکو بہت ہی جلد اس پر آمادہ کرو کہ وہ گرم کنڈہ چلا جائے"
میر قمر الدین گرم کنڈہ پہنچا کڑپہ کے پٹھان اسکی اس غداری کی وجہ سے سخت برافروختہ تھے انھوں نے گرم کنڈہ پر چڑھائی کی اور قلعہ و محل پر قبضہ کر لیا اور جو کچھ ملا لوٹ لیکر چلا گئے اس کے بعد ہی میر قمر الدین مرض جذام میں مبتلا ہو گیا کہا جاتا ہے کہ اسکی حالت سخت ناگفتہ بہ تھی اسی حالت زار میں اسکا خاتمہ ہو گیا اور یہ حیرت سے دیکھا جائیگا کہ حیدرآباد کے میر عالم کا بھی اسی مرض میں انتقال ہوتا ہے۔
سوانح میر عالم کے مصنف مولوی سراج الدین صاحب طالب حیدرآبادی اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۲ پر لکھتے ہیں:۔
"میر عالم دیوان ہونے سے بیشتر فساد خون کے مرض میں مبتلا تھے جسکا ذکر صاحب تحفۃ العالم نے بھی کیا ہے یہ مرض کہنہ ہو کر جذام کی شکل پکڑا اب جب یہ دیوان ہو چکے تو ان کے اس مرض میں اور ترقی ہو گئی۔ اقسام کے علاج کئے حتی کہ ناگ سانپ تک ڈسوائے

اور مرض کے زہر سے ڈسنے والے سانپ مر مر گئے لیکن ان کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوا بہر حال میر عالم نے علاج میں کسی طرح کی کمی نہیں کی لیکن دوا سے انکے مرض میں تخفیف نہیں ہوئی آخر وقت موعود آپہونچا۔"

پھر یہی مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۹ پر لکھا ہے۔

"حیدر آباد میں اس مرض (جذام) کا نام عام طور پر "میر عالم کا آزار" مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ اسکی وجہ تسمیہ یہی ہو کہ میر عالم اس میں مبتلا تھے اور انہیں کے نام سے یہ مرض منسوب ہو کر اس صرف سے مشہور ہو گیا۔"

کتاب الاعراس میں جن غداروں کے نام دئے گئے ہیں ان میں سوائے میر معین الدین اور میر صادق کی قبر کے دوسرے غداروں کی قبر کا کوئی نشان نہیں ہے اور نہ ان غداروں کے متعلق کچھ حالات معلوم ہوئے ہیں اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عام مسلمان جو اس غداری سے بالکل برافروختہ ہو چکے تھے ان غداروں کا خاتمہ کر دئے ہوں یا یہ بھی ممکن ہے کہ سلطان کی شہادت کے بعد شہر میں جو قتل و غارتگری کا ہنگامہ رہا اس ہنگامہ میں یہ قتل ہو گئے ہوں اور عام مقتولین جنگ کی لاشوں کے ساتھ انہیں بھی اندرونی خندق کے سپرد کر دیا گیا ہو۔

میر معین الدین

اسکی غداری کے وجوہات اگلے صفحات میں لکھی جا چکی ہیں یہ میر قمر الدین کا رشتہ دار بھی تھا ۴ مئی کے دن یہ شدید طور پر زخمی ہو کر فصیل قلعہ پر پڑا ہوا پایا گیا اور جب انگریزی افسروں نے اس کو اٹھایا تو اس نے میجر ڈالس کے پیر پکڑ لئے تھے ان افسروں نے پالکی منگوا کر اس کو اس کے مکان پر بھجوا دیا اسکے بعد میجر آلن لکھتا ہے:۔

"دوسرے دن یعنی ۵ مئی ۱۷۹۹ء کی صبح میں پالکی میں سوار ہوکر میں قلعدار اور معین الدین کے بھائی کے ساتھ اس جگہ پہنچا جہاں کل شام کو میر معین الدین کی لاش پڑی ہوئی تھی اس وقت لاش اس جگہ نہیں تھی لیکن اس کی ایک جوتی قریب ہی پڑی تھی جس کو اٹھاکر اس کے بھائی نے چھاتی سے لگاکر رونا شروع کیا اسکے بعد ہم میر معین الدین کے مکان پر گئے گھر شب میں لوٹ لیا گیا تھا یہاں تک کہ لوٹنے والوں نے عورتوں اور بچوں سے بھی نہایت سختی کا سلوک کیا تھا مجھے اطلاع ملی کہ سید صاحب کی لاش ہمسایہ کے گھر میں رکھی ہوئی ہے۔ وہاں جب ہم پہنچے تو لاش کے قریب ایک ۸ سالہ لڑکا جو معین الدین کا بیٹا تھا اور دوسرے چند رشتہ دار بھی بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ لاش کو تھوڑی دیر بعد اٹھایا گیا اور ایک خاص تیار کردہ قبر جو پہلے سے بنی ہوئی تھی اُس میں دفن کر دیا گیا"

نوٹ:۔ یہ قبر اسکاٹ باغ کے احاطہ میں ہے قبر کے تعویز کو سبز رنگ سے رنگا گیا ہے کہ معلوم ہو کہ یہ سید کی قبر ہے۔ اطراف ایک مختصر سی چاردیواری اور سائبان ہے سائبان کی عمارت معمولی اور شکستہ ہے قبر کو توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کر دیا گیا کہ یہ کسی پیر کی قبر ہے یہ قبر معین الدین کی ہونے کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ یہ اسی جگہ واقع ہے جہاں اس کی کوٹھی تھی۔ میجر آلن کی تحریر بھی اس کا ثبوت دیتی ہے۔

میر صادق بہ حیثیت وزیر اعظم ہونیکے سلطنت خداداد کی تباہی کی پوری پوری ذمہ داری اس غدار پر آتی ہے پہلے تو اس نے سلطان تک صحیح خبریں پہنچنے نہیں دیتا تھا اور اخیر میں ہم دیکھا دن جب سلطان ڈوڈی دروازہ سے باہر نکلا تو اس نے دروازہ بند کر دیا کہ سلطان واپس نہ آسکے۔ اور فصیل قلعہ پر سلطان کی موجودگی کی اطلاع انگریزی فوج کو اسی غدار نے دی

صاحب نشان حیدری لکھتے ہیں۔

"میر صادق نمک حرام نے سلطان کو مورچہ کی طرف جاتے ہوئے دیکھکر ڈیوڑھی دروازے کو جو سلطان کی واپسی کا راستہ تھا بند کردیا اور خود گنجام کا راستہ لیا کہ قلعہ کے باہر اپنی کوٹھی میں جاکر رہے۔ (محمود) جب قلعہ کے مشرقی دروازے پر پہنچا تو سلطان کے ایک جاں نثار سپاہی نے جو اس کی نمک حرامی سے واقف ہوچکا تھا اس کو گھوڑے سے کھینچ کر تلوار کے ایک ہی ہاتھ سے اس کا کام تمام کردیا اس واقع کے چار دن بعد اسکی لاش بے کفن اسی جگہ گاڑ دیگئی آج بھی لوگ آتے جاتے اُدھر اس قبر پر تھوکتے اور پیشاب کرتے ہوے اسکو لعنت سے یاد کرتے ہیں" نوٹ:- اس سپاہی کا نام جسنے میر صادق کو قتل کیا احمد خاں ہے اور وہ کڑپہ کا باشندہ تھا

عام طور پر بھی یہی مشہور ہے کہ میر صادق کی لاش اسی جگہ دفن کردیگئی جہاں وہ قتل ہوا تھا اور آج بھی لوگ قلعہ کے دوسرے مشرقی دروازے کے قریب مٹی کے ایک ڈھیر پر تھوکتے اور جوتیاں مارتے اور پیشاب کرتے ہیں معلوم نہیں کہ اس غدار کے اسی جگہ دفن ہونے کی یہ روایت کس طرح مشہور ہوگئی میرا تو یہ خیال ہے کہ جس طرح میر معین الدین کی قبر کو توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کردیا گیا کہ وہ پیر کی قبر ہے۔ اسی طرح اس غدار کی قبر کو بھی توہین سے بچانے کیلئے یہ مشہور کردیا گیا کہ وہ جس جگہ قتل ہوا اسی جگہ دفن بھی کیا گیا۔ لیکن کوئی مصدقہ روایت نہیں ملتی کہ اس کو کن لوگوں نے دفن کیا سرنگاپٹم کے مسلمان تو اس قدر برافروختہ تھے کہ وہ اس لاش کو دفن نہیں کئے ہونگے جہانتک تحقیق سے پتہ لگا ہے وہ یہ ہے میر صادق کی لاش کو انگریزوں نے اٹھا کر قلعہ کے شمال مشرقی برج سے تھوڑے فاصلہ پر دفن کردیا اور چونکہ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ مسلمانوں میں لاش شمالاً جنوباً دفن ہوتی ہے اسلئے ہوا یہ کہ اسکی قبر آج بھی غرباً شرقاً بنی ہے (اسکی مصنوعی قبر بھی شرقاً قائم ہے

سرنگاپٹم کے بہت بڑے بوڑھے لوگ جو اس راز سے واقف ہیں خود مصنف کو اس غدار کی یہ قبر لیجا کر بتلائے کہا جاتا ہے کہ ایک عرصہ تک قبر نمایاں نظر آتی تھی لیکن اب وہاں ایک غار پڑ گیا جس کا رخ بھی تسرنگا غربلہ ہے اور صد ہزار عبرت کا موقع دیکھنے والے پر اس ویران سنسان میں ایک خوف اور دہشت طاری ہو جاتی ہے۔

رہا اس کی فرضی یا اصلی قبر پر لعنت کا بھیجا جانا وہ دراصل اس مٹی کے ڈھیر پر نہیں بلکہ اس غدار ملک و ملت کی روح پر ہے میر صادق اور دوسرے غداروں کی آخیر گھڑیاں چاہے کرب و بلا میں گذری ہوں یا ہنسی خوشی ہیں وہ خدا ہی خوب جانتا ہے مگر مکافات عمل اس دنیا میں نہیں تو ضرور اس دنیا میں ملتے ہیں۔

علامہ اقبال اسکا کچھ نقشہ اپنے عالم خیال جاوید نامہ میں کھینچتے ہیں جنکا اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے بنگالہ میں جن غداروں نے سراج الدولہ سے غداری کی ان میں سب سے ممتاز میر جعفر ہے اور ٹیپو سلطان سے جنھوں نے غداری کی ان میں میر صادق سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اس لئے علامہ اقبال نے ان دو کو ہی منتخب کیا ہے۔

دوزخ کے اس طبقہ کی تصویر کھینچتے ہوئے جہاں ارواح بے یوم النشور رکھے گئے ہیں میر صادق و میر جعفر کی ارواح رذیلہ کو اس طرح دکھایا گیا ہے:-

منزل ارواح بے یوم النشور	دوزخ از احراق شاں آمد نفور
اندرون او دو طاغوت کہن	روح قومے کشتہ از بہر دو تن
جعفر از بنگال و صادق از دکن	ننگ آدم ننگ دیں ننگ وطن
ناقبول و نا امید و نا مراد	ملتے از کار شاں اندر فساد
ملتے کو بند ہر ملت کشاد	ملک و دیں ملتش از مقام خود فتاد

می ندانی خطۂ ہندوستاں — آں عزیز خاطر صاحبدلاں
خطۂ ہر جلوہ اش گیتی فروز — درمیاں خاک و خوں غلطد ہنوز
در گلش تخم غلامی را کہ کشت — ایں ہمہ کردار آں ارواح زشت

در فضائے نیلگوں یکدم بایست
تا مکافات عمل بینی کہ چیست

روح ہندوستاں ظاہر ہو کر نالہ و فریاد کرتی ہوئی کہتی ہے (اس نظم میں موجودہ زمانہ کے غداروں کی طرف بھی اشارہ ہے۔) :-

کے شب ہندوستاں آید بروز — مرد جعفر زندہ روح او ہنوز
ملتے را ہر کجا غارت گرے است — اصل او از صادقے یا جعفرے است
الاماں از روح جعفر الاماں — الاماں از جعفران ایں زماں

اس فریاد کو سنکر قلزمِ خونیں جوش میں آتا ہے اور دوزخ بھی ان نامرادوں کو قبول نہیں کرتی ہے۔

گفت دوزخ را خس و خاشاک بہ — شعلۂ من زیں دو کافر پاک بہ

جب دوزخ بھی ان ارواح رذیلہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے تو غدار اس طرح فریاد کرتے ہیں

اے ہوائے تند اے دریائے خوں — اے زمیں اے آسمانِ نیلگوں
اے نجوم اے ماہتاب اے آفتاب — اے قلم اے لوح محفوظ اے کتاب
اے بتانِ ابیض اے مردانِ عرب — اے جہانے در بغل بے حرب و ضرب

غداروں کی اس فریاد کا جواب اس طرح ملتا ہے :-

ایں جہاں بے ابتدا بے انتہاست — بندہ غدار را مولا کجاست

سلطنت کو ختم ہوئے ابھی سوا سو سال کا عرصہ گذرا ہے اس لئے تاریخ
سلطنت خداداد کا پہلا ایڈیشن شائع ہونے کے بعد اکثر احباب نے مصنف سے
دریافت کیا ہے کہ سلطان کے خاندان سے کوئی میسور و جنوبی ہند میں باقی ہیں یا نہیں
اور غداران وطن کے خاندان کہاں کہاں آباد ہیں جہاں تک ہمیں معلوم ہے سلطان کے
خاندان سے کوئی فرد بھی جنوبی ہند میں باقی نہیں ہے ان تمام لوگوں کو جنہیں خاندان
سلطانی سے کچھ دور کا بھی رشتہ تھا کلکتہ کو بھیج دیا گیا میر قمر الدین ہو یا میر معین الدین
انہیں خاندان سلطانی سے کچھ بھی تعلق نہیں میر قمر الدین سلطان کے سوتیلے ماموں کا
فرزند تھا میر معین الدین کی دختر سے سلطان نے ۱۷۹۵ء میں نکاح کیا تھا ڈیڑھ سال کے
بعد بیگم اور نوزائیدہ بچہ دونوں انتقال کر گئے اور یہ رشتہ میر معین الدین اور سلطان کا ختم ہو چکا
یہ مجھے خود سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ غداروں کے خاندانوں کے حالات دریافت کرتے ہیں
جن لوگوں نے غداری کی وہ آج اس دنیا میں نہیں ہیں بے شک ان کے خاندان ملک
میں باقی ہیں لیکن ان پر کیا الزام دھرا جا سکتا ہے باپ کا الزام بیٹے پر یا بیٹے کا الزام
باپ پر اور بھائی کا الزام بھائی پر آ نہیں سکتا ہر انسان جو کچھ کرتا ہے اس کے لئے وہ
خود خدا کے آگے جواب دہ ہوتا ہے دوسرے جوابدہ نہیں ہو سکتے مذہب بھی یہی
سکھلاتا ہے اور ضمیر بھی یہی کہتا ہے۔

ضمیمہ

سرنگاپٹم

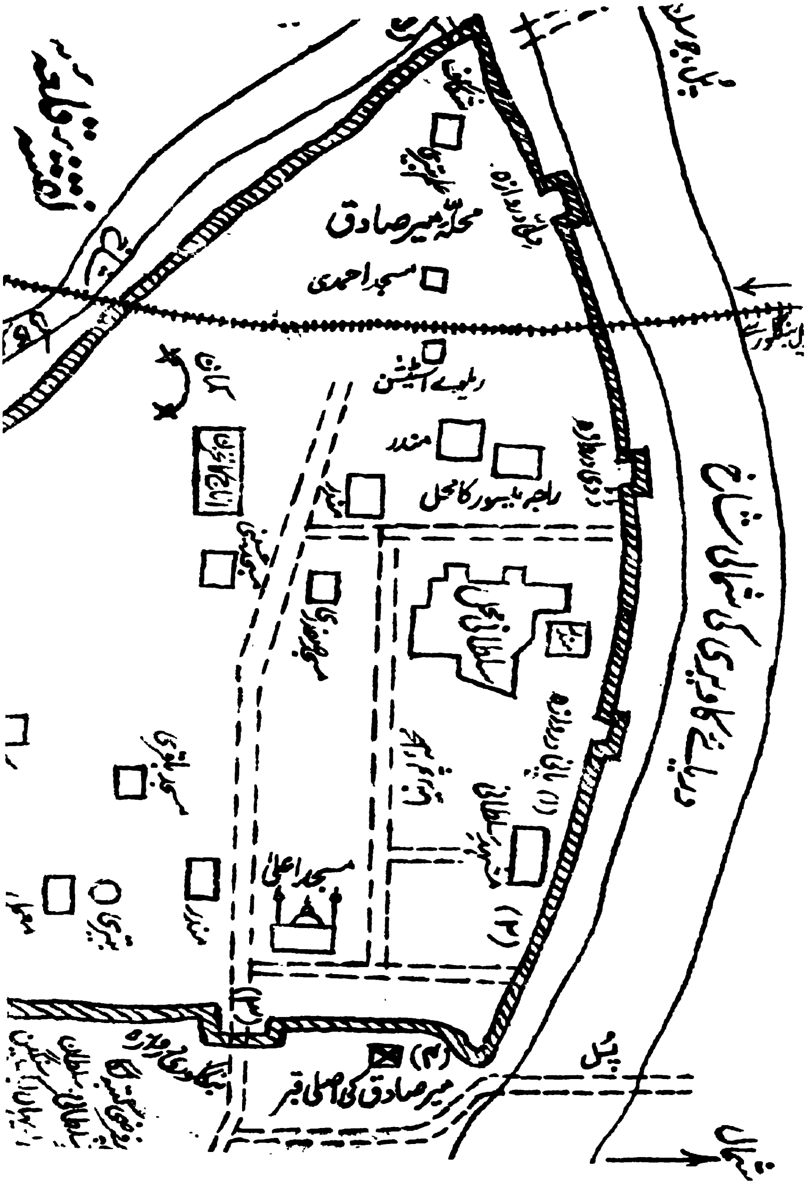
سلطان کی زندگی کے ساتھ ساتھ ہی یہ مناسب ہو گا کہ ہم اسکے دارالسلطنت سرنگاپٹم کے حالات بھی لکھدیں اور بتائیں کہ اس زمانہ میں جب یہ شہر پایۂ تخت تھا کس حالت میں تھا اور اب کس حالت میں ہے۔

سلطان کے ملک اور اسکے پایۂ تخت کے متعلق ملا فیروز اپنے جارج نامہ میں لکھتے ہیں:۔

همایوں کشورے خرم زمینے | طرب زا مرز بومے دل نشینے
وطن گاہے نشاط و خرمی را | طرب گاہے پری و آدمی را
صفائی آب شیرینش روان بخش | ریاحِ بادِ مسکینش توان بخش
مزاجش زاعتدال استوائی | بعنبر بیزی و گوہر فزائی
ہوائش را نشاط زعفران زار | نسیمش را شمیم زلف دلدار
ندیدہ کس چنیں آب و ہوائے | بدیں خوبی ہمہ نا نیست جائے
زباں زو صف آں فرخندہ کشور | بود لال و کند خامہ نگوں سر

دکن زیں او شدہ دار الخلافت
مصئوں باد از ہر آسیب و آفت

سرکار خداداد کا پایۂ تخت جس کا نام سلطان نے ظفر آباد رکھا تھا میسور کے جنوبی حصہ میں دریائے کاویری کا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جسکی کل لنبان چار میل سے زیادہ نہیں اور چوڑائی ایک میل سے کچھ زیادہ ہے اس جزیرہ میں نویں صدی



محلہ میر صادق
مسجد احمدی
ریلوے اسٹیشن
مندر
راجہ میسور کا محل
مسجد اعلیٰ
میر صادق کی اصلی قبر
پل
دریائے کاویری کی شمالی شاخ
شمال

علیسوی میں رنگا کا مندر تعمیر ہوا اور شہر کی بنیاد پڑی ۱۴۵۴ء میں راجہ تمنا نے بہ اجازت دربار وجیانگر یہاں قلعہ بنوایا ۱۶۱۰ء میں راجہ وڈیر جو موجودہ حکمران خاندان میسور کے اجداد میں ہے اس جزیرہ کو اپنا پایۂ تخت قرار دیا اس زمانہ سے لیکر ۱۷۹۹ء تک یہ میسور کا پایۂ تخت رہا ۱۷۶۱ء میں نواب حیدر علی برسراقتدار آئے اس وقت سے لیکر زوال سلطنت خداداد یعنے چالیس سال تک اس کو جو عروج حاصل ہوا وہ تاریخ عالم میں یادگار ہے قدیم قلعہ کو ڈھا کر حیدر علی نے نیا قلعہ تعمیر کروایا جس کے بعد ٹیپو سلطان نے متعدد تبدیلیاں کیں اور قلعہ کے اندر دہری فصیل اور خندق بنوائی جس کو انگریزوں نے ڈھا کر خندق کو بھر دیا ۱۷۹۲ء میں سرنگا پٹم کی جو حالت تھی اس کے متعلق میجر ڈیرام جو لارڈ کارنوالس کا اسٹاف افسر تھا لکھتا ہے

اس وقت قلعہ سے لیکر لال باغ تک آبادی ہی آبادی ہے اس کا مشرقی حصہ گنجام کہلاتا ہے جو ایک کچی مٹی کی دیوار سے گھرا ہوا ہے اسکے اندر جو شہر ہے وہ برابر برابر مربعوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور ہر مربع کے چار طرف وسیع و فراخ اور خوشنما سڑکیں ہیں جن کے دونوں بازو پر سایہ دار درخت لگے ہوئے ہیں اس میں وہ تاجر رہتے ہیں جو فوجی اور شہری ضروریات کیلئے ہر قسم کی اشیا فروخت کرتے ہیں گنجام کے مشرقی جانب وہ مشہور باغ جو لال باغ کے نام سے موسوم ہے باغ نہایت خوش وضع ہے انواع و اقسام کے میوہ دار درخت لگے ہوئے ہیں روشوں کے دونوں طرف بلند و خوبصورت شمشاد کے درخت اپنا سایہ ڈال رہے ہیں شہر کے مغربی جانب قلعہ کی سفید دیواریں ہیں جنکے اوپر سے قدیم مندروں کی اونچی چوٹیاں اور مسجدوں کے اونچے مینار نظر آتے ہیں

نہیں دیکھتے ہوئے لال باغ پر جو بعد بلکہ خوشنمائی کا ایک دلفریب منظر ہے نظر کیجائے اور ان کے ساتھ قلعہ اور اس لال باغ کے درمیانی حصہ کی گنجان آبادی کے مکانات کو بھی دیکھا جائے تو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کا یہ خرد میں البلاد اس زمانہ میں سب سے زیادہ متمول، سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ سکون بخش خطہ زمین ہے۔

ایک اور انگریزی مورخ جو ۱۸۰۴ء میں سلطان کی شہادت کے پانچ سال بعد آیا تھا لکھتا ہے :-

اس وقت شہر کی آبادی انتہائی تین لاکھ کے قریب ہے۔

سرنگاپٹم کا قلعہ جزیرہ کے مغربی حصہ میں ہے۔ دریائے کاویری کی شمالی شاخ فصیل قلعہ سے لگی ہوئی بطور خندق چلی جاتی ہے اور جنوبی شاخ بھی دور تک فصیل قلعہ سے لگی ہوئی ہے۔

جزیرہ سرنگاپٹم میں داخل ہونے کیلئے دریائے کاویری پر دو پل ہیں ایک شمال میں اور ایک جنوب میں شمالی مغربی جہت میں سلطان شہید نے دہلی دروازے کے مقابل ایک پل کی بنیاد رکھی جو اب بھی دیکھی جا سکتی ہے اور قلعہ کے اندر داخل ہونے کے متعدد دروازے ہیں جن میں مشرق کی طرف بنگلور دروازہ ہے جنوب کی طرف دو دروازے ہیں ایک میسوری دروازہ اور دوسرا ہاتھی دروازہ شمال کی طرف پانی کا دروازہ ہے اور شمال مغربی جہت میں دلی دروازہ ہے۔

میسوری دروازہ پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

چو شہ ایں قلعہ را بنیاد فرمود	زہے جد سال ماہ خسروی بود

ہزار و دو صد و بر عشرہ نہ ہم — شمار سال احمد بد مولود
بتاریخ نہم روز شنبہ — بعین ساعت برجلیس مسعود
طلوع قوس بود ہم میزان — شفق برزہرہ برجلیس افروز
عطارد و آفتاب راس ہر سہ — ببرج سنبلہ بودند محمود
بجدی ماہ بعقرب بود مریخ — زنب در حوت کیواں در حمل بود
ثمر اس وقت رابیست پیدا — کہ قلعہ از ہمہ اسباب بہ بود
بماند قایم محفوظ از آفات
بفضل رحمت خلاق معبود،،

شہر میں آب رسانی کیلئے دریائے کاویری سے نہر کاٹ کر لائی گئی تھی اور اس سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالی گئی تھیں قلعہ کے اندر بھی پانی زمین دوز نہروں کے ذریعہ لایا گیا تھا جو اب بھی بعض جگہ نظر آتی ہیں مسجد اعلیٰ کے حوض اور سلطانی محل کیلئے پانی دریائے کاویری سے اس طرح لیا جاتا تھا کہ قلعہ میں شمال مغربی کونے میں پانی اچھال کر ایک حوض میں بھر دیا جاتا جہاں سے وہ پختہ نالیوں کے ذریعہ حوض میں آجاتا تھا جس کے آثار اب بھی موجود ہیں۔

موجودہ حالت

موجودہ وقت میں یہاں کیا ہے آہ! سرنگاپٹم جو سلطنت خداداد کا پائے تخت تھا ایک معمولی قصبہ بن کر رہ گیا ہے یہ وہ شہر تھا کہ اگر سلطنت کو مہلت دی جاتی اور سلطان کی ایک دو نسلیں یہاں تخت نشین ہوئیں تو دلّی، کابل اور قاہرہ کو شرمندہ کرتا

سلطان کی اولوالعزمی کو دیکھتے ہوئے سرنگا پٹم کا نام آج بغداد غرناطہ سے پہلے آتا مگر قدرت کو یہی منظور تھا جو ہوا جس طرح گلشن میں کئی کلیاں ناشگفتہ مرجھا جاتی ہیں اور جس طرح چھوٹے بچے اوائل عمری میں داغ مفارقت دے جاتے ہیں اسی طرح بعض شہر اور قصبے بھی اپنی ابتدائی منازل تمدن ہی میں برباد ہو کر رہ جاتے ہیں سرنگا پٹم بھی اسی طرح برباد ہو کر رہ گیا۔

آج مندروں کے علاوہ مسجد اعلیٰ دریا دولت باغ، مقبرہ اور مسجد اقصیٰ موجود ہیں باقی سب ھو کا عالم ہے قلعہ کے اندر پٹن میں تھوڑی سی آبادی ہے اور گنجام دن بدن ویران ہوتا جا رہا ہے آہ یہ وہ شہر ہے جہاں بیٹھ کر سلطان داد سلطنت دیتا تھا جس کے چپہ چپہ پر آبادی اور مکانات تھے جس کے قلعہ پر سلطانی علم اپنے پورے جبروت اور عظمت کے ساتھ کبھی اڑتا تھا آج یہ ویران کھنڈر ہے سلطانی محلات کو ڈھا دیا گیا ہے صرف ایک چھوٹی سی شکستہ دیوار کتبہ کیلئے چھوڑ دی گئی ہے جس پر لکھا ہوا ہے

یہاں سلطان کا محل تھا

آہ!

اجڑے محلوں سے جو آتی ہے صدائے بازگشت
طرفہ افسانہ سناتی ہے صدائے بازگشت

پہلے کچھ احکام سلطانی سناتی ہے مجھے
قصۂ شان جہاں بانی سناتی ہے مجھے

پھر سناتی ہے محافل کی طرب انگیزیاں
شوخیٔ حسن ملاحت آرا کی نشتر ریزیاں

کالی کالی وہ گھٹائیں اور وہ برسات میں
ناز سے گانا وہ رقاصوں کا بھیگی رات میں

عاشقوں نے گفتگو سرمستیٔ جذبات میں
کی تھی جو آہستہ تنہائی میں بھیگی رات میں

ذرہ ذرہ ہر مکاں کے نطق کی تفسیر ہے
زینت تزئین ہر مکاں کے جوہر تقریر سے

سنگریزے کام کرتے ہیں زبانوں کے یہاں
ہو رہا ہے ہر طرف ایام پیشیں کا بیاں

ہر قدم پر پاؤں کے نیچے جب آتی ہے زمیں
داستانِ حالتِ ماضی سناتی ہے زمیں

اس جگہ کچھ عیش اور عشرت کے ساماں دفن ہیں
اس جگہ پر کچھ مرادیں اور ارماں دفن ہیں

اس جگہ پر ہے مزار شوکت و شانِ غرور
اس جگہ مدفون ہیں اسبابِ امکانِ غرور

آرزوئے حد شہرت کی یہاں پر قبر ہے
جستجوئے لطفِ جنت کی یہاں پر قبر ہے

دلربائی اور دل آزاری کی حد ہے اس جگہ
عاشقی اور ناز برداری کی حد ہے اس جگہ

نالۂ شبگیر زاہد اس جگہ پر ختم ہے
حسن عالمگیر شاہد اس جگہ پر ختم ہے

شیخ بدکردار کی حد اس جگہ پر ہو گئی
حسن بدکردار کی حد اس جگہ پر ہو گئی

اس جگہ ہے بے کسی اور نامرادی سو رہی
قبر ہے یا شوخی چشم فسوں پرواز کی

سو گئے ہیں کچھ جواہر غیر سفتہ اس جگہ
دفن ہیں کچھ غنچہ ہائے ناشگفتہ اس جگہ

قید ہیں کچھ جنون فتنہ ساماں کی یہاں
چاک دامن کی یہاں چاک گریباں کی یہاں

ساقی توبہ شکن ہے اس جگہ آرام میں
شاہد نازک بدن ہے اس جگہ آرام میں

ہیں غرض یہ بستیاں تاریخ صفحات قدیم
ان کو ویرانہ نہ سمجھو ہیں یہاں روحیں مقیم

سلطانی محل

سری رنگا سامی کے عظیم الشان قدیم مندر کے تھوڑے فاصلہ پر سلطانی محل تھا یہ محل ایک خوبصورت عالیشان چھوٹی عمارت تھی مگر نہایت سادہ وسط میں ایک کشادہ اور وسیع کمرہ تھا جس میں سلطان کی رہائش تھی اس کمرہ کے اندر چاروں طرف ایک

سنہری کارنس سی بنی ہوئی تھی اور اس پر ایک فٹ چوڑے اور لمبے عربی الفاظ میں قرآنی آیات لکھی ہوئی تھیں اور ان پر سونے کا پانی یا پتر ے تھے سلطان کو جو شغف اور محبت قرآن پاک سے تھی وہ قرون اولیٰ کے بعد شاید ہی کسی مسلمان کو نصیب ہوئی ہوگی اس محل مشرق طرف مسجد اعلیٰ تک اور بھی چھوٹے چھوٹے محلات تھے جن میں سلطان کے شہزادے اور دوسرے عزیز و اقارب رہتے تھے

محل کے عین مقابل مغرب میں تو سری رنگا سامی کا مندر اور میسور کے راجہ کا محل ہے جنوب میں بھی محل سے لگا ہوا ایک اور مندر ہے اور اسی طرح شمال مشرق پہلو پر ایک اور قدیم مندر ہے

سلطانی محل کے انہدام کے بعد اسکی بہت سی چیزیں فروخت کردی گئیں جنمیں سنگ سیاہ کے ستون بنگلور کی جامع مسجد میں لگے ہوئے ہیں اور باقی سامان نیلگری کے ایک کلیسا کی تعمیر میں استعمال ہوا خدا کی قدرت کہ اس سلطان دین پناہ کے محل کا سامان بھی عبادت گاہوں کیلئے ہی کام آیا محل سے لگا ہوا جنوب کی طرف توشک خانہ تھا توشک خانہ کے ایک حصہ میں پہلے صندل کوٹھی تھی اور اب میونسپل آفس۔ اور اس سے تھوڑی دور پر غلہ جمع کرنے کا مخزن تھا۔

سیاح بچانن لکھتا ہے:۔

"سلطان کا محل ایک عالیشان سنگین عمارت ہے گو باہر سے یہ بالکل حقیر معلوم ہوتی ہے۔ مگر اندر نہایت خوشنما ہے سلطان جس حصہ میں رہتا تھا وہ محل کے ایک جانب ہے اور باقی تین جانب گودام ہیں زنانہ میں جانے کے راستہ میں شیر بندھے ہوئے تھے۔"

مسجد اعلیٰ

سلطانی محلات کے ویرانوں سے لگی ہوئی بنگلور دروازے کے قریب یہ عالیشان بلند عمارت واقع ہے جس کے سر بفلک مینار آج بھی شکوہ سلطانی کو ظاہر کر رہے ہیں یہ وہ مسجد ہے جس کے در و دیوار پر شہیدان وطن کے پاک خون کے چھینٹے پڑے ہوئے ہیں کہا جاتا ہے کہ تسخیر قلعہ کیوقت چار ہزار ہندو اور مسلمان یہاں جمع تھے جو مدافعت وطن تحفظ آزادی اور اپنے سلطان کے نام پر نثار ہو گئے)

عمارت مسجد کے دو حصے ہیں اوپر کے حصہ میں مسجد ہے مسجد میں جانے کیلئے دونوں طرف پختہ سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں میناروں میں بھی اوپر جانے کیلئے سیڑھیاں ہیں جہاں پہنچکر دور دور کا نظارہ کیا جا سکتا ہے سلطان کی پنجوقتہ نماز اسی مسجد میں ادا ہوتی تھی۔

سلطان مسجد اعلیٰ میں عام رستے سے داخل نہیں ہوتا تھا۔ اس خیال سے مبادا میری آمد پر نمازیوں کو مسجد میں میرے ادب و احترام کا احساس سکون قلب اور الی المعبود سے محروم کر دے مسجد کے بڑے کمرے میں شمالی جانب ایک چھوٹا دروازہ تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے یہ دروازہ سلطان کے محل سے نکلکر مسجد میں داخل ہونے ہونیکا تھا نمازیوں کے سکون کو مسجد میں بے خلل رکھنے کا سلطان کو اتنا خیال تھا کہ اس دروازے سے داخل ہو کر اپنی جگہ پر فی الفور مشغول عبادت ہو جاتا اور کسی ایک نمازی کے دل میں کبھی وسوسہ نہ گذرتا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سلطان انسانی طبائع سے کس قدر آشنا تھا اتنا گوارا نہ تھا کہ لوگوں کی اضطراری کیفیت احکام الٰہی

کے منشاء کی تکمیل میں حائل ہوں اخلاق اسلامی کے اعتبار سے عوام کا اس مقام پر کھڑے ہونا بھی بہت دشوار تھا کہ بادشاہ مسجد میں داخل ہو اور خدا کے گھر میں کوئی اسکی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھے مسجد کی دیواروں پر سبزی رنگ چڑھا ہوا تھا محراب کے اوپر کتبہ کندہ ہوا ہے۔

کتبہ

کز حضرت سلیمان اندر زمان ماضی — تعمیر مسجدے کرد ناشش نہاد اقصیٰ
دریں اوان فرخ سلطان دین بنا کرد — آں مسجدے کہ اسمش ملہم گذاشت اعلیٰ
طاق است چوں نہادہ طاقش بحسن خوبی — روحش چوں صبح باشد در پشت وقف دیرا
زردہ نشان زمردہ آں صفہ صفا خیز — محراب دلکش او آئینہ دار لطفی
مانند زر چو جویا گشتم برائے تاریخ
طاعت سرائے ثابت ہاتف نمود القا۔

مسجد کا نام غالباً مسجد اقصیٰ کی رعایت سے مسجد اعلیٰ رکھا گیا اس مسجد کی بنیاد سنہ ۱۲۰۲ھ میں رکھی گئی مسجد اعلیٰ میں جس بات کو دیکھ کر اس زمانہ کے مسلمان کے دل میں بھی اس حرارت کا جذبہ موجزن ہو جاتا ہے جس کے امین قرون اولیٰ کے مسلمان تھے وہ سلطان کے اس مجاہدانہ ایمان کا مظاہرہ ہے یعنی مسجد میں چار کتبے لگے ہوئے ہیں جن میں ایک اسمائے حسنیٰ اور دوسرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننانوے نام ہیں شمالی دیوار پر جو کتبہ ہے وہ احکام جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں ہے

کتبہ

قولہ تعالیٰ وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب
من صیاصیھم وقذف فی قلوبھم الرعب فریقاً تقتلون

وتأسرون فريقاً واورثكم ارضهم وديارهم واموالهم وارضاً لم تطؤها وكان الله على كل شيءٍ قديرا۔

بعد از فرار کفار حکم شد که بحرب بنی قریظه روند که عهد شکسته مددگار بے احزاب نمودند لشکر اسلام ایشان را پانزده شبانروز محاصره کردند کار برایشان تنگ شد و بر حکم سعد ابن معاذ فرود آمدند سعد حکم کرد که مردان ایشان را بکشند و کودکان ایشان را برده گیرند و اموال ایشان را مسلمانان قسمت کنند حضرت رسالت صلی الله علیه وسلم فرمود که اے سعد معاذ حکم کردی که خدائے تعالی بر بالائے هفت آسمان حکم کرده وحق سبحانه ازیں واقعه خبر میدهد و فرود آورد خدائے آنان را که یاری داده اند احزاب را و هم پشت ایشان کشند از اهل توریت یعنی یهود قریظه را فرود آورد از قلعهاے ایشان وافگند در دلهاے ایشان ترس از پیغمبر و لشکر او گروهے را که کشتند سے نه صد تن بکشتند یا هفت صد تن و برده میگیرید گروهی را یعنی فرزندان و زنان ایشان را و میراث داد شما را زمین ایشان یعنی مزارع و حدائق و سرایهائے ایشان یعنی حصون و قلاع و مالهاے ایشان از نقود و امتعه و مواشی و بشما داد زمینی را که نه رفته آن یا مالک آن نبوده مراد خیبر است و یا روم یا ممالک فارس و گفته آید هر زمین که بحوزه اسلام در آید تا قیامت در ایں داخل است و هست خدائے بر همه چیز قادر و توانا ۔

اور جنوبی دیوار پر غزوات پیغمبر کے متعلق احادیث مکتوب ہیں کتبہ ذیل میں دیا جاتا ہے :-

کتبہ

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الناس
تبع القریش فی ھذا الشان مسلمھم تبع لمسلمھم
وکافرھم تبع لکافرھم متفق علیہ۔ روایت است از ابی ہریرہ
کہ تحقیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمود جمیع مردم تابع قریش را در ایں شان مسلمانان
تابع اند مسلمانان قریش را و کافران تابع اند کافران ایشان را متفق علیہ
ونصب علیھم المجانیق کما نصب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وعلی الطائف وحرق نوانہ علیہ الصلوۃ والسلام احرق البویرۃ
قال وارسلوا علیھم الماء وقطعوا اشجارھم وافسدوا زروعھم لان فی ذالک کسر شوکتھم وتفرق جمعھم فیکون مشروعاً
و بابر دارید بر مشرکان منجنیق و در خت چنانکہ بر پا داشتہ بود بر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بر طائف و بسوزید آنہا زیرا کہ علیہ الصلوۃ والسلام بسوخت
بویرۃ را وارسال نمائید بر آں کافران آب را و ببرید درختہا ایشان را و تباہ
سازید کشت و کار ایشان را زیرا کہ تحقیق دراں شکست شوکت آنہا است و
پراگندگی جمعیت ایشان پس در شرع ایں ہمہ امور روا است من احب
اخاہ فلیعلم ایاہ یعنے شخصے کہ دوست دارد برادر مومن خود را پس آگاہ نماید
او را کسے کہ اعانت جنگ کفار بکند در حرب بنفسہ یعنی خود شریک شود
با مال یا با سلحہ جنگ۔ پس اگر معلوم شد از و میل و رغبت بطرف دین کفار
پس او ولد کفار است اگر معلوم نہ شود رغبت پس قید می کردہ شود تعزیر می شود

تمام ہندوستان کی مسجدوں میں پھر جائیے کیا شہنشاہوں کی بنائی ہوئی اور کیا عوام کی، کیا اسلامی عہد کی اور کیا محکومی کے زمانے کی. سوائے "مسجد اعلیٰ" کے آپ کسی میں یہ بات نہ پائیں گے. شاہجہاں کی مسجدوں میں آیہ لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ ملاحظہ کر کے تسکین دل خوش ہوا کرتا ہے کہ اتنی عظیم الشان بناؤں کو تعمیر کرتے وقت شاہجہاں کے دل سے مسجد نبوی کا احترام نہیں گیا. مگر مسجد اعلیٰ کو دیکھ کر شاہجہاں کی مسجدوں کی خصوصیت بھی اتنی اہم نہ رہی۔

مسجد کے صحن میں چند قبریں بنی ہوئی ہیں یہ سلطنت خداداد کے زوال کے بعد کی ہیں۔

دریا دولت باغ

یہ محل سلطان کا ایوان عام ہے جو دریا دولت کے نام سے مشہور ہے دریا دولت دریائے کاویری کے شمالی شاخ سے کوئی دو سو گز کے فاصلہ پر واقع ہے. عدل و انصاف اور سلطنت کے انتظامی امور کا فیصلہ سلطان اسی ایوان میں بیٹھکر فرماتا تھا. عمارت عظیم الشان ہے اور دو منزلہ ہے دوسری منزل کے ایک کشادہ جھروکے میں جس کے نیچے ایک وسیع ہال ہے اس میں سلطان کی نشست گاہ تھی سامنے برآمدہ ہے جس میں اعیان دولت و وزراء کی نشستیں تھیں

دریا دولت کی اندرونی اور بیرونی تمام دیواریں اور ستون اور چاندنی پر تمام طلائی نقش ہیں اسکی دیواروں پر چند نہایت ہی معنی خیز تصاویریں جو فن مصوری کا لاجواب نمونہ ہیں ان میں بعض تو سلطان کے وقت کی ہیں اور بعض آرتھر ولزلی (ڈیوک آف ولنگٹن) کی بنائی ہیں ان میں مغربی دیوار پر جو تصاویریں ان میں ہندوستان کے اس



سرنگاپٹم۔ دریا دولت باغ

وقت کے امراء و وزراء اور انکی طرز معاشرت کو دکھایا گیا ہے ان میں نانا فرنویس پیشوائے پونا محمد علی والاجاہ، نظام الملک، بالیا بو، نواب کرطپہ اور نواب شاہنور وغیرہ کی تصاویر ہیں

مشرقی دیوار پر جو تصاویر ہیں ان میں داہنی جانب دو میں اور بائیں جانب دو داہنی جانب جو دو تصاویر ہیں ان میں اوپر والی تصویر میں تبلایا گیا ہے کہ حیدر آباد کی فوج واپس جارہی ہے ہاتھیوں کی دو قطاریں ہیں جن کی عماریاں خالی ہیں اس سے مقصد یہ ہے کہ نظام الملک کو کچھ ہاتھ نہیں لگا گھوڑے کے نیچے ایک گائے اور سور کی تصویر بنی ہوئی ہے جس سے مقصود شاید دوستی اور دشمنی کا نظارہ دکھانا ہے۔ غالباً یہ تصویر اس وقت کا سماں کھینچ رہی ہے کہ انگریزوں سے نواب حیدر علی کی پہلی جنگ کے بعد حیدر آباد اور حیدر علی میں دوستی ہوئی تھی مگر حیدر آباد پھر حیدر علی کا مخالف بن گیا اس تصویر کے متعلق عام طور پر میسور میں یہی مشہور ہے نیچے کی تصویر میں جنگ پولی لور کا نقشہ اور بیلی کی شکست کا نظارہ تبلایا گیا ہے۔ کرنل بیلی پالکی میں اسیر بیٹھا ہے بازو میں موسیو لالی فرنچ افسر ہے جو نواب حیدر علی کی ملازمت میں تھا اس کے چہرے سے اس کامیابی کی خوشی برس رہی ہے کرنل بیلی اس شکست سے متحیر ہو کر انگشت بدنداں ہے۔

بائیں جانب جو دو تصاویر ہیں ان میں اوپر کی تصویر میں نواب حیدر علی کا شاہانہ جلوس دکھایا گیا ہے اور نیچے کی تصویر میں اس سازش کا پورا پورا حال کھولا گیا ہے جو سلطنت خداداد کی بربادی اور سلطان کی شہادت پر منتہی ہوئی اس تصویر میں یہ بھی دکھایا گیا ہے کہ سلطان گھوڑے پر سوار ہے اور سامنے میر صادق آداب بجا لاتا ہوا منہ پھیر کر انگریزی فوج کو اشارہ کر رہا ہے کہ سلطان یہی ہے اس کو شہید کر دیں اور

سلطان کی پشت کی جانب بھی کسی غدار کو گھوڑے پر سوار بتلایا گیا ہے اور وہ منہ پھیر کر ہاتھ سے انگریزی فوج کو بتلا رہا ہے کہ یہی سلطان ہے تیسری طرف بھی کسی غدار کی جانب سے اسی قسم کا اشارہ ہو رہا ہے یہ تصویر مسلمان کی نہیں بلکہ ایک ہندو کی ہے جو غالباً پورنیا مراد ہے سلطان کے دوسرے امراء وزراء سلطان کا منہ تک رہے ہیں یا انگریزی فوج کی طرف حیرت سے دیکھ رہے ہیں سلطان کا داہنے بازو گھوڑے پر میر قمر الدین کو بوجہ سید ہونے کے سبز لباس میں دکھایا گیا ہے۔

ان تمام اشارات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سلطان کی نقل و حرکت کا ان ہی سے پتہ ان غداروں نے انگریزی فوج کو دیا تھا تینوں طرف سے جو اشارات بتلائے گئے ہیں اس سے مقصود سلطان کا آخیر وقت میں انگریزی فوج میں گھر جانا ہے اور حقیقت میں سلطان تینوں طرف سے گھر گیا تھا۔ یہ تصویر کرنل آرتھر ولزلی نے کھنچوائی تھی۔

اس محل میں لارڈ ڈلہوزی کا ایک فرمان رکھا ہوا ہے جس میں اسنے اس عمارت اور سرنگاپٹم کے دوسرے عمارات کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے اور ایک فریم میں سرنگاپٹم کا نقشہ دیا گیا ہے جس پر سلطان کے دستخط کا عکس دیا گیا ہے۔ اس محل میں ڈیوک آف ولنگٹن دو سال رہا اور وہ لکھتا ہے کہ:۔

"جنت ارضی یہیں ہے"

مسٹر ڈلیس سیاح جس نے ایران اور ہندوستان میں کثرت سے سیاحی کی ہے لکھتا ہے:۔

"مجھے سرنگاپٹم میں دریا دولت باغ دیکھ کر اصفہان کے محل یاد آگئے۔ اس محل کا نقش ونگار جو اس کے ایک ایک انچ پر کیا ہوا ہے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے تمام ہندوستان میں اسقدر منقش و دلفریب عمارت اور کوئی نہیں ہے۔"

گنبد اعلیٰ

ادب ہے شرط تجھے اس مقام عبرت پر
بہانا اشک تو اس تاجور کی تربت پر

دریا دولت سے مشرقی سمت گنجام سے گذرتے ہی شہید کا مقبرہ ہے یہ مقبرہ سلطان کا اپنا تعمیر کرایا ہوا ہے، مقبرہ کے اندر ہری رنگ پھرا ہوا ہے اسکے اندر نواب حیدر علیخاں بہادر اور سلطان کی والدۂ ماجدہ کے مزار ہیں خدا کی شان کہ اپنے والد اور والدہ کا مزار بناتے وقت سلطان کو اپنی موت کا بھی خیال رہا۔

مقبرہ کے اندر صرف تین قبروں کی ہی گنجائش ہے جس میں دو قبریں تو پہلے تھیں اور تیسری قبر سلطان کیلئے ہی خالی رہی مقبرہ کی عمارت سطوت و جلال کا عبرت افزا منظر ہے چاروں طرف برآمدہ سیاہ مرمر کے ستونوں پر کھڑا ہے جنوبی برآمدہ میں نزدیک کے اعزا و اقربا کی قبریں ہیں عمارت مقبرہ کے صحن میں سلطان کے کئی عزیز و اقارب اور دیگر اعیانِ سلطنت کی قبریں ہیں مقبرہ کے باہر مغربی دروازے پر جو چوکھٹ کے دائیں بائیں تاریخیں لگی ہیں یہ تاریخیں سید شیخ الجعفری میر حسین علی کی لکھی ہوئی ہیں اور کتبے ۱۲۱۳ھ میں سید عبدالقادر کے بنائے ہوئے ہیں۔

ٹیپو سلطان شہید شد ناگاہ	جان خود داد فی سبیل اللہ
زذی قعدہ بست و ہشتم آں	کہ شدہ روز شنبہ حشر عیاں
ہفت ساعت ز صبح بگزشتہ	خوں ز دیوار و در رواں گشتہ
زلیست پنجاہ سال با اقبال	بادشاہِ نمود ہفت دہ سال

داشت در دل ہمیشہ عزم جہاد — گشتہ آخر شہید حسب مراد
آہ تاراجیٔ مکین و مکاں — خوں بگرئید ائے زمین و زماں
چوں غم او بجز دو کل دیدم — سال ماتم زورد پر سیدم
گفت ہاتف زنیم آہ بہ گفت — نورِ اسلام و دیں زدنیا رفت

اور اس مصرعہ سے بھی وہی تاریخ نکلتی ہے:۔ — حامیٔ دیں شہ زمانہ برفت

شاہ ما چوں بممالک برتر شد — حاضر مجلس پیمبر شد
روح قدسی بعرش گفت کہ آہ — نسلِ حیدر شہید اکبر شد

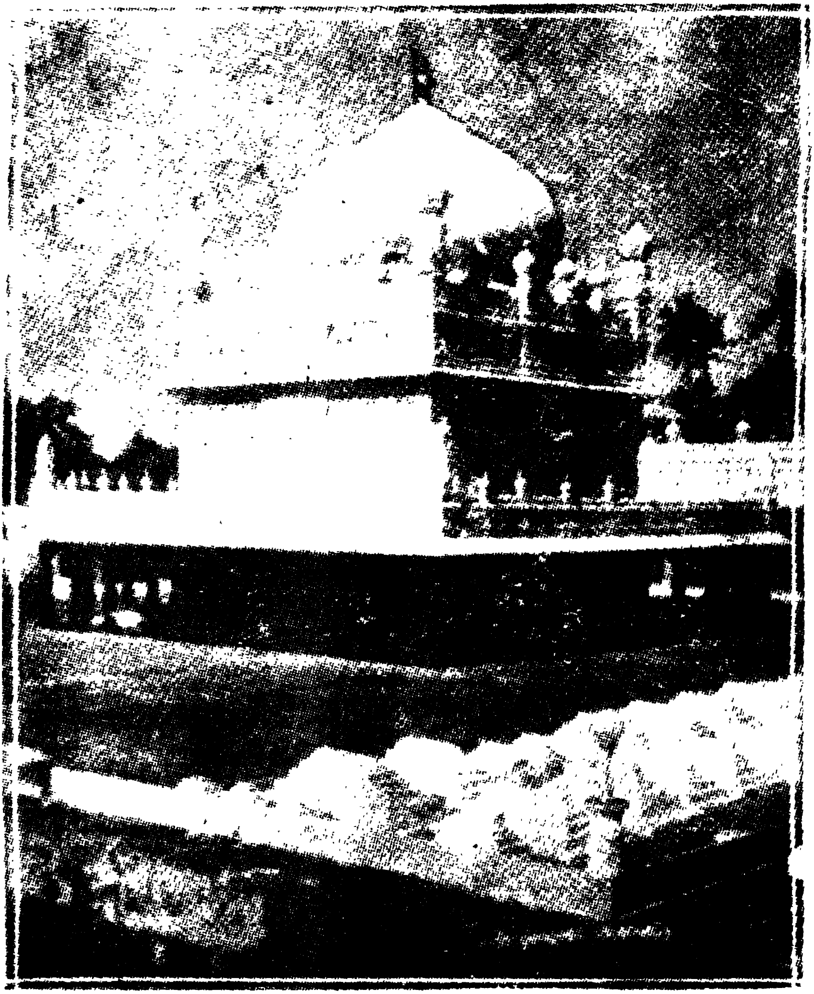
اور ایک قطعہ بھی لکھا ہوا ہے جس کا تاریخی مصرعہ یہ ہے:۔

ع۔ یکے زاں میاں گفت "شمشیر گم شد"

لیکن ان تاریخوں میں سب سے زیادہ معنی خیز تاریخ وہ ہے جو عربی میں لکھی ہوئی ہے:۔

ان اخذت مصر کما قد ذکروا
وسرنج فتنۃ اخذت وربّہا
مصیبۃ ما مثلہا ارختہا
ذہب عن الدرم والھند کلّہا — والسرنگاپٹم

۱۷۹۹ء یا ۱۲۱۳ھ دنیائے اسلام کیلئے ایک منحوس سال ہے جس میں سلطان کی سلطنت خداداد کا خاتمہ ہوگیا گویا تمام اسلامی اقتدار کا اور ہندوستان کی آزادی کا خاتمہ ہوا اسی سال ترکی کی بحری طاقت کا بھی خاتمہ ہوا جس سے یورپ میں ترکی کی وقعت گھٹ گئی اور مشرق و مغرب دونوں میں مسلمانوں کی رہی سہی طاقت و عظمت اسی سال [illegible] ہوگئی



سرنگاپٹم۔ گنبد اور مسجد اقصیٰ

مقبرہ کے اندر مشرقی دروازے سے داخل ہوتے ہی پہلی قبر سلطان کی والدۂ ماجدہ کی ہے اور دوسری عین جنوبی دروازے مقابل نواب حیدر علی خاں بہادر کی ہے۔

اور تیسری یعنی مغربی دروازے کے مقابل سلطان شہیدؒ کی ہے جس کی تعریف میں اس وقت کے ایک شاعر نے لکھا ہے:-

خدیو جہانگیر کشور کشا — کہ تیغش ظفر را بود متکا
فلک بندۂ شوکت و شان او — قضا گوئے چوگان فرمان او
شود عارض قہرش از تابناک — زند شعلہ جوشش از سمک تا سماک
دگر لطفش آرد نمی روئے کار — شود در دل سنگ قطرہ شرار
بعہدش نشد فتنہ گاہے دلیر — کہ در چشم خوباں شود گوشہ گیر
وہم شرح چوں نعمت عام او — کہ دریاست یک قطرہ انعام او
نہ پیچیں کند لابہ با چرخ پیر — چو رابلہ کہ افتد بچنگال شیر
چو کیوانست از حارسان درش — رسیدہ ز رفعت بگردوں سرش

سعادت ز خاک درش دام کرد
بسعدی فلک مشتری نام کرد

آہ! یہ وہ مزارات ہیں جہاں انوار الٰہی برس رہے ہیں جہاں آسمان سے ہر صبح و شام رحمتیں نازل ہوتی ہیں سلطان شہید کے مزار پر سرخ غلاف پڑا ہوا ہے جو شہادت کا نشان ہے نشانات شاہی رکھے ہوئے ہیں گویا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان ابھی تک غزواتِ جہاد میں مصروف ہے اور یہ اس کا ایک گہوارہ ہے۔

ہندوستان میں اسلامی جاہ و جلال کی آخری نشانی اسی سرخ غلاف کے نیچے پنہاں

سب سلطان گو اس دنیا میں نہیں رہا مگر اس جاہ جلال اور اس کی عزت اور اس کا احترام اب بھی دلوں میں اسی طرح جاگزین ہے اور کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ اس آستانے پر بادشاہوں، امیروں اور گداؤں کے سر بپئے تعظیم خم نہ ہوتے ہوں۔

مقبرہ کے اندر داخل ہوتے ہی سلطانی ہیبت و جلال کے نظارے کے ساتھ ہی سلطنت خداداد کا نقشہ، دارالسلطنت کا موجودہ عبرتناک منظر آنکھوں میں پھر جاتا ہے گنبد کے چاروں طرف چار دروازے ہیں چوکھٹو پر نواب حیدر علی یا سلطان شہید کے متعلق قطعات لکھے ہوئے ہیں مغربی دروازے کی چوکھٹ پر جو رباعی لکھی ہوئی ہے وہ یہ ہے:-

از فاطمہؓ زوجۂ علیؓ شیر خدا — شد سبط نبیؐ سید شہدا پیدا
ایں فاطمہؒ زاد از علیؒ حیدر — ٹیپوؒ سلطان کہ گشت شاہ شہدا

جنوبی دروازہ کی چوکھٹ پر یہ رباعی کندہ ہے:-

در ملکِ حجاز از علی حیدرؓ — مفتوح شدہ ہفت قلاعِ خیبر
زیں حیدرؒ دکنی دولِ کرناٹک — گشتند مطیع یک خدیو کشور

مشرقی دروازے کی پیشانی پر ذیل کی رباعی ہے:-

آں سید شہدائے عرب سبطِ نبیؐ — لختِ جگر فاطمہؓ و جانِ علیؓ
از فاطمہؒ و حیدرؒ دکنی ٹیپوؒ — سلطان شہیداں شدہ از جان ولی

شمالی دروازے کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے:-

کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے — بدیں جانباز سلطانی کہ آمد شد چو مہمانے

مقبرہ کے چاروں دروازوں کی سیاہ لکڑی کے کواڑوں میں ہاتھی دانت کا کام وبنت کاری کی ہوئی ہے یہ دروازے لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل ہند نے سلطانی عظمت ووقار کو مدنظر رکھتے ہوئے عطیہ دئے تھے لارڈ ڈلہوزی آثار قدیمہ کو برقرار رکھنے کیلئے بہت سے عمدہ کام کئے اس کے بعد لارڈ کیننگ گورنر جنرل ہوکر آیا جس کے زمانہ میں بغاوت ہند ہوئی ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریزوں کی طرز حکمرانی کو دیکھتے ہوئے سلطنت انگلستان نے مناسب سمجھا کہ سلطنت ہندوستان کی زمام اپنے ہاتھ میں لیلے چنانچہ ۱۸۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے حکومت ہند تاج برطانیہ کو منتقل ہو گئی

مقبرہ کے چبوترے سے لگی ہوئی مغرب میں مسجد اقصیٰ ہے جس پر سبز رنگ پھرا ہوا تھا۔ اب بالکل سادہ ہے

گنبد کے برآمدہ میں اور چبوترہ پر بہت سی قبریں ہیں جن میں کسی کسی پر کتبہ ہے اور کسی قبر پر سیاہ رنگ سے نام لکھ دیا گیا ہے ممکن ہے کہ آئندہ یہ نام مٹ جائیں اس لئے یہاں چبوترہ کا نقشہ دیکر تشریح کر دی گئی ہے تشریح میں جو نمبر دیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس قطار میں سلسلہ وار وہ اسی نمبر کی قبر ہے

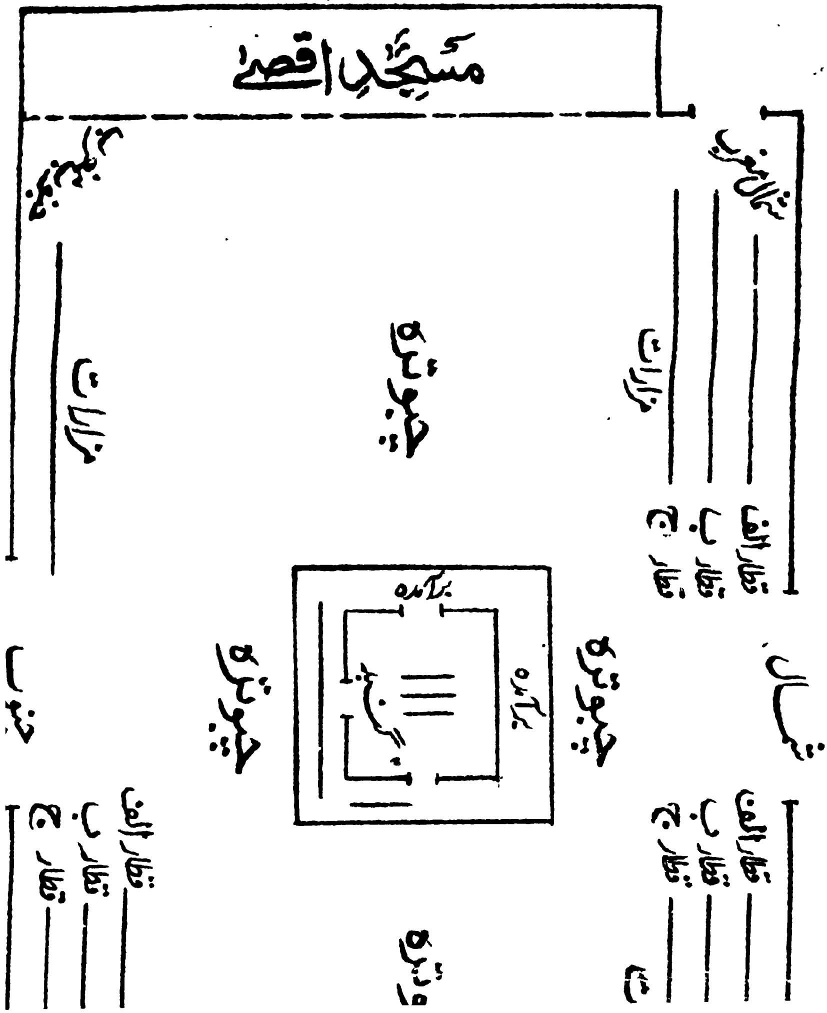
(نوٹ:۔ جن قبروں پر کتبے یا نام نہیں ہیں وہ چھوڑ دیے گئے ہیں)

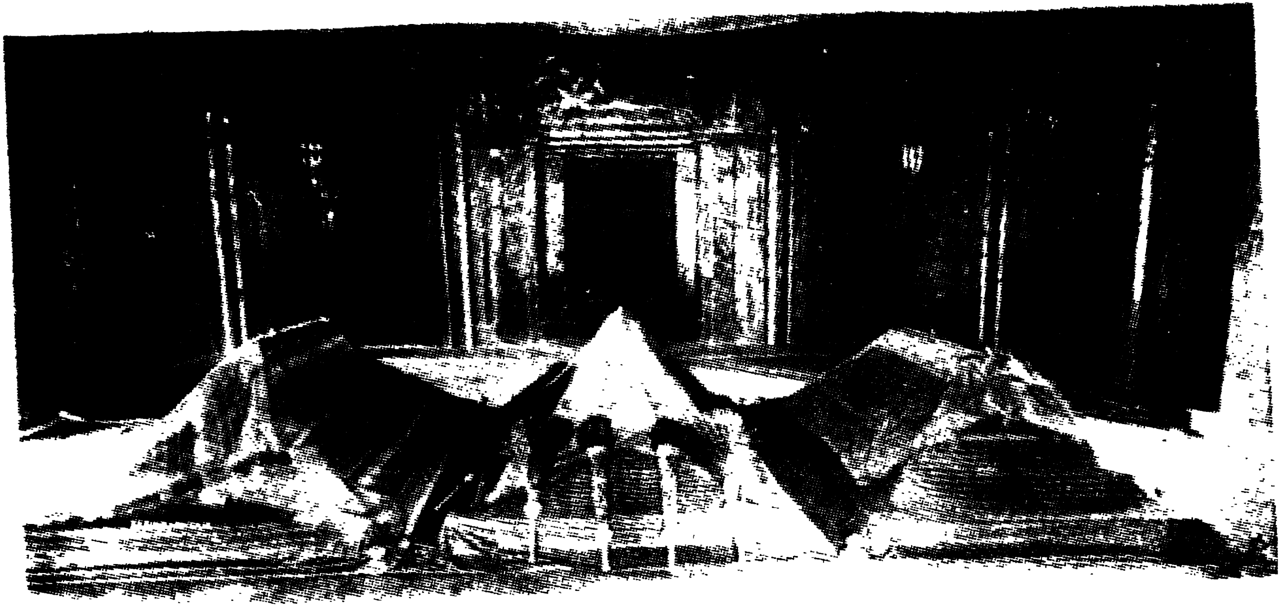
گنبد اعلیٰ کے اندر تین مزارات ہیں

ان میں جانب مشرق والدۂ ٹیپو سلطان کا مزار ہے درمیان میں نواب حیدر علی کا مزار ہے۔ اور تیسرا ٹیپو سلطان شہیدؒ کا ہے۔

گنبد کے جنوبی برآمدے میں

مشرق سے جانب مغرب:۔ (۱) سلطان بیگم صاحبہ ہمشیرہ سلطان شہیدؒ


مسجد اقصیٰ



گنبدِ اعلیٰ میں مزارات

بائیں جانب ٹیپو سلطان شہیدؒ۔ درمیانی، نواب حیدر علیؒ، دائیں [illegible]

۲. شاہزادی فاطمہ بیگم صاحبہ (دختر سلطان شہیدؒ)
۳. شاہزادی بیگم (حبیبہ سلطان شہیدؒ)
۴. نواب سید شہباز صاحب (داماد سلطان شہیدؒ)
۵ محل نواب میر محمود علی خاں
۶ نواب میر محمود علی خاں — یہ تینوں قبریں زوال سلطنت کے بعد کی ہیں۔
۷. والدہ نواب میر محمود علی خاں

مشرقی برآمدہ میں

سنگ سیاہ کا یہ مزار ہے اس کے متعلق مشہور ہے کہ مدینہ بیگم کا مزار ہے جو سلطان کی دایہ تھیں۔

چبوترہ پر

شمال مغربی کونے پر جو مسجد اقصیٰ سے لگا ہوا ہے

یہاں مزارات کی تین قطاریں ہیں ان میں پہلی قطار جس پر نقشہ میں الف کا نشان دیا گیا ہے اس میں جملہ ۹ قبریں ہیں ان نو قبروں میں دو زنانہ قبریں ہیں باقی چھ مردانہ ہیں ایک جو سطح چبوترہ کے برابر ہے معلوم نہیں کہ زنانہ قبر ہے یا مردانہ اس قطار میں کسی قبر پر بھی کتبہ یا نام نہیں ہے۔

دوسری قطار (ب)

اس قطار میں چودہ ۱۴ قبریں ہیں۔ زنانہ چھ ۶ اور مردانہ آٹھ

(تفصیل جانب مغرب سے)

۲۔ بانوے سلطنت "رقیہ بانو" ملکۂ سلطان شہیدؒ۔ اس مزار کے سرہانے یہ کتبہ

لگا ہوا ہے :-

"رحلت ہمشیرۂ برہان الدین شہید بتاریخ بیست و ہفتم ماہ رازی سال زبرجد ۱۲۱۹ سنہ محمدی مطابق بیست و پنجم ماہ جمادی الثانی ۱۲۰۶ سنہ بہ شب یکشنبہ بوقت پنج گھڑی شب باقی ماندہ روح پاک پرواز کرد۔ اسم رقیہ بی بی"

۳ برہان الدین شہید برادر نسبتی سلطان شہیدؒ و برادر بانوے سلطنت رقیہ بانو ملکۂ سلطان شہید۔ اس قبر کے سرہانے یہ کتبہ ہے :-

"تاریخ شہادت برہان الدین مرحوم۔ چہارم ماہ محرم روز چہار شنبہ ۱۲۰۵ محمد مطابق ششم ماہ حیدری سال ستا ۱۲۱۸ سنہ محمد"

۵۔ شاہزادہ نظام الدین۔ اس قبر کے سرہانے یہ کتبہ لگا ہوا ہے :

"تاریخ وفات نظام الدین شاہزادہ مرحوم بیست و ششم ماہ صفر روز یکشنبہ ۱۲۰۶ سنہ ہجری مطابق بیست و ہشتم ماہ خردی سال زبرجد ۱۲۱۹ سنہ محمد"

۱۱ اس قبر پر کوئی کتبہ وغیرہ نہیں لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ سلطان کی دوسری یا تیسری بیگم کی قبر ہے۔

تیسری قطار

اس قطار میں ۱۳ چودہ قبریں ہیں ۹ نو زنانہ اور ۴ چار مردانہ ایک جو سطح زمین کے برابر ہے معلوم نہیں کہ مردانہ ہے یا زنانہ قبر (مغرب سے جانب مشرق)

۷ نواب محمد رضا علی خاں شہیدؒ (بنکی نواب) نواب محمد رضا علی خاں المعروف بہ بنکی نواب۔ کورگ کی جنگ میں بتاریخ ۲۶ ماہ رمضان ۱۲۱۴ سنہ میں شہید ہوئے

۹۔ سکینہ بیگم بنت ابراہیم صاحب

دوسری اور تیسری قطار کے درمیان ایک زنانہ قبر ہے جو معلوم نہیں کس کی ہے

(نوٹ:۔ کتبے بالکل معمولی پتھر کے ہیں جو صاف بھی نہیں کئے گئے اور خط بھی بالکل معمولی ہے معلوم ہوتا ہے کہ زوال سلطنت کے بعد یہ پتھر لگائے گئے ہیں۔)

چبوترہ کے شمال مشرقی کونے پر

پہلی قطار (الف)

بارہ قبریں ہیں نو ۹ زنانہ اور دو ۲ مردانہ اور ایک سطح زمین کے برابر ہے ان قبروں میں مشرقی جانب سے دوسری قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے۔

تاریخ وفات حبیب صاحبہ والدہ لالا میاں صاحب مرحوم
بیست و ہفتم ماہ صفر روز آخر چہار شنبہ ''

دوسری قطار (ب)

تین قبریں ہیں ایک زنانہ اور دو مردانہ

تیسری قطار (ج)

تیرہ قبریں ہیں ان میں ۸ زنانہ اور ۵ مردانہ تیسری قطار کے نیچے اور دو قبریں ایک کے نیچے ایک بنی ہوئی ہیں ان میں جنوب کی قبر زنانہ ہے

چبوترہ کے جنوب مشرقی کونے پر

پہلی قطار (الف)

اس میں پانچ قبریں ہیں۔ دو مردانہ اور تین سطح زمین کے برابر ہیں

۱۔ یہ کتبہ لگا ہوا ہے:۔ منغرب سے جانب مشرق

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ تاریخ وفات مولوی محمد حبیب اللہ

دلوک شمس و ماہ سہ شنبہ — پی ساز سفر آں گل شگفتہ
بجستم چوں خزاں سالش خرد آہ — حبیب اللہ بجنت رفت گفتہ
١٢٢٤ ہجری ١٢٢٤

دوسری قطار (ب)

بارہ قبریں ہیں ایک زنانہ۔ سات مردانہ اور چار سطح زمین کے برابر ہیں۔ اس قطار میں مغرب سے جانب مشرق گیارھویں قبر پر یہ کتبہ ہے:-

"قبر سید عبدالقادر"

تیسری قطار (ج)

اس قطار میں گیارہ قبریں ہیں۔ کل مردانہ۔ مغرب سے جانب مشرق تیسری قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے:-

چوں سپہدار جنود ٹیپو سلطان شہید — زیں جہاں بگذشت در ملک بقا منزل گزید
نام و تاریخ و نشان مرقدش جستم زدل — یا دل محزوں بگفت ایں تربت سید حمید
١٢٠٦

٦. کتبہ:- "تاریخ شہادت خواجہ آفتاب خاں چہارم ماہ محرم روز چہار شنبہ سنہ ١٢٠٥ ہجری مطابق ششم ماہ حیدری سال شیا سنہ ١٢١٨ محمد"

٧. کتبہ: تاریخ شہادت محمد جہاں گیر سرعسکر چہارم ماہ محرم روز چہار شنبہ سنہ ١٢٠٥ ہجری مطابق ششم ماہ حیدری سال شتا سنہ ١٢١٨ محمد"

٨. کتبہ: تاریخ شہادت شیخ میران سرعسکر چہارم ماہ محرم روز چہار شنبہ سنہ ١٢٠٥ ہجری مطابق ششم ماہ حیدری سال شتا سنہ ١٢١٨ محمد"

٩. کتبہ: تاریخ وفات ارشد بیگ خاں ہیجدہم ماہ صفر روز سہ شنبہ سنہ ١٢٠٣ ہجری مطابق بستم ماہ دینی سنہ ١٢١٦ محمد"

۱۰ کتبہ۱۰ تاریخ وفات میر محمد علی بیست و یکم ماہ ذی قعدہ ۱۲۶۲ ہجری مطابق بست و
سیوم ماہ جعفری ۵ روز"

۱۱ کتبہ۱۱ تاریخ وفات آغا وردی بیگ"

جنوب مغربی کونے پر

یہاں صرف ایک قطار ہے اس میں تیرہ قبریں ہیں جن میں چار زنانہ اور باقی مردانہ ہیں ان میں کسی قبر پر بھی کتبہ یا نام نہیں ہے۔

قلعہ کے اندر شمالی فصیل سے ملے ہوئے نو تہ خانے ہیں جنہیں تعصب سے ڈنجن کہا جاتا ہے اور مشہور یہ کیا جا رہا ہے کہ اس میں یورپین قیدی محبوس تھے یہ مکانات فصیل قلعہ میں زمین کھود کر بنائے گئے ہیں ان کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قلعہ کے گارڈ کے سپاہیوں پہرہ بدلنے کی جگہ اور نشست گاہیں تھیں ان میں دالیں اور ہتھیار رکھنے کے مچان اب تک موجود ہیں سامنے وسیع صحن ہے جس میں سے روشنی اور ہوا کا کافی گذر ہے اور تاریکی بالکل نہیں۔

مورخ تھامسن اپنی کتاب میں لکھتا ہے:-

"سرنگاپٹم میں آوارہ لوگوں اور لڑکوں نے سیاحوں کو دھوکہ دینے کیلئے ان تہ خانوں کو ڈنجن یعنے قید خانے مشہور کر رکھا ہے۔"

حقیقت بھی یہی ہے لیکن تعجب ہے کہ ابھی حال میں اس جگہ گورنمنٹ کی جانب سے یہ لکھ کر لگا یا گیا ہے کہ ان ڈنجنوں میں انگریزوں کو قید رکھا جاتا تھا فصیل قلعہ کے جنوب مغربی گوشہ میں وہ جگہ جس کو شگاف کہا جاتا ہے اب بھی

نظر آتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ شگاف کی اصلیت کہاں تک ہے اس جگہ اب ایک مینار بطور یادگار فتح تعمیر کر دیا گیا ہے جس پر تمام انگریزی مقتولین کے نام کندہ ہیں جنہوں نے اس جنگ میں حصہ لیا تھا ان تمام مقتولین کو اس جگہ دفن کیا گیا تھا جو اب انگریزی سمٹری کہلاتی ہے اس کے بازو ہی اسکاٹ کا باغ ہے جس میں میر معین الدین کی کوٹھی تھی اور اب اس کی قبر ہے اور اس سے شمال میں پورنیا کا باغ ہے

شگاف پر کھڑے ہو کر اگر جنوب مغرب میں دیکھا جائے تو دریا کے اس پار وہ گنجان باغ ہے جس میں انگریزی فوج چھپی ہوی تھی اس کا نشان قائم رکھنے کے لئے اس جگہ دو توپ الٹی نصب کی گئی ہیں۔

اس باغ کو شگاف پر کھڑے ہو کر دیکھتے ہوے اگر آپ ۴ مے ۱۷۹۹ء کے خونین ہنگامہ کا تصور کریں تو معلوم ہوگا کہ انگریزی فوج باغ سے نکلکر اسی جگہ سے چڑھ کر قلعہ پر قابض ہوی تھی آپ کے بائیں وہ جنوبی فصیل ہے جس پر پورنیا اور میر معین الدین کی غداری کی وجہ سے بالکل مدافعت نہیں ہوی اور آپ کے دائیں جانب جو فصیل ہے وہ شمالی فصیل ہے جہاں دلی دروازہ سے لے کر مشہد سلطانی تک ایک ایک انچ پر شہیدان وطن کا خون ٹپکا ہوا فاصلہ اگر دیکھا جائے تو نصف میل سے بھی کم ہے اور اسکے ساتھ فصیل کی چوڑائی پر نظر کرتے ہوئے بارہ ہزار مقتولین کی تعداد دیکھی جائے تو کچھ ہلکا سا تصور ہو سکتا ہے کہ اس فصیل پر کس طرح کی قیامت خیز جنگ ہوی ہوگی۔

انگریزوں نے کل مقتولین جنگ کی تعداد ساڑھے چھ ہزار بتلائی ہے جس میں ڈیڑھ ہزار انگریزی فوج کی تعداد بھی شامل ہے اگر اسکو بھی تسلیم کر لیا جائے تو جنگ کی شدت میں فرق نہیں آتا اسقدر مقتولین کی تعداد سے معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ جب پورنیا کی غداری

سے فوج نہتی ہو گئی اور اس کو معلوم ہوا کہ غداری ہوئی ہے تو وہ اپنے محبوب سلطان کو بچانے کیلئے بغیر ہتھیار اسی طرح آکر جنگ میں شریک ہو گئی اور یہی وجہ ہے کہ اس چھوٹی سی جگہ میں پانچ گھنٹوں کے اندر اندر اس قدر لوگ مقتول ہوئے ورنہ اگر ہتھیار ہوتے تو ممکن تھا کہ جنگ کا نقشہ ہی بدل جاتا یا کم از کم انگریزی مقتولین کی تعداد اسقدر کم نہ ہوتی۔ (نوٹ: شمالی فصیل کی رزمگاہ کو واضح کرنے کیلئے علیحدہ نقشہ دیا گیا ہے)

سرنگاپٹم میں اور کوئی چیز قابل ذکر نہیں البتہ قلعہ اور اسکے اندر ٹوٹے پھوٹے فوجی میگزین اور ہسپتال وغیرہ ہیں اور سری رنگا سوامی کا مندر اور راجہ میسور کا محل ہے اور اسی کے مقابل جنوب میں ایک کمان ہے جو فن تعمیر کا لاثانی نمونہ ہے یہ کمان جب کوئی چڑھ کر ہلاتا ہے تو ہلتی ہے قلعہ کے شمال و مشرق یعنی دلی دروازے کے عین مقابل دریائے کاویری پر سلطان ایک عالی شان پل باندھنا چاہتا تھا جس کے آثار اب بھی نظر آتے ہیں مشہور ہے کہ اس پل کو تعمیر کرنے کیلئے ایک فرنچ انجینیر ڈی ہیولنڈ نامی مقرر کیا گیا تھا مگر سلطان خداداد کے اچانک خاتمہ کی وجہ پل کے پورا کرنے کی نوبت نہیں آئی سلطنت کے خاتمے کے بعد انجینیر نے اپنا ہنر دکھلانے کیلئے اس کو ۱۸۰۸ء میں بنایا تھا اس کمان کا درمیانی عرض ۱۱۲ اقدم ہے۔

نوٹ: یہ کمان ۱۹۳۶ء میں منہدم ہو گئی۔ محمود)

قلعہ سے باہر گنجام کے راستہ میں عیدگاہ کے قریب ایک مینار ہے جس پر ۱۷۹۲ء کی جنگ کے انگریزی مقتولین کے نام کندہ ہیں اس سے اور آگے جانب جنوب لنگر طرنعا کا مقبرہ ہے گنجام میں دریائے کاویری کے کنارے ایک کھیت میں ایک شکستہ مقبرہ ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک مبلغ اسلام کا مزار ہے یہ بزرگ شہنشاہ دہلی علاؤالدین


دریائے کاویری کی شمالی شاخ
شمال
پانی دروازہ
ڈڈی دروازہ
اندرونی کچی فصیل جو منہدم کر دی گئی
دلی دروازہ
شگاف
مشہد سلطانی
سلطانی محل
شہر کا بڑا دروازہ یہیں تھا
زائرین کی سہولت کیلئے موجودہ وقت جو ریلوے لائن ہے دکھلائی گئی ہے
بارہ بجے کی دوپہر میں قریباً ایک بجے سلطان کو خبر پہنچی کہ انگریزی فوج شگاف کے راستہ آگئی ہے۔ اس وقت سلطان محل کے قریب باہر کھانا کھا رہا تھا وہ کھانا چھوڑ کر اٹھا اور ڈڈی دروازہ تک پہنچا اسوقت سلطان کے ساتھ اس کا باڈی گارڈ بھی تھا۔ دلی دروازہ تک پہنچ کر اس نے انگریزی فوج کی پیشقدمی کو قریباً چار بجے تک روک رکھا لیکن جب انگریزی فوج کا ہجوم بڑھتا ہی گیا اور اندرونی فصیل پر بھی انگریزی فوج قابض ہوکر گولیاں برسانے لگی تو سلطان واپس مڑ کر ڈڈی دروازے پر پہنچا۔ مگر میر صادق نے اسکو بند کر دیا تھا۔ سلطان یہاں سے اور آگے بڑھا اور اس جگہ پہنچا جہاں شہر کا بڑا دروازہ اندرونی فصیل میں تھا۔ اس جگہ سلطان تین طرف سے انگریزی فوج میں محصور ہوگیا۔ یہاں قریباً تین گھنٹے تک سلطان دست بدست جنگ کرتا رہا مغرب کے وقت اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔
قلعہ کی فصیل جو آج بھی شکستہ حالت میں موجود ہے۔ جنگ اسی فصیل پر ہوئی تھی۔
جنوبی فصیل
مسجد اعلیٰ
میر صادق کی مصنوعی قبر
بنگلوری دروازہ
میر صادق کی اصلی قبر
سلطان کے باہر نکلتے ہی ڈڈی دروازہ کو بند دیکھ کر سلطان واپس نہ آسکے۔
میر صادق قلعہ سے باہر نکل رہا تھا کہ بنگلوری دروازہ پر احمد خاں سپاہی نے اس کو گھوڑے پر سے کھینچ کر قتل کر دیا۔ بعد میں اسکی لاش شمالی خندق کے کنارے دفن کر دی۔
جنوبی فصیل
کی جنوبی شاخ
دریائے کاویری
ریل میسور کو
برج
جسمیں انگریزی فوج چھپی ہوئی تھی۔
جنوبی فصیل کی کمان غدار میر معین الدین کے ہاتھ میں تھی۔ اس فصیل پر جو فوج متعین تھی۔ اسکو پورنیا نے تنخواہ کے بہانے بلالیا۔
اسکے بعد میر معین الدین نے انگریزی فوج کو چڑھ آنے کیلئے اشارات کیے۔ انگریزی فوج بغیر کسی قسم کی مدافعت کے اس پوری فصیل پر بنگلوری دروازہ تک قابض ہوگئی۔ یہاں سے وہ شہر میں داخل ہوکر اندرونی فصیل پر قابض ہوتے ہوئے سلطان پر جو بڑی فصیل پر تھا، گولیاں برسانے لگی۔

کے عہد میں (غالباً ۱۳۱۰ء) میں تبلیغ اسلام کیلئے آئے ہوئے تھے تعجب ہے کہ اس زمانہ میں جب اس جگہ ایک مسلمان تک نہیں تھا بلکہ باشندے اسلام کے نام سے تک ناآشنا تھے اور رسل و رسائل اور حمل و نقل کے ذرائع بالکل مفقود تھے اور سفر درحقیقت سقر کا نمونہ تھا سرفروشان اسلام کس عالی حوصلگی کے ساتھ اعلائے کلمۃ الحق کیلئے سختیاں جھیلکر تبلیغ اسلام کیلئے آتے تھے۔

گذشتہ سطور میں جن عمارات وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے انکے علاوہ سرینگاپٹم میں اور کچھ باقی نہیں ہے شاہی باغات بھی جو اس زمانہ میں ہر قسم کے درختوں سے بھرے ہوئے تھے ان میں بھی کچھ باقی نہیں رہا موجودہ وقت سرینگاپٹم اور گنجام کی آبادی قریباً ساٹھ ہزار ہے آہ! یہ ہے وہ سرینگاپٹم جہاں مسلمانوں کی قسمت کا ڈرامہ چالیس سال تک کھیلا گیا جس قدر کامیابیوں کے بعد ناکامیاں اور امیدوں کے بعد مایوسیاں اس شہر نے ایک قلیل عرصہ میں دیکھیں نہایت عبرت انگیز ہیں۔

مشہدِ سلطانی

کتاب کے پہلے ایڈیشن میں مشہد سلطانی کا ٹھیک پتہ بتلانے کیلئے ایک طویل مضمون لکھا گیا تھا اس دوسرے ایڈیشن میں اس مضمون کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اس لئے میسور گورنمنٹ نے اس سال اس جگہ ایک سنگین کتبہ نصب کردیا ہے

(نوٹ:- اب ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ واٹر گیٹ (پانی کے دروازے) پر جو گمراہ کن انگریزی کتبہ لگا ہوا ہے اس کو دور کردیا جائے)

یہ کتبہ جس جگہ لگا ہوا ہے۔ اس زمانہ میں یہاں قلعہ کی اندرونی کچی فصیل تھی اور شہر کا اندرونی بڑا دروازہ اسی جگہ تھا سلطان اسی دروازہ میں داخل ہوا تین طرف سے محصور ہو کر شہید ہوگیا ۱۸۰۰ء میں کرنل آرتھر ولزلی نے اس کچی فصیل کو ڈھا کر خندق کو بھروا دیا اور اس پر املی کے درخت بو دئے گئے۔

واٹر گیٹ پر کتبہ لگانے کی ضرورت ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس لئے محسوس ہوئی کہ وہ مشہد سلطانی کو زیارتگاہ عام بننے سے روکنا چاہتی تھی کہا جاتا ہے کہ سلطان کی شہادت کے بعد لوگ یہاں جمع ہو کر ہر روز ماتم کرتے تھے بریڈ اوڈ کلف نے بھی اپنا مرثیہ یہیں بیٹھ کر لکھا تھا جب دیکھا گیا کہ اس جگہ کی وقعت دن بدن بڑھتی جارہی ہے اور یہاں ہر سال ۲۷ ذی قعدہ کو لوگوں میں ایک ہیجان پیدا ہوتا ہے تو عوام کی توجہ ہٹانے کیلئے واٹر گیٹ پر کتبہ لگا دیا تھا مولانا ظفر علی خاں نے سچ کہا ہے

کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے　　اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود

گنبد اور مسجد کا موجودہ انتظام

سلطانی عظمت وجلال کی شان باقی رکھنے کیلئے مقبرہ کے دروازے پر نوبت ونقارہ ہر روز پنجوقتہ بجتے رہتے ہیں۔ انگریزوں اور ریاست میسور میں جو معاہدے ہوئے ہیں۔ ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ نوبت ونقارہ ہمیشہ بجتا رہے۔ گنبد، مسجد اقصیٰ، مسجد اعلیٰ اور قلعہ کے اندر کی چھوٹی مسجدیں ایک ناظم کے ماتحت ایک خاص محکمے کی حیثیت رکھتے ہیں ناظم صاحب کو چالیس سے پچاس روپیہ تک تنخواہ دی جاتی ہے۔ ان کے ماتحت مسجد اعلیٰ اور گنبد میں قریباً ۲۵ آدمی ہیں جن میں دس قرآن خواں ہیں۔ جنہیں ماہانہ دس روپیہ تنخواہ دی جاتی ہے ان کا کام یہ ہے کہ ہر دن قرآن مجید پڑھ کر سلطان شہیدؒ کی روح کو ثواب بخشیں۔ اور دیگر ملازموں یعنی خدام کو پانچ چھ اور سات روپیہ ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے داروغہ، متولی، خطیب، امام، منشی اور قاضی وغیرہ پندرہ سے پچیس روپے تک تنخواہ لیتے ہیں۔ ان تمام ملازموں کو رخصت وغیرہ سرکاری قانون کے مطابق دی جاتی ہے۔ اور اخیر عمر میں جب یہ کام کرنے کے قابل نہیں ہوتے یا کام چھوڑ دیتے ہیں تو انہیں ایک سال کی تنخواہ دی جاتی ہے تاریخ سلطنتِ خداداد کا پہلا ایڈیشن جس وقت شائع ہوا۔ قلعہ کے اندر کی چھوٹی مسجدیں بالکل ویران پڑی تھیں۔ اب انہیں آباد کر دیا گیا ہے اور یہاں ایک آدمی چراغ، پانی اور اذان کے لئے مقرر ہے ابھی حال ہی میں گنبد، مسجد اعلیٰ اور مسجد اقصیٰ میں میسور گورنمنٹ نے برقی روشنی کا انتظام کیا ہے گنبد میں روشنی مفت مہیا کی جاتی ہے اور مسجد اعلیٰ سے فی یونٹ ایک آنہ لیا جاتا ہے۔ خدام کے لئے ایک خاص سسٹم بانات کی وردی مقرر ہے۔ جو خاص خاص موقعوں پر استعمال ہوتی ہے۔ جب کبھی کوئی والی ملک یا افسرانِ وغیرہ آتے ہیں تو خدام کی

جانب سے انہیں دروازے پر باقاعدہ سلامی دی جاتی ہے اندر چتر کے سائے میں انہیں بٹھاتے ہیں۔ گویا ایک حاکم کی جانب سے دوسرے حاکم کا استقبال ہو رہا ہے یعنی سلطان ابھی زندہ اور اس کا جاہ و حشم برقرار ہے۔

سلطانی لنگر

سلطان شہید کی روح کو ثواب پہونچانے کیلئے سلطان کے نام سے ایک لنگر جاری ہے اس کا خرچ ماہانہ دو سو روپیہ ہے۔ اس لنگر سے نصف مسلمانوں کے اور نصف غیر اقوام کے غریبوں اور بے واؤں کو امداد دی جاتی ہے۔ اس امداد کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تین روپیہ، دو روپیہ اور ایک روپیہ۔ اس کے علاوہ روزانہ دس آنے مسافروں یا محتاجوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

رمضان المبارک میں سحری و افطاری پر پانچسو روپیہ خرچ کئے جاتے ہیں۔
ربیع الاول میں بارہ دن، ربیع الثانی میں گیارہ دن اور محرم میں گیارہ دن تک غربا کو مسافروں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔

اعراس

سلطان شہید کا عرس ہر سال ۲۰۔ ماہ ذی قعدہ میں منایا جاتا ہے۔ صندل مسجد اعلیٰ سے گنبد کو بھیجا جاتا ہے اس کے جلو کے لئے مہاراجہ صاحب میسور کے محل سے (یعنی پیالس ڈپارٹمنٹ) بارہ سوار اور بارہ پیادہ سپاہی، ایک ہاتھی اور ایک اونٹ مہیا کئے جاتے ہیں۔ بیانڈ کا انتظام بھی رہتا ہے لیکن یہ بیانڈ مقامی طور پر مہیا کر لی جاتی ہے۔ عرس کے دن غریبوں کو صبح میں کھانا کھلایا جاتا ہے۔ اس عرس پر محکمہ کی جانب سے ایک سو اسی روپیہ کی مقررہ رقم خرچ ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کلکتہ سے خاندان شہید Mysore Family کی جانب سے بھی پانچسو روپیہ عرس کیلئے سالانہ بھیجے جاتے ہیں۔

نواب حیدر علی کا عرس ذی الحجہ کی آخری تاریخ میں ہوتا ہے۔ اس کے جلو

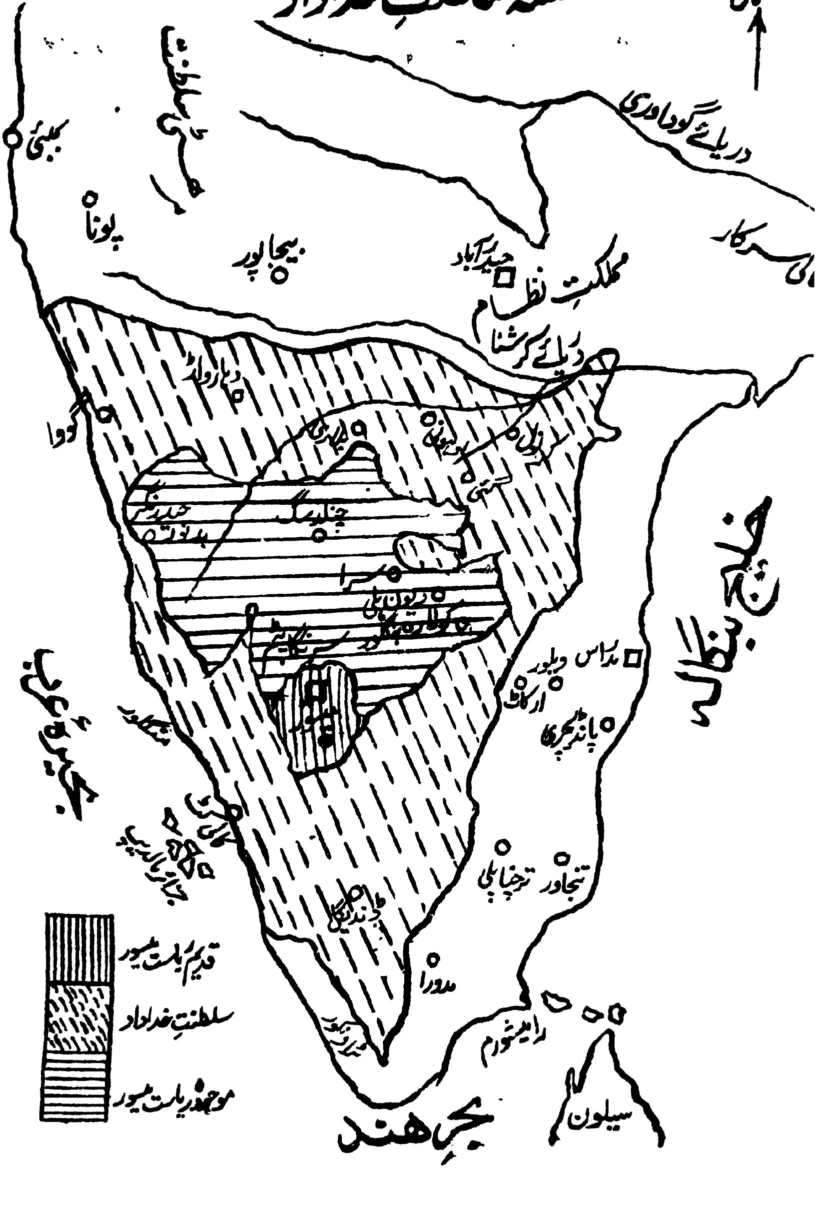
کیلئے صرف پیادہ سپاہی آتے ہیں۔ سوار مہیا نہیں کئے جاتے۔ اس عرس پہ بھی ایک سو اسی روپیہ خرچ کئے جاتے ہیں۔

بانوے سلطنت بادشاہ بیگم رقیہ بانو کی فاتحہ ماہ جمادی الثانی میں کی جاتی ہیں۔

گنبد اور مسجد اعلیٰ وغیرہ کا کل ماہانہ خرچ نو سو اکتیس روپیہ دس آنے (۹۳۱-۱۰-۰) ہے۔ اس حساب سے گویا ۱۲ ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شروع میں اسی ہزار روپیہ کی رقم اخراجات کیلئے منظور ہوئی تھی۔

گنبد، مسجد اعلیٰ اور اقصیٰ وغیرہ محکمۂ تحفظ آثار قدیمہ (مزرئی ڈپارٹمنٹ) کے ماتحت ہیں۔ جس کی جانب سے ڈپٹی کمشنر میسور اور سب ڈویژن افسر نگرانی کرتے ہیں۔ مشورہ کے لئے مقامی اور میسور کے مسلمانوں کی ایک کمیٹی بھی مقرر ہے۔ ہر سال مسجدوں اور گنبد کے خانقاہوں پر سفیدی چڑھائی جاتی ہے۔ ہری رنگ اور شیر کی دھاریاں صرف گنبد کے اندر باقی رہ گئی ہیں۔ مسجد اعلیٰ، مسجد اقصیٰ کے اندر بھی ہری رنگ چڑھا ہوا تھا۔ اور اب بھی سفیدی کے اندر سے یہ رنگ اور شیر کی دھاریاں کہیں کہیں صاف نظر آتی ہیں۔ محکمۂ تحفظ آثار قدیمہ سے یہ درخواست بیجا نہ ہوگی۔ کہ ان مسجدوں کو ان کے اصلی رنگ میں رنگ دیا جائے اس لئے کہ تحفظ آثار قدیمہ سے صحیح مراد یہی ہوتی ہے کہ ان آثار کو ان کی اگلی شان و شوکت پر قائم رکھا جائے۔

نقشہ سلطنتِ خداداد



مزارِ سلطان شہیدؒ

پر

عقیدت کے چند پھول

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

برڈنز اوڈ کاف کا نوحۂ غم

سلطان کی شہادت کے چوبیس سال بعد جب امریکن مورخ برڈنز اوڈ کلف سرنگا پٹم آیا ہوا تھا تو اس نے اس جگہ جہاں سلطان نے شہادت پائی تھی۔ بیٹھ کر انگریزی زبان میں یہ نوحہ لکھا اسکا منشور ترجمہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔

۱۔" خون کی اس عمیق رات میں اے اسلام کی شمع روشن! تیرا شعلہ بجھا دیا گیا۔ اور اقتدار شاہانہ کا عصا تیری قوم کے ہاتھ سے چھن گیا۔ تیری مسند جلال کے گرد بے شمار سپہ اور جگر دار غازیوں کا جھرمٹ تھا۔ آج جب آفتاب کی شفق ریز شعاعیں اس پار پہاڑ کی بلند چوٹیوں پر سے جھانکنے لگیں تو ان غازیوں میں سے صرف وہی رہ گئے جو آج تیرا ماتم کر رہے ہیں۔

اللہ اللہ اس حال میں کہ ہنگامۂ کارزار کے خونیں بادل ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں۔ موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ وانفعال کی سرمایہ دار ہو۔

۲۔ اے آسمان جہاد کے ستارے! تو غروب ہو گیا، لیکن ان ذلیل انسانوں کی طرح نہیں جنہیں ناموری نے طوفان پیکار کی برہم و آشفتہ لہروں میں غرق فراموشی کر دیا اور مغرور و سربلند دشمنوں کے سامنے معافی اور جاں بخشی کے لئے خاک مذلت پر سر بسجود ہو گئے۔

۳۔ نہیں! تو خاک و خون کے بستر پر اس سوزاں فروزاں آفتاب کی طرح سو گیا جس کی تیز ترین، خیرہ کن، غضبناک شعاعیں اس وقت نمودار ہوں جب

اس کا دورہ ختم ہونے والا ہو۔

جس مقام پر سطوت کے جاں سوز شعلوں کی لپک اور خون آشام تلوار کے زہرہ گداز جھنکار سے فضا میں لبریز ہو رہے تھے اور مرنے والے جلد جلد آخری دم توڑ رہے تھے تو شہنشاہی کی زندگی کو ٹھکرا کر شیر کی طرح میدان میں کودا۔ اور سپاہی کی طرح مر گیا۔

اللہ اللہ!! اس حال میں کہ ہنگامہ کارزار کے خونیں یادل ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں۔ موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ و انفعال کا سرمایہ دار ہو۔

۴۔ تیرا بہادر اور قوی باپ جنت میں اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

اس نے دیکھا کہ تجھ میں اسی کی روح جہاد تڑپ رہی ہے۔ یہ دیکھ کر اس کے جنتی لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اس نے دیکھا کہ تو دشمن پر آخری وار کر رہا ہے اور تیری خونریز تلوار دشمن کے لہو سے سرخ ہو رہی ہے۔

اور اس نے دیکھا کہ تو بہادروں کی نیند سو رہا ہے اور تیرے گلرنگ زخم سب کے سب تیرے سینے پر ہیں۔

اللہ اللہ!! اس حال میں کہ ہنگامہ کارزار کے خونیں بادل ہمارے سروں پر جھکے ہوئے ہوں۔ موت بہتر ہے ایسی رسوا کن زندگی سے جو سالہا سال کے اندوہ و انفعال کی سرمایہ دار ہو۔

۵ - اہل جنت نے نخل طوبیٰ کے نیچے اپنی زمردیں خلوتوں میں شہید کیلئے سدا بہار پھولوں کا ایک شاندار ہار گوندھا۔ اور فردوس کی جادو چشم حوروں نے گوہریں رومال ہلا ہلا کر آسمان خلد بریں کی شفاف فضاؤں میں مجاہدین کے سلطان اعظم کا خیر مقدم کیا۔

اللہ اللہ!! شہادت کی وہ موت جس کے جلو میں ایسی جاوداں مسرت ہو۔ اس رسوا کن زندگی سے ہزار درجے بہتر ہے جسمیں غائب دشمن کا جھنڈا سر پہ لہرا رہا ہو"

(ب)

(یہ مرثیہ کنڑی زبان میں لکھا گیا تھا)

۱ - آہ! ہمارے سلطان کی شوکت شاہانہ کس قدر جلد غائب ہوگئی!

آہ! سرنگاپٹم کی تقدیر، دولت اور طاقت کی بلندی سے زوال کی پستی میں کتنی تیزی سے گر گئی۔ اس کے طاقتمند جھنڈے کبوتر اوج آسمان سے ٹکراتے تھے اس کے قاہرت گر کس قدر غرور اور سربلندی سے بڑھتے جاتے تھے۔

آہ! مالک کائنات نے تبسم کرمانہ کی نظریں ان کی طرف سے ہٹالیں۔ اور وہ سب گذر گئے۔

۲ - ہمارے سلطان کی آباد مملکتیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پہاڑیوں پر قلعے جنگی غرور افتخار سے سربلند کھڑے چاروں طرف ہیبت پھیلا رہے تھے۔ اس کی فوجیں بے شمار تھیں۔

اس کے فرانسیسی سپاہی جنگ و پیکار کے لئے بے قرار تھے۔ سلطان غازی کا گھوڑا جو سربلندی سے ہر طرف جھپٹا پھرتا تھا۔ ایک لمحے میں وہ سب گذر گئے

۳۔ ہمارے سلطان کے کوہستانی قلعے زندہ پتھروں کے بنے ہوئے اور عظیم چٹانوں میں سے تراشے ہوئے تھے۔
انہیں قلعوں سے ہوائی بان بلند ہو ہو کر چاروں طرف اپنی ضیا پھیلاتے تھے اور اژدر دم توپوں کے دہانے رعد کی طرح گرجتے تھے۔
انہیں قلعوں سے سلطان کے نقرئی نیزے بلندی پر چمکتے نظر آتے تھے اور سربلند جھنڈوں کے بانکے پرچم ہوا میں لہراتے تھے۔ آہ! ایک چشم زدن میں وہ سب گذر گئے"۔ (از تاریخ جیمس مل)

سلطان شہیدؒ

آتشے در دل دگر بر کردہ ام — داستانے از دکن آوردہ ام
در کنارم خنجر آئینہ فام — می کشم او را بتدریج از نیام
نکتۂ گویم ز سلطان شہیدؒ — زانکہ ترسم تلخ گردد روزِ عید
پیشتر رفتم کہ بوسم خاک او — تاشنیدم از مزار پاک او

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگی است۔ (علامہ اقبالؒ)

علامہ اقبالؒ اپنی تصنیف "جاوید نامہ" میں پیغام سلطان شہید بہ رود کاویری کے تحت میں "حقیقت حیات و مرگ و شہادت" میں لکھتے ہیں۔

زندگی محکم ز تسلیم و رضا است — موت نیرنج و طلسم و سیمیا ست
بندۂ حق ضیغم و آہوست مرگ — یک مقام از صد مقام اوست مرگ

می فتد بر مرگ آں مرد تمام — مثل شاہینے کہ افتد بر حمام
ہر زماں میرد غلام از بیم مرگ — زندگی او را حرام از بیم مرگ
بندۂ آزاد را شانے دگر — مرگ او را می دہد جانے دگر
او خود اندیش است مرگ اندیش نیست — مرگ آزاداں ز آنے بیش نیست
بگذر از مرگے کہ سازد با لحد — ز آنکہ ایں مرگ است مرگ دام و دد
مرد مومن خواہد از یزداں پاک — آں دگر مرگے کہ برگیرد ز خاک!
آں دگر مرگ! انتہائے راہ شوق — آخریں تکبیر در جنگاہ شوق!
گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر! — مرگ پور مرتضیٰ چیزے دگر!
جنگ شاہان جہاں غارتگری است — جنگ مومن سنت پیغمبری است
جنگ مومن چیست؟ ہجرت سوئے دوست — ترک عالم اختیار کوئے دوست!
آنکہ حرف شوق با اقوام گفت — جنگ را رہبانیٔ اسلام گفت

کس نداند جز شہید ایں نکتہ را
کو بخون خود خرید ایں نکتہ را

نوٹ:- ف ۱ - آنکہ حرف شوق الخ یعنی حضور سرور کائنات۔ در مصرعۂ ثانی اشارہ است بحدیث الجہاد رہبانیۃ الاسلام (از جاوید نامہ)

سلطان ٹیپو کی وصیت

سلطان ٹیپو کی وصیت کے عنوان سے علامہ اقبالؒ نے "ضرب کلیم" میں لکھا ہے:-

تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول — لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز! ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول
کھویا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں! محفل گداز گرمیٔ محفل نہ کر قبول
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول
باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

شیرِ ہندوستان ٹیپو سلطان

عجائباتِ زمانہ کے لیے تماشائی رہا ہے سیرِ جہاں کا جو تو تمنائی
محیطِ ارض پہ کی تو نے گام فرسائی قطب سے کی ہے قطب تک کی دشت پیمائی
نظر میں ہے ترے خورشید کا طلوع و غروب
زمیں کو دیکھ کے آیا ہے تو شمال و جنوب
افق میں جبکہ عناصر میں ہو صف آرائی جہاز لائے تباہی میں فوجِ دریائی
فضا میں جبکہ چلی ہو سموم صحرائی غبارِ دشت سے آنکھوں میں تیرگی چھائی
ہر ایک حال میں چلنے سے کام ہے تجھ کو
نہ لطفِ صبح نہ کچھ خوفِ شام ہے تجھ کو
دیارِ ہند میں جب سیر کے لئے آنا تو اپنے پہلو میں تو اک دلِ حزیں لانا
عجائبات میں یاں کے نہ دل کو الجھانا دکن میں جا کے سرنگا پٹم چلے جانا
کہ جس کی خاک میں ہوتا ہے شیرِ ہندوستاں
زمانہ بھول گیا ہائے جس کے سب احساں

اب ہے شرط تجھے اس مقامِ عبرت پر — بہانا اشک تو اس تاجور کی تربت پر
فلک سے لڑنا تو اس نامور کی حسرت پر — ہزار آفریں اس شیر دل کی غیرت پر

کہ جس کے نام سے ڈرتے تھے بچگانِ فرنگ
جھکا ہو سامنے جس کے بہت نشانِ فرنگ

زمین ہند سے اٹھا نہ کوئی فرزانہ — رہا یہ ملک ہمیشہ مطیع بیگانہ
یہ قدر ظرف جو ملتا کسی کو پیمانہ — دکھاتا کر کے وہ کچھ ہائے ہوئے مستانہ

جہاں نے ختم کئے دور ہائے سال دراز
ہوا نہ پیدا پتھورا کا کوئی ہم آواز

وہ بادہ جس سے کہ سلطان لودی تھا مسرور — وہ آگ جس سے مرا جل کے شیر شاہ سور
وہ نوش جس سے کہ مدہوش ہو گیا تھا پور — اسی شراب نے ٹیپو کو بھی کیا مخمور

زمانہ گرچہ مخالف بھی پایا ٹیپو نے
کریگا کون جو کچھ کر دکھایا ٹیپو نے

سپہر ہند کا وہ اک چمکتا اختر تھا — دکن کی خاک کا اک آبدار گوہر تھا
نصیبِ ہند تھا اقبال تھا مقدر تھا — نہ ہو کیوں ایسا کہ آخر تو ابن حیدر تھا

خیال کچھ نہ کیا اس نے اپنی زحمت کا
قدم قدم پہ رکھا دھیان اس وصیت کا

فلک بکام تو باشد کہ اہتمام کند — سپہر بادۂ عیش ترا بجام کند
زمانہ خنجر کیں تو در نیام کند — اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

تو آنکہ زور بیازوست تیغ زن باقی است

بگیر تیغ کہ آن حسرت کہن باقی ست

نہ ڈھونڈو لطف سحرگاہ شام ماتم میں — کبھی نہ دیکھو گے ذی الحجہ تم محرم میں
دکھائے خاک بہار اپنی باغ عالم میں — وہ پھول جو کہ کھلا ہو خزاں کے موسم میں

کئے خدا نے مقرر ہر ایک کام کے وقت
سحر کا کام ملا اس کو شام کے وقت

دکھائے اس نے شجاعت کے خوب ہی جوہر — ادھر وہ یکہ و تنہا خدائی ساری ادھر
وہ کیا کرے کہ نہ ہو جس کا آسماں یاور — شکست و فتح تو ہے منحصر مقدر پر

نہ ہارا حوصلہ اس تیغ زن نے خوب کیا
مقابلہ تو مرے پہلواں نے خوب کیا

نظام دیکھ کے انداز جنگ ہے مسرور — پھرا ہے پیشوا لے کر غنیمت موفور
نہ کھینچیں کس لئے انگریز اپنے آپ کو دور — کہ جس سے رکھتے تھے ڈر ہیں وہ سینکڑوں نا سور

پڑا ہے خاک پہ اس ناتواں کا لاشہ ہائے
فلک یہ تو نے دکھایا ہے کیا تماشہ ہائے

وہ باڑھ جس کا کہ خان شہید تھا شیدا — وہ نوش [illegible] کو کہ تغلق نے تھا پسند کیا
وہ زہر جس کا کہ ہیوں نے پی لیا پیالہ — ازل کے دن سے [illegible] وہ حصہ نصیب ٹیپو تھا

مراد موت جسے کہئے عاشقانہ موت
سپاہی کہتے ہیں اس کو سپاہیانہ موت

بجا ہے اس کو جو بیداد گر کہیں انگریز — روا ہے اس کو اگر بے خبر کہیں انگریز
درست ہے جو اسے بے ہنر کہیں انگریز — رقیب کو تم آرا اگر کہیں انگریز

کہ اس کے آگے چھلکتا رہا ایاغ فرنگ
جلا نہ سامنے اس کے کبھی چراغ فرنگ

ہزاروں اٹھ گئے دنیا سے بے پھلے پھولے   وہ ہونہار جو دنیا میں آئے اور نہ رہے
وہ تازہ غنچے جو مرجھا گئے بغیر کھلے   اسی طرح سے گیا ٹیپو وقت سے پہلے
کہ اس کو موت ہی آئی شباب سے پہلے
پلایا زہر ہی اس کو شراب سے پہلے

رہا زمانہ میں کچھ روز میہماں کی طرح   بہار اس کو جو آئی بھی تو خزاں کی طرح
چھپا نگاہوں سے وہ گنج شائگاں کی طرح   دلوں سے محو ہوا یاد رفتگاں کی طرح
کسی بشر نے نہ کی اس پہ اشک افشانی
فرشتے گور پہ کرتے ہیں فاتحہ خوانی

بہار گائیں گی جب بلبلیں گلستاں میں   خزاں کا دور ہو جب موسم زمستاں میں
حریف دو ہوں مقابل جب ایک میداں میں   اڑائیں ساغر مے جبکہ بزم یاراں میں
جہاں میں رسم ہے جب تک کہ شادی و ماتم
ہمیشہ روئیگا اس کے لئے سرنگاپٹم

پروفیسر محمود شیرانی

سرنگاپٹم

اے سرنگاپٹم! اے گنج شہیدان کرام   آخری وقت میں اسلام کی غیرت کی نمود
تیری آنکھوں میں ہی اپنوں کا عروج اور زوال   تو نے دیکھا ہے پرایوں کا ہبوط اور صعود
کام میں لا نہ سکی تھی جسے خاک دکن   تیرے ذروں نے بچھا دی وہ حجازی بارود

کشورِ ہند کا رنگ اور ہی ہوتا کچھ آج | گر کا دام سمجھا تا نہ اگر چرخِ کبود
ہوتا ہے زرے پہلو میں وہ میسور کا شیر | مایۂ ناز تھا ملت کے لیئے جس کا وجود
قوتِ بازوئے اسلام تھی اس کی صولت | اس کی دولت کے دعاگو نہیں شامل تھے ہنود
کہیں سوتے میں نہ کروٹ یہ مجاہد بدلے | اب بھی اس خوف سے ہیں لرزہ براندام حسود
اس کے اٹھتے ہی مسلمانوں کا گھر بیٹھ گیا | تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود
آخری قول یہ اس کا نہ ہمیں بھولے گا | جس سے قائم ہوئیں آئینِ حمیت کی حدود
شیر اچھا ہے جسے مہلت یکروزہ ملی | یادہ گیدڑ جسے بخشا گیا صد سالہ خلود
دلِ حسرت زدہ میرا بھی گیا تھا جب آج | اس کی مرقد پہ گئے یاس و تمنا کے وفود
پھر گئی آنکھ میں فردوس بریں کی تصویر | ظلِ ممدود میں تھا جلوہ سدرِ مخضود
اس کی دلبر سے لپٹی ہوئی تھی رحمتِ حق | چومتے تھے جسے جھک جھک کے ملایک کے جنود
نے گنبد سے صدا آئی کہ تری پیشانی | راتدن در گہِ داور پہ ہے وقفِ سجود
بر سرِ تربتِ من چون گذری ہمت خواہ | کہ زیارت گہِ رندانِ جہاں خواہد بود
بس نے کی عرض کہ اے فطرتِ آزاد کی روح | توڑنی جس نے سکھائی ہیں غلامی کی قیود

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

(مولانا ظفر علیخان ایڈیٹر زمیندار)

سلطان شہیدؒ

پوچھ لے میسور اپنے ماضیٔ ضوناک سے | برہنہ شمشیر اک چمکی تھی تیری خاک سے
جس کی تابش نے بھری محفل کو خیرہ کر دیا | ظلم سے چمکا ہوا ماحول تیرہ کر دیا

پرورش محلوں میں پائی تھی نہیبِ جنگ نے
پالا پھولوں میں لاتھی حریت کے رنگ نے

اے سرنگاپٹم! اے مہدِ کمالِ حیدری!
ہے امانت تجھ میں تصویرِ جلالِ حیدری
وہ شہیدِ ذوقِ آزادی، وہ غازی، وہ جواں
جو بدلنا چاہتا تھا نقشۂ ہندوستاں
جس کی نظروں میں وطن کا حال استقبال تھا
جو دکن کی گود میں اک آتشِ سیال تھا
ہند میں جو چاہتا تھا ہندیوں کی برتری
خود شناسی اور خودداری تھی جس کی خودسری
آہ! خود اس کے وطن نے اس سے کیں غداریاں
یاد ہیں وہ ذہن قومیت کی سازش کاریاں
ڈیڑھ سو سال اسکی رحلت پر ابھی گذرے نہیں
دردِ کہنہ سے وطن کی وسعتیں پھر چیخ اٹھیں
ہے یہ اس سلطانِ آزادی سے کا دشمن کا مآل
جبر و استبداد سے ہندوستاں ہے پائمال
یہ مصیبت اس سی غداری کی تو ... رہے
یہ غلامی روحِ آزادی کی اک پھٹکار ہے
ہے ازل ہی سے تری تقدیر میں دار و رسن
ڈوب دیا آفت کے طوفانوں میں بے عزتِ وطن

اے شہیدؒ، اے مردِ میدانِ وفا تجھ پر سلام
تجھ پہ لاکھوں رحمتیں، لاانتہا تجھ پر سلام
ہند کی قسمت ہی میں رسوائی کا ساماں تھا
ورنہ تیرا عہدِ آزادی کا اک عنوان تھا
مصر سے تا روم پہونچی تیری آوازِ بلند
گونج اسکی آج بھی باقی ہے یا اندازِ جنید
اڑ رہے ہیں آج جو ماحول میں سیلاب کے
... تیری خاک آتش تاب کے
اپنے ہاتھوں خود تجھے اہلِ وطن نے کھو دیا
... شام چمن نے کھو دیا

آج تک پیکر ... تجھ ... ہیں
کیسے مشعل بھی کوئی ... سے بجھ سکتا نہیں

تھا مقدر تیری فطرت میں شہادت کا شرف
کر دیا منصب نے تیرے ناگہاں خنجر بکف

بت پرستوں پر کیا ثابت یہ تو نے جنگ میں
مسلم ہندی قیامت ہے حجازی رنگ میں

اس کی فطرت جب مچلتی ہے تو پھر رکتی نہیں
تیغ کا جھکنا تو مشکل ہے نظر جھکتی نہیں

تو بدستور اب بھی زندہ ہے حجابِ گور میں
جذب ہو کر رہ گیا ہے ہستیٔ پر شور میں

عین بیداری ہے یہ خوابِ گراں تیرے لئے
ہے شہادت اک حیاتِ جاوداں تیرے لئے

بے نیازی اپنے اہلِ ملک کی کر دے معاف
خوابگاہِ پاک سے اک دن الٹ بھی دے غلاف

آ پھر اربابِ وطن کی مشکلیں آسان کر
پھر شریکِ جنگِ آزادی ہو سینہ تان کر

قصر الادب آگرہ — حضرت سیماب اکبرآبادی

سلطان ٹیپو نور اللہ مرقدہ

زمانے کی ستم رانی سے جب آرام پاتا ہوں
وطن کی عظمتِ رفتہ کے غم میں ڈوب جاتا ہوں

مجھے میسور کا خونیں تماشہ یاد آتا ہے
سراپا زندگی تھا جو وہ لاشہ یاد آتا ہے

چمکتی تیغ پر گرد و غبارِ رنگ کا دامن
کہ ہے شمعِ اجل فانوسِ خونِ خاک کا دامن

وہ صہبائے شہادت کے نشے میں جھومنے والے
وہ خنجر کو گرہ میں لو سمجھ کر چومنے والے

اکھڑتی سانس سے کہتی ہیں نبضیں بے جگر کر دو
لہو سے اپنی تاریخِ عمل کو سرخرو کر دو

وہ لالہ رنگ تلوار دیکھو آزادی کی تنویریں
وہ خون و خاک سے مستقبلِ ملت کی تعمیریں

اسی مقتل سے استقلال کے چشمے ابلتے ہیں
اسی مٹی کے سانچے میں بتانِ قوم ڈھلتے ہیں

زبانِ حال سے کہتی ہیں یہ خوں آلود شمشیریں
ادھر آؤ دکھائیں خوابِ آزادی کی تعبیریں

وہ ٹیپو! وہ مجاہد! وہ علمبردارِ آزادی ۔۔۔ تر و تازہ ہے جسکے خون سے گلزارِ آزادی
چمکتی ہے لہو میں اسطرح دھار اسکے خنجر کی ۔۔۔ شفق میں جیسے ہوتی ہے کرن صبحِ منور کی
رخِ روشن پہ خوں کے مضطرب قطرے درخشاں ہیں ۔۔۔ کہ تاریخِ جوانمردی کے اوراق پریشاں ہیں

ٹھکانا کیا ہو اسکی ہمتِ عالی کی رفعت کا
سمجھتا ہو جو تلواروں کو زینہ قصرِ ملت کا

شہیدِ قوم اے تیغِ شجاعت شانِ ملت ۔۔۔ ترے ہی نام سے روشن ہوا افسانۂ ملت
تری موجِ نفس بھی وہ شعاعِ ماہِ آزادی ۔۔۔ نظر آتی ہے جسکی روشنی میں راہِ آزادی
ترا حسنِ عمل آئینۂ انوارِ انسانی ۔۔۔ ترا جوشِ شہادت جلوۂ حسنِ مسلمانی

جگا دیگا وطن والوں کو جو خوابِ ہلاکت سے
وہ شورِ زندگی اک دن اٹھیگا تیری تربت سے

مولانا اطہر امرتسری

ٹیپو شہید

آخری ہچکی نے دی اللہ اکبر کی صدا ۔۔۔ نزع کے لمحات میں بھی تو نے کی باطل سے جنگ
تو نے کی تجدیدِ پیمانِ شہیدِ کربلا ۔۔۔ تو نے بتلایا حفاظت جان کی ہے عذرِ لنگ
جان دی اور کس قدر مسرور ہو کر جان دی ۔۔۔ موت بھی تیرے لئے گویا نگارِ شوخ و شنگ
تیغ کی جھنکار پر کرتی تھی تیری روح وجد ۔۔۔ تیرے گوشِ قلب تھے ناآشنائے عود و چنگ

وہ تو یہ کہئے کہ اپنے ہی پرائے ہو گئے
مٹ گیا تھا ورنہ سطحِ ہند سے نقشِ فرنگ

مولانا ماہر القادری

اقتباس از نظم مجاہدینِ اسلام۔ مطبوعہ اخبار مدینہ بجنور۔ مورخہ ۹ ستمبر سنہ ۳۷ء

سلطان شہید حضرت ٹیپو رح کے

مزارِ پُر انوار پر

نگاہوں کیلئے ہے یہ جگہ عبرت فروش اب تک
چلا آتا ہے یہ مظلوم مرقد سرخ پوش اب تک

شکوہِ کیقبادی، سطوتِ جم دفن ہے اسمیں
دکن کی خاک کا فرزندِ اعظم دفن ہے اسمیں

غلافِ قبر میں اسلام کی شمشیر پنہاں ہے
شہادت کی مجسم خوں چکاں تصویر پنہاں ہے

کیا ہے غسلِ خوں سونے نے جوڑے شام میں گویا
مجاہد ہے غزا کر کے درست آرام میں گیا

یہ روضہ مقبروں میں امتیازی شان رکھتا ہے
ہماری عبرتوں کے واسطے سامان رکھتا ہے

نظر کے سامنے آئینۂ تقدیر ہے گویا
سپاہی کے سنہری خواب کی تعبیر ہے گویا

یہ مٹی قیمتی ہے بادشاہوں کے خزینوں سے
ابھی تک مالدار اسلام ہے ایسے دفینوں سے

کہاں ہیں مرگِ آزادی کے دیوانے یہاں آئیں
چراغِ کشتۂ ملت کے پروانے یہاں آئیں

کہ ہوتی ہے یہاں کی خاک سے دل کی غذا حاصل
فنا کے منظرِ خاموش سے درسِ بقا حاصل

غمِ ملت دوچنداں ہے مسلمانوں کی آہوں میں
اتر کر آسماں سے نور آتا ہے نگاہوں میں

جھلکتی ہے مئے توحید دل کے آبگینوں میں
مچلتے ہیں نمائش کیلئے سجدے جبینوں میں

خدا کی شان یہ بھی حسبِ سامان ہونا تھا
دکن کے شیر کو اس خاک کا مہمان ہونا تھا

مجاہد کو خدا کی راہ میں قربان ہونا تھا
سرینگاپٹم کو منبعِ عرفان ہونا تھا

اسے ایمان والوں کی زیارتگاہ بننا تھا
یہاں کے ذرّے ذرّے کو دلِ آگاہ دینا تھا

ابھی تک آ رہی ہے یہ صدا تربت کے سینے سے ۔۔۔ اگر ذلت کا جینا ہو تو موت اچھی ہے جینے سے

مٹا دو ڈوب کر دنیا میں آخر پار جاتے ہیں

وہ بازی جیت لیتے ہیں جو بازی ہار جاتے ہیں ۔۔۔ حضرت فاخر ہریانوی

سلطانِ شہیدؒ

(مجاہدِ وطن ٹیپو سلطان شہید کی یاد میں)

اے شجاعِ ازل! اے ہند کے فرزند جلیل

زندگی خود ہے ترے ذوقِ شہادت کی قتیل

نامرادی تری آئینِ وفا کی تکمیل

بزم آرا علمِ عیشِ صداقت تجھ سے ۔۔۔ زندہ ہے آج بھی مشرق کی شجاعت تجھ سے

لے گئی عرشِ وفا پر تجھے تقدیر تری

گونجتی ہے ابھی آفاق میں تکبیر تری

عدل کے ہاتھ میں ہے آج بھی شمشیر تری

لبِ اقوام پہ جاری ترا افسانہ ہے ۔۔۔ سوزِ آزادیٔ مشرق ترا پروانہ ہے

ہائے وہ منزلِ الفت سے گذرنا تیرا

مجلہ آرائے شہادت! وہ سنورنا تیرا

غیرتِ عشق کے آغوش میں مرنا تیرا

بزمِ امکاں پہ گراں جب تری تنہائی ہوئی ۔۔۔ موت آئی ترے آغوش میں شرمائی ہوئی

تو ہے وہ بحرِ جو شرمندۂ ساحل نہ ہوا

وہ مجاہد ہے جو آسودۂ منزل نہ ہوا
مصلحت سے کبھی مانوس ترا دل نہ ہوا
عشق سے مرگ کے شعلوں کو بجھایا تو نے جاوداں ہستیٔ فانی کو بنایا تو نے
تری جرأت تھی غمِ سود و زیاں سے آزاد
تو رہا گردشِ دورانِ جہاں سے آزاد
ہے تری یاد زماں اور مکاں سے آزاد
باطل افگن ہے ترا نعرۂ آزادی بھی ہے ترے نام سے لرزاں ستم ایجاد ابھی
ہند کو محرمِ اسرارِ وفا تو نے کیا
حقِ وفاداریٔ مشرق کا ادا تو نے کیا
پرچم افشاں علمِ جیشِ ہدا تو نے کیا
حلقۂ جادوئے افرنگ کو توڑا تو نے ہند میں پنجۂ شیطاں کو مروڑا تو نے
حریت، سرخیٔ نظمِ مہ و خورشید ہے پھر
انقلابات کی کچھ اور ہی تمہید ہے پھر
ہاں ترا عہدِ وفا عازمِ تجدید ہے پھر
پھر ہے بیدار جلال و حشمِ آزادی وقت کے ہاتھ میں ہے پھر علمِ آزادی
ہند میں آج جو یہ جلوۂ بیداری ہے
سطوتِ غیر جو مجبورِ نگوں ساری ہے
یہ ترے شعلۂ ایثار کی گلکاری ہے
سرِ تکمیل ترا جذب تمام آپہنچا صبحِ آزادیٔ مشرق کا پیام آپہنچا

[illegible]

ٹیپو سلطان سے ہندوستان کا خطاب

اے پیکرِ آزادی اے روحِ شجاعت آ ۔ اے قلبِ محبت آ اے جانِ محبت آ

ایثار و صداقت پر کی جان فدا تو نے ۔ دکھلا دے اسیروں کو اجڑی ہوئی شوکت آ

قائم تھا ترے دم سے اندازِ جہانبانی

باقی تھی ترے بل پر حریتِ انسانی

آ دیکھ! تری کھیتی برباد ہوئی کیونکر ۔ اس باغ پہ گلچیں کی بیداد ہوئی کیونکر

تھے دل کے جو ہنگامے وہ گل کی طرح چپ ہیں ۔ بے سود تری بلبل فریاد ہوئی کیونکر

نالوں میں عنادل کے وہ جان نہیں باقی

اور گل کے تبسم میں وہ آن نہیں باقی

ہم دوست عدو کے ہیں اور دوست کے دشمن ہیں ۔ غیروں کے تو ہیں ہی اپنوں ہی کے رہزن ہیں

منجدھار میں آفت کے ہیں اہلِ وطن سارے ۔ ہے غم کی گھٹا سر پر برباد نشیمن ہیں

اے روحِ عمل ٹیپوؒ۔ آ ہم کو سہارا دے

آفت کے اٹھانے کا ہر قلب کو یارا دے

آ۔ اور ہر اک گل میں بو ہو کے سما جا تو ۔ غنچوں کو کھلا جا تو سوتوں کو جگا جا تو

پروانہ بنا جا تو اس دیس کی الفت کا ۔ اس بزم کی الفت میں اک شمع جلا جا تو

حیدرؒ کے پسر آجا اور خون بہا کر جا

اے شیرِ نیستانی باطل کو مٹا کر جا

ٹیپوؒ تری ہستی پر نازاں ہے وطن اب تک ۔ اور تری شہادت پر نالاں ہے وطن اب تک

محفل تری سونی ہے اور جانِ عمل گم ہے　　اک روح نہ ہو جیسے بیجاں ہے وطن اب تک

آنکھوں میں جھک جا تو آنسو سے ٹپک جا تو
الفت کی انی بنکر ہر دل میں کھٹک جا تو

وہ بھی کوئی جلوہ تھا جو طور پہ رہ جاتا　　کیا شیخ کا تقویٰ تھا جو حور پہ رہ جاتا
ٹیپو کا دلِ مسلم کونین کا حامی تھا　　کس طرح یہ ممکن تھا میسور پہ رہ جاتا

دنیا بھی ملی اس کو عقبیٰ کی حکومت بھی
اک وار میں حاصل کی شہرت بھی شہادت بھی

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد　　اکبر وفاقانی بی۔اے

سرنگاپٹم

اے ہند کے سوادِ جنوبی کے رہ نورد　　میسور کا فسانۂ خونیں نہ ہم سے پوچھ
گر پوچھنا ہی ہے تجھے دل سوز ماجرا　　ویلور کے کھنڈر کی نوائے الم سے پوچھ
کیا شے ہے جو ادھر تجھے لائی کشاں کشاں　　زائر یہ اپنے مرحلہ پیما قدم سے پوچھ
کس کی جدائی میں ہے ابھی تک وہ اشکبار　　کاویری رواں کی حزیں زیر و بم سے پوچھ
غدار کس طرف تھا لٹیرے تھے کس کے ساتھ　　یہ دلنزلی کے تجزیہ کیف و کم سے پوچھ
اتنی مصیبتیں پڑیں کیوں ایک جان پر　　یہ چرخِ فتنہ زا کی نگاہِ کرم سے پوچھ
ہے یاد اس کی کس قدر اندوہ در کنار　　اندازِ بے نیازیٔ اہلِ حرم سے پوچھ
کس طرح کانپتے تھے لرزتے تھے مرہٹے　　یہ شیر دل شہید کی تیغِ دو دم سے پوچھ
کر اسکی شانِ اوج کا جبریلؑ سے سوال　　اسکا بلند مرتبہ لوح و قلم سے پوچھ
ثابت قدم رہا جو مخالف ہوائیں بھی　　یامردیٔ معتادِ مت اسکے علم سے پوچھ

خود بن گیا کمان کا جو آخری خدنگ — عزم ستیز و معرکہ اسکی قسم سے پوچھ

برق ان میں بے قرار ہے لسوا التہاب کی

(لدھیانہ) یہ ذرہ ہائے خاک سرنگاپٹم سے پوچھ (لطیفی)

سلطان ٹیپو کی تیغ زنی اور شہادت

تلوار میں جوہر تھے قیامت کے بلا تھی — اغیار کی جس صف میں یہ چمکی وہ صفا تھی

وہ برق تھی یا برق کے ہنسنے کی ادا تھی — آسیب کا سایہ تھی، چھلاوہ تھی، قضا تھی

راکب کے وہ دو کر کے ٹھہرتی نہ تھی زیں پر

مرکب کی کمر کاٹ کے جاتی تھی زمیں پر

بچکر نہ گیا سامنے جو بد گہر آیا — سر جس کا اٹھا خاک پہ غلطاں نظر آیا

کشتہ ہوا جو سر سے کفن باندھ کر آیا — کھلنا تھا زباں کا کہ لہو منہ میں بھر آیا

تلوار تھی اعدا کا لہو چاٹ کے مدہوش

ہر سمت تھا ہنگامۂ تفریق سر و دوش

ہلچل پڑی اعدا میں جو وہ صف شکن آیا — جاں نذر کریں اس کے سوا کچھ نہ بن آیا

اک شور اٹھا رن میں کہ وہ تیغ زن آیا — وہ وقت کہ ہوتے ہیں جدا جان و تن آیا

ہر بار اجل تیغ سے کہتی تھی ٹھہر جا

مسدود ہے اس بھیڑ میں رستہ ہی عدم کا

تھی شمع جو سلطان کے اقبال کی روشن — اس نام کی ہیبت سے لرز اٹھتے تھے دشمن

فتنہ کو زمیں پر کہیں ملتا نہ تھا مسکن — ہوتی تھی جدا دوش سے اکڑی ہوئی گردن

نامُوسِ وطن شمع تو پروانہ تھا ٹیپو
غیرت کی صدف میں دُرِ یک دانہ تھا ٹیپو

یہ حکم دیا فوج کو سر جائے تو جائے
سایہ بھی مگر غیر کا قلعہ میں نہ آئے
سر اُس کا نہ ہو۔ آگے جو پاؤں بڑھائے
اس خط سے خبردار کوئی بڑھنے نہ پائے

پروا نہیں ہر گام پہ بارانِ بلا ہو
جاں ملک کی عزت کے تحفظ پہ فدا ہو

مقتول ہوئے جنگ میں مردانِ دلاور
باقی نہ رہے لشکرِ اسلام میں افسر
سچ ہے کہ قضا سے نہیں جیتا کوئی لڑ کر
سلطانؒ نے پیا نزع میں آبِ دمِ خنجر

طالع کی خرابی ہو کہ تدبیر کی خامی
اس ملک کی تقدیر میں لکھی تھی غلامی

مولانا انعام اللہ خاں ناصر ایڈیٹر احسان لاہور

سرنگاپٹم

اے سرِ سرنگاپٹم اے شہرِ سلطانِ شہیدؒ
سطوتِ فاروقؓ پردے میں ترے مستور ہے
سجدہ گاہِ قدسیاں ہے گنبدِ اعلیٰ ترا
اس کا ہر ذرہ مری آنکھوں میں کوہِ طور ہے
سرنگوں جس وقت دنیا میں ہوا تیرا علم
پارہ پارہ ہو گئی بس رفعتِ میسور بھی
محوِ خوابِ استراحت ہے یہاں شیرِ دکن
ساتھ اسکے سو رہی ہے عظمتِ میسور بھی
چشمِ زائر ڈھونڈتی ہے کس مجاہد کو یہاں
کونسا گنجِ گرامی ان بیابانوں میں ہے
نعرۂ اللہ اکبر کی صدائے بازگشت
گونجتی پھرتی ابھی تک تیرے ویرانوں میں ہے

کس کے غم میں رودِ کاویری ہے یوں سینہ فگار
بال ہیں بکھرے ہوئے ماتم میں کوئی حور ہے

کیوں فضا میں ہے غضب کی خاموشی چھائی ہوئی
حسرتوں سے یہ ظفر آباد کیوں معمور ہے

تیرے ہر ذرہ میں ہے خونِ شہیداں کی جھلک
آبروئے امتِ مرحوم کا حامل ہے تو

شانِ خالد، شوکتِ حیدر کا مظہر تجھ میں ہے
عظمتِ اسلامیانِ ہند کا حامل ہے تو

تیرے کھنڈروں پر برستا تھا کبھی جاہ و جلال
جلوہ گر تھی تیرے ویرانوں میں شانِ حیدری

یہاں یہی ایوان تھا ایوانِ دربارِ شہیدؒ
ہاں اسی ایوان پہ اڑتا تھا نشانِ حیدری

اب بھی کانوں میں یہاں آتی ہے آوازِ شہیدؒ
قطرۂ خونِ شہیداں میں ہے جانِ زندگی

"گیدڑوں کی زندگی پر موت کو ترجیح دے
شیر بن آزاد ہو اس میں ہے شانِ زندگی" (محمود مصنفِ کتاب)

یادِ ظفر آباد سرنگاپٹم

اس ظفر آباد میں محمود جب آتا ہوں میں
اک نئے عالم میں اپنے آپ کو پاتا ہوں میں

آہ دلّی! داغ تھا اس کیلئے ماتم کناں
میری قسمت میں ظفر آباد تھا شاید نہاں

حسرتوں کی اک نئی دنیا یہاں آباد ہے
مسلم ہندی کا یہ اک خانۂ برباد ہے

کارواں جاتا رہا پر کارواں کا نقش ہے
ذرہ ذرہ پر حیاتِ کامراں کا نقش ہے

آہ جو ٹوٹے ہوئے باقی در و دیوار ہیں
سطوتِ شاہانِ ماضی کے علمبردار ہیں

ان سے پوچھے کوئی کیا تھا حیدری جاہ و جلال؟
ان سے پوچھے کوئی کیا تھا ہند کا علم و کمال

طائرِ بامِ حرم کا آشیانہ تھا یہاں
یعنی تہذیبِ حجازی کا خزانہ تھا یہاں

ہاں یہیں لوٹی گئی تھیں ہند کی آزادیاں
ہاں یہی وہ شہر ہے جس میں ہوئیں غداریاں

آمد اس سنسان ویرانے میں آبادی سے دور — قبر میں آرام فرما ہے وہ سلطانِ غیور
نوبتِ سلطان ابھی باقی ہے با عہدِ گردِ قمر — کج کلاہوں کے اسی دربار میں جھکتے ہیں سر

بجھ چکی تھی شمعِ عالمگیر ہندوستان میں — چھا چکی تھی تیرگی اسلام کے ایوان میں
پھر کیا قدرت نے پیدا وہ شہِ عالی صفات — ہند میں جس نے دیا مسلم کو پیغامِ حیات
وہ مجاہد، مردِ غازی جس کا ٹیپو نام تھا — جس کی ہیبت سے زمانہ لرزہ براندام تھا
اس کا وہ شوقِ شہادت۔ اسکا وہ عزم و جہاد — کربلا کے معرکہ کی جس نے تازہ کی ہے یاد
یک بیک گلشن میں پھر چلنے لگی بادِ خزاں — گردشِ ایام نے لوٹا ہمارا کارواں
حاملانِ عرش بھی چلا اٹھے یہ کیا ہوا — خونِ مسلم آبِ دریا سے بھی ارزاں ہوا
حاملِ قرآں ہوئے توحید سے جب بے نیاز — شورِ ناقوسِ کلیسا میں چھپی بانگِ حجاز

گو بظاہر سو رہا ہے وہ شہِ عالی مقام — مسلمِ ہندی کو اب بھی دے رہا ہے یہ پیام
اٹھ کہ عالم میں نیا ہنگامہ اک پیدا تو کر — آبروئے شیوۂ اہلِ وفا پیدا تو کر
اٹھ کہ آزادی ہمیشہ شیوۂ اسلام ہے — یعنی جو آزاد ہیں انکا ہی بس اسلام ہے
گونج اٹھیں وادیاں پھر نعرۂ تکبیر سے
عقدۂ مشکل کو حل کرنا نہیں تدبیر سے (محمود مصنف کتاب)

میر صادق!

ہند میں قبرِ صادق کس قدر ہے سوزناک — شعلۂ آتش سے بڑھ کر گرم تر ہے اسکی خاک
مجھکو حیرت تھی کہ اس پر اسقدر کیوں ہے عتاب
روحِ صادق سے ملا محمود یہ مجھکو جواب

اس کا اندیشہ ہی کیا گر قبر ہے آتش فشاں — مجھ کو غداری نے بخشی ہے حیاتِ جاوداں

کارگاہِ دہر میں ابلیس کا مظہر ہوں میں — جس نے دی تعلیم غداری وہ پیغمبر ہوں میں

نور کی دنیا میں آخر نار بھی تو چاہیے — جس جگہ گل ہوں وہیں کچھ خار بھی تو چاہیے

میر قمر الدین[1] معین الدین یا لنگڑا غلام (میر غلام علی) — میرے ہی اجزائے ترکیبی کے ہیں یہ چند نام

کابلی ملا[2] رہے یا ہو وہ مکہ کا شریف[3] — کب ہے میدانِ سیاست میں کوئی میرا حریف

مجھکو قسمت نے دیا اس سلطنت پر اقتدار — جس پہ تھا اسلامیانِ ہند کا دار و مدار

میں نے اس سلطانِ آزادی سے غداری جو کی — ہل گئی بنیاد اس سے ملتِ اسلام کی

ناز تھا اسلامیوں کو جس پہ وہ جوہر گیا — سرزمینِ ہند سے آئینِ پیغمبر گیا

میرے قبضہ میں سیاست کی ہے تیغِ بے نیام — مجھکو لینا ہے ابھی اسلامیوں سے انتقام

جس کو کہتے ہیں قیامت! آنے والی تو نہیں — اس سے بڑھ کر اور آفت! آنے والی تو نہیں

بھائی سے بھائی مسلمانوں میں بیگانہ ہوا — ناز ہے ان کو کہ یہ اک کارِ مردانہ ہوا

مال و دولت پر ہے منعم کو بہت فخر و غرور — اور فقیروں کو نہیں کچھ بھی فقیری کا شعور

بھائی کی بھائی ترقی دیکھ سکتا ہے کہاں — اسقدر رشک و حسد ہے الحفیظ و الاماں

گو بظاہر کر رہے ہیں مجھ سے نفرت خاص و عام — ہیں مگر باطن میں وہ میرے ہی آئیں کے غلام

ہاں ابھی اک خوف ہے میں ہوں اسی سے نا امید — پھر کہیں بیدار ہو جائے نہ سلطانِ شہید

کارگاہِ دہر میں بگڑے گا میرا سب نظام — زادۂ توحید کا پھر سخت ہو گا انتقام

شعلۂ نارِ جہنم سے کہاں ڈرتا ہوں میں
پھر نہ ہو بیدار وہ (سلطان شہید) اس خوف سے مرتا ہوں میں — (محمود مصنف کتاب)

---

[1] سلطنت خداداد کے غدار امراء۔ [2] ملائے خود بازار جس نے امیر امان اللہ خاں امیر کابل سے غداری کی تھی۔
[3] شریف حسین جس نے ترکوں سے غداری کی تھی۔

خاتمۃ الکتاب

اس خدائے جل جلالہ وعم نوالہ کا ہزار ہزار شکر کہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔

جو کچھ ہوا۔ ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ بھی ہوگا تیرے کرم سے ہوگا (حالیؔ)

میں ان تمام بزرگوں اور احباب کا شکر گذار ہوں جنہوں نے اس تاریخ کے مرتب کرنے میں مجھے قیمتی حوالجات کے انگریزی اور اردو مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب اور نقلوں سے امداد فرمائی۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن دیکھکر بعض احباب نے مصنف سے شکایت کی تھی کہ لڑائیوں کا حال تفصیل سے نہیں لکھا گیا ہے میں نے عمداً اس سے احتراز کیا تھا اور اس ایڈیشن میں بھی میں نے اختصار ہی سے کام لیا ہے میرا خیال ہے کہ تفصیل سے کوئی خاص فائدہ مترتب نہیں ہوتا۔ اور طبیعت اکتا جاتی ہے۔ جو واقعات ہمارے موجودہ حالات سے بہت زیادہ مناسبت رکھتے ہیں۔ وہی زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں اسلئے میں نے بجائے جنگوں کی تفصیل لکھنے کے اس زمانہ کی سیاسی پالیسی سے بہت زیادہ بحث کی ہے۔ اس زمانہ میں جو پالیسی کارفرما تھی۔ آج بھی ہندوستان کے اندر اور باہر وہی پالیسی کام کر رہی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ میر صادق و پورنیا کی روحیں ابھی تک اپنا کام کئے جا رہی ہیں۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع کرنے سے پہلے میں نے متعدد بار اس جزیرے عروس البلاد (سرنگاپٹم) کی چپہ چپہ زمین کو جا کر دیکھا۔ اور مختلف اصحاب بزرگوں سے تبادلۂ خیالات کیا قلمی دستاویزیں

پبلاکیس۔ فرامین دیکھے۔ حوالجات کے کتب فراہم کئے میں نے اپنی دانست میں سمجھا تھا کہ مجھے مزید محنت کرنی نہ پڑے گی لیکن پہلا ایڈیشن شائع ہونے کے بعد جہاں کتاب سے حد درجہ دلچسپی کا اظہار کیا گیا۔ وہاں مجھے توجہ بھی دلائی گئی کہ سلطان کی شخصیت اور زوالِ سلطنتِ خداداد کے اسباب کی اور زیادہ تشریح کی ضرورت ہے۔ میں نے ازسرِنو اس پر توجہ کی۔ یہ شاید میری خوش قسمتی تھی کہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع کرنے کے بعد میں نے تاریخ جنوبی ہند کیلئے کتابیں فراہم کرنا شروع کیا۔ ان کتابوں میں بھی مجھے بہت سا مواد مل گیا۔ جو تاریخ سلطنت خداداد سے تعلق رکھتا تھا۔ میں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور کتاب کا دوسرا ایڈیشن موجودہ صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اب یہ خدائے حی و قیوم کے ہاتھ میں ہے کہ میری سعی کو مشکور فرمائے یہ اسی کی نوازش تھی کہ مجھ جیسے ہیچمدان ذرۂ ناچیز کو اس کتاب کے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور یہ بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ اس کو مقبول بنائے۔

مجھے یہ دعویٰ نہیں کہ میں کوئی قادر الکلام ادیب ہوں ممکن ہے کہ ادبی حیثیت سے کتاب میں بہت سی غلطیاں ہوں۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اسلئے کہ اردو کے مرکز دلی سے اس قدر دور رہ کر جہاں کی روزمرہ بول چال بالکل مختلف ہے میں نے اردو میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ احسان ہوگا اگر احباب بجائے نکتہ چینی کے اصلاح پر توجہ فرمائیں۔

مذکورہ بالا سطور لکھے جا رہے تھے کہ مصنف کے آگے سلطان شہیدؒ کے متعلق ایک اور نظریہ پیش ہوا ہے اور یہ تعجب ہے دیکھا جائے گا کہ اس نظریہ کے پیش کرنیوالے مسلمان ہیں ممکن ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی، افلاس اور تنگدستی کو دیکھ کر یہ نظریہ پیش کیا گیا ہو۔ بہرطور وہ نظریہ یہ ہے :-

"سلطان اگر انگریزوں کی اطاعت قبول کرلیتا تو جنوبی ہند میں مسلمانوں کی ایک ریاست

معارض وجود میں آجاتی اور مسلمانوں کی حالت اس درجہ خراب ہوتی جیسی آج ہے "۔

غیر اقوام کی پیروی و اطاعت ایک پیام مرگ ہے۔ تاریخ بزدلوں سے نہیں بلکہ جوانمردوں سے بنتی ہے۔ تاریخ وہی جوانمرد بناتے ہیں جو کارزار حیات میں سر دھڑ کی بازی لگاتے ہیں اور انہیں کے کارناموں سے قومیں زندگی حاصل کرتی ہیں۔ ہندوستان کی غلامی و افلاس و رزبوں حالی کا راز سلطان کی شہادت میں نہیں بلکہ پورنیا اور میر صادق کی غداری میں مضمر ہے۔ ہندوستان میں ابھی انکی روحیں کارفرما ہیں اور جب تک یہ زندہ رہیں گی، ہندوستان اسفل السافلین کی زندگی ہی بسر کرتا رہیگا۔

دنیا اگر اسی نظریہ کی حامل ہوتی تو آج مذہب کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔ حق و صداقت کا پرستار کوئی نظر نہ آتا۔ غلامی اور آزادی میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ اور وہ احساس کو ہم غلامی سے نجات حاصل کریں کبھی پیدا ہی نہیں ہوتا۔ تاریخیں لکھی نہیں جاسکتی تھیں۔

غرناطہ میں ابو عبداللہ نے ایزابیلا اور فرڈی ننڈ کی اطاعت قبول کرلی۔ نتیجہ کیا نکلا؟ عیسائیوں نے سمجھ لیا کہ ایک بے غیرت قوم ہے جو اسپین کی سرزمین میں رہنے کے لائق نہیں۔ آٹھ سو سالہ حکومت کرنے کے بعد جس بیدردی سے انہیں جلاوطن کیا گیا شاید ہی اس سے بڑھکر عبرت انگیز منظر اور کوئی ہو۔ کیا ابو عبداللہ کی زندگی سے کوئی سبق حاصل کیا جاسکتا ہے؟ کیا ابو عبداللہ کے حالات خون میں وہی گرمی پیدا کرتے ہیں جو طارق کے صرف نام سے ہی پیدا ہوتی ہے؟

آج دنیا مصطفےٰ کمال کے نام پر سر کیوں جھکاتی ہے؟ آج کیوں مسلمانوں کو اطاعت گزار خلیفہ ترکی عبدالوحید کے نام سے گھن آتی ہے؟ فرانس اگر زندہ ہے تو جون آف آرک کی روح اس میں کام کر رہی ہے۔ فرانس پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ جون اسکی مخالف تھی۔ اگر وہ اطاعت کرلیتی تو شاید اسکی تن پروری کیلئے کچھ مل جاتا لیکن جون کا مقصد زندگی کچھ اور تھا۔ اور فرانس کی زندگی اسی کی رہین منت ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ فرانس کا بچہ بچہ اسکی پرستش کر رہا ہے۔

سلطان آزادی کا دلدادہ تھا۔ اور یہ ناممکن تھا کہ وہ حمیت و غیرت کو ختم کر دے۔ اسلام نے الجہاد ماضیۃ الاسلام کی تعلیم دی ہے چنانچہ اسلام کے اس پیغام پر پورا پورا عمل ہوا۔ یہ سلطان کی غیرت حمیت اور شہادت کا جذبہ ہی ہے جو آج ہندوستان کو آزادی کی جدوجہد کیلئے آمادہ کر رہا ہے۔ دنیا میں وہی قوم سربلند ہو سکتی ہے جو آزادی کی نعمت کو جانتی ہے۔ ورنہ وہ قوم جو غلامانہ ذہنیت کی حامل ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تعرد مذلت میں گرفتار رہتی ہے۔ مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش ایڈیٹر شہباز لاہور لکھتے ہیں :-

تجھے آبرو کا پاس تو ہرگز نہ کر قبول
بن کر شغال تجھ کو جو عمر خضر ملے
جانِ عزیز دیجئے بھی کر اس کی آرزو
شیری کا ایک لمحۂ شاداں اگر ملے

علت زوال

وہ قوم بن کے رہتی ہے اغیار کی غلام
کرتی نہیں جو اپنے شرف کی مدافعت
مسلم دیارِ ہند میں اس دن سے ہے ذلیل
جس دن سے اس سے چھن گئی تابِ مقاومت
ایسا گرا کہ گر کے پھر اٹھنا ہوا محال
گردوں نے اسکے منہ پہ لگائی ہے وہ چپت
ہے یہ زوالِ عزم کہ مقصودِ زندگی
پہلے تو سروری تھا اور اب ہے ملازمت
حقدار بنئے وراثت آبا کی شرط ہے
اولاد میں ہو شوکت اجداد کی صفت
ٹیپو سے غازیوں کی نہ کی جس نے پیروی
اس قوم بد خصال کی بنتی یہی ہے گت"

लाल बहादुर शास्त्री राष्ट्रीय प्रशासन अकादमी, पुस्तकालय
Lal Bahadur Shastri National Academy of Administration Library

मसूरी
MUSSOORIE

अवाप्ति सं०
Acc. No..............................

कृपया इस पुस्तक को निम्न लिखित दिनांक या उससे पहले वापस कर दें।

Please return this book on or before the date last stamped below.

दिनांक Date	उधारकर्ता की संख्या Borrower's No.	दिनांक Date	उधारकर्ता की संख्या Borrower's No.

U
954.87
Meh
19772
अवाप्ति सं०
ACC. No..................
वर्ग सं.
Class No................
पुस्तक सं.
Book No...............
लेखक
Author...Mehmood, Mehmood Khan
शीर्षक
Title...Taareekh-i-Saltanat-i-
...khudaadaad.
U
954.87
Meh
19772
LIBRARY
LAL BAHADUR SHASTRI
National Academy of Administration
MUSSOORIE

Accession No.

1. Books are issued for 15 days only but may have to be recalled earlier if urgently required.
2. An over-due charge of 25 Paise per day per volume will be charged.
3. Books may be renewed on request, at the discretion of the Librarian.
4. Periodicals, Rare and Reference books may not be issued and may be consulted only in the Library.
5. Books lost, defaced or injured in any way shall have to be replaced or its double price shall be paid by the borrower.

Help to keep this book fresh, clean & moving